فتاویٰ علماء ہند

جلد۔ ۲۱

تیار کردہ

منتخب علماء ہند

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مفتی انیس الرحمٰن قاسمی

زیرِ نگرانی

حضرت مولانا محمد اسامہ شمیم الندوی

باھتمام

منظمۃ السلام العالمیۃ

ممبائی۔ الہند

نام کتاب	:	فتاویٰ علماء ہند (جلد- ۲۱)
زیر سرپرستی	:	حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب
زیر نگرانی	:	حضرت مولانا محمد اُسامہ شمیم الندوی صاحب
سن اشاعت	:	جولائی ۲۰۱۹ء
تعداد اشاعت	:	ایک ہزار
کمپوزنگ وڈیزائننگ	:	محمد رضاء اللہ قاسمی
ناشر	:	منظمۃالسلام العالمیۃ، ممبائی، الھند

یہ کتاب ’’منظمۃ السلام العالمیۃ ‘‘ کی

طرف سے ہدیہ ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے

وقف ہے، اس کو بیچنا جائز نہیں ہے۔

منظمۃالسلام العالمیۃ

Global Peace Organisation (GPO)

Email: gpo.org@yahoo.com Mob. : +91-7303 7076 05

کتاب الحج

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللّٰہ عزوجل:

﴿وَأَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَأْتُوکَ رِجَالًا وَعَلَی کُلِّ ضَامِرٍ یَأْتِینَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیقٍ﴾

(سورۃ الحج:27)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:
بُنِیَ الإِسْلاَمُ عَلَی خَمْسٍ: شَہَادَۃِ أَنْ لاَ إِلَہَ إِلَّا اللَّہُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّہِ، وَإِقَامِ الصَّلاَۃِ، وَإِیتَاءِ الزَّکَاۃِ، وَالحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ.

(صحیح البخاری،رقم الحدیث:8،صحیح لمسلم،رقم الحدیث:16)

عَنِ ابْنِ عَبَّاس قال:
أَنَّ الْأَقْرَعَ بْنَ حَابِسٍ، سَأَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: یَا رَسُولَ اللَّہِ، الْحَجُّ فِی کُلِّ سَنَۃٍ أَوْ مَرَّۃً وَاحِدَۃً قَالَ: بَلْ مَرَّۃً وَاحِدَۃً، فَمَنْ زَادَ فَہُوَ تَطَوُّعٌ.

(سنن ابی داؤد،رقم الحدیث:1721،سنن ابن ماجۃ،رقم الحدیث:2886)

عَنْ أَبِی رَزِینٍ العُقَیْلِیِّ
أَنَّہُ أَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللَّہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: یَا رَسُولَ اللَّہِ، إِنَّ أَبِی شَیْخٌ کَبِیرٌ لَا یَسْتَطِیعُ الحَجَّ، وَلَا العُمْرَۃَ، وَلَا الظَّعْنَ، قَالَ: حُجَّ عَنْ أَبِیکَ وَاعْتَمِرْ.

(سنن الترمذی،رقم الحدیث:930)

عَنْ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ
أَنَّہُ کَانَ رَدِیفَ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَجَائَہُ رَجُلٌ فَقَالَ: یَا رَسُولَ اللَّہِ إِنَّ أُمِّی عَجُوزٌ کَبِیرَۃٌ، وَإِنْ حَمَلْتُہَا لَمْ تَسْتَمْسِکْ، وَإِنْ رَبَطْتُہَا خَشِیتُ أَنْ أَقْتُلَہَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: أَرَأَیْتَ لَوْ کَانَ عَلَی أُمِّکَ دَیْنٌ أَکُنْتَ قَاضِیَہُ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَحُجَّ عَنْ أُمِّکَ.

(سنن النسائی،رقم الحدیث:2643

فہرست عناوین

نمبر شمار	عناوین	صفحات

فہرست مضامین (۵۔۲۸)

سفر حج اور نفل حج کے احکام (۳۷۔۴۷)

ارکان، واجبات اور سنن حج (۷۵-۱۵۶)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

نمبر شمار	عناوین	صفحات

نمبر شمار	عناوین	صفحات

نمبر شمار	عناوین	صفحات

حج میں قربانی کے مسائل (۱۵۷۔۱۷۸)

احرام کے مسائل (۱۷۹۔۲۰۸)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

نمبر شمار	عناوین	صفحات

ممنوعاتِ احرام کے مسائل (۲۰۹ـ۲۳۶)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

میقات کے احکام ومسائل (۲۳۷-۲۶۲)

دورانِ سفر حج کے احکام (۲۸۹-۳۲۰)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

نمبر شمار	عناوین	صفحات

حج بدل کے احکام ومسائل (۳۲۱-۴۷۰)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۴۷۶)	حج بدل میں تینوں اقسام حج آمر سے واقع ہوتے ہیں	۴۱۸
(۴۷۷)	حج بدل کے لیے کس کو بھیجنا افضل ہے	۴۲۱
(۴۷۸)	حج بدل کے لیے حاجی ہونا	۴۲۲
(۴۷۹)	حج بدل کرنے والے کا حاجی ہونا	۴۲۲
(۴۸۰)	میت کی جانب سے حج بدل کرنا	۴۲۲
(۴۸۱)	تحقیق اشتراط حج خود برائے حج بدل	۴۲۳
(۴۸۲)	جس نے اپنا حج نہ کیا ہو، اس کے حج بدل کا حکم	۴۲۵
(۴۸۳)	حج بدل کے لیے ایسے شخص کو بھیجنا افضل ہے، جس نے پہلے حج کیا ہو	۴۲۵
(۴۸۴)	حج بدل کے لیے ایسے شخص کو بھیجنا؛ جس نے پہلے حج نہ کیا ہو	۴۲۶
(۴۸۵)	جس نے پہلے حج نہ کیا ہو اور جو کر چکا ہو، حج بدل میں کس کا بھیجنا بہتر ہے	۴۲۶
(۴۸۶)	حج بدل کے لیے جانا مکروہ تحریمی ہے	۴۲۷
(۴۸۷)	جس نے اپنا حج نہ کیا ہو، اس کے حج بدل کرنے کا حکم	۴۲۷
(۴۸۸)	جس نے اپنا حج نہ کیا ہو، اس کے حج بدل کرنے کا حکم	۴۲۸
(۴۸۹)	جس نے حج فرض ادا نہ کیا ہو، اس کا حج بدل میں پہنچنا کیسا ہے	۴۲۹
(۴۹۰)	ساری تیاریاں مکمل کر لینے کے بعد سفر حج شروع کرنے سے پہلے انتقال کر جائے	۴۳۰
(۴۹۱)	حجِ صرورہ	۴۳۲
(۴۹۲)	صاحب استطاعت کا اپنا حج کئے بغیر حج بدل کرنا مکروہ تحریمی ہے	۴۳۷
(۴۹۳)	من استطاع الیہ سبیلاً کا مفہوم	۴۳۸
(۴۹۴)	کسی حاجی کی جانب سے حج بدل کرنے کا حکم	۴۳۹
(۴۹۵)	حج بدل کے لیے جانے والا اپنا حج کرے اور بدل کے لیے حرمین میں کوئی مقرر کرے	۴۴۰
(۴۹۶)	غیر حاجی حج بدل کو جائے تو کیا حکم ہے	۴۴۱
(۴۹۷)	جس میت پر حج فرض باقی ہو، اس کی طرف سے حج بدل کرانا بہتر ہے	۴۴۱
(۴۹۸)	مرد و عورت کا ایک دوسرے کی طرف سے حج بدل	۴۴۲
(۴۹۹)	مرد کی طرف سے عورت حج بدل کر سکتی ہے، یا نہیں	۴۴۳

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۵۲۴)	تکلیف کے ڈر سے حج بدل کرانا اور خود نہ کرنا کیسا ہے	۴۶۰
(۵۲۵)	زید شروع میں غفلت سے حج نہ کرسکا، اب وہ لائق سفر نہیں ہے تو حج بدل کرا سکتا ہے، یا نہیں	۴۶۰
(۵۲۶)	بلا تقسیم ترکہ حج بدل کرانا درست ہے، یا نہیں	۴۶۱
(۵۲۷)	جس پر حج فرض نہ تھا، حج خرید کر اس کا ثواب بخشنا کیسا	۴۶۱
(۵۲۸)	ورثا حج بدل کرائیں تو کیا حکم ہے	۴۶۱
(۵۲۹)	حج بدل والا پہلے اس روپے سے اپنا حج کرسکتا ہے، یا نہیں	۴۶۲
(۵۳۰)	جو روپیہ ماں لے، وہ کس کے حصہ میں شمار ہوگا	۴۶۲
(۵۳۱)	چندہ سے حج میں کسی سے یہ کہنا کہ اتنا روپیہ دیدیجئے، حج بدل کروں گا	۴۶۳
(۵۳۲)	حج کے ارادے سے نکلا؛ مگر کسی وجہ سے واپس آگیا، کیا وہ روپیہ مسجد، یا مدرسہ پر خرچ کرنا درست ہے	۴۶۴
(۵۳۳)	نفل حج بدل کرانا کیسا ہے	۴۶۴
(۵۳۴)	حج بدل میں خرچ کے کم ہونے کی وجہ سے احرام غیر میقات سے	۴۶۵
(۵۳۵)	حج بدل کے روپے سے تجارت درست ہے، یا نہیں	۴۶۵
(۵۳۶)	ہندہ پر حج فرض تھا، بغیر وصیت انتقال کرگئی، اب اس کا بیٹا حج بدل کرادے تو کافی ہے، یا نہیں	۴۶۶
(۵۳۷)	کیا حج بدل کے لیے اولاد کا بہتر ہے اور اس روپے سے قرض دینا درست ہے، یا نہیں	۴۶۶
(۵۳۸)	حج بدل میں جانے والا راستہ میں مرگیا تو اب کیا کیا جائے	۴۶۷
(۵۳۹)	حج بدل کے لیے جو روپے دیئے وہ کم ہیں تو کیا کیا جائے	۴۶۷
(۵۴۰)	اپنا حج دوسرے کو دینا درست ہے، یا نہیں	۴۶۸
(۵۴۱)	حج بدل کرنے والا کس حج کا احرام باندھے	۴۶۹
(۵۴۲)	حج بدل کرنے والا احرام کہاں سے باندھے	۴۶۹
(۵۴۳)	میت کے حج بدل کی وصیت اور عدم وصیت کا حکم اور حج بدل کہاں سے ادا کیا جائے	۴۷۰
(ہ)	اردو کتب فتاویٰ	۴۷۱
(و)	مصادر و مراجع	۴۷۳

☆ ☆ ☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمۃ الشکر

نحمدہ و نصلي علی رسولہ الکریم اما بعد

الحمد للہ آپ کے زیر نظر یہ کتاب موسوعہ فتاویٰ علماء ہند کی اکیسویں جلد ہے اس جلد میں حج کے ارکان، واجبات، سنن اور نوافل بیان کئے گئے ہیں، اسی کے ساتھ ساتھ حج میں قربانی کے مسائل، احرام کے مسائل، میت کے احکام ومسائل، حج کی قسمیں، حج کا سفر اور حج بدل کے احکام ومسائل بیان کئے گئے ہیں۔

حج اسلام میں اہم ترین عبادت ہے، ارکان اسلام میں سے پانچواں رکن ہے، صاحب استطاعت پر زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ''**وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا**'' حج وعمرہ کو جانے والا اللہ کا مہمان ہے، وہاں کی دعائیں مستجاب ہیں۔

حج کا لغوی معنیٰ ارادہ کرنا زیارت کرنا ہے وغیرہ وغیرہ لیکن اصطلاح میں یہ ایک اہم عبادت ہے اس کے لئے مسلمان ہونا، اگر کفار کے ملک میں ہو تو حج کے فرض ہونے کا علم ہونا، عاقل بالغ ہونا، آزاد وتندرست ہونا شرط ہے اس کے روحانی، اور حقیقی فوائد اسی وقت حاصل ہوتے ہیں جب یہ سفر عاشقانہ ہو۔

مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر روضۂ اطہر کی حاضری کے حسب حال ہے۔

تمری دوریا کیسے چھوڑوں — تم سے توڑوں کس سے جوڑوں
تمہاری گلی کی دھول بٹوروں — تم رے نگر میں دم بھی توڑوں
جی کا اب ارمان یہی ہے — آٹھوں پہراب دھیان یہں ہے

اس کے متعلق حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر مدینہ پاک کے قیام میں ان اشعار کا پڑھنا تھا کہ سوئی ہوئی طبیعت جاگ اٹھی اور ایسا معلوم ہوا کہ کھوئی ہوئی چیز مل گئی۔

بندہ شمیم احمد (انجینیئر) نقشبندی مجددی
ناشر فتاویٰ علماء ہند، خادم منظمۃ السلام العالمیہ
ممبئی الھند
یکم ذی قعدہ ۱۴۴۴ھ

تأثرات

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و الصلاۃ و السلام علی سیدنا محمد و آلہ و صحبہ اجمعین اما بعد!

ہر مسلمان بحیثیت مسلمان اس بات کا پابند ہے کہ وہ اپنی زندگی اللہ کے احکام کے مطابق گزارے اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے احکامات کا علم ہو جس زمانے میں یہ زمین رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود سے فیضیاب تھی تو اللہ کے احکام اس کی مرضی کا علم ہونے کا ذریعہ وحی الٰہی اور ذات نبوی تھی، بعد کے زمانے کے لیے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ علیہم اجمعین کی طرف رجوع کیا جاتا تھا جن میں بعض حضرات اپنے تفقہ اور رسوخ علم کی بناء پر فقہاء صحابہ کہلائے، جیسے حضرات خلفائے راشدین حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت زید بن ثابت، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم وغیرہم۔ یہ حضرات اس دور میں حسب ضرورت احکام شریعت کی تشریح وتوضیح اور واقعات پر احکام شریعت کی تطبیق یا دوسرے لفظوں میں فتوی دینے کا فریضہ انجام دیتے تھے، پھر ان حضرات کی صحبت وتربیت سے امت میں اس امانت کے حاملین تیار ہونا شروع ہوئے جس کا نقطۂ عروج دور تابعین کے آخر میں امام اعظم ابوحنیفہ کی شخصیت کا ظہور تھا۔

امام اعظم کے بعد ان کے تلامذہ اور ائمہ ثلاثہ کے علاوہ بے شمار فقہاء ومفتیان پیدا ہوئے اور اس وقت سے آج تک یہ سلسلہ جاری ہے کہ مسلمانوں کی ضرورت کے مطابق ہر زمانے میں ان کی دینی رہنمائی کرنے اور واقعات کا شرعی حکم واضح کرنے کی صلاحیت رکھنے والے فقہاء ومفتیان کرام موجود رہتے ہیں۔ فقہ وفتاوی کی یہ میراث اپنے تاریخی سفر میں جب برصغیر پہنچی تو یہاں بھی ایسے ایسے اصحاب افتاء اور فقہاء وجود میں آئے جنہوں نے پوری دیانت وامانت اور گہری بصیرت کے ساتھ مسلمانوں کی رہنمائی کی اور فتاوی لکھے، خاندان ولی اللہی اور خاندان فرنگی محل اور پھر ان کے سچے جانشین حضرات علمائے دیوبند اس کی بہترین مثال ہیں۔ خصوصاً گذشتہ ڈیڑھ صدی کے دوران یہ خطہ علمائے دیوبند کے فقہ وفتاوی کی قندیلوں سے روشن ہے اور بقول مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہٗ ''ان حضرات کا فتوی سکہ رائج الوقت کی طرح چلتا ہے''۔

سلسلہ دیوبند کے ان مفتیان کرام کا دائرہ کار دیوبند وسہارنپور سے لے کر برصغیر کے تینوں ملکوں خصوصاً ہند و پاک اور اب تو ساؤتھ افریقہ، یورپ اور امریکہ تک وسیع ہے اور ان کے فتاوی کے بے شمار مجموعے مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے دستیاب ہیں جن میں سے بعض بیس یا تیس جلدوں پر مشتمل ہیں۔ فتاوی کے ان ضخیم مجموعوں کا اپنا اپنا انداز ہے جو فتوی لکھنے

والے مفتی کے ذوق وبصیرت کا آئینہ دار ہوتا ہے اور بعض اوقات استفادہ کرنے والے کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ ہر ایک کے تفقہ سے فیضیاب ہو سکے لیکن یہ کام آسان نہیں ہوتا اس لیے مختلف فتاوی کو یکجا مرتب کرنے کی ضرورت محسوس ہونے لگتی ہے۔

اس ضرورت کا احساس ہمارے زمانے کے بعض علماء کرام کو ہوا تو ''فتاوی علماء دیوبند'' کے نام سے ایک وسیع منصوبہ پر کام شروع ہو گیا جس کی ترتیب کا سہرا دار العلوم دیوبند کے ممتاز فاضل اور امارت شرعیہ بہار، اڈیسہ وجھارکھنڈ کے سابق ناظم حضرت مولانا انیس الرحمن صاحب قاسمی مدظلہ کے سر ہے۔ جو بڑے سلیقے کے ساتھ اس علمی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو رہے ہیں۔ اور اس کی تکمیل ونگرانی کی عظیم ذمہ داری باہمت فاضل نوجوان جناب مولانا محمد اسامہ شمیم ندوی صاحب زید مجدہم پوری کر رہے ہیں اور اس کام کی سرپرستی معروف دعوتی شخصیت جناب الحاج انجینئر شمیم احمد صاحب مدظلہ العالی فرما رہے ہیں مولانا محمد اسامہ شمیم ندوی صاحب نے مجھ سے اصرار کیا کہ کوئی تحریر لکھ کر فقہاء کی اس بزم میں فقراء کی شمولیت کا پیوند لگا دوں، ان کے حکم کی تعمیل میں یہ چند سطور حاضر ہیں جن کی تمہید میں اجمالا یہ بات عرض کی گئی ہے کہ فتاوی حکم شریعت کے اظہار وتطبیق کا نام ہے، کسی مفتی کی ذاتی رائے کا نام نہیں ہے امید ہے کہ فتاوی کا یہ مجموعہ اس حقیقت کو واضح کرے گا اور امت کی رہنمائی میں اہم کردار ادا کرے گا انشاء اللہ۔

اللہ رب العزت اس عظیم الشان علمی منصوبے کو تمام حدود وآداب اور نزاکتوں کی رعایت کے ساتھ مکمل وآسان فرمائے۔

والسلام

محمد سلمان بجنوری

خادم تدریس دار العلوم دیوبند

مدیر ماہنامہ دار العلوم دیوبند

۱/ رجب المرجب ۱۴۴۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسم اللہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ، اما بعد!

تشکرانہ خدمات سے لبریز یہ ناچیز عرض کرتا ہے کہ اس کے دل میں یہ احساس ابھرتا تھا کہ زندگی کے بے شمار گوشوں، ضرورتوں اور حالات کے متعلق ایک وسیع کتب خانہ پر محیط ان کتب فتاوی کو، علم وفقہ کی بہتی ان ندیوں کو سمیٹ کر ایک موسوعہ کی شکل میں اگر پیش کر دیا جائے تو ان کا نفع کتنا عام اور استفادہ تام ہوجائے، یہ عظیم کام ایک مجربے کران کی شکل اختیار کرسکتا ہے؛ لیکن حسن اختیار م ترتیب وتبویب، احالہ وتخریج اور تعلیق وتحشیہ کے بعد اس میں غواصی کرنا اور اس کے گوہر وصدف سے دامن بھرنا سہل ترین ہوجائے گا، تاہم اس کے لئے دل گردہ والی محنت وجانفشانی، بلند حوصلہ، عالی ہمت، طویل سفر کی پرخار وادیوں سے بے پرواہ ہوکر کود پڑنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

ان صفات عالیہ سے اللہ تعالی نے برادر مکرم گرامی قدر مولانا محمد اسامہ شمیم الندوی حفظہ اللہ کو خوب نوازا ہے۔

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

دوسری طرف حضرت مولانا انیس الرحمن جیسی ذی علم شخصیت کا بلند حوصلہ کے ساتھ پیش قدمی کرنا بار امانت کو سنبھالنے کا اہل قرار دیتا ہے۔

نہیں معلوم حد منزل عرفان کہا تک ہے پتا ہر شخص دیتا ہے پہونچ جسکی جہاں تک ہے

بندہ ناچیز خوشی سے سرشار ہے کہ ان بلند پایہ جلیل القدر دقیق الفہم بالغ النظر مفتیان کرام کے رشحات قلم کا بہترص اور بیش قیمت مجموعہ سامنے آرہا ہے، جو قیمتی موتیوں کا ایسا خزانہ اور انمول ہیروں کا ایسا تاج ہوگا جو پانے والے کو بادشاہ بنا دے، جو گلہائے رنگارنگ کا ایسا حسین گلدستہ ہوگا جو ہر محفل کو ہر کتب خانے کو زینت بخشے۔ عوام کے لئے تو دلچسپی ورہبری کا سامان ہوگا ہی، دریائے علم وفن کے شناور بھی اس عطر بغیر سوغات سے خوب خوب معطر ومستفید ہوتے رہیں گے ان شاء اللہ۔

ان تاثرات کے ساتھ بندہ کے دل سکی قابل مشورہ باتیں تھیں، بطور نمونہ ایک رائے آپ کے سامنے رکھنے کی جسارت کررہا ہوں، وہ یہ کہ ضعیف احادیث میں محدثین وفقہاء نے اس حد تک تساہل تو روا رکھا ہے کہ اس میں اگر تین شرطیں پائی جائیں تو کوئی حرج نہیں، چنانچہ شدید الضعف یا منکر جیسی روایتوں کو قبول نہیں کیا جائیگا، اس متفقہ فیصلے (جس کو حنفیہ نے بھی تسلیم کیا جمہور محدثین کے ساتھ) کی بنیاد پر بے سند (لا أصل لہ) والی روایتیں قبول نہیں کی جائینگی، جیسے وضو کے بعد سورۃ

القدر پڑھنا، اگر بعض فتاوی میں (خصوصاً اس زمانے میں جب کہ اکثر کتب حدیث زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی تھیں) اس کو مستحب وغیرہ کہا ہے تو بندہ کی ناقص رائے یہ ہے کہ اس کے تحت ایک نوٹ ایک نوٹ چڑھا دیا جائے: ''اصل دعا تو وضو کے بعد پڑھنے کی وہی ہے جو صحیح مسلم وغیرہ میں صحیح سند سے مروی ہے (أشهد۔۔۔الخ) اور (سبحانك الله۔۔۔الخ) لہذا ان ہی دعاؤں کا اہتمام کیا جائے اور یاد کیا جائے''، یا کوئی اور الفاظ میں یہ نوٹ چڑھا دیا جائے، اہل علم واہل الرائے سے مشورہ لے کر ان کی اجازت سے اس طرح کیا جا سکتا ہے جب کہ اب تک اس کی کوئی سند سامنے نہیں ہے۔

بہر حال اس عظیم و پر خطر کام کے روح رواں اور نگہباں دونوں ہی حضرات لائق ستائش اور قابل مبارکباد ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی عظیم کاوش کو قبول فرمائے۔

آج سے تقریباً چار سال قبل مولانا محمد اسامہ نے مدینہ منورہ میں بندہ سے تاثرات لکھنے پر اصرار کیا تھا، اپنی کم مائیگی و بضاعتی کے احساس نے طبیعت کو کچھ لکھنے پر آمادہ نہیں ہونے دیا، آخر ان کے بار بار کے اصرار کو ہی غالب آنا تھا، اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ ان دونوں حضرات کو ان کے رفقائے کار اہل علم کی جماعت کو شرف قبولیت سے نوازے اور یہ موسوعہ صدقہ جاریہ وساریہ رہے۔ وأخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔

کتبہ الفقیر الی ربہ العلی

ابو احسن محمد علی

الکھنوی الندوی

۲۷/ رجب المرجب ۱۴۴۱ھ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

محترم ومکرم مفتی اسامہ شمیم ندوی مدظلہ عالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی ارسال کردہ کتب موسوم بفتاوی علماء ہند موصول ہوئیں، جزاکم اللہ خیرا، کتاب میں جمع کردہ فتاوی کو دیکھ کر بہت زیادہ مسرت ہوئی، واقعۃً برصغیر میں یہ ایک منفرد کوشش ہے، اس میں دوسوسالہ عظیم وضخیم فتاوی کو جمع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، نیز عربی اور انگریزی ترجمہ کے ساتھ دوسو جلد میں آنے کی توقع ہے، اس کے عربی اور انگریزی میں ترجمہ کے بعد عالمی سطح پر اپنی نوعیت کا منفرد کارنامہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کام کو تکمیل تک پہنچائے، مرتبین اور منتظمین کو اپنے مقصد میں کامیابی عطا فرمائے، امت کے لئے اس کام کو نفع بخش بنائے، آمین بجاہ سید المرسلین۔

فقط والسلام

اکرم رشید رحمانی

فاضل وخادم تدریس دارالعلوم لوناواڑہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للہ رب العالمین، وصلی اللہ وسلم علی سید الأولین والآخرین رحمۃ للعالمین وبعد

ایمان وجہاد کے بعد حج افضل ترین عبادت ہے۔ دورانِ حج اگر کسی سے کوئی شہوانی فعل اور کسی گناہ کا ارتکاب نہ ہو تو حاجی گناہوں سے یوں پاک ہو کر لوٹتا ہے جیسے آج ہی پیدا ہوا ہے، حج کی جزا جنت ہے، حج عورتوں کا جہاد ہے، جس میں کوئی قتال نہیں۔

عورتوں کی طرح بوڑھوں اور ضعیفوں کا جہاد بھی حج وعمرہ ہے۔ حج وعمرہ کرنے والے اللہ کے مہمان ہوتے ہیں۔ حاجی کی زندگی قابلِ رَشک اور وفات قابلِ فخر ہوتی ہے، اگر وہ احرام کی حالت میں فوت ہو جائے تو قیامت کے دن وہ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ پکارتا اُٹھایا جائے گا۔ (صحیح بخاری)

اللہ تعالیٰ شانہ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہیکہ اس نے محض اپنے فضل وکرم سے فتاویٰ علمائے ہند کی حج کے مسائل سے متعلق جلد ۲۱ کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائی۔

اس جلد میں سفر حج، نفلی حج، قربانی، احرام، ممنوعات احرام، حج تمتع، قران، افراد، اور حج بدل سے متعلق مسائل کو شامل کیا گیا ہے، سابقہ جلدوں کی طرح فتاویٰ علمائے ہند کے اس جلد اکیسویں میں فتاوی کے سوال و جواب کو من وعن نقل کرنے کے ساتھ ہر فتوی کے ساتھ اصل کتاب کے حوالے کو بھی درج کر دیا گیا ہے اور حاشیہ میں دیگر مفتی بہ مسائل کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ آیات قرآنی احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ وتابعین کے آثار واقوال کو اہتمام کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے جس کی وجہ سے یہ فتاوی اور بھی زیادہ مدلل ہو گئے ہیں۔

اللہ تعالی کا احسان ہے کہ فتاوی علمائے ہند کا یہ سلسلہ اہل علم کے یہاں خوب مقبول ہو رہا ہے لیکن بہر صورت یہ ایک بشری کاوش ہے جس میں خطا وثواب کا امکان ہے چنانچہ اہل علم سے گزارش ہے کہ متنبہ فرماتے رہیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں ازالہ ممکن ہو سکے۔

میں شکر گزار ہوں حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب مدظلہ کا جن کی سر پرستی ہمارے لئے باعث نعمت ہے، ان کی توجہات اور دعاؤں اور مشفقانہ مدبرانہ مشوروں سے کام تیزی کے ساتھ آگے بڑھتا جا رہا ہے اسی طرح میں شکر گزار ہوں اپنے علمائے دیوبند وعلماء سہارنپور اور المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد کے مفتیان عظام کا جن کی توجہات سے کام کافی آسان ہو گیا ہے۔

اسی طرح میں شکر گزار ہوں اپنے ان تمام بزرگوں اور دوستوں کا جنہوں نے بندہ کی گزارشات پر اپنے مفید تاثرات وتشجیعی کلمات تحریر فرمائے اور مفید مشوروں سے نوازا۔ دعا گو ہوں کہ باری تعالیٰ ان تمام کاوشوں کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین یارب العالمین۔

بندہ مفتی محمد اسامہ شمیم الندوی
مشرف فتاویٰ علماء ہند۔ رئیس المجلس العالمي للفقۃ الاسلامي

۲/ذی قعدہ ۱۴۴۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائية

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيدالأنبياء وخاتم المرسلين، سيدنا ونبينا محمد بن عبد اللّٰه، وعلى آله وصحابته أجمعين،والتابعين لهم بإحسان إلى يوم الدين.وبعد::

حج ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اللہ نے ان لوگوں پر جو اس کی طرف راہ پا سکتے ہوں اس گھر کا حج فرض کر دیا ہے اور جو کوئی کفر کرے تو اللہ (اس سے بلکہ) تمام دنیا سے بے پرواہ ہے﴾ (سورۃ آل عمران) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: جس شخص کے پاس بیت اللہ تک پہنچانے کے لیے زادراہ اور سواری ہو؛ لیکن اس نے حج نہ کیا تو اس پر کوئی حرج نہیں کہ وہ یہودی یا عیسائی ہو کر مرے۔ (سنن الترمذی، باب ما جاء من التغليظ فی ترک الحج) یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: کلمہ شہادت کہنا نماز قائم کرنا، زکاۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ کا حج کرنا بشرطیکہ وہاں جانے کی طاقت ہو۔ (بخاری و مسلم) ہر صاحب استطاعت مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ حج فرض ہو جائے تو حتی الامکان اسے ادا کرنے میں جلدی کرے، بلا عذر تاخیر نہ کرے کہ یہ گناہ کا ذریعہ ہے۔ اگر صاحب استطاعت شخص نے اپنا فرض حج ادا کر لیا ہو تو اپنی صلاحیت کے مطابق نفلی حج، حج بدل وغیرہ جیسے اعمال انجام دے سکتا ہے، اس کی بھی بڑی فضیلتیں احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وارد ہوئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ شانہ کا شکر ہے کہ اس نے ''فتاویٰ علماء ہند'' کی حج کے مسائل سے متعلق ''جلد-۲۱'' کی تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائی، اس جلد میں سفر حج، نفلی حج، قربانی، احرام، ممنوعات احرام، حج تمتع، قران، افراد اور حج بدل سے متعلق مسائل کو شامل کیا گیا ہے، سابقہ جلدوں کی طرح فتاویٰ علماء ہند کے اس حصہ (۲۱ رویں) میں فتاویٰ کے سوال و جواب کو من وعن نقل کرنے کے ساتھ ہر فتویٰ کے ساتھ اصل کتاب کے حوالہ کو بھی درج کر دیا ہے اور حاشیہ میں دیگر مفتیٰ بہ مسائل کا اضافہ بھی کیا ہے۔ امید ہے کہ علماء، ائمہ، اہل مدارس اور اصحاب افتا خاص طور پر اس سے فائدہ اٹھائیں گے، حواشی میں فقہی عبارتوں کے علاوہ آیات قرآنی، احادیث نبوی، صحابہ و تابعین کے آثار و اقوال کا اہتمام کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے یہ فتاویٰ مدلل بھی ہو گئے ہیں۔

میں اس موقع سے ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن کے ارکان و معاونین کا شکر گزار ہوں، جن کی توجہ سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہونچ رہا ہے، اسی طرح شکر گزار ہوں اپنے محترم بزرگ انجینئر شمیم احمد مدظلہ اور مولانا محمد اسامہ شمیم ندوی ازہری صاحب کا، جن کی مخلصانہ تعاون سے یہ کام اشاعت پذیر ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ شانہ ان تمام معاونین و مخلصین کی اس سعی جمیل کو قبول فرمائے اور میرے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ (آمین)

(انیس الرحمٰن قاسمی)

چیرمین ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن و مرتب فتاویٰ علماء ہند

۶ رذی قعدہ ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۸ رجون ۲۰۲۰ء

سفر حج اور نفل حج کے احکام

سفر حج سے پہلے کیا کرے:

سوال: میرے رشتے کے بھائی حج کو گئے ہیں، خاندان کے قریبی رشتہ داروں سے ان کے تعلقات ٹھیک نہیں ہیں، یہاں تک کہ کئی سالوں سے بات چیت اور سلام بھی بند ہے تو کیا ان کا حج قبول ہوگا؟ حج کو جانے سے پہلے کن باتوں کا اہتمام کرنا چاہیے؟ (مومن علی، یلندو)

الجواب

حج بہت عظیم الشان عبادت ہے اور اس سے حقوق اللہ سے متعلق گناہ معاف ہو جاتے ہیں؛ اس لیے عازمینِ حج کو چاہیے کہ اگر کسی شخص کے حق میں ان سے کوئی زیادتی ہوگئی ہو تو معافی تلافی کرلیں؛ تاکہ حقوق الناس سے متعلق گناہوں سے بھی اس کا دامن پاک ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان سے تین دنوں سے زیادہ ترکِ کلام جائز نہیں۔ (۱) نیز یہ بھی فرمایا کہ ان دونوں میں سے بہتر وہ ہوگا، جو سلام میں پہل کرے: ''خیرهما الذی یبدأ بالسلام''. (۲) لہٰذا اب جب آپ کے بھائی صاحب حج سے واپس آئیں تو انہیں سمجھائیے کہ اپنے اعزہ سے تعلقات کو ٹھیک کرلیں اور نئی زندگی شروع کریں۔ حج کرنے والے کے لیے سب سے پہلے دو باتوں کا اہتمام ضروری ہے: ایک یہ کہ مال حلال ہو اور دوسرے نیت میں اخلاص ہو۔ (۳)

حج کے سنن وآداب میں اہل علم نے لکھا ہے کہ خرچ میں فراخی برتے، زیادہ سے زیادہ پاک رہنے کا اہتمام کرے، اپنی زبان کی حفاظت کرے، سفر کو جانے سے پہلے والدین اور اگر کسی کا قرض باقی ہو تو اس سے اجازت لے، جاتے وقت مسجد میں دو رکعت وداعی نماز پڑھے، اہل تعلق سے ملاقات کرے، ان سے اپنی لغزشوں کے لیے معافی کا طلب گار ہو اور ان سے دعا کی خواہش کرے۔ (۴) (کتاب الفتاویٰ: ۴/۹۲-۹۳)

---

(۱) عن أنس بن مالک أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: لا تباغضوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا وکونوا عباداللّٰہ إخوانا ولا یحل لمسلم أن یهجر أخاہ فوق ثلاث لیال. (صحیح البخاری، باب الهجرة، رقم الحدیث: ۶۰۷۶، انیس)

(۱) الجامع للترمذی: ۲/ ۱۸۴

(۲) ردالمحتار: ۳/ ۴۵۳

(۳) رد المحتار، کتاب الحج: ۳/ ۴۷۳

حاجی سفر حج پر کس طرح روانہ ہو:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ عازمین حج کے لیے سفر حج پروانگی کا شرعی طریقہ کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ، الجواب ــــــــــــــ وباللہ التوفیق

شرعی طریقہ یہ ہے کہ ریاونمود سے بچتے ہوئے بلا کسی اہتمام والتزام کے انفرادی طور پر اپنے احباب واقارب سے مل لے، کوئی جانے کے دن ہی کی قید نہیں؛ بلکہ پہلے بھی مل سکتا ہے، اور سادگی کے ساتھ دوگانہ سفر ادا کر کے سفر پر روانہ ہو جائے۔

عن أبی هريرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: إذا خرجت من منزلک فصل رکعتين تمنعا نک مخرج السوء، وإذا دخلت منزلک فصل رکعتين تمنعا نک مدخل السوء. (رواه البزار مسند أبی حمزة أنس بن مالک رقم: ۸۵۶۷، ورجاله موثقون، مجمع الزوائد: ۵۷۲/۲، الأحاديث المنتخبة: ۲۲۵، وأخرج نحوه البيهقی فی شعب الإيمان زاد فيه : إلی الصلاة: ۴۶۱/۴، رقم: ۲۸۱۴)

ومفاده اختصاص صلاة رکعتی الفرض فی البيت. (ردالمحتار، ۴۶۶/۴، زکريا، کتاب المسائل: ۷۳/۴-۷۲)

فقط واللہ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۸/۱۱/۱۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۲۶۹/۷)

حاجیوں کا قافلہ کی شکل میں مردوں عورتوں کے ساتھ روانہ ہونا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ بعض جگہوں پر یہ دستور ہے کہ عازمین حج کو سفر حج پر رخصت کرتے وقت ایک خاص مسجد میں خاص وقت پر جمع کیا جاتا ہے، جہاں مرد اور عورتوں کا علاحدہ علاحدہ نظم ہوتا ہے، وہاں علما کے بیانات ہوتے ہیں، بعدہ اجتماعی دعا ہوتی ہے، اس کے بعد قافلہ کی شکل میں عازمین حج لوگوں سے ملاقات کرتے ہوئے گزرتے ہیں اور سواری پر جا کر بیٹھ جاتے ہیں، حج کے لیے سفر کرنے والی عورتوں کے ساتھ عورتوں کا ہجوم ہوتا ہے اور یہ عورتیں بھی سواری تک رخصت کرتی ہیں، جس میں عموماً بے پردگی ہوتی ہے، یا سلسلہ وقفہ وقفہ سے اس وقت تک رہتا ہے، جب تک کہ اس بستی کے عازمین حج کا آخری قافلہ روانہ نہ ہو جائے۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ عازمین حج کا کسی خاص مسجد میں متعین وقت پر جمع ہونا اور وہاں اجتماعی دعا کا ہونا اس کے بعد قافلہ کی شکل میں لوگوں سے ملاقات کرتے ہوئے جانا شرعاً کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ، الجواب ــــــــــــــ وباللہ التوفیق

شہرت اور ریا نمود سے اجتناب اور اخلاص وللہیت حج کی روح ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پرانے کجاوہ (جس پر صرف ۴/ درہم قیمت کی ایک چادر پڑی ہوئی تھی) پر حج کا سفر فرمایا اور پھر ارشاد فرمایا:

اللّٰهم حجة لا رياء فيها ولا سمعة. (سنن ابن ماجه: ۲۱۳)

(یعنی اے اللہ میں ایسے حج کو چاہتا ہوں، جس میں کوئی ریا کاری اور شہرت کا جذبہ نہ ہو۔)

سوال میں ذکر کردہ طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ مبارک اور شریعت کے منشا کے بالکل خلاف ہے، پھر اجتماعی طور پر خاص وقت میں مسجد میں جمع ہوکر دعا کرنا اور اس کے لیے باقاعدہ اعلان کرنا اور دعوت دینا وغیرہ بھی ایسے لوازمات میں سے ہے، جن کا کسی شرعی دلیل سے ثبوت نہیں ہے اور اس میں عورتوں کا نکلنا اور بے پردگی ہونا صریح منکر ہے۔ فتاویٰ رحیمیہ میں مجالس الابرار سے نقل کیا گیا ہے:

"ومن منكرا تهم أيضاً خروج النساء عند ذها بهم وعند مجيئهم ،فالوا جب على المراة قعودها فى بتها وعدم خروجها من منزلها وعلى الزوج منعها من الخروج ولو أذن لها كانا عاصيين".

یعنی حاجیوں کے جاتے اور آتے وقت ان کو رخصت کرنے اور ان کے استقبال کے لئے عورتوں کا نکلنا معیوب ہے، عورت کو تو گھر ہی میں رہنا چاہئے اور شوہر پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ایسی جگہ جانے سے روکے، اگر شوہر نہ روکے گا تو عورت کے ساتھ ساتھ وہ بھی گنہ گار ہوگا۔ (مجالس الابرار: ۱۴۵، بحوالہ: فتاویٰ رحیمیہ: ۲/ ۴۸ فتاویٰ محمودیہ: ۳/ ۲۰۲، کتاب المسائل ۳/ ۷۴۔ ۷۲)

عن أبى الأحوص قال: قال عبد اللّٰه :المرأة عوروة وأقرب ماتكون من ربها إذا كانت فى قعربيتها فإذا خرجت استشرفها الشيطان. (المصنف لابن أبى شيبة: ۳۸٤/۲ ،رقم: ۸٦۹۸ ، سنن الترمذى، رقم: ۱۱۸۳ ،مسند البزار: ٤۲۷/٥ ،رقم: ۲۰٦۱ ،صحيح ابن خزيمة: ۹۳/۳ ،رقم: ۱٥۸٥ ،صحيح ابن حبان: ٤۱۲/۱۲ ، رقم: ٥٥۹۸ ،الشاملة) **فقط واللّٰه تعالىٰ أعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۷/ ۱۱/ ۱۴۱۸ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/ ۲۷۰)

حجاج کرام کا اپنے قافلہ میں کسی عالم دین کو امیر الحجاج بنانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ آج کل مروجہ حج وزیارت ٹور والے مشہور عالم دین کو امیر الحجاج بنا کر اپنا قافلہ کے ساتھ لے جاتے ہیں؛ تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ ان کو ٹور میں آئیں تو ایسا کرنا صحیح ہے، یا غلط؟ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

با سمه سبحانه تعالىٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

کسی واقف کار عالم دین کو حج کے قافلہ کے ساتھ لے جانے میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں؛ بلکہ ایسا کرنا بہتر ہے؛ تاکہ اس کی نگرانی میں عازمین حج اپنے مناسک صحیح طرح انجام دے سکیں۔

ولا بد من رفيق صالح يذكره أذا نسى وإن تيسر مع هٰذا كونه من العلماء فأولىٰ جدا، ويجب أن يصحب عالما متأهلا يعلمه. (غنية الناسک: ۳٦ ،ادارة القرآن كراتشى)

وليلتمس الحاج رفيقاً صالحاً راغباً في الخير كارهاً للشر ليعينه على مبارّ الحج ومكارم أخلاق السفر، ويمنعه بعلمه وعمله من سوء يطرأ على المسافر من الضجر والضيق ومساوئ الأخلاق، وليذكره بالله رؤيته، ويعود على مرافقته بركته. (البحر الرائق: ۲۹۹/۱، المكتبة المكية)
فقط والله تعالىٰ أعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۸/۱۲/۲۳ھ۔ (کتاب النوازل: ۳۷۱/۷)

مسجد کا امام امیر الحجاج بن کر جائے، یا امامت کرے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اگر وہ امیر الحجاج مسجد کی امامت کی ذمہ داری والا ہو تو کیا اس کا ہر سال امیر الحجاج بن کر جانا افضل ہے؟ یا مفوضہ ذمہ داری کا نبھانا افضل ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

اگر اس امام کی غیر موجودگی میں اس کی جگہ امام کی ذمہ داری انجام دینے والے معتبر شخص کا انتظام ہو جائے تو ہر سال بھی وہ امام سفر حج کرسکتا ہے۔

ولا بد من رفيق صالح يذكره إذا نسي وإن تيسر مع هذا كونه من العلماء فأولى جداء ويجب أن يصحب عالما متأهلا يعلمه. (غنية الناسک: ۳٦، ادارة القرآن كراتشي) **فقط والله تعالىٰ أعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۸/۱۲/۲۳ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۳۷۲/۷)

پیدل اور ہر قدم دو قدم پر نفل پڑھتے ہوئے حج کو جانا:

سوال: ایک صاحب حج کے واسطے پیدل جا رہے ہیں اور قدم، یا دو قدم چل کر نفل پڑھتے ہیں، اسی طریقہ سے ان کا ارادہ ہے کہ مکہ شریف تک پہنچ کر حج کریں، ان سے کہا گیا کہ کسی ولی پیغمبر نے ایسا حج نہیں کیا تو انہوں نے کہا کہ میری والدہ کا حکم ہے، اسی طرح حج کرو یہ جائز ہے، یا ناجائز؟

(المستفتی: ۸۵۷، حاجی محمد حیات، ضلع علی گڑھ، ۲۱ محرم ۱۳۵۵ھ، مطابق ۱۴/ اپریل ۱۹۳٦ء)

الجواب ـــــــــــــــــ

ایسا حج اگر مخلصانہ نیت اور ارادہ سے ہو، شہرت اور ریا مقصود نہ ہو اور اعلان وتشہیر نہ کی جائے تو فی حد ذاتہ جائز ہے؛ لیکن ان عوارض سے بچنا مشکل ہے؛ اس لیے اندیشہ ہے کہ یہ فعل بجائے ثواب کے موجب مواخذہ ہو جائے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳۴۸/۴-۳۴۹)

---

(۱) لیکن چوں کہ والدہ کا حکم ہے اور جائز امور میں بقدر استطاعت والدین کا حکم ماننا (بحکم شرع شریف) ضروری ہے؛ اس لیے اس طرح حج کے لیے جا سکتا ہے۔

حج کے لیے مشقت کا راستہ اختیار کرنا جائز؛ مگر غیر اولیٰ ہے:

(الجمعیۃ، مورخہ ۲۴ر ستمبر ۱۹۳۳ء)

سوال: زید اپنے گھر سے عازم حج بیت اللہ ہو کر چلتا ہے اور ہر پانچ، یا سات قدم پر سر راہ مصلی بچھا کر اور جوتا پہنے پہنے نماز پڑھتا ہے اور شہرت کے لیے اشتہارات شائع کرتا اور اخبارات میں مضامین بھیجتا ہے۔ یہ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

حج کی فرضیت کے لیے یہ شرط ہے کہ مکہ معظّمہ تک سواری پر پہنچنے کے لیے روپیہ ہو اور سفر کے ضروری مصارف اور واپسی تک اہل وعیال کے نفقہ کی رقم بھی رکھتا ہو، (۱) جس کے پاس اتنی رقم نہ ہو کہ وہ سواری پر جا سکے، اس پر پیدل جا کر حج کرنا فرض نہیں؛ لیکن اگر کوئی شخص پیدل حج کرے تو ناجائز بھی نہیں؛ مگر اس کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ پیدل چلنے کی طاقت رکھتا ہو؛ تاکہ راستہ کی تکلیف سے دل تنگی اور دشواری پیش نہ آئے اور یہ پیدل جانا محض ثواب اور رضائے الٰہی کے لیے ہو، شہرت اور ناموری مقصود نہ ہو، (۲) اپنے اس فعل کو اخبارات اور اشتہارات کے ذریعہ شہرت دینا ناجائز ہے کہ اس میں سوائے شہرت کے اور کوئی فائدہ نہیں ہے، جن بزرگوں نے ایسے کام کئے ہیں، انہوں نے حتی الامکان چھپانے کی سعی کی ہے اور اس کی غرض بھی ریاضت اور قہر نفس، ہے نہ کہ اتباع سنت؛ کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ پیدل حج کیا اور نہ ترغیب دی؛ بلکہ ایک عورت نے منت مانی تھی کہ پیدل حج کروں گی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں فرمایا تھا: "**مروها فلتركب**" (۳) کہ اس کو کہو کہ سواری پر جائے۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے دشوار اور مشقت کے کام اختیار کرنے سے منع بھی فرمایا ہے: "**خذوا من الأعمال ماتطيقون فإن اللّٰه لايمل حتىٰ تملوا**". (۴) رہا ہر قدم یا چند قدم پر نماز پڑھنا تو یہ بھی اگرچہ فی نفسہ جائز ہے؛ مگر اس میں

---

(۱) الحج واجب علىٰ الأحرار البالغين العقلاء الأصحاء إذا قدروا علىٰ الزاد، والراحلة فاضلاً عن المسكن، ومالابد منه، وعن نفقة عياله إلىٰ حين عوده، وكان الطريق اٰمناً. (الهداية، كتاب الحج: ۲۳۱/۲، ط: شركة علمية، ملتان)

(۲) ریاء ونمود سے نہ بچنے کی زندہ مثال شیخ سعدیؒ نے اپنی کتاب بوستاں میں ذکر فرمائی ہے، مندرجہ ذیل اشعار میں ملاحظہ فرمائیں:

شنیدم کہ مردے براہ حجاز، بہر خطوہ کردے دو رکعت نماز، چناں گرم رو در طریق خدائی، کہ خار مغیلاں نکندے ز پائی، بآخر ز وسواس خاطر پریش، پسند آمدش در نظر کار خویش، تلبیس ابلیس در جاہ رفت، کہ نتواں ازیں خوب تر راہ رفت۔

آخر میں فرماتے ہیں:

باحسانے آسودہ کردن دلے، بہ از الف رکعت بہر منزلے۔ (بوستان مترجم، باب دوم، ص: ۸۵، ط: میر محمد کتب خانہ)

(۳) عن أبي هريرة قال: امرأة نذرت أن تمشي إلى بيت الله، فسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك فقال: إن اللّٰه لغني عن مشيها. مروها فلتركب (الجامع للترمذي، أبواب النذور، والإيمان باب فيما يحلف بالمشي ولايستطيع: ۲۸۰/۲، رقم الحديث: ۱۵۱۱، ط: سعيد)

(۴) الصحيح لمسلم، كتاب الصلاة المسافرين، وقصرها، باب فضيلة العمل الدائم: ۲۶۷/۱، ط: سعيد

بھی نفس کو ریا و عجب سے محفوظ رکھنا سخت دشوار ہے؛ اس لیے اس کا ترک کرنا ہی اسلم واحوط ہے اور برسر راہ مصلی بچھا کر نماز پڑھنا مکروہ بھی ہے،(۱) رہ گزر سے علاحدہ ہو تو خیر۔

یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نفس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دی؛ اسی لیے امور شاقہ فرض نہیں فرمائے؛ لیکن کسی خاص مصلحت دینیہ سے نفس کو مقہور کرنے اور ریاضت کی نیت سے کوئی دشوار بات کوئی شخص اختیار کرلے تو بشرطیکہ وہ ریا و شہرت و ناموری و مقبولیت کی نیت سے پاک ہو جائز ہے؛ مگر اس کو طریق سنت اور افضل نہ سمجھا جائے؛ کیوں کہ افضل وہی مراد ہے، جو پورے شوق و رغبت اور نشاط سے ہو، خواہ تھوڑا ہو، "**لیصل أحدکم نشاطه**" (۲) کا حکم اسی پر شاہد ہے، بزرگوں کے پیادہ سفر حج کو دلیل بنانا بھی درست نہیں کہ ان جیسا خلوص، صفائے قلب بھی میسر نہیں، دوسرے ان کے یہ افعال مصالح مخصوصہ پر بطور ریاضت مبنی تھے، نہ یہ کہ جادہ مسلوکہ فی الدین یہی تھا۔ واللہ اعلم بالصواب

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۴/ ۳۴۸-۳۵۰)

سفر حج میں حج سے پہلے موت:

سوال (۱) ایک شخص اور اس کی زوجہ حج کو جانا چاہتے ہیں، اگر ان ایام میں بقضائے الٰہی راستہ میں کوئی حادثہ پیش آوے اور راستہ ہی میں دونوں کا یا ایک انتقال ہو جاوے تو حج کا ثواب ملے گا، یا نہیں؟

(۲) اگر یہ دونوں حج کی نیت رکھتے ہوں اور راستہ میں فوت ہو جاویں تو اس وقت بھی ثواب ملے گا، یا نہ؟

(۳) زوجہ کا والد زندہ ہے اور اس نے ابھی وقت جانے کے واسطے آمادہ ہے، اس عورت نے کہا کہ مجھ کو حج کرادو، یہی میرا مہر ہے اور اس وقت جانے کے واسطے آمادہ ہے، اس عورت کا باپ مانع ہے تو اس صورت میں کیا کرنا چاہیے؟

(۴) ابھی سے کہ ایام حج میں عرصہ ہے جانے سے اور راستہ میں مر جانے سے بھی ثواب ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

(۱) اگر راستہ میں انتقال ہو جاوے، یا کوئی حادثہ پیش آجاوے تو ثواب موافق پورا ملے گا اور عند اللہ ان کا اجر عظیم ہے اور بڑا درجہ ہے۔

---

(۱) وتكره الصلاة في الطريق . (مراق الفلاح علی الطحطاوی، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات، ص: ١٩٦، قديمی/ دیکھئے: رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب مكروهات الصلاة: ٤٠٤/٢)

عن ابن عمر رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى سبعة أن يصلي في سبعة مواطن: في المزبلة والمجزرة والمقبرة وقارعة الطريق، وفي الحمام وفي معاطن الإبل وفوق ظهر البيت. (سنن الترمذي، ص: ٢٤٦، سنن ابن ماجة، ص: ٧٤٦)

لیکن یہ روایت ضعیف ہے، خود امام ترمذی کا تبصرہ ہے کہ اس کی سند قوی نہیں ہے، حافظ ابن حجرؒ نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ (التلخیص الحبیر: ۳۱/۱)

(۲) الصحيح لمسلم، كتاب صلاة المسافرين، وقصرها، باب فضيلة العمل الدائم: ٢٦٦/١، ط: سعيد

(۲) اس میں ثواب حاصل ہے۔(۱)

(۳) اگر عورت پر حج فرض نہیں ہے اور شوہر کا کچھ اصرار لے جانے پر نہیں ہے تو عورت کو اپنے والد کی اطاعت کرنی چاہیے، یعنی اس وقت حج نفل کو نہ جانا چاہیے۔

شامی میں ہے: **أما حج النفل فطاعة الوالدين أولٰی مطلقاً، الخ.**(۲)

(۴) ثواب حاصل ہوگا۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۵۸۴)

حج کے سفر پر جانے والے کو ''حاجی'' کہنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک شخص حج کرنے گیا، ابھی راستہ میں ہی تھا کہ اس کو کسی نے ''حاجی'' کہا تو کیا اس کو حاجی کہنا درست ہے؟

باسمه سبحانه تعالیٰ، الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

جو شخص حج کے سفر جارہا ہے، اس کو مال کے اعتبار سے ابھی سے ''حاجی'' کہنا بھی درست ہے، جیسے کسی طالب علم کو مولوی بننے سے پہلے ہی ''مولوی'' کہہ دیا جاتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۰/۴/۱۴۲۱ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/۲۷۳)

حاجیوں کو ''الحاج'' کیوں کہا جاتا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ جو لوگ حج کرتے ہیں، انہیں ''الحاج'' لکھا جاتا ہے تو جو لوگ نماز پڑھتے ہیں انہیں نمازی اور جو زکوٰۃ دیتے ہیں، انہیں ''زکاتی'' کیوں نہیں کہا جاتا ہے؟

باسمه سبحانه تعالیٰ، الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

دیگر عبادات کی بہ نسبت حج کرنے والوں کی تعداد کم ہوتی ہے؛ اس لیے بطور امتیاز حج کرنے والوں کو حاجی لکھ دیا جاتا ہے اور بقیہ عبادات کرنے والوں کو نمازی، یا زکاتی نہیں لکھا جاتا؛ کیوں کہ ان اعمال کے کرنے والے اتنی کثیر تعداد میں ہوتے ہیں کہ اس صفت سے امتیاز کا مقصد حاصل نہیں ہوسکتا؛ تاہم ریا کاری اور شہرت کی غرض سے اپنے کو حاجی کہلوانا مذموم ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۵/۱۸۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۸/۷/۱۴۲۵ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/۲۷۴)

---

(۱) عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من خرج حاجاً أو معتمراً أو غازيا ثم مات في طريقه كتب الله له أجر الغازي والحاج والمعتمر. (رواه البيهقي في شعب الايمان). (مشكاة المصابيح، كتاب المناسك، الفصل الثالث، ص: ۲۲۳)

(۲) رد المحتار، كتاب الحج، مطلب فيمن حج بمال حرامٍ: ۳/۴۵۴، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

حاجی کا خطاب:

سوال: حجاج کرام جب حج کر کے واپس لوٹتے ہیں تو انہیں حاجی کا خطاب دیا جاتا ہے اور کچھ لوگ خود ہی حاجی لکھنے لگتے ہیں۔ عوام کو حاجی کے خطاب سے پکارنا درست ہے، یا نہیں؟ یہاں لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی حج کئے اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو ہمیشہ ہی حج کیا؛ لیکن کہیں بھی حاجی کا خطاب نظر نہیں آتا۔ شرع سے اس کی تفصیل لکھیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ''حاجی'' کے لفظ سے خطاب نہیں کیا جاتا اور اس کی ضرورت بھی نہیں تھی؛ اس لیے کہ ان کے مناقب وفضائل بے شمار تھے اور حج تو وہاں کے مشرک بھی کرتے تھے۔ ہمارے یہاں جس غریب کے پاس کوئی فضائل ومناقب نہیں، اس کو حاجی کہہ کر کچھ تعظیم وتکریم کر لی جائے تو اس میں مضائقہ نہیں؛ لیکن حاجی کو اس کا منتظر رہنا، یا خواہشمند رہنا، یا خود اس کی تشہیر کرنا کہ لوگ مجھے حاجی کہیں، یہ زیبا نہیں، وہ اپنے حج کی نمائش ہرگز نہ کرے۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۴۰۶/۶/۲۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/ ۴۵۹-۴۶۰)

کسی کو حج کرانے کی منت مانی اور وہ رقم کسی غریب کو دے دیا:

سوال: میری والدہ صاحبہ بیمار ہوئی تھیں، میں نے خدا تعالیٰ سے یہ منت مانی تھی کہ اگر یہ تندرست ہو جائیں گی تو میں ایک ایسے آدمی کو حج کراؤں گا، جس نے حج نہ کیا ہو، اللہ پاک نے میری دعا قبول فرمائی اور میری والدہ ماجدہ صاحبہ کو تندرستی عطا فرمائی۔ اب میں نے ایک شخص کو تجویز کر کے یہاں سے دہلی لکھا؛ مگر انہوں نے یہ جواب لکھا کہ ایک ایسے شخص کثیر الاولاد ہیں، بوجہ افلاس کے فاقوں تک نوبت رہتی ہے، لہٰذا بجائے میرے حج کرانے کے ان کو روپیہ دے دیجئے؛ تاکہ اس رقم سے یہ کچھ کام کاج کر لیں، اپنی اور اپنے بچوں کی پرورش کر سکیں؛ مگر میری دلی تمنا ہے کہ میں حج کراؤں شرعی حیثیت سے مجھے کیا کرنا چاہیے؟

(المستفتی: ۱۱۲۸، سلطان احمد صاحب، کلکتہ، ۲۶/ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ، مطابق ۱۵/ اگست ۱۹۳۶ء)

---

(۱) ﴿الذین ہم یراؤون﴾ الناس، فیعملون حیث یرو الناس ویرونہم طلبا للثناء علیہم. (روح المعانی، سورۃ الماعون: ۳۰/ ۲۴۲، دار احیاء التراث العربی بیروت)

''وعن جندب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: قال النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: من سمع: أی من عمل عملاً لسمعۃ بأن نواہ بعملہ، وشہرہ لیسمع الناس بہ، ویتمدحوہ (سمع اللّٰہ بہ). (أی شہرہ اللّٰہ بین أہل العرصات، وفضحہ علیٰ رؤوس الأشہاد. (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب الرقاق، باب الریاء والسمعۃ: ۹/ ۱۷۷، رشیدیۃ/ نیز دیکھے: (معلم الحجاج، ص: ۴۰۷، ادارۃ القرآن کراتشی)

الجواب

اس منت کو آپ اس کی اصلی صورت میں بھی پوارا کر سکتے ہیں؛ یعنی کسی کو حج کرا دیں اور دوسری صورت اختیار کرنا؛ یعنی کسی حاجت مند کو اس قدر رقم دے دینا، جس قدر حج کرانے میں خرچ ہوتی ہو، یہ بھی جائز ہے، جو صورت آپ پسند کریں، اس کی شرعی اجازت ہے، اولیٰ اور بہتر دوسری صورت ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی:۳۵۱/۴)

حج کی نیت سے جمع کی ہوئی رقم کو خرچ کرنا جائز ہے:

سوال: ایک بیوہ عورت نے اس ارادے سے اپنا زیور اور کچھ رقم جمع کر کے رکھا تھا کہ زیور کو فروخت کر کے اور رقم مذکور کو ملا کر جب اس قدر رقم ہو جائے، جو سفر حج کے لیے کافی ہو تو سفر حج کروں گی؛ لیکن کل رقم اس مقدار کو نہ پہنچی جو سفر حج کے لیے کافی ہو؛ اس لیے اس نے اپنا ارادہ فسخ کر دیا اور اس رقم موجودہ میں سے اپنی ضرورت کے موقع پر کچھ خرچ بھی کرتی رہی، اب وہ بقایا رقم کو اور زیور کو فروخت کر کے اپنے کھانے پینے میں صرف کر سکتی ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: مولوی عبدالرؤف خاں جگن پور)

الجواب

وہ روپیہ اس کی ملک ہے، جس کام میں چاہے، خرچ کرے، اپنے کھانے پینے اور ہر کام اور ہر ضرورت میں خرچ کر سکتی ہے۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی:۳۵۱/۴-۳۵۲)

یوم جمعہ کا حج:

سوال: اگر ذی الحجہ کی نو تاریخ جمعہ کی ہو تو حجاج کو ثواب مزید ملے گا، یا نہیں؟

الجواب

فقہا اس مسئلہ میں ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ یہ حج ستر حج سے زیادہ بہتر ہے۔

البحر الرائق میں ہے: **وقد قيل إذا وافق يوم عرفة يوم جمعة غفر لأهل كل الموقف وإنه أفضل من سبعين حجة في غير يوم الجمعة كما ورد في الحديث الشريف، إنتهٰى.** (۳) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو:۲۴۰)

(۱) بخلاف النذر المعلق، فإنه لايجوز تعجيله. وفي الشامية: أما تاخيره، فيصح الإنعقاد السبب قبله، وكذا يظهر منه أنه لايتعين فيه المكان، والدرهم، والفقير. (ردالمحتار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم، ومالا يفسده: ۴۳۷/۲، ط: سعيد)

(۲) اگر یہ رقم حج کے لیے کافی ہوتی ہو، تب بھی اس رقم کا خرچ کرنا جائز تھا، البتہ اس کے ذمے حج فرض ہو جاتا؛ لیکن چوں کہ رقم پوری نہیں ہوئی؛ اس لیے جو چاہے کر سکتی ہے؛ کیوں کہ حج فرض ہی نہیں ہوا۔

(۳) اس سلسلے میں یہ روایت نقل کی جاتی ہے: أفضل الأيام يوم عرفة إذا وقف يوم الجمعة، لیکن یہ روایت باطل ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (دیکھئے: فتح الباري: ۲۷۱/۸، السلسلة الضعيفة للشيخ ألباني، ص: ۲۰۷، رقم الحديث، ۳۱۴۴، تحفة الأحوذي: ۲۷/۴، ردالمحتار، كتاب الحج: ۵۲۸/۳)

قرآن کا ترک حج کو کفر سے تعبیر کرنا:

سوال: باری تعالیٰ نے فرضیت حج کرنے کے بعد فرمایا: ﴿ومن کفر فان اللّٰہ غنی عن العالمین﴾ یعنی ترک حج کو کفر سے تعبیر کیا اور یہ چیز اہل سنت کے عقیدہ کے خلاف ہے تو اب آیت کی کیا مراد ہوگی؟

الجواب

علامہ بغوی رحمہ اللہ معالم التنزیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن بصری اور عطاری رحمہما اللہ نے آیت کی تفسیر میں فرمایا: ﴿ومن کفر﴾ سے فرضیت حج کا منکر مراد ہے۔

اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿ومن کفر﴾ میں اللہ اور یوم آخرت سے کفر وانکار مراد ہے۔

اور سعید بن المسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے؛ کیوں کہ وہ وجوب حج کے منکر تھے۔ تینوں تفسیروں سے معلوم ہوگیا کہ آیت اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے خلاف نہیں۔ (۱)

(مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۴۰، ۲۴۱)

دوبارہ حج کرنا ضروری ہے، یا اپنے بچوں کی جائز ضروریات پورا کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کوئی آدمی اپنے گناہ معاف کرانے کی غرض سے دوبارہ حج پر جانا چاہتا ہے، جب کہ اس کے بچوں کی دیگر جائز ضروریات بھی اس پر فرض ہیں، تو یہاں اس کا دوبارہ حج پر جانا ضروری ہے یا اپنے بچوں کی ضروریات کو پورا کرنا۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ، الجواب وباللّٰہ التوفیق

مسئولہ صورت میں اگر اس کے پاس اتنا انتظام ہے کہ اس کی غیر موجودگی میں اس کے اہل وعیال بسہولت کھانے پینے اور رہنے کی ضروریات پوری کرسکیں، تو اسے حج کو جانے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن اگر صورت حال ایسی ہے کہ اس کے جانے کی وجہ سے بچے بھوکے رہیں گے، اور ان کی لازمی ضروریات پوری نہ ہوسکیں گی، تو ایسے شخص کے لیے حج کو جانے کی اجازت نہیں ہے؛ بل کہ اپنے بچوں کی کفالت کا نظم لازم ہے۔

فرض مرة علی الفور علیٰ مسلم حر مکلف صحیح بصیر ذی زاد وراحلة فضلاً عما لابد منه. (التنویر مع الدر المختار: ۲/ ۵۵-۴۷۱، کراتشی، ۳/ ۴۵۰-۴۷۲، زکریا، الفتاویٰ الهندیة: ۲۱۹/۱، کوئٹه، الهدایة، کتاب الحج: ۲۳۱/۱، کنز الدقائق، کتاب الحج: ۳/۱-۷، البحر الرائق: ۳۱۱/۲، کوئٹه، بدائع الصنائع: ۳۰۱/۲، زکریا)

---

(۱) قَوْلُهُ تَعَالَی: ﴿وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ﴾ (سورة آلِ عِمْرَانَ: ۹۷) قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَالْحَسَنُ وَعَطَاءٌ: جَحَدَ فَرْضَ الْحَجِّ، وَقَالَ مُجَاهِدٌ: مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَقَالَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ: نَزَلَتْ فِي الْيَهُودِ حَيْثُ قَالُوا: الْحَجُّ إِلَى مَكَّةَ غَيْرُ وَاجِبٍ، وَقَالَ السُّدِّيُّ: هُوَ مَنْ وَجَدَ مَا يَحُجُّ بِهِ ثُمَّ لَمْ يَحُجَّ حَتَّى مَاتَ فَهُوَ كُفْرٌ بِهِ. (معالم التنزیل: ۱۳۹/۱-۱۴۰، دارالسلام للنشر والتوزیع الریاض، انیس)

فاضلاً عن حوائجه الأ صلية ... كمسكنه ... وعن نفقه عياله ممن تلزمه نفقته وهى الطعام و الكسوة والسكنىٰ. (غنية الناسک: ۱۹، إدارة القرآن كراتشى)

وفضلاً عن نفقة عياله ممن تلزمه نفقته تتقدم حق العبد إلىٰ حين عوده. (الدر المختار: ۴۷۲/۳، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۱۰/۲۳ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۳۲۰/۷)

حج فرض فوراً ادا کیا جائے:

سوال (۱) ہندوستان سے ہر پانچ قدم پر بیٹھ کر دو رکعت نفل پڑھتے ہوئے، پا پیادہ باوجود استطاعت سفر حج کیسا ہے؟

(۲) سواری کی استطاعت رکھتے ہوئے پیدل سفر کرنا؟

(۳) ہر پانچ قدم پر اپنے ذمہ دو رکعت نفل لازم کر لینا؟

(۴) بند جگہ کے بجائے کھلی جگہ بیچ راستہ سے ہٹ کر نفل پڑھنا؟

(۵) تکلیف مالا یطاق کے تحمل کا بلاضرورت ارادہ کرنا؟

(۶) اگر یہ سفر حج فرض ہے؛ تو اسی سال ہونا چاہئے اور اگر نفل ہے؛ تو یہاں سے زیادہ وہاں کی مسجد میں نفل کا ثواب ہے اور شوق کا تقاضا ہے کہ جلد سے جلد پہنچے، ایسی صورت میں جب کہ ہر پانچ قدم پر دو رکعت نفل پڑھی جائے، یہ سفر تقریباً بیس سال میں طے ہوگا؟

(المستفتی: ۱۶۱، محمد ظہور خاں، ضلع فتح پور، یو پی، ۳/ رمضان ۱۳۵۲ھ، مطابق ۲۱/ دسمبر ۱۹۳۳ء)

الجواب

نمبر ایک سے نمبر ۵ تک سوالوں کا جواب یہ ہے کہ یہ سب چیزیں فی حد ذاتہ جائز ہیں، اگر اخلاص سے ادا کی جائیں تو موجب ثواب ہوسکتی ہیں؛ لیکن ریاو نمود اور اکتساب شہرت کے لیے ہوں تو موجب وبال ہوں گی۔ (۱) نمبر ۶ کے جواب میں اول کا تو وہی جواب ہے، جو سائل نے خود ہی لکھا ہے کہ حج فرض عام اول ہی میں ادا کرنا چاہیے اور باوجود استطاعت اپنے کسی اختیاری فعل سے اس میں تاخیر نہ کرنی چاہیے؛ (۲) مگر شق دوم کا جواب یہ ہے کہ بصورت اخلاص ریاضت نفس وتزکیہ باطن کے لحاظ سے حج نفل میں یہ صورت فی حد ذاتہ جائز ہے؛ لیکن ریاؤ نمود سے بچنا اس میں بہت مشکل ہے۔ (۳) واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، مدرسہ امینیہ دہلی (کفایت المفتی: ۳۴۸/۴)

---

(۱) یہ عمل صرف جائز ہے، افضل پھر بھی نہیں؛ کیوں کہ ایسے موقعوں پر زیادہ تر ریاو نمود کا غالب اندیشہ ہوتا ہے، لہذا اسے ترک کرنا ہی احوط وافضل ہے۔

(۲) **علی الفور فی العام الأول عند الشافعی، وأصح الروایتین عن الإمام، ومالک، وأحمد فیفسق، وأوترد شهادته بتاخیره.** (الدر المختار، کتاب الحج: ۴۵۶/۲-۴۵۷، ط: سعید)

(۳) بوستان مترجم، باب دوم ص: ۸۵ ط میر محمد کتب خانہ

نفل حج افضل ہے، یا صدقہ:

سوال: میں بحمد اللہ فریضۂ حج ادا کر چکا ہوں اور پھر خواہش ہے کہ نفل حج کروں، امید ہے کہ حج کمیٹی سے مجھے حج کا موقع مل جائے گا؛ لیکن میرے بعض اقارب بہت پریشانی کی حالت میں ہیں، خاندان کی بعض یتیم لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ بھی ہے، ایسی صورت میں ہمیں نفل حج کرنا چاہیے، یا غریب رشتہ داروں کی مدد اور یتیم لڑکیوں کی شادی میں تعاون کرنا چاہیے؟ (عبدالحمید، نظام آباد)

الجواب

فقہا کے یہاں اس بارے میں اختلاف ہے کہ حج افضل ہے، یا صدقہ کرنا؟ لیکن جو حالات آپ نے تحریر کئے ہیں، اس حقیر کا خیال ہے کہ ایسی صورت میں یتیم لڑکیوں کی شادی کرا دینا، یا غریب رشتہ داروں کی مدد کرنا زیادہ اجر وثواب کا باعث ہے؛ کیوں کہ حج کا مقصود اللہ کے شعائر کا احترام ہے اور وہ احترام آپ کے دل میں پہلے سے موجود ہے، حج سے اس کی تجدید ہوتی ہے، جب کہ اپنے غریب قرابت داروں کی مدد کرنے میں اللہ کے محتاج اور ضرورت مند بندوں کی مدد کرنا ہے اور یتیم لڑکیوں کا نکاح کرانے میں انہیں گناہ سے بچانا ہے، جو ظاہر ہے کہ زیادہ اہم ہے۔ مشہور فقیہ علامہ شامی کا رجحان بھی اسی طرف ہے کہ جب تنگی کے حالات ہوں تو صدقہ نفل حج سے افضل ہے اور انہوں نے بعض اور فقہا سے بھی یہی رائے نقل کی ہے۔

"ثم رأيت في متفرقات الباب الجزم بان الصدقة أفضل منه". (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۱۲۳/۴) ☆

(۱) منحة الخالق على البحر الرائق: ۳۱۰/۲

☆ **حج کرنے کا طریقہ اور مسائل:**

عمرہ: خانہ کعبہ کی زیارت اور صفا ومروہ کے درمیان سعی کرنا جو احرام کے ساتھ ہو۔

حج: عرفات پر وقوف کرنا اور طوافِ زیارت کرنا جو احرام کے ساتھ ایک وقتِ معین پر ہو۔

قران: عمرہ اور حج کا مجموعہ جو ایک ہی احرام سے لگا تار کیا جائے۔

تمتع: عمرہ اور حج کا مجموعہ جو دو احرام سے الگ الگ ادا کیا جائے، امام اعظم کے نزدیک سب سے افضل قران ہے، پھر تمتع، پھر افراد۔

حج کے شرائط: (۱) احرام، بغیر احرام کے کوئی فعل حج کا صحیح نہیں، (۲) زمان، تمام ارکان ایامِ حج میں ادا ہوں، (۳) مکان، مسجد حرام وصفا ومروہ، عرفات۔

حج کے فرائض: (۱) احرام باندھنا، (۲) عرفات میں وقوف، (۳) طواف زیارت۔

حج کے واجبات: (۱) میقات سے احرام باندھنا، (۲) صفا ومروہ کے درمیان سعی کرنا، (۳) زوالِ آفتاب سے سورج ڈوبنے کے تھوڑی دیر کے بعد تک عرفات میں وقوف کرنا، (۴) وقوف مزدلفہ، (۵) سر منڈوانا، (۶) رمی جمار کرنا، (۷) طوافِ وداع، (۸) طوافِ زیارت، (۹) رمی جمار کو ذبح پر مقدم کرنا، (۱۰) ہدی کا ذبح کرنا، (۱۱) ہدی کے ذبح کو حلق پر مقدم کرنا، (۱۲) ہدی کو ایام نحر میں ذبح کرنا۔

حج کے سنن: (۱) طواف قدوم، (۲) امام کا خطبہ پڑھنا، ساتویں تاریخ کو مکہ میں، نویں کو بعد زوال کے عرفات میں گیارہویں کو مسجد نمرہ میں، (۳) مکہ سے منیٰ کی جانب آٹھویں تاریخ کو بعد نماز فجر نکلنا، (۴) پانچ نمازیں منیٰ میں پڑھنا، (۵) عرفہ کی شب میں منیٰ میں رہنا، (۶) عرفہ کے دن طلوع آفتاب کے بعد منیٰ سے عرفات جانا، (۷) منیٰ سے مکہ واپس ہوتے ہوئے محصب میں ذرا ٹھہرنا۔ ==

==**مستحبات**:(۱) سفرِ حج کی ایک قربانی کرنا،(۲) مکہ میں داخل ہونے کے وقت غسل کرنا،(۳) مزدلفہ میں جانے کے وقت غسل کرنا۔

احرام باندھنا: جب میقات پر پہنچے تو احرام باندھ لے؛ یعنی نہا دھو کر ایک چادر اور تہمد پہن کر دو رکعت نفل پڑھے اور جا نماز پر بیٹھے اور سر کھولے اور حج بیت اللہ کی نیت کرے اور تلبیہ کہے: **لبیک اللّٰھم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک إن الحمد والنعمة لک والملک لا شریک لک**. (حاضر ہوں اے اللہ حاضر ہوں، حاضر ہوں نہیں کوئی شریک تیرا، حاضر ہوں تیرے لئے سب تعریف ہے اور تیری ہی نعمتیں سب ہیں اور تیرا ہی ملک ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں پس احرام بندھ گیا)

مسئلہ: گھر سے احرام باندھ کر چلنا افضل ہے ہندوستانیوں کے لئے میقات یلملم ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص بیہوش ہو تو دوسرا اس کی طرف سے احرام باندھ سکتا ہے۔

مسئلہ: تلبیہ کے الفاظ بجنسہ ادا ہونے چاہئیں ان الفاظ میں کمی بیشی نہ کی جائے۔

تلبیہ کے اوقات:

(۱) ہر نماز کے بعد،(۲) جب ایک دوسرے سے ملاقات کرے،(۳) جب اوپر چڑھے یا نیچے اترے،(۴) جب شتر سواروں کو آتے جاتے دیکھے،(۵) جب سواری پر سوار ہو یا اترے،(۶) ہر روز صبح کے وقت۔

مسئلہ: احرام باندھنے کے بعد (۱) رفث وفسوق اور جدال (یعنی گالی گلوچ لڑائی جھگڑے) سے پرہیز کرے،(۲) جانور کا شکار نہ کرے، (۳) کرتہ، پائجامہ، قبا، عمامہ، ٹوپی اور موزے نہ پہنے،(۴) مرد سر اور منہ کو نہ ڈھانکے اور عورت صرف منہ نہ ڈھانکے،(۵) خوشبودار تیل کا استعمال نہ کرے،(۶) بدن کے بال نہ مونڈے، ناخن نہ کترے۔

مسئلہ: اگر ممکن ہو تو زمین حرم میں پیدل چلے اور بڑی عاجزی سے قدم اٹھائے اور اس طرح چلے جیسے کوئی عاجز مسکین آدمی شہنشاہ کے دربار میں حاضر ہوتا ہے۔

مسئلہ: مسجد حرام میں باب السلام سے داخل ہونا بہتر ہے، بہت عاجزی سے لبیک کہتا ہوا داخل ہو اور اس مقام کی عظمت وجلال دل میں قائم کرے اگر کوئی مزاحمت کرے تو اس سے بہت نرمی سے پیش آئے، بہتر یہ ہے کہ ننگے پاؤں داخل ہو۔

مسئلہ: جب خانہ کعبہ کو دیکھے تو دعا مانگے پھر طواف کرے۔

مسئلہ: جب حجر اسود کی طرف جائے تو دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے اور تکبیر وتہلیل کہے پھر ہاتھ چھوڑے جس طرح نماز میں تکبیر تحریمہ کہتے ہیں۔

مسئلہ: حجرِ اسود کو بوسے دے، اس طرح کہ دونوں ہاتھ حجرِ اسود پر رکھ کر دونوں ہونٹوں کو حجرِ اسود پر لگائے۔

مسئلہ: اگر ہجوم زیادہ ہو تو عورت کے واسطے حجرِ اسود کو بوسہ دینا ضروری نہیں۔

مسئلہ: خانہ کعبہ کے گرد چکر کرنے طواف کہتے ہیں، پہلے نیت کرے ہر چکر حجرِ اسود سے شروع کر کے حجرِ اسود ہی ختم کرے۔

مسئلہ: اپنے سیدھے ہاتھ کی طرف طواف سے شروع کرے کہ حطیم اور خانہ کعبہ بیچ میں رہے۔

مسئلہ: طواف کے پہلے تین چکروں میں اضطباع اور مل کرے۔

مسئلہ: طواف سے فارغ ہو کر مقامِ ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھے پھر دعاء مانگے۔

مسئلہ: صفا جانے سے پہلے زمزم کے پاس آئے اور اس کا پانی پیٹ بھر کر پئے اور باقی پانی کنویں میں ڈال دے اور دعاء مانگے پھر ملتزم کے پاس آئے۔ اور اس کو بوسہ دے اس کے بعد صفا ومروہ کی سعی کرے۔

مسئلہ: کوہِ صفا پر چڑھے تو سعی کی نیت کرلے، صفا پر اس قدر اونچا چڑھے کہ خانہ کعبہ دکھائی دینے لگے۔

مسئلہ: کوہِ صفا پر منہ قبلہ کی طرف کرے اور درود شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیجے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر خدائے تعالیٰ سے حاجت چاہے۔==

== مسئلہ: سعی صفا سے شروع کرے تا کہ سات پھیروں کے بعد سعی مروہ پر ختم ہو۔

مسئلہ: میلین ،اخضرین کے درمیان دوڑ کر چلے۔

مسئلہ: مروہ پر بھی اتنا اونچا چڑھے کہ خانہ کعبہ کو دیکھ سکے اور خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے، سعی میں تلبیہ کہتا رہے۔

مسئلہ: سعی کے بعد چاہئے کہ مسجد میں جائے اور دو رکعت نماز پڑھے۔

مسئلہ: قیام مکہ میں جس قدر نیکی ہو سکے کرے، کیوں کہ وہاں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ گنا ہوتا ہے، اور گناہوں سے پرہیز کرے۔

مسئلہ: قیام مکہ میں مسجد حرام میں بیٹھ کر کم از کم ایک قرآن شریف ختم کرے۔

مسئلہ: آٹھویں تاریخ کو حج کے واسطے احرام باندھیں، صبح کی نماز مکہ معظّمہ میں پڑھ کر آفتاب نکلنے کے بعد منیٰ کی طرف روانہ ہوں۔

مسئلہ: نویں تاریخ کو بعد نماز فجر سب حاجی منیٰ سے عرفات کو جائیں۔

مسئلہ: مسجد نمرہ میں امام منبر پر آجائے اور اذان کے بعد کھڑے ہو کر دو خطبے پڑھے اس خطبے میں لوگوں کو وقوف ، رمی جمار، قربانی، حلق ،قصر، اور طواف زیارت کے احکام سنائے۔

مسئلہ: جب امام خطبہ سے فارغ ہو تو مؤذن اقامت کہے اور ظہر اور عصر کی نماز ملا کر ظہر کے وقت میں پڑھے، اس طرح کہ ظہر کے دو فرض کے بعد مؤذن دوسری اقامت کہے اور عصر کی نماز پڑھی جائے۔

مسئلہ: ان دونوں نمازوں میں فاصلہ نہ دینا چاہئے ، درمیان میں نفل بھی نہ پڑھے، ان دونوں نمازوں کو جمع کرنا سنت ہے۔

مسئلہ: نماز عصر کے بعد سب موقف کی طرف روانہ ہوں جبلِ رحمت کے پاس وقوف کرنا بہتر ہے، موقف میں تلبیہ برابر کہتے رہیں۔

مسئلہ: امام کو چاہئے کہ جبلِ رحمت کے قریب قبلہ کی طرف منہ کر کے اونٹ پر کھڑا ہو، اور دعا مانگے اور سب آدمی بھی اپنے لئے اور اپنے عزیز واقارب کے لئے دعا مانگیں اور دل میں عہد کریں کہ آئندہ گناہ نہ کریں گے۔

مسئلہ: غروب آفتاب کے بعد امام سب آدمیوں کو لے کر مزدلفہ کی طرف چلے، مزدلفہ میں جبل قزح کے پاس اترنا افضل ہے، وادی محصب میں نہ ٹھہرے۔

مسئلہ: عشاء کے وقت اذان واقامت کے بعد امام دونوں نمازیں مغرب اور عشاء کی جمع کر کے پڑھائے، ان دونوں نمازوں کے درمیان نہ نفل پڑھے نہ فاصلہ کرے۔

مسئلہ: عشاء کے بعد تمام رات جاگتا رہے، نماز اور تلاوت قرآن اور دعاء میں مصروف رہے کیوں کہ یہ شب لیلۃ القدر سے افضل ہے۔

مسئلہ: امام کو چاہئے کہ عید کے روز مزدلفہ سے صبح کے وقت سورج نکلنے سے جامع مع حاجیوں کے منٰی کی طرف کوچ کرے۔

مسئلہ: منیٰ میں آج پہلے رمی جمرہ عقبہ کرے اس کے بعد قربانی کرے قربانی کے بعد سر مونڈائے یا بال کتروائے لیکن سر منڈوانا بہتر ہے عورت کو صرف انگلی کے ایک پور کے برابر کتروانے چاہئیں۔

مسئلہ: ۱۰/ذی الحجہ آج ہی سر مونڈوانے کے بعد کے مکہ معظّمہ جا کر طواف زیارت کرے اور واپس منیٰ آجائے۔

مسئلہ: طواف زیارت کے بعد سب چیزیں جائز ہیں، جماع بھی درست ہے اور خوشبو کا استعمال بھی جائز ہے۔

مسئلہ: ۱۱،۱۲،۱۳، تاریخ کو منیٰ میں قیام کرے اور تینوں دن تمام جمروں کی رمی کرتا رہے اس کے بعد منیٰ سے کوچ کرے۔

مسئلہ: اب مکہ مکرمہ میں آکر طواف الصدر یا طواف الوداع ادا کرے اس طواف میں رمل نہ کرے۔

مسئلہ: طواف وِداع کے چاہِ زمزم پر آکر اپنے ہاتھ سے پانی نکال کر پیئے، اس کے بعد ملتزم پر آئے اور اس کو بوسہ دے۔

مسئلہ: اب کعبہ شریف کی طرف منہ کئے ہوئے الٹے پاؤں چلے اور کعبہ کی جدائی پر حسرت کرتا اور روتا چلے، اور اسی طرح مسجد حرام سے باہر جائے۔ (ماخوذ از دین کی باتیں، مصنفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

سفر حج کے اسرار اور منافع:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک صاحب حج کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس لیے فرض کیا گیا ہے کہ آدمی اپنے بسترے کو اپنے کندھوں پر لاد کر سفر کے نشیب و فراز سے واقف ہو جائے اور وقت کا کھانا بے وقت کھائے؛ تا کہ واپس آ کر مسافری کا احساس ہو، کیا واقعی حج اس لیے فرض کیا گیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: حاجی عبدالوہاب)

الجواب

حج کی فرضیت کا (راز) سبب تعظیم بیت اللہ ہے،(۱) اور سفر حج میں بہت منافع اور برکات ہوتی ہیں جن میں سے بعض وہ ہیں جو کہ اس صاحب نے ذکر کئے ہیں، **يشير إلى الأول مافي الدرالمختار: فرض مرةً لأن سببه البيت وهو واحد.** (الدرالمختار على هامش ردالمحتار: ۱۵۱/۲، كتاب الحج) **وهوالموفق** (فتاویٰ فریدیہ: ۲۱۱/۴)

حدیث ''من لم يحج فليمت ان شاء يهوديا أونصرانيا'' تغلیظ پر محمول ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین حدیث ذیل کی تشریح میں کہ جس نے بغیر کسی عذر کے حج نہیں کیا تو اگر وہ مر گیا تو یا یہودی مر گیا، یا نصرانی۔ حدیث یہ ہے:

وعن أمامة رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من لم يمنعه من الحج حاجة ظاهرة أوسلطان جابر أو مرض ... فمات ولم يحج، فليمت إن شاء يهوديا أو إن شاء نصرانيا. (رواه الدارمي) **بینوا توجروا۔**

الجواب

واضح رہے کہ خانہ کعبہ کی زیارت اور تعظیم یہود و نصاریٰ نہیں کرتے، یہ مسلمان کرتے ہیں، پس جو مسلمان باوجود استطاعت اور بغیر کسی عذر کے حج بیت اللہ نہ کرے تو اس نے مسلمانوں کے راہ پر سلوک نہیں کیا؛ یعنی اس میں یہود و نصاریٰ کا عمل موجود ہوا ہے، ورنہ اعتقاد درست ہے، منکر نہیں ہے، لہٰذا یہ شخص مسلمان رہے گا اور حدیث تغلیظ پر محمول ہوگا۔ (۲) **وهوالموفق** (فتاویٰ فریدیہ: ۲۱۲/۴)

---

(۱) قال الامام الشاه ولى الله الدهلوى: المصالح المرعية فى الحج امور منها تعظيم البيت فانه من شعائر الله وتعظيمه هو تعظيم الله تعالىٰ. (حجة الله البالغة: ۵٦/۲، مبحث من ابواب الحج)

(۲) قال الملا على قارى: (أن يموت يهوديا او نصرانيا) أى فى الكفر ان اعتقد عدم الوجوب وفى العصيان ان اعتقد الوجوب وقيل هذا من باب التغليظ الشديد والمبالغة فى الوعيد ... والأظهر إن وجه التخصيص كونهما من أهل الكتاب غير عاملين به فشبه بهما من ترك الحج حيث لم يعمل بكتاب الله تعالىٰ ونبذه وراء ظهره كانه لا يعلمه، قال الطيبى: والمعنىٰ ان وفاته على هذه الحالة ووفاته على اليهودية والنصرانية سواء والمقصود التغليظ فى الوعيد كما فى قوله تعالىٰ ومن كفر. (مرقاة المفاتيح شرح المشكاة: ۲۷۳/۵، كتاب المناسك الفصل الثانى)

صرف نیت کرنے سے حج فرض نہیں ہوتا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ چند اشخاص نے زید کو کہا کہ ہم تم کو امسال حج کے لیے بھیجیں گے، تم حج کی نیت کرلو، پھر اس نے حج کی درخواست دی، منظوری آئی تو کیا زید پر صرف نیت کرنے سے حج فرض ہوا، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: مولانا غلام مجتبیٰ دار العلوم عثمانیہ راول پارک لاہور، ۱۰/رمضان ۱۴۰۹ھ)

الجواب

حج صرف نیت کرنے سے فرض نہیں ہوجاتا ہے، جب کہ تلبیہ تا حال نہیں پڑھا ہے۔(۱) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۱۲/۴-۲۱۳)

حج اور عمرہ میں نیت کے الفاظ غلط پڑھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی حج تمتع کرنے والا تھا، اس نے ناسمجھی اور غلطی کی وجہ سے کراچی سے حج کی نیت کی؛ یعنی: "اللّٰھم إني أريد الحج، الخ"، حالاں کہ اسے "اللّٰھم إني أريد العمرة، الخ"، پڑھنا چاہیے تھا، وہاں حرم میں جاکر طواف وسعی کرکے بال منڈوالئے؛ یعنی حج کی نیت کرکے عمرہ کیا، آٹھویں ذی الحجہ کو پھر حج کی نیت کی، کیا اس کا یہ عمرہ اور حج ادا ہوئے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: زاہد الرحمٰن خانہ صواتی کلے کرک، ۲۳/۴/۱۹۴۸ء)

الجواب

نیت ارادہ قلبی کا نام ہے، نہ کہ الفاظ کا، (۲) پس اس شخص پر دم وغیرہ واجب نہیں ہوا ہے اور نہ اس پر اعادہ حج وعمرہ ہے۔(۳) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۱۳/۴)

---

(۱) قال العلامة النظام: ولا يصير شارعا بمجرد النية مالم يأت بالتلبية أو ما يقوم مقامها من الذكر أو سوق الهدى أو تقليد البدنة، كذا في المضمرات. (فتاویٰ عالمگيرية: ۲۲۲/۱، الباب الثالث في الاحرام)

(۲) قال العلامة الشرنبلالي: النية في اللغة مطلق القصد وفي الشريعة قصد كون الفعل لما شرع له ...وقال شيخ الاسلام الديري: النية هي الارادة الجازمة لأن النية في اللغة العزم والعزم هو الارادة الجازمة القاطعة، وقال الشيخ الخطابي: معنى النية قصدك الشيء بقلبك وتحرك الطلب منك، وقال البيضاوي: النية عبارة عن انبعاث قلبك نحو ما تراه موافقا لفرض من جلب نفع أو دفع ضرحالا أو مآلا والشرع خصصها بالارادة للتوجه نحو الفعل ابتغاء لوجه الله تعالىٰ وامتثالا لحكمه ... وقال الكمال: النية قصد الفعل ... وقال عبد الواحد: اذا علم اى صلاة يصلى قال محمد بن سلمة هذا القدر نية والاصح انه لا يكون نية لان النية غير العلم بها الخ. (إمداد الفتاح شرح نورالايضاح، ص: ۲۳٤، باب شروط الصلاة واركانها)

(۳) قال في الشامية: فيصح الحج بمطلق النية اى بالنية المطلقة عن التقييد بالحج بان نوى النسك من غير تعيين حج أو عمرة ثم ان عين قبل الطواف فبها والاصرف للعمرة، قال في اللباب: وتعيين النسك ليس بشرط فصح مبهما وبما احرم به الغير ثم قال في موضع آخر ولو احرم بما احرم به غيره فهو مبهم فليزمه حجة أو عمرة ... وكذا لو اطلق نية الحج صرف للفرض. (ردالمحتار هامش الدرالمختار: ۱۷۲/۲، قبيل مطلب فيما يصير به محرما)

نکاح ہونے کی صورت میں شوہر اور بیوی کا حج پر جانا جائز ہے:

سوال: عارفہ ۱۹۵۰ء میں اپنے شوہر سے تنگ آ کر سندھ سے ملتان چلی گئی اور ابراہیم شاہ سے پناہ طلب کی، ابراہیم شاہ نے عارفہ کو پناہ میں رکھا، اس دوران عارفہ کے شوہر نے کوئی خرچ نہیں دیا اور عارفہ کا نان ونفقہ ابراہیم شاہ برداشت کرتا رہا، ۱۹۵۱ء میں عارفہ کے شوہر کا انتقال ہوگیا، بعد عدت عارفہ نے ابراہیم شاہ سے نکاح کرلیا، ۱۹۵۲ء ۱۷/اپریل کو ملتان چھاؤنی میں عبدالمنان امام مسجد نے نکاح پڑھایا احمد علی، خدابخش والدخان جانگلہ گواہ تھے، ان کے روبرو نکاح ہوا، اس وقت فارم اور رجسٹرڈ کا عام رواج نہیں تھا، یہ حلفیہ بیان ہے، ابراہیم شاہ اور عارفہ دونوں حج کو جانا چاہ رہے ہیں، یہ اپنے عزیزوں کو اس سلسلے میں مدعو کرنا چاہتے ہیں، ان کی اس دعوت میں عزیزوں کا جانا اور کھانا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

جب عارفہ اور براہیم شاہ کے درمیان شرعی طور پر نکاح ہو چکا ہے تو اب یہ دونوں ساتھ حج کو جاسکتے ہیں اور ان کی دعوت قبول کرنے میں شرعا کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ کوئی اور مانع شرعی موجود نہ ہو۔ واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ ۲۲/۱۱/۱۳۹۶ھ (فتویٰ نمبر: ۲۵۹۱/۲۷، و) (فتاویٰ عثمانی: ۲۰۸/۲)

اکانومی کلاس میں ٹکٹ نہ ملنے کی بنا پر فرسٹ کلاس کا ٹکٹ لے کر حج پر جانا فرض:

سوال: میں آپ کو زحمت اس لیے دے رہا ہوں کہ میری عمر ۶۳/سال ہوچکی ہے اور میرے اوپر حج فرض ہے، چناں چہ میں مشہد سے حج پر جانے کے لیے تین مرتبہ درخواستیں دے چکا ہوں؛ مگر قرعہ اندازی میں میرا نام نہیں نکلتا، معاملہ قسمت پر چھوڑ دوں، یا پانی کے جہاز سے فرسٹ کلاس سے جانے کے لیے دوخواست دوں؟ ایسا کرنے میں پہلے سال تو بہت امکان تھا؛ مگر اس میں دو باتیں ہیں:

(۱) یہ کہ حکومت پاکستان علاوہ عرشہ کے اور تمام درجوں کے مسافروں سے بڑی بھاری رقم بونس واؤچر کے نام سے لیتی ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ رقم لینا اور دینا مذہب کہاں تک جائز درست ہے؟ حج میں تو کوئی نقصان نہ ہوگا؟

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ میرے چار بچے بھی ہیں، جن میں ایک لڑکی جوان بھی ہے اور باقی تمام کے تمام شادی کی عمر میں ہیں، اگر میں عرشہ کے بجائے فرسٹ کلاس میں جاؤں تو اخراجات اتنے بڑھ جاتے ہیں کہ اولاد کی شادی میں دیر اور دقت ہوگی، ان باتوں کو مدنظر رکھ کر یہ فرمائیے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

(۱) اگر آپ کے پاس اپنی ضرورت اصلیہ سے زائد اتنا روپیہ ہے کہ اس کے ذریعے آپ بونس واؤچر پر حج

کرسکیں تو آپ پر اس کے ذریعے حج کرنا واجب ہے اور اولاد کی شادی ضروریات اصلیہ میں داخل نہیں اور اگر اتنا روپیہ نہیں تو عرشہ کے ذریعے جانے کی درخواست دیتے رہیے، جب نام نکل آئے تو چلے جائیں، آخر عمر تک نہ ہو سکے تو حج بدل کی وصیت کرنا ضروری نہ ہوگا، فقہائے کرام کی مندرجہ ذیل تصریحات اس مسئلے سے متعلق ہیں:

(۱) وهل ما يوخذ من المكس والخفارة عذر قولان، والمعتمد: لا، كما في القنية والمجتبى، وعليه فيحتسب في الفاضل عما لا بد منه القدرة على المكس ونحوه، كما في مناسک الطرابلسی، وکذا فی الدر المختار، وقال الشامی: المكس ما يأخذ العشار والخفارة ما يأخذه الخفير وهو المجر ومثله ما يأخذ الأعراب في زماننا من الصر المعين. (شامی: ۱۹۸/۲)(۱)

(۲) وعلى تقدير اخذهم الرشوة فالاثم في مثله على الأخذ لا المعطى على ما عرف من تقسيم الرشوة في كتاب القضاء ولا يترک الفرض لمعصية عاص. (البحر الرائق: ۳۳۸/۲)(۲)

(۳) إذا وجد ما يحج به وقد قصد التزوج يحج ولا يتزوج لان الحج فريضة اوجبها اللّٰه تعالىٰ ولي عبده، كذا في التبيين. (الفتاویٰ الهندية: ۲۳۱/۱)(۳) فقط واللّٰہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ، ۷/۸/۱۳۸۷ھ۔ الجواب صحیح: محمد عاشق الٰہی عفی عنہ۔ (فتاویٰ عثمانی: ۲/۲۰۴-۲۰۵)

دوسرے کے مال سے حج کرنے والا دوبارہ اپنے مال سے حج کرنے میں کیا نیت کرے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے ایک بار حج اپنے والد کے ہمراہ ادا کیا ہے، خرچہ اس نے دیا تھا اور اس وقت میں غنی نہیں تھا، آج میں خود غنی ہوں؛ اس لیے دوبارہ اپنے مال سے حج کرنے کا ارادہ کیا ہے؛ لیکن اب نیت کے بارے میں فکرمند ہوں کہ میں فرض حج کی نیت کروں، یا نفل حج کی؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: امان اللہ خان)

الجواب

اگر آپ نے پہلی دفعہ فرض حج کی نیت کی تھی تو آپ کا ذمہ فارغ ہوا ہے اور اگر بالفرض آپ نے نفل حج کی نیت کی تھی تو اب دوبارہ فرض حج ادا کرے۔ (شامی: ۲/۵۹۱)(۴)

ملاحظہ: ہمارے بلاد کے لوگ حج فرض کی نیت کرتے رہتے ہیں۔ وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۴/۲۱۴)

---

(۱) ۲/٤٦٣-٤٦٤، **طبع سعيد**

(۲) ج:۲، ص:٣١٤

(۳) ج:۱، ص:۲۱۷ (طبع مكتبة رشيدية كوئٹه)

(۴) **قال العلامة الشامي: فالتقييد بالفقير لظهور عجزه عن المركب وليفيد انه يتعين عليه ان لا ينوى نفلا على زعم أنه لا يجب عليه لفقره لأنه ما كان واجبا وهو آفاقي فلما صار كالمكي وجب عليه فلو نواه نفلا لزمه الحج ثانيا.** (ردالمحتار هامش الدرالمختار: ٥٥١/٢، كتاب الحج قوله للآفاقي لاالمكي)

حاجت اصلی سے زائد زمین رکھنے والے پر حج کی فرضیت کا مسئلہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زمین حاجت اصلی میں داخل ہے، یا نہیں؟ اور اس میں حج کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: عمرزادہ ہیڈ ماسٹر چمتلی سوات ۱۲/۶/۱۹۷۵ء)

الجواب

جتنی مقدار زمین سے سالانہ ضروریات پورے ہوتی ہیں، وہ حاجت اصلی میں داخل ہیں اوران سے زائد حج کے لیے فروخت کیا جائے گا۔

کما فی الهندیة (۲۱۸/۲): وان کان صاحب ضیعة ان کان له من الضیاع ما لو باع مقدار ما یکفی الزاد والراحلة ذاهبا وجائیا ونفقة عیاله واولاده یبقی له من الضیعة قدر ما یعیش بغلة الباقی یفترض علیه الحج والا فلا. (۱) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۱۵/۴)

مکانات اور دکانوں کی صورت میں حج کی فرضیت کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کے پاس زرعی زمین کے علاوہ مکانات اور دکانیں بھی ہیں، جس کا باقاعدہ آمدن کرایہ کی صورت میں وصول کرتا ہے، کیا اس پر حج فرض ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: نامعلوم، ۳/۴/۱۹۷۳ء)

الجواب

زرعی زمین، مکانات، دکانیں اور دیگر جائیداد وغیرہ اگر اس کے حوائج اصلیہ اور حج سے واپس آنے تک اہل وعیال کے نفقہ سے زائد ہو تو اس پر حج فرض ہے۔

وفی الهدایة: إذا قدر علی الزاد والراحلة فاضلا عن المسکن ومالا بد منه وعن نفقة عیاله إلی حین عوده. (۲) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۱۵/۴-۲۱۶)

ضرورت سے زائد مزروعہ زمین کو فروخت کر کے حج پر جانے فرض ہے:

سوال: فتاویٰ ہندیہ اردو، جلد دوم، صفحہ: ۴۵ میں لکھا ہے: ''اگر کوئی شخص مزروع زمین کا مالک ہے اور اس کے پاس اس قدر زمین ہے کہ اگر اس میں سے تھوڑی سی زمین بیچ ڈالے تو حج کے اخراجات کے لیے اور بچوں کی ضرورت

---

(۱) فتاویٰ عالمگیریہ: ۲۱۸/۱، کتاب المناسک، بیان شرائط وجوبہ

(۲) ہدایہ: ۲۱۳/۱، کتاب الحج

کے لیے کافی ہے، پھر بھی اتنی زمین بچی رہے گی، جس کی آمدنی سے گزر ہو سکتا ہے تو اس پر حج فرض ہوگا''۔ فرمائیے کیا اس صورت میں حج فرض ہوگا؟

الجواب

فرضیت حج کے لیے زکوٰۃ کی طرح مال نامی کا مالک ہونا شرط نہیں،(۱) لہٰذا صورت مسئولہ میں یعنی کسی شخص کے پاس نقد روپیہ نہ ہو؛ لیکن گزارے کی ضرورت سے زیادہ زمین مکان ہو جسے فروخت کر کے حج کر سکتا ہو تو اس پر حج فرض ہے۔ فتاویٰ ہندیہ کی عبارت یہ ہے:

''وإن كان صاحب ضيعة إن كان له من الضياع ما لو باع مقدار ما يكفي الزاد والراحلة ذاهبا وجائياو نفقة عياله و اولاده ويبقى له من الضيعة قدر ما يعيش بغلة الباقي يفترض عليه الحج وإلا فلا. (فتاویٰ عالمگیریہ)(۲) واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ، ۲۰/۱/۷ ۱۳۹ھ (فتویٰ نمبر: ۱۲۶/۲۸، الف) (فتاویٰ عثمانی: ۲/۲۰۶-۲۰۷)

مسجد کے لیے زمین فروخت کی، اس رقم پر حج کی فرضیت کا مسئلہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے پرانی مسجد کو پختہ بنانے کے لیے زمین فروخت کر دی اور کافی رقم اس کے ہاتھ آئی، کیا اس رقم کی وجہ سے اس پر حج فرض ہوا، یا مسجد بنا دے؟ اور اس رقم کے نہ ہونے سے یہ شخص مفلس ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: راز محمد وزیر، کیر آف: حافظ رب نواز جنوبی وزیرستان، ۱۹۸۶/۴/۶ء)

الجواب

یہ رقم اس شخص کی ملکیت ہے،(۳) اس پر با قاعدہ حج اور زکوٰۃ مفروض ہیں، البتہ اگر حولان حول، یا اعلان داخلہ کے وقت یہ رقم نا کافی تھی تو یہ فرائض عائد نہ ہوں گے۔(۳) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۴/۲۱۷)

---

(۱) و في ارشاد الساري، ص: ۲۸، (طبع مصطفى محمد مصر) (ونصاب الوجوب) أي مقدار ما يتعلق به وجوب الحج من الغنى، وليس له حد من نصاب شرعي على ما في الزكاة بل هو (ملك مال يبلغه الى مكة) بل الى عرفة (ذاهبا) أي اليها (و جائيا) أي راجعا الى وطنه.

(۲) (ج:۱،ص:۱۱۸. وفي غنية المناسك، ص:۷، (طبع ادارة القرآن كراچي) وان كان له من الضياع ما لوباع مقدار ما يكفي الزاد والراحلة يبقى بعد رجوعه من ضيعته قدر مايعيش بغلته الباقي عليه الحج وإلا فلا، كذا في الخانية.

(۳) چوں کہ یہ رقم اس شخص نے ابھی تک مسجد مرمت میں خرچ نہیں کی ہے؛ یعنی با قاعدہ مسجد نہیں بنائی تو یہ اس کی ملکیت سے خارج نہیں ہوئی؛ بلکہ بدستور اس کی ملکیت ہے اور اگر چندہ مسجد میں دی ہے تو بھی یہ رقم وقف نہیں ہے؛ بلکہ اس کا مملوک ہے، کما صرح بہ الشاہ اشرف علی التھانوی فی امداد الفتاویٰ اور اسی فتاویٰ میں تصحیح الاغلاط کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ مسئلہ ابھی منقح نہیں ہوا کہ چندہ مساجد و مدارس وغیرہ معطی کی ملک سے خارج ہو جاتا ہے، یا نہیں؟ اہل علم غور فرمالیں تو اس حوالے سے بندہ نے ''الملتقط فی الفتاویٰ الحنفیۃ'' میں ایک جزئیہ پا لیا، اس جزئیہ کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ چندہ خرچ کرنے سے پہلے معطی کی ملک سے خارج نہیں ہوتا۔ ==

مشترکہ مال میں حج کی فرضیت کا مسئلہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ چند آدمیوں کا مشترکہ مال ہوتو اس میں کون شراکت دار حج ادا کرے گا اور کس پر فرض ہے، صحیح سند کے ساتھ لکھ دیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: علی محمد خسروروی ریگی غزا بند کوئٹہ، ۹/۳/۱۹۸۲ء)

الجواب

اگر ہر شریک کا حصہ مقدار فرضیت تک پہنچتا ہوتو ہر ایک پر حج فرض ہے، ورنہ کسی پر نہیں۔ (معتبرات فقہ)(۱)
وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۱۸/۴)

مشترکہ مال میں حج کی فرضیت کا مسئلہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم چار بھائی اکٹھے رہتے ہیں، تین بھائی شادی شدہ ہیں اور ایک شادی شدہ نہیں ہے، اب ہم اتنی رقم رکھتے ہیں کہ ایک بھائی حج کرسکتا ہے تو اس پر بڑا بھائی حج ادا کرے، یا چھوٹے بھائی کی شادی کروائیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: فضل الرحیم لس نائیک دتہ خیل بنوں، ۲۴/رمضان ۱۳۹۹ھ)

الجواب

آپ تمام مشترکہ نقدوزروغیرہ کی فرضی تقسیم کریں، اس کے بعد آپ اندازہ لگائیں کہ ہر ایک بھائی پر حج فرض ہے، یا نہیں؟ مشترکہ مال سے فرضیت حج کا اندازہ لگانا اسی طریقہ سے ہوتا ہے۔ (۲) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۱۸/۴)

== کما فی الملتقط (۲۷): اذا جمع دراھم لکفن میت ففضل او کفنه غیره، یصرف الی المعطین فان لم یوجدوا یصرف إلی کفن مثله فان تعذر ذلک یتصدق به انتهی، وفی الهندیة: ۴۶۰/۲: رجل اعطی درهما فی عمارة المسجد أو نفقة المسجد أو مصالح المسجد صح لأنه وإن کان لا یمکن تصحیحه تملیکا بالهبة للمسجد فاثبات الملک للمسجد علی هذا الوجه صحیح فیتم بالقبض.

(۴) قال العلامة الحصکفی: والعبرة لوجوبها وقت خروج اهل بلدها وکذا سائر الشروط، قال الشامی: أی یعتبر وجودها فی ذلک الوقت. (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱۵۹/۲، مطلب فی فروض الحج وواجباته)

حاشیة صفحه هذا:

(۱) قال العلامة محمد أمین الشامی: (قوله: ذی زاد وراحلة) أفاد أنه لا یجب إلا بملک الزاد وملک أجرة الراحلة فلا یجب بالاباحة أو العاریة، کما فی البحر. (ردالمحتار هامش الدرالمختار: ۱۵۴/۲، کتاب الحج)

(۲) اسی فرضی تقسیم سے ہر ایک بھائی کا حصہ جب معلوم ہوجائے اگر ہر ایک کے حصہ میں اتنی رقم آئے کہ اس سے حج کے جملہ اخراجات پورے ہوتے ہوں تو ہر حصہ دار پر حج فرض ہے، ورنہ مال مشترکہ کے کل نفع پر مجموعی طور سے حج فرض نہیں ہوتا۔

مشترکہ مال سے حج کرنے والے فقیر کا ذمہ فریضہ حج سے ساقط ہوجاتا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ محمد رفیق کے والد، والدہ اور چھوٹے بھائیوں نے مشترکہ مال سے حج کیا ہے۔اب والد نے محمد رفیق سے کہا کہ اس سال تم حج پر چلے جاؤ؛ لیکن محمد رفیق نے کہا کہ میرا یہ حج فرض کا بدل نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ یہ مشترکہ مال ہے۔اب سوال یہ ہے کہ اگر محمد رفیق اس اشتراک سے جدا حالت میں متمول ہوجائے تو اس پر دوبارہ حج کرنا لازمی ہوگا، یا نہیں؟ یا وہی مشترکہ مال سے کیا ہوا حج کافی ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: محمد رفیق مردان، ۲۵/۷/۱۹۷۵ء)

الجواب

اگر مشترکہ مال سے آپ کا حصہ (بروئے فرضی تقسیم) حج کے لیے باقاعدہ کافی ہو تو آپ پر حج فرض ہے،(۱) آپ اس مشترک مال سے حج کرسکتے ہیں اور اگر آپ کا حصہ کم ہو اور میقات سے عام حجاج کی طرح عمرہ کی نیت کریں اور آٹھ ذی الحجہ سے فریضہ حج کی نیت کریں تو اس صورت میں بھی آپ کا فریضہ ادا ہوا، آپ پر آئندہ کے لیے حج فرض نہ ہوگا۔(۲) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ:۲۱۹/۴)

مال بقدر نصاب حج مملوک نہ ہو، اس میں صرف تصرف کی اجازت ہو تو حج فرض نہ ہوگا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت کو والدین کی میراث میں کچھ نہیں ملا اور اسی کا شوہر بھی فوت ہوا ہے، البتہ اس عورت کے بیٹے خوب مال کماتے ہیں اور والدہ کو دیتے ہیں۔کیا اس کی وجہ سے اس پر حج فرض ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: خیال حنان اورکزئی ابوظبی امارات، ۱۲/ربیع الاول ۱۴۰۲ھ)

الجواب

اگر اس عورت کو شوہر، یا اولاد نے بطور تملیک کافی مال دیا ہو تو شرط موجود ہوکر اس پر حج فرض ہوگا اور اگر اولاد نے صرف اختیار دیا ہو تو یہ اس سے غنی نہیں ہوسکتی۔(۳) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ:۲۱۹/۴-۲۲۰)

---

(۱) وفی الهندية: ومنها القدرة على الزاد والراحلة بطريق الملک أوالاجارة دون الاعارة والاباحة سواء كانت الاباحة من جهة من لامنة له عليه كالوالدين والمولودين أو من غيرهم كالاجانب.(الفتاویٰ الهندية: ۲۱۷/۱، كتاب المناسک الباب الأول)

(۲) وفی الهندية: الفقير اذا حج ماشيا ثم أيسر لا حج عليه،هكذا فی فتاویٰ قاضی خان.(۲۱۷/۱، كتاب المناسک الباب الاول)

(۳) قال العلامة محمد أمين الشامی: (قوله ذی زاد وراحلة) أفاد أنه لا يجب إلا بملک الزاد وملک أجرة الراحلة فلا يجب بالاباحة أوالعارية،كما فی البحر.(ردالمحتار هامش الدرالمختار: ۱۵۴/۲ ،كتاب الحج)

حرام کے ساتھ مخلوط مال پر حج کرنے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے چوری کر کے مال جمع کیا، پھر اپنے حلال مال کے ساتھ خلط کر کے تجارت شروع کی اور بہت مال کمایا، کیا اس مال سے حج کرنا جائز ہے؟

(المستفتی: عبدالرحمٰن وزیرستانی)

الجواب

چوں کہ یہ مخلوط مال اس شخص کی ملکیت ہے، لہٰذا استطاعت موجود ہونے کی صورت میں اس پر حج فرض ہے، مال حرام سے حج ادا ہوتا ہے؛ لیکن ثواب سے محروم ہوتا ہے۔ (کما فی الہندیہ: ۲۲۰/۲) (۱) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۲۰/۴)

قرض لے کر حج ادا کرنا اور پھر حرام حلال کے مخلوط مال سے قرضہ ادا کرنے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کے مال میں ستر فیصد حرام کا اختلاط ہے؛ اس لیے اس نے قرضہ لے کر حج ادا کیا اور بعد از حج اس قرضہ کو اس مخلوط مال سے ادا کرتا ہے۔ کیا یہ حج حرام مال سے ہوا، یا حلال سے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: نامعلوم، ۲۶/ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ)

الجواب

اس شخص نے حلال مال سے حج ادا کیا اور قرضہ کو اپنے ملک خبیث سے (بالاختلاط) ادا کیا، (۲) البتہ اس پر حقوق کا ادا واجب ہے تاکہ مال حرام سے ذمہ فارغ ہو۔ (۳)

نوٹ: خالص مال حرام سے جس میں حلال کا خلط نہ ہو، نہ قلیل کا اور نہ کثیر کا، اس سے قرض ادا کرنا ناجائز اور حرام ہے؛ لیکن ایسا مال اقل قلیل ہوتا ہے۔ وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۲۱/۴)

---

(۱) وفی الهندية: ويجتهد فی تحصيل نفقة حلال فانه لا يقبل الحج بالنفقة الحرام مع انه يسقط الفرض معها وإن كانت مغصوبة، كذا فی فتح القدير. (الفتاویٰ الهندية: ۲۲۰/۱، الباب الأول فی تفسير الحج)) (قال العلامة ابن عابدين: ويجتهد فی تحصيل نفقة حلال فانه لا يقبل بالنفقة الحرام كما ورد فی الحديث مع أنه يسقط الفرض عنه معها ولا تنافی بين سقوطه وعدم قبوله فلا يثاب لعدم القبول ولا يعاقب عقاب تارک الحج. (ردالمحتار هامش الدرالمختار: ۱۵۲/۲، مطلب فی من حج بمال حرام)

(۲) وفی الهندية: اذا اراد الرجل ان يحج بمال حلال فيه شبهة فانه يستدين للحج ويقضی دينه من ماله، كذا فی فتاویٰ قاضی خان فی المقطعات. (الفتاویٰ الهندية: ۲۲۰/۱، كتاب المناسک الباب الاول)

(۳) قال العلامة ابن عابدين: إن ماوجب التصدق بكله لا يفيد التصدق ببعضه لأن المغصوب إن علمت اصحابه أو ورثتهم وجب رده عليهم وإلا وجب التصدق به. (ردالمحتار هامش الدرالمختار: ۲۸/۲، مطلب فی التصدق من المال الحرام)

مال حرام سے حج کی ادائیگی کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ نا جائز دولت اور حرام مال سے حج ادا ہوسکتا ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: مقدس خان کرکلہ بنوں، ۱۳۹۸/۹/۲۸ھ)

الجواب

اس کا حج ادا ہوتا ہے؛ لیکن ثواب سے محروم ہوتا ہے۔ (شامی) (۱) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۴/۲۲۱-۲۲۲)

مال حرام سے حج کرنے والے کے ذمہ سے فریضہ حج ساقط؛ مگر ثواب سے محروم ہوتا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کے افعال و کردار نا گفتہ بہ ہیں، اس کی جائیداد اور زمین سب دھوکے اور فراڈ کے ہیں، یتیموں کا مال دبانا، جھوٹ بولنا وغیرہ سب اس کا شیوہ ہے؛ یعنی تمام مال حرام ہے، اب حج کے لیے داخلہ بھیجا ہے۔ کیا یہ حج ادا ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: محمد رحمٰن سیر غربی باڑیاں، ۸/شوال ۱۳۹۵ھ)

الجواب

جو شخص مال حرام سے حج کرے، اس کا حج قبول نہ ہوگا، ثواب سے محروم رہے گا، اگر چہ ذمہ سے فریضہ ساقط ہوجاتا ہے۔

کما فی ردالمحتار (۱۹۱/۲): وفی البحر ویجتهد فی تحصیل نفقة حلال فانه لا یقبل بالنفقة الحرام کما ورد فی الحدیث مع انه یسقط الفرض عنه معها ولا تنافی بین سقوطه وعدم قبوله فلا یثاب لعدم القبول ولا یعاقب عقاب تارک الحج. (۲) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۴/۲۲۲)

حکومتی اعانت سے حج کرنے والے کا فریضہ ساقط ہوجاتا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص پر حج فرض ہوا اور اب تک اس نے ادا نہ

---

(۱) قال العلامة ابن عابدین: وفی البحر ویجتهد فی تحصیل نفقة حلال فانه لا یقبل بالنفقة الحرام کما ورد فی الحدیث مع أنه یسقط الفرض عنه معها ولا تنا فی بین سقوطه وعدم قبوله فلا یثاب لعدم القبول ولا یعاقب عقاب تارک الحج أی لان عدم الترک یبتنی علی الصحة وهی الاتیان بالشرائط والارکان والقبول المترتب علیه الثواب یبتنی علی اشیاء کحل المال والاخلاص کما لو صلی مرائیا أو صام واغتاب فان الفعل صحیح لکنه بلا ثواب.
(ردالمحتار هامش الدرالمختار: ۱۵۲/۲، مطلب فی من حج بمال حرام)

(۲) ردالمحتار هامش الدرالمختار: ۱۵۲/۲، مطلب فی من حج بمال حرام

کیا ہو اور حکومت اس کو بوجہ ملازمت سرکار حج کے لیے بھیج دے کہ چوتھائی حصہ خرچ خود کرے اور تین چوتھائی حکومت برداشت کرے تو کیا اس طریقہ سے فریضہ حج اس سے ساقط ہوگا، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: قاضی سعید احمد چوھڑ ہریال پنڈی، ۲۲ر شعبان ۱۴۰۳ھ)

الجواب

اس ملازم سے فریضہ حج ساقط ہو جائے گا اور ذمہ فارغ ہوگا؛ کیوں کہ یہ ملازم کسی سے حج بدل نہیں کرتا، حتی کہ تبرع ضرررساں ہو جائے۔(۱) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ:۴/۲۲۳)

حکومتی اعانت سے نفلی حج کے لیے جانے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے فریضہ حج ادا کیا ہے، اب اگر حکومت پاکستان ایسے شخص کو حج کے لیے بھیجنا ہے اور حکومت خرچہ برداشت کرے، ایسے شخص کے لیے حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہونا شرعا درست ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: محمد حسن برہانی مدرسہ دارالہدیٰ ٹنڈو آلہ یار حیدرآباد، ۲۴ر شعبان ۱۴۰۲ھ)

الجواب

کسی کی اعانت سے حج کرنا ممنوع نہیں ہے، (۲) اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، حکومت کسی کو خوشامد یا مداہنت پر مجبور نہیں کرسکتا۔ (۳) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ:۴/۲۲۳-۲۲۴)

سرکاری اعانت پر حج کے لیے جانا جائز ہے، جب کہ سیاسی رشوت نہ ہو:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ سرکاری سطح پر حج کے لیے جاتے ہیں۔ کیا شرعاً یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: مولانا ناموس خان باڑہ، ۱۹۸۷/۵/۲۳ء)

---

(۱) وفی الهندية: ومنها القدرة على الزاد والراحلة بطريق الملك أوالاجارة دون الاعارة والاباحة سواء كانت الاباحة من جهة من لامنة عليه كالوالدين والمولودين او من غيرهم كالاجانب كذا فى السراج ... الفقير اذا حج ماشيا ثم ايسر لاحج عليه هكذا فى قاضى خان. (الفتاویٰ الهندية: ۲۱۷/۱، كتاب المناسک الفصل الاول)

(۲) جب کہ یہ سیاسی رشوت نہ ہو، ورنہ پھر اس اعانت کو قبول کرنا جائز نہ ہوگی۔

(۳) قال العلامة محمد امين: قوله ولو وهب الاب لابنه، الخ وكذا عكسه وحيث لا يجب قبوله مع أنه لا يأمن احدهما على الآخر يعلم حكم الاجنبى بالاولىٰ ومراده افادة أن القدرة على الزاد والراحلة لابد فيها من الملک دون الاباحة والعارية كما قدمناه. (ردالمحتار هامش الدرالمختار: ۱۵٦/۲، كتاب الحج)

الجواب

حکومت کی اعانت سے حج کے لیے جانا ناجائزنہیں ہے،(۱) اگرحکومتی خزانہ لہوولعب اور ناجائزعیاشیوں پرخرچ ہوتا ہے تو کیا یہ قوم کی خوش قسمتی نہیں کہ اسی خزانہ کا ایک حصہ مدارس اسلامیہ اورحج پرخرچ ہو۔(۲) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ:۲۲۴/۴)

ہبہ سے غنا آنے کی صورت میں حج کی ادائیگی کا مسئلہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید صاحب جائیداد اورغنی آدمی ہے اور خود حج ادا کرچکا ہے زید کے چار بیٹے ہیں بالغ ؛لیکن مفلس ہیں،اس نے ایک بیٹے کورقم دے کرحج کے لیے روانہ کیا، جب زید فوت ہوا توان کے بیٹے دولت منداورغنی ہوگئے،اب زید کے بیٹے نے حالت مفلسی میں جوحج ادا کیا ہے، کیا اب اس پردوبارہ غنی بننے کی وجہ سے حج فرض ہے، یانہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی:محمدافضل شاہ ڈپو ہولڈر لکی مروت،۱۰/۱۰/۱۹۷۵ء)

الجواب

یہ مسکین والد کی بخشش کی وجہ سے غنی ہوا ہے نیز میقات تک پہنچنے کی وجہ سے یہ شخص مکی کے حکم میں ہوجائے گا۔ بہرحال یہ شخص فرض کی نیت کرے گا اوردوبارہ اس پرادا کرنا واجب نہ ہوگا۔(ماخوذ از شامی:۱۹۵/۲)(۳) وھوالموفق

(فتاویٰ فریدیہ:۲۲۵/۴)

حج بدل میں بیت اللہ شریف کے دیکھنے سے فقیر پرحج فرض نہیں ہوتا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

(۱) اگرکسی فقیر شخص کوحج بدل کے لیے بھیجا جائے تو بھیجنے والے کا ذمہ فارغ ہوجاتا ہے، یانہیں؟

---

(۱) وفی الھندیة: ومنھا القدرة علی الزاد والراحلة بطریق الملک اوالاجارة دون الاعارة والاباحة سواء کانت الاباحة من جھة من لامنة لہ علیہ کالوالدین والمولودین او من غیرھم کالاجانب،کذا فی السراج الوھاج.(الفتاویٰ الھندیة: ۲۱۷/۱، کتاب المناسک)

(۲) وفی الھندیة: مایوضع فی بیت المال اربعة انواع... الثالث الخراج والجزیة وما صولح علیه بنو نجران ... وما اخذہ العاشر من المستا ?منین... وتصرف تلک الی عطایا المقاتلة وسدالثغور ... وإلی بناء الرباطات والمساجد... والی ارزاق الولاة واعوانھم والقضاة والمفتین والمحتسبین والمعلمین والمتعلمین ویصرف الی کل من تقلد شیا من امور المسلمین والی مافیه صلاح المؤمنین،کذا فی المحیط.(الفتاویٰ الھندیة: ۱۹۰/۱-۱۹۱، فصل ما یوضع فی بیت المال کتاب الزکوٰة)

(۳) قال العلامة ابن عابدین: الفقیر الآفاقی إذا وصل الی میقات فھو کالمکی... ولیفید أنه یتعین علیه ان لاینوی نفلا علی زعم أنه لا یجب علیه لفقرہ لأنه ماکان واجبا وھو آفاقی فلما صار کالمکی وجب علیه فلو نواہ نفلا لزمه الحج ثانیا، الخ.(ردالمحتار ھامش الدرالمختار: ۱۵۵/۲،کتاب الحج قوله للآفاقی لاالمکی)

(۲) اگر اس فقیر نے پہلے حج نہ کیا ہو تو پھر کیا حکم ہے۔

(۳) حج بدل میں اگر مامور بہ تنگدست اور مفلس ہو، جس پر اپنا حج فرض نہیں ہے اور نہ پہلے حج کیا ہے، کیا بیت اللہ شریف کے دیکھنے سے اس پر خود حج فرض ہو جاتا ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: حافظ عبدالرزاق مڈل سکول آیاز قلعہ بنوں، ۱۹۷۴/۲/۷ء)

الجواب

(۱) ایسے شخص کو حج بدل کے لیے بھیجنا جائز ہے۔ (شامی)

(۲) ذمہ فارغ ہو جاتا ہے۔(۱)

(۳) یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے، البتہ اکثر اہل تحقیق کے نزدیک اس پر حج فرض نہیں ہوتا، والتفصیل فی الشامیۃ۔(۲) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۲۵/۴-۲۲۶)

حج منظوری سے قبل رکھی گئی رقم امانت ہوتی ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ جن لوگوں نے گزشتہ سال حج کے لیے رقم بینک، یا

---

(۱) قال العلامة ابن عابدين: (فجاز حج الصرورة من لم يحج) يراد به الذى لم يحج عن نفسه اى حجة الاسلام. (ردالمحتار هامش الدرالمختار: ٢٦١/٢، مطلب فى حج الصرورة)

(۲) قال العلامة ابن عابدين: (تنبيه) قال فى نهج النجاة لابن حمزة النقيب بعد ما ذكر كلام البحر المار اقول وظاهره يفيد ان الصرورة الفقير لا يجب عليه الحج بدخول مكة وظاهر كلام البدائع باطلاقه الكراهة اى فى قوله يكره احجاج الصرورة لانه تارك فرض الحج يفيد انه يصير بدخول مكة قادراً على الحج عن نفسه وان كان وقته مشغولا بالحج عن الآمر وهى واقعة الفتوىٰ فليتأمل، قلت: وقد افتى بالوجوب مفتى دارالسلطنة العلامة ابوالسعود وتبعه فى سكب الانهر وكذا افتى به السيد احمد بادشاه والف فيه رسالة وافتى سيدى عبد الغنى النابلسى بخلافه والف فيه رسالة لانه فى هذا العام لا يمكنه الحج عن نفسه لان سفره بمال الآمر فيحرم عن الآمر ويحج عنه وفى تكليفه بالاقامة بمكة الى قابل ليحج عن نفسه ويترك عياله ببلده حرج عظيم وكذا فى تكليفه بالعود وهو فقير حرج عظيم ايضا واما ما فى البدائع فاطلاقه الكراهة المنصرفة الى التحريم يقتضى ان كلامه فى الصرورة الذى تحقق الوجوب عليه من قبل كما يفيده ما مر عن الفتح نعم قدمنا اول الحج عن اللباب وشرحه ان الفقير الآفاقى اذا وصل الى ميقات فهو كالمكى فى انه ان قدر على المشى لزمه الحج ولا ينوى النفل على زعم انه فقير لانه ماكان واجباعليه وهو آفاقى فلما صار كالمكى وجب عليه حتى لو نواه نفلا لزمه الحج ثانيا، لكن هذا لا يدل على ان الصرورة الفقير كذلك لان قدرته بقدرة غيره كما قلنا وهى غير معتبرة بخلاف مالوخرج ليحج عن نفسه وهو فقير فانه عند وصوله الى الميقات صار قادرا بقدرة نفسه فيجب عليه وان كان سفره تطوعا ابتداء ولو كان الصرورة الفقير مثله لما صح تقييد ابن الهمام كراهة التحريم بما اذا كان حجه عن الغير بعد تحقق الوجوب عليه وتعليله لكراهة بانه تضيق الوجوب عليه.(ردالمحتار هامش الدرالمختار: ٢٦٢/٢،قبيل مطلب العمل على القياس دون الاستحسان)

کسی کے پاس جمع کرائی ہو اور حج کی منظوری نہ ہوئی اور اسی رقم سے آئندہ سال جانے کا ارادہ ہو تو اس رقم پر سالانہ زکوٰۃ واجب ہوگی، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

حج کے لیے داخل شدہ رقم منظوری سے قبل امانت ہوتی ہے، لہٰذا اس پر باقاعدہ زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (۱) وھوالموفق

(فتاویٰ فریدیہ: ۲۲۷/۴)

دفاعی فنڈ میں رقم دینے سے فریضہ حج سے ذمہ فارغ نہیں ہوتا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ راقم الحروف نے دو سال سے حج بیت اللہ کی درخواستیں دے رکھی ہیں؛ مگر منظور نہ ہوئیں، اب حج کی رقم بینک میں جمع ہے اور دوسری طرف کفار کے ساتھ جنگ بھی شروع ہے تو کیا میں یہ روپیہ بجائے فریضہ حج ادا کرنے کے دفاعی فنڈ میں دیدوں، یا فریضہ حج افضل ہے، میری عمر بہتر سال ہے زندگی کا بھروسہ نہیں اگلے سال تک زندہ رہوں، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: حافظ محمد نعیم صاحب لالہ رخ واہ کینٹ، ۱۹۷۱/۱۲/۳۰ء)

الجواب

دفاعی فنڈ میں رقم دینے کا بہت بڑا اجر ہے؛ لیکن اس میں رقم دینے سے فریضہ حج کا ذمہ فارغ نہیں ہوتا ہے، (۲) جیسا کہ اس فنڈ میں رقم دینے سے سرکاری بل اور ٹیکس سے فراغت ذمہ حاصل نہیں ہوتا، لہٰذا اہم فالاہم کو مقدم کرے۔ (۳) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۲۷/۴-۲۲۸)

بلوغت کے بعد دوبارہ حج کی فرضیت کا مسئلہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے اپنے والدین کے ساتھ تقریباً پانچ چھ سال کی عمر میں حج کیا تھا، اب الحمدللہ میں بالغ اور غنی ہوں بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ حج نفل تھا، اب آپ پر دوبارہ حج فرض ہوگیا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔　　(المستفتی: میر ہشیم وزیرستانی، ۱۹۸۲/۱۲/۹ء)

---

(۱) قال العلامة ابن نجيم: ويخالفه ما في معراج الدراية في فصل زكاة العروض ان الزكاة تجب في النقد كيفما امسكه للنماء أو للنفقة، كذا في البدائع في بحث النماء التقديري. (البحر الرائق: ۲۰۶/۲، كتاب الزكوٰة)

(۲) قال الملا علي قاري: وان ملكه فيه اى في الوقت فليس له صرفه الى غير الحج فلو صرفه لم يسقط الوجوب عنه وهذا تصريح بما علم ضمنا ومنطوق لما عرف مفهوما. (ارشاد الساري: ۳۳/۱، باب شرائط الحج)

(۳) قال العلامة النووي: (قوله فقال رجل يا رسول الله صلى الله عليه وسلم ان امرأتي خرجت حاجة وإني اكتتبت في غزوة كذا وكذا قال انطلق فحج مع امرا?تك) فيه تقديم الاهم من الامور المتعارضة لانه لما تعارض سفره في الغزو وفي الحج معها رجح الحج معها لان الغزو يقوم غيره في مقامه عنه بخلاف الحج معها. (شرح النووي في ذيل مسلم: ۴۳۴/۱، قبيل باب مايقول اذا رجع من الحج)

الجواب

فرض حج کے لیے بالغ ہونا شرط ہے، قبل از بلوغت حج کرنے سے فرض حج ساقط نہیں ہوتا، صاحب استطاعت کے لیے بلوغت کے بعد دوبارہ حج کرنا ضروری ہے۔ (لباب، ہدایہ) (۱) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۴/۲۲۸-۲۲۹)

فریضہ حج کی تاخیر کے لیے اولاد کا غیر شادی شدہ ہونا شرعی عذر نہیں ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں اہلیہ کے ساتھ حج کے لیے جانا چاہتا ہوں؛ مگر میرا سب سے چھوٹا لڑکا غیر شادی شدہ ہے؛ اس لیے اس کا غیر شادی شدہ ہونا میرے حج بیت اللہ کے لیے جانے میں حائل ہو سکتا ہے؟ میری عمر پچھتر سال سے زائد ہو چکی ہے؛ اس لیے اطمینان قلبی کے لیے یہ امر دریافت طلب ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: ڈاکٹر محمد نعیم خان صوبیدار میجر واہ کینٹ)

الجواب

آپ کے فریضہ حج کی تاخیر کے لیے کسی اولاد کا غیر شادی شدہ ہونا عذر شرعی نہیں ہے، (۲) آپ ضرور حج کے لیے تیاری کریں۔ وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۴/۲۲۹-۲۳۰)

پہلے بیٹے کی شادی کرائے، یا حج ادا کرے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا بھائی غیر شادی شدہ ہے تو والد صاحب پہلے بھائی کے لیے شادی کرائیں، یا پہلے حج ادا کریں؟ بینوا توجروا۔ (المستفتی: شاہ جہان، تبوک، سعودی عرب، یکم ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ)

الجواب

اگر والد پر حج فرض ہو چکا ہے تو اس صورت میں بیٹے کی شادی سے پہلے حج کا فریضہ ادا کرے۔ (کما فی الدر المختار: ۲/۲۳۲) (۳) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۴/۲۳۰)

---

(۱) قال الملا علی قاری: الثالث البلوغ وهو شرط الوجوب والوقوع عن الفرض لا عن الجواز او الصحة فلا يجب على صبی مميز او غير مميز، فلوحج ... فهو نفل لا فرض لكونه غير مكلف فلو احرم ثم بلغ فلوجدد احرامه يقع عن فرضه وإلافلا،الخ. (ارشادالساری،ص: ۲۵،باب شرائط الحج)

قال العلامة المرغینانی: وانما شرط الحرية والبلوغ لقوله عليه الصلاة والسلام ايما عبد حج عشر حجج ثم اعتق فعليه حجة الاسلام وايما صبی حج عشرحجج ثم بلغ فعليه حجة الاسلام. قال ابن الهمام: روى الحاكم من حديث محمد بن المنهال حدثنا يزيد بن زريع حدثنا شعبة عن الاعمش عن ابی ظبيان عن ابن عباس رضی الله عنهما قال، قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: ايما صبی حج ثم بلغ الحنث فعليه ان يحج حجة أخرى ... وقال صحيح على شرط الشيخين. (الهداية مع فتح القدير: ۲/۳۲۵، كتاب الحج)

(۲) وفی الهندية: اذا وجد مايحج به وقد قصد التزوج يحج به ولا يتزوج لأن الحج فريضة أوجبها اللّٰه تعالیٰ على عبده،كذا فی التبيين. (الفتاویٰ الهندية: ۱/۲۱۷، بحث ومنها القدرة على الزاد والراحلة)

(۳) قال العلامة الحصكفی: وفی الاشباه معه الف وخاف العزوبة ان كان قبل خروج اهل بلده فله التزوج ولو وقته لزمه الحج. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار: ۲/۱۵۶،كتاب الحج)

کمپنی سے اجازت لیے بغیر نفلی حج ادا کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں فرض حج کر چکا ہوں اور اب نفلی حج کے لیے مصمم ارادہ کرلیا ہے، چونکہ میں ان دنوں مدینہ منورہ میں ایک کمپنی کے ساتھ کام کررہا ہوں اور کمپنی اجازت نہیں دیتی، لہٰذا اگر چھٹی نہ ملے اور میں بغیر اجازت کمپنی کے حج کروں تو کیا یہ حج درست ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: صوفی فضل دین حائل مدینہ منورہ سعودیہ، ۲۱رشوال ۱۴۰۳ھ)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ

اگر آپ کمپنی سے چھٹی لینے کی کوشش کریں تو خوب، ورنہ بلا اجازت کمپنی کے یہ نفلی حج ادا کرنا بھی درست ہوگا۔ وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۳۷/۴)

صحت کی امید کی صورت میں حج بدل درست نہیں ہوتا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری والدہ کی صحت کمزور ہے اور دل کی مریضہ ہے اس کے حج کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

(المستفتی: شاہ جہان تبوک سعودی عرب، یکم ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ

اگر والدہ دل کی مریضہ ہے اور صحت کی امید نہ ہو اور خود حج نہیں کرسکتی اور اس پر حج فرض ہو چکا ہو تو اس کو حج بدل کروانا پڑے گا؛ کیوں کہ صحت کا ہونا حج کے لیے شرط ہے، اگر صحت کی امید ہو تو پھر حج بدل درست نہ ہوگا۔

لما في شرح التنوير علی هامش ردالمحتار (۲۹۱/۲): علی حرمسلم مكلف صحيح البدن، وفي الشامية تحت قوله صحيح البدن فلا يجب علی مقعد ومفلوج وشيخ كبير. (۱) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۳۷/۴-۲۳۸)

عمرہ کی ادائیگی سے فریضہ حج ادا نہیں ہوتا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص پر حج فرض ہے؛ مگر وہ حج نہیں کرتا، صرف وہاں جا کر عمرہ ادا کرکے واپس آتا ہے، اس شخص کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: عبدالودود پائمال شریف بٹگرام ...، ۱۹رشوال ۱۴۰۲ھ)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ

اس شخص پر ضروری ہے کہ حج ادا کرے ورنہ مستحق وعید ہے۔ (۲) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۳۸/۴)

---

(۱) **الدر المختار مع ردالمحتار: ۱۵٤/۲، كتاب الحج**

(۱) **عن علي رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: من ملك زادا وراحلة تبلغه إلی بيت الله==**

کیا عمرہ کرنے سے حج فرض ہو جائے گا:

سوال: ایک غیر مستطیع شخص ایام حج کے علاوہ کے دنوں میں عمرے کے واسطے چلا جائے، کیا اس پر حج فرض ہو جائے گا؟ یہ مشہور ہے کہ جس نے خود حج نہ کیا ہو، وہ حج بدل کے لیے نہ جائے، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب

غیر ایام حج میں عمرہ کرنے سے حج فرض نہیں ہوتا، جب تک کہ اَشہرِ حج میں اسے حج کرنے کی استطاعت پیدا نہ ہو،(۱) اور یہ صحیح ہے کہ جس شخص نے اپنا حج نہ کیا ہو، اسے دوسرے کی طرف سے حج بدل کرنا درست نہیں، البتہ ایسا شخص اگر حج بدل کی نیت سے حج کرلے تو اس سے حج بدل ہی ادا ہوگا، اس کا اپنا حج نہیں ہوگا۔(۲) واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ، ۱۴/۲/۱۳۹۷ھ (فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۳۹، الف) (فتاویٰ عثمانی: ۲/۲۰۵-۲۰۶)

== ولـم يـحج فلا عليه ان يموت يهوديا او نصرانيا وذلک ان الله تبارک وتعالیٰ يقول﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا﴾.(رواه الترمذی ومثله رواه الدارمی)(مشكوة المصابيح: ۲۲۲/۱،الفصل الثانی كتاب المناسک)

(۲) و فـی الغنية،ص:۸ (طبـع ادارـة الـقـرآن) السـابـع الوقت أی وجود القدرة فيه، وهو اشهر الحج، أو وقت خـروج اهل بلده ان كانوا يخرجون قلبها، فلا يجب الا على القادر فيهاأو فی وقت خروج اهل بلده فان ملک المال قبل الوقت فله صرفه حيث....شاء ،الخ.

وفی ارشاد الساری،ص: ۳۳ (طبـع مـصـطفی محمد مصر) السابع من شرائط الوجوب، الوقت وهو اشهر الـحـج او وقـت خـروج اهـل بـلـده....فان ملكه أی المال قبل الوقت ای قبل الاشهر او قبل ان يتاهب اهل بلده فله صرفه حيث شاء ولا حج عليه.

و فی الغنية،ص:٤ (طبع ادارة القرآن كراچی) (السادس) الاستطاعة وهی القدرة على زاد يليق بحاله،الخ، فيها أيضا (ص: ٦) والـراحـلة شـرط فـی حـق الافاقی فقط قدر على المشی أو لا، اما المكی ومن حولها وهو من كان داخـل المواقيت الی الحرم فلا يشترط فی حقه الراحلة اذا كان قادرا على المشی بلا مشقة زائدة ولا فكا لأفاقی وما الزاد فشرط لا بد منه قدر ما يكفيه وعياله فی ايام اشتغاله بنسک الحج.....الخ.

وفـی رد المحتار: ٤٦٠/٢ (طبـع سـعـيـد) والـحـاصل ان الزاد لا بد منه ولو لمكی كما صرح به غير واحد كـصـاحب الينابيع والسراج وما فی الخانية والنهاية من ان المكی يلزمه الحج ولو فقيرا لا زاد له، نظر فيه ابن الهمام الا ان يـراد مـا اذا كان يمكنه الاكتساب فی الطريق....و بعداشطر....(تنبيه) فی اللباب:الفقير الأفاقی اذا وصل الی ميقات فهو كالمكی قال شارحه ا?ی حيث لا يشترط فی قه الا الزاد والراحلة،الخ.(وراجع للتفصيل اليها)

اور زبدۃ المناسک،ص:۲۱، میں ''ضروری فائدہ'' کے تحت ہے:۔۔۔جب مکہ مکرمہ میں آکر داخل ہوا اور کعبۃ اللہ شریف میں آپہنچا تو اب اس پر فرضیت حج متعین ہو جائے گی بالاتفاق۔۔۔۔لیکن اس فقیر پر یہ فرضیت حج بالاتفاق تب ہوگی جب اشہر حج میں آکر کعبۃ اللہ شریف میں پہنچا ہو۔اور ایام حج کا خرچہ کھانے کا بھی رکھتا ہو، اور عرفات پر پیادہ جانے کی قدرت بھی رکھتا ہو، الخ۔(نیز دیکھئے: حیات القلوب،ص:۲۶-۲۷)

(۲) و فی التاتارخانية: ٥٤٦/٢ (طبـع ادارة القرآن) والافضل للانسان اذا أراد أن يحج رجلا عن نفسه ان يحج رجلا قد حـج عن نفسه فان الذی لم يحج عن حجة الاسلام عن نفسه لم يجز حجته عن غيره عند بعض الناس، ومع هذا لو احج رجلا لم يحج عن نفسه حجة الاسلام يجوز عندنا،الخ.

نیز ''حج ضرورۃ'' سے متعلق حضرت والا دامت برکاتہم کا تفصیلی فتویٰ آگے صفحہ: ۲۱۵-۲۲۰ میں ملاحظہ فرمائیں۔

کیا عمرہ کرنے کے بعد حج فرض ہو جاتا ہے:

سوال (۱) کیا عمرہ کرنے کے بعد حج کرنا فرض ہو جاتا ہے، جب کہ اس پر حج فرض نہ ہوا ہوا؟

اگر کوئی شخص بڑھاپے میں غنی ہو جائے تو کیا اس پر حج فرض ہوگا:

(۲) اگر کوئی شخص زیادہ عمر ضعیفی کے زمانے میں تونگر ہو جائے تو کیا اس پر حج فرض ہو جاتا ہے، جب کہ اس کی لاغری مانع ہو؟

الجواب

(۱) عمرہ اگر ایام حج کے علاوہ دوسرے ایام میں کیا جائے تو اس سے حج فرض نہیں ہوتا، البتہ ایام حج میں مکہ مکرمہ پہنچنے سے حج فرض ہو جاتا ہے۔ (کذا فی عمدۃ المناسک مع زبدۃ المناسک: ۳۱) (۱)

(۲) اگر صحت وقوت کی حالت میں حج فرض نہیں تھا اور جب اتنا بوڑھا ہو گیا کہ سواری پر بغیر شدید مشقت کے سوار نہیں ہو سکتا اور اس وقت حج کرنے کے لائق رقم حاصل ہوئی تو اس کے بارے میں فقہاء حنفیہ کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایسے شخص پر حج بالکل فرض نہیں، نہ خود کرنا فرض ہے اور نہ کسی دوسرے سے کرانا؛ لیکن صاحبین کے نزدیک ایسے شخص پر خود حج کرنا فرض نہیں؛ لیکن کسی دوسرے سے کرانا فرض ہے، مشائخ حنفیہ میں سے بعض حضرات نے پہلے قول کو اختیار کیا ہے اور بعض نے دوسرے کو، احتیاط اسی میں ہے کہ ایسا شخص صاحبین رحمہ اللہ کے قول پر عمل کرے اور کسی دوسرے شخص سے اپنی طرف سے حج کروائے، یا کم از کم اس کی وصیت کر دے کہ میری طرف سے حج کیا جائے۔

فی رد المحتار: فلا یجب علی مقعد ومفلوج وشیخ کبیر لا یثبت علی الراحلة بنفسه ... لا بأنفسهم ولا بالنیابة فی ظاهر المذهب عن الامام وهو روایة عنهما، وظاهر الروایة عنهما وجوب الاحجاج علیهم ... وظاهر التحفة اختیار قولهما، وکذا الاسبیجابی وقواه فی الفتح....وحکی فی اللباب اختلاف التصحیح. (شامی: ۲/۱۴۲) (۲) واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ، ۱۲/۲/۱۳۹۶ھ (فتویٰ نمبر: ۶۱ ۲۷/۲۷، و) (فتاویٰ عثمانی: ۲/۲۰۷-۲۰۸)

---

(۱) ص: ۲۱

(۲) ج: ۲، ص: ۴۵۹ (ایچ ایم سعید) و فی غنیة الناسک، ص: ۹ (مطبع ادارۃ القرآن کراچی) وأما شرائط وجوب الأداء فخمسة علی الأصح الأول: الصحة....فلا یجب الحج علی المقعد والزمن المفلوج، ومقطوع الرجلین أو الیدین، أو الرجل الواحدة، والأعمی والمریض والمعضوب وهو الشیخ الکبیر الذی لایثبت علی الراحلة بنفسه وان ملکوا مابه الاستطاعة، فلیس علیهم الاحجاج أو الایصاء، وعندهما یجب الحج علیهم اذا ملکوا الزاد والراحلة، ومؤنة من یرفعهم ویضعهم..... ولکن لیس علیهم الأداء بانفسهم فعلیهم الاحجاج أو لا یصاء به عند الموت، وصححه قاضی خان واختاره کثیر من المشائخ، منهم ابن الهمام، واما ظاهر المذهب فصححه فی النهایة، وقال فی البحر العمیق: هو المذهب الصحیح فقد اختلف التصحیح، وان ملکوا الزاد والراحلة، ولم یجدوا مؤنة من یقودهم لا یجب علیهم الحج فی قولهم....الخ. (وکذا فی الهندیة: ۲۱۸/۱ (طبع رشیدیة کوئٹه)

تلاش ملازمت میں نیت حج:

سوال: ایک شخص کی مالی حالت ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے اس پر حج فرض نہیں، وہ ملازمت کی غرض سے جدہ جانا چاہتا ہے؛ مگر ملازمت کے لیے ویزا نہیں مل سکتا؛ اس لیے وہ حج کے ویزا پر جدہ جانے کا ارادہ رکھتا ہے، لہذا مندرجہ ذیل امور کا جواب عنایت فرمائیں:

(۱) یہ شخص حج اور ملازمت دونوں کی نیت کرے، یا نہیں؟

(۲) اس کا اصل مقصود ملازمت ہے، کیا وہ بوقت حج حج کرسکتا ہے؟

(۳) اس طرح جانا شرع کے خلاف تو نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

(۱) جب اس پر حج فرض نہیں تو ملازمت کی غرض سے سفر جدہ کرنے میں کوئی حرج نہیں؛ بلکہ حج کی نیت ہو تو ثواب کا مستحق ہوگا۔

(۲) اسباب حج میسر ہوجاوے تو ضرور حج کرے، ورنہ لازم نہیں۔

(۳) شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

روی مرفوعاً عن أبی أمامة التیمی قال: قلت لابن عمر: إنا نکری، فهل لنا من حج؟ قال: ألیس تطوفون وتأتون بالمعرف، وترمون الجمار وتحلقون رؤسکم؟ قال: قلنا بلیٰ، فقال ابن عمر: جاء رجل الی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فسأله عن الذی سألتنی فلم یعبه حتی نزل علیه جبرئیل بهذه الآیة﴿لیس علیکم جناح أن تبتغوا فصلامن ربکم﴾فدعاه النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فقال: أنتم حجاج. (أحكام القرآن للشيخ ظفر احمد التهانوی: ۳۵۱/۱) **فقط واللہ اعلم** (فتاویٰ رحیمیہ: ۴۹/۸-۵۰)

عمرہ کا ویزا لے کر جانا اور وہاں ٹھہر کر حج ادا کرنا:

سوال: بعض لوگ عمرہ کا ویزا لے کر عمرہ کے لیے جاتے ہیں اور وہیں رک کر حج کر کے واپس آتے ہیں، وہاں رک جانا حکومت کے قانون کے خلاف ہے تو اس طرح حج کرنے سے ان کا فریضۂ حج ادا ہوگا، یا نہیں؟ بینوتوجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

یہ حکومت کے قانون کی خلاف ورزی ہے، ایسا کرنا نا مناسب ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص رک جائے اور حج کرلے تو فریضۂ حج ادا ہوجائے گا، اگر حکومت خلاف قانون کام کرنے پر کوئی کارروائی کرے تو اس کے لیے تیار رہنا ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۵۰/۸)

سعودی حکومت میں حج صحیح ہے، یا نہیں:

سوال: ہمارے یہاں (افریقہ) میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ سعودی حکومت میں حج فرض نہیں کہ ابن سعود وہابی ہے اوراس کی دلیل میں مولانا مصطفے خاں بریلوی کی کتاب ''تنویر الحجہ'' پیش کرتے ہیں، جس میں ہے کہ حجاز مقدس میں ابن سعود کی حکومت ہے اور بے امنی ہے، لہذا حج فرض نہیں۔ سعودی حکومت میں حج نہ کرنے سے اس کا گناہ نہ ہوگا۔ (ص:۹،۱۲،۱۶) تو کیا یہ خیال اور دلیل صحیح ہے؟

الجواب

سعودی حکومت میں عام طور پر امن ہے، جان و مال اور آبرو کا کوئی اندیشہ نہیں اور حج کرنے میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں، لہذا مذکورہ بالا خیال اور عقیدہ درست نہیں ہے، غلط اور گمراہ کن ہے۔ فریضۂ حج اور اسلام کے رکن اعظم کی ادائیگی سے مسلمانوں کو باز رکھنا اور سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے محروم رکھنا جہالت اور شیطانی حرکت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پشین گوئی ہے کہ ایسا زمانہ آئے گا کہ عوم جہلاء کو اپنا مذہبی پیشوا بنائیں گے اوران سے دینی مسائل دریافت کریں گے، وہ باوجود لاعلمی کے فتویٰ دیں گے، جس سے خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو گمراہ کریں گے، چناں چہ مشکوٰۃ شریف میں ہے:

''وعن عبد اللّٰہ بن عمرو قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: إن اللّٰہ لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعہ من العباد ولکن یقبض العلم بقبض العلماء حتی إذا لم یبق عالما اتخذ الناس رؤساً جہالاً فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا و أضلوا. (متفق علیہ) (مشکاۃ، ص: ۳۳، کتاب العلم)(۱)

مختصر یہ کہ حج کی استطاعت والے ایسے بے علم اور گمراہ لوگوں کے غلط فتوؤں پر عمل کر کے حج نہ کریں گے اور سرور کائنات رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بابرکت سے محروم رہیں گے تو خدا کے عاصی اور سعادت عظمیٰ سے محروم ہوں گے۔ (معاذ اللہ)

غور کیجئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قدر سخت وعید فرمائی ہے: **فمن مات ولم یحج فلیمت إن شاء یہودیا وإن شاء نصرانیاً.** (مشکاۃ، ص: ۲۲۲، کتاب المناسک، الفصل الثانی، عن علی) (استطاعت کے باوجود حج کئے بغیر مرجائے تو چاہے یہودی ہوکر مرے چاہے نصرانی ہوکر مرے۔) فقط واللہ اعلم (فتاویٰ رحیمیہ: ۵۸/۸-۵۹)

---

(۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ العَاصِ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُولُ: »إِنَّ اللّٰہَ لاَ یَقْبِضُ العِلْمَ انْتِزَاعًا یَنْتَزِعُہُ مِنَ العِبَادِ، وَلَکِنْ یَقْبِضُ العِلْمَ بِقَبْضِ العُلَمَاءِ، حَتَّی إِذَا لَمْ یُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُئُوسًا جُھَّالًا، فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَیْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا. (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۰۰، صحیح لمسلم، رقم الحدیث: ۳۶۷۳، سنن ابن ماجۃ، رقم الحدیث: ۵۲، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۶۵۲، انیس)

(۲) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۸۱۲، انیس

حج کے لیے تنہا عورتوں کا قافلہ:

سوال: یہاں افریقہ سے تین چار عورتیں (جن کی مالی حالت اچھی ہے اور کوئی محرم وغیرہ نہیں) جماعت کی شکل میں حج کے لیے جانا چاہتی ہیں، اس طرح قافلہ بنا کر جانا کیسا ہے؟ کوئی ذی حیثیت عورت حج کرنا چاہتی ہے؛ مگر کوئی محرم نہ ہو تو کیا وہ حج سے محروم رہے؟

الجواب

فطری اور قدرتی طور پر مرد کا میلان عورت کی طرف اور عورت کا میلان مرد کی طرف ہوتا ہی ہے اور شیطان ملعون بھی معاصی میں مبتلا کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتا رہتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ مردوں کے حق میں عورتوں سے زیادہ ضرر رساں کوئی فتنہ نہیں۔

عن أسامة بن زيد قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :ما تركت بعدى فتنة أضر على الرجال من النساء. (**متفق عليه**)(مشكاة،ص: ٢٦٧، كتاب النكاح)(۱)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو تنبیہ فرمائی ہے کہ عورتوں (کے فتنہ) سے بچو؛ کیوں کہ بنی اسرائیل کی تباہی کا باعث سب سے پہلا فتنہ عورتوں ہی کی صورت میں تھا۔

فى حديث أبى سعيد الخدرى قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: واتقوا النساء فإن أول فتنة بنى إسرائيل كانت فى النساء. (رواه مسلم)(أيضاً)(۲)

اور حدیث میں ہے، اس شخص پر کہ جس نے (بلا عذر و بغیر اضطرار) دیکھا اور اس پر کہ جس کو دیکھا گیا، اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

عن الحسن مرسلا قال: بلغنى ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لعن الله الناظر والمنظور إليه. (رواه البيهقى فى شعب الإيمان)(أيضاً،ص: ٢٧٠، كتاب النكاح)(۳)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا عورت کے لیے کیا بات بہتر ہے؟ فرمایا: نہ وہ کسی مرد کو دیکھے اور نہ کوئی مرد اس کو دیکھے۔

روى أنه عليه السلام قال لابنته فاطمة:أى شىء خير للمرأة قالت:ان لا ترى رجلا ولا يرأها رجلا. (مجالس الابرار،ص: ٥٩٧-٥٩٨،رقم المجلس: ٩٨)

---

(۱) صحيح البخارى،رقم الحديث: ٥٠٩٦،صحيح لمسلم،رقم الحديث: ٢٧٤٠،سنن ابن ماجة،رقم الحديث: ٣٩٩٨، سنن الترمذى،رقم الحديث: ٢٧٨٠،انيس

(۲) صحيح لمسلم،رقم الحديث: ٢٧٤٢،انيس

(۳) شعب الإيمان،رقم الحديث: ٧٣٩٩،انيس

حدیث شریف میں ہے کہ عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے اور شیطان کی صورت میں جاتی ہے۔

عن جابر قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: إن المرأة تقبل فی صورة شیطان وتدبر فی صورة شیطان. (الحدیث) (مشكاة، ص: ۲٦۸، باب النظر إلی المخطوبة)(۱)

اور فرمان نبوی ہے:

"المرأة عورة فإذا خرجت استشرفها الشیطان". (أیضاً، ص: ۲٦۹)(۲)

(یعنی عورت پردہ میں رہنے کی چیز ہے، چناں چہ جب کوئی عورت (اپنے پردہ سے باہر) نکلتی ہے تو شیطان اس کو مردوں کی نظر میں اچھا کر کے دکھاتا ہے۔)

گھر سے باہر نکلنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے؛ اس لیے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو تاکید فرمائی ہے: ﴿**وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولیٰ**﴾ (سورة الأحزاب) (۳) (اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور دکھاتی نہ پھرو، جیسا کہ دکھلانا دستور تھا پہلے جہالت کے وقت میں۔)

البتہ بوقت ضرورت شرعی وطبعیہ بلا آرائش وزیبائش کے سادہ اور غیر جاذب لباس میں شرعی پابندی اور احتیاطی تدابیر اختیار کر کے نکلے تو اس کی اجازت ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿**قل للمؤمنات یغضضن من أبصارهن ویحفظن فروجهن ولا یبدین زینتهن**﴾ (سورة النور) (۴) (اور کہہ دے ایمان والیوں کو نیچی رکھیں ذرا اپنی آنکھیں (یعنی غیر محرم کو نہ دیکھیں) اور تھامتے رہیں اپنے ستر کو اور نہ دکھلائیں اپنا سنگھار۔)

اور حدیث میں ہے، جب عورت عطر (سینٹ، پاؤڈر، خوشبو وغیرہ) لگا کر (مردوں کی) مجلس سے گزری تو وہ ایسی اور ایسی ہے؛ یعنی زانیہ ہے۔

عن أبی موسی قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: کل عین زانیة وإن المرأة إذا استعطرت فمرت بالمجلس فهی کذا وکذا یعنی زانیة. (مشكاة، ص: ۹٦، باب الجماعة وفضلها)(۵)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا (غیر محرم کو) دیکھنا ہے اور کان زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا (غیر محرم کی آواز کا) سننا ہے اور زبان زنا کرتی ہے اور اس کا زنا (غیر محرم سے) بات چیت کرنا ہے اور ہاتھ زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا (غیر محرم کو) پکڑنا ہے۔

عن أبی هریرة عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: کتب علی ابن آدم نصیبه من الزنا مدرک

(۱) صحیح لمسلم، رقم الحدیث: ۱٤۰۳، انیس

(۲) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۱۱۷۳، انیس

(۳) سورة الأحزاب: ۳۸، انیس

(۴) سورة النور: ۳۱، انیس

(۵) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۷۸٦، انیس

ذلک لا محالة فالعيناه زناهما النظر والأذنان زناهما الإستماع واللسان زناه الكلام واليد زناها البطش. (الحديث) (مسلم: ۳۳۶/۲، مشكاة، ص: ۲۰، باب الا يمان بالقدر) (۱)

(اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اپنی عورتوں کو بناؤ سنگھار والا لباس پہن کر مسجد وغیرہ میں مٹکنے (ٹہنے) سے روکو؛ کیوں کہ بنی اسرائیل سے اس وقت تک لعنت روک دی گئی، جب تک ان کی عورتوں نے بناؤ سنگھار کا لباس پہن کر مسجد وغیرہ میں مٹکنا (ٹہلنا) اختیار نہ کیا۔)

عن عائشة قالت: بينما رسول الله صلى الله عليه وسلم: جالس فى المسجد إذ دخلت امرأة من مزنية ترفل فى زينة لها فى المسجد فقال النبى صلى الله عليه وسلم: يايها الناس انهوا نسائكم عن لبس الزينة والتبختر فى المسجد فإن بنى اسرائيل لم يلعنوا حتى لبس نسائهم الزينة وتبخترن فى المساجد. (ابن ماجة، ص: ۲۹۷، أبواب الفتن، باب فتنة النساء) (۲)

منجملہ ضروریات شرعیہ کے ایک ضرورت حج کی ادائیگی بھی ہے، جس کے لیے ضابطۂ شرعیہ اور فتنہ وفساد سے حفاظت کی ایک زائد احتیاطی تدبیر یہ ہے کہ عورت کے سفر حج میں دیندار محرم یا شوہر ساتھ ہو جو اس کی پورے طور سے حفاظت کر سکے، ورنہ سفر حج کی بھی اجازت نہیں، جاوے گی تو شرعی حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے گنہگار ہوگی۔

حدیث شریف میں ہے:

"**لاتحجن امرأة الا ومعها ذومحرم**". (زجاجة المصابيح: ۱۰۱/۲، كتاب المناسک) (۳)

(یعنی عورت محرم کے بغیر ہرگز حج نہ کرے۔)

ایک اور حدیث میں ہے، ایک صحابی نے عرض کیا یارسول اللہ میں فلاں جہاں میں جانے والا ہوں اور میری اہلیہ حج کرنا چاہتی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوٹ جا، عورت کے ساتھ رہ کر حج کر آ۔

وفى رواية للبزاز عن ابن عباس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا تحج امرأة إلا ومعها محرم فقال رجل: يا نبى الله! إنى أكتتبت فى غزوة كذا وا مرأتى حاجة، قال: ارجع فحج معها. (أيضاً: ۱۰۱/۲، كتاب المناسک) (۴)

نیز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے: خدا اور روز قیامت پر ایمان لانے والی کے لیے حلال نہیں کہ تین دن (باعتبار میل اڑتالیس میل)، یا اس سے زائد مسافت کا سفر کرے، الّا یہ کہ اس کے ساتھ باپ شوہر بھائی وغیرہ میں سے کوئی محرم ساتھ ہو۔

---

(۱) صحيح لمسلم، رقم الحديث: ۲۶۵۷، انيس

(۲) سنن ابن ماجة، باب فتنة النساء، رقم الحديث: ۴۰۰۱، انيس

(۳) سنن الدارقطنى، كتاب الحج، رقم الحديث: ۲۴۴۰، انيس

(۴) مسند البزار، رقم الحديث: ۵۲۵۹، انيس

عن أبی سعید الخدری قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لا یحل لا مرأة تؤمن باللّٰہ والیوم الآخر أن تسافر سفرًا یکون ثلاثة أیام فصاعداً إلاومعها أبو ها أو ابنها أوزوجها أوأخوها أوذومحرم منها. (مسلم: ۱/ ۴۳۴، باب سفر المرأة مع محرم إلی حج وغیرہ)(۱)

دیگر روایات میں حالات اور فتنہ کے اندیشہ کے پیش نظر دو دن، ایک رات و دن صرف ایک رات اور صرف ایک دن کے سفر میں بھی محرم کا ساتھ ہونا شرط ہے۔ ملاحظہ ہو:

وفی روایة: نهی أن تسافر المرأة مسیرة یومین. وفی روایة: لا یحل لامرأة تؤمن باللّٰہ والیوم الآخر تسافر مسیرة یوم إلا مع ذی محرم. وفی روایة: لا یحل لامرأة مسلمة تسافر مسیرة لیلة إلا ومعها ذوحرمة منها. وفی روایة: مسیرة یوم ولیلة. (مسلم مع شرحہ للنووی: ۱/۴۳۲۔۴۳۳)(۲)

حالت سفر میں عورتوں کی عصمت و ناموس کی جس قدر حفاظت شوہر اور محرم کرسکتا ہے، وہ عورتیں نہیں کرسکتیں؛ بلکہ خود عورتیں عصمت و پاکدامنی کی حفاظت کے لیے دوسرے کی محتاج ہیں اور از روئے حدیث "**وما رأیت من ناقصات عقل ودین اذھب للب الرجل الحازم من إحداکن. (الحدیث)**" (صحیح البخاری: ۱/۴۴، باب ترک الحائض الصوم) (۳) (عورت ناقص العقل والدین ہے تو وہ دوسری عورتوں کی عصمت اور دین کی کیا خاک حفاظت کرے گی؟ بلکہ اندیشۂ فتنہ میں اضافہ ہوگا۔)

ہدایہ میں ہے کہ حج کے لیے محرم، یا شوہر کا ساتھ ہونا شرط اس لیے ہے کہ محرم کے بغیر عورت کے حق میں فتنہ کا خطرہ ہے اور صرف عورتیں ہی عورتیں ہونے کی صورت میں خوف فتنہ بڑھ جائے گا۔

ویعتبر فی المرأة ان یکون لها محرم تحج به أوزوج (إلی قوله) **ولأنها بدون المحرم یخاف علیها الفتنة وتزداد بانضمام غیرها إلیها.** (الهدایة: ۱/۲۱۳، کتاب الحج) سڑک پر ایک چھوٹے بچہ کے لئے گاڑی، گھوڑے وغیرہ کا جو خطرہ رہتا ہے اس کے ساتھ دو چار بچے اور ہو جانے سے اندیشہ ختم ہوگا یا بڑھے گا؟

عورت کے حق میں محرم کی شرط اور ضرورت حج سے محرومی کا باعث نہیں؛ بلکہ اس کی عصمت و ناموس کی حفاظت اور بدگمانی بدنامی اور تہمت سے بچانے کے لیے ہے، جس کے بغیر عورت کی کوئی قیمت نہیں، لہٰذا عورتوں کو چاہیے کہ احکام شرعیہ کی قدر کریں اور شریعت کو محسن سمجھیں۔ رہا حج کا معاملہ تو کوئی محرم نہ ملے تو شریعت نے حج بدل کی بھی اجازت دی ہے، جس میں وہ پورے ثواب کی مستحق ہوگی اور مزید برآں شرعی حکم کی تابعداری کرنے والی اور مستحق اجر عظیم ہوگی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۸/۶۷۔۷۰)

---

(۱) صحیح لمسلم، رقم الحدیث: ۱۳۴۰، انیس

(۲) صحیح لمسلم، رقم الحدیث: ۸۲۷، ۱۳۳۹، انیس

(۳) صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۰۴، انیس

ارکان، واجبات اور سنن حج

حج کے ارکان:

سوال: اگر کسی مسلمان نے حج کی نیت سے احرام کی چادریں باندھیں، عرفات میں وقوف کیا اور طوافِ زیارت بھی کرلیا تو کیا اس کا حج ہوگیا؟ اور اس کو حج کا پورا پورا ثواب ملے گا، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

حج کے دو رکن ہیں: وقوفِ عرفات اور طواف زیارت، بحالتِ احرام ادا کرلینے سے حج ادا ہو جائے گا۔ (۱) بقیہ امور حج میں واجب، سنت اور مستحب ہیں، جن کے ترک سے صدقہ وغیرہ لازم ہوتا ہے، یا تو ثواب میں کمی آتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۰۵/۱۰)

عرفات کی حاضری کا وقت کیا ہے:

سوال: حاجی کو عرفات پر کون سے دن اور کس وقت پہنچنا چاہیے؟ حاجی کے لیے عرفات پر پہنچے کا انتہائی وقت کون سا ہے، جس سے کہ اس کا حج ساقط نہ ہو؛ یعنی حج ادا ہو جاوے؟ حاجی کو عرفات سے مزدلفہ کی طرف کس وقت لوٹنا چاہیے اور اس کی انتہائی کہاں تک ہے؟ اگر کوئی حاجی عرفہ کے دن شام کو بعد غروب آفتاب عشا کے وقت، یا بعد دوپہر رات کے وقت؛ یعنی عید کی رات میں عرفات پر پہنچا تو اس کا حج ادا ہوا، یا نہ ہوا؟ اگر ادا ہو گیا تو پھر رات کو مزدلفہ کی طرف کب لوٹے گا؟

---

(۱) قال الإمام ابن الهمام: الظاهر أنه عبارة عن الأفعال المخصوصة من الطواف والوقف في وقته محرماً بنية الحج سابقاً: أي على الأفعال. (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب شرائط الخ، ص: ۱۷، مكتبة مصطفى محمد مصر)

(هو الاحرام) وهو شرط للحج من وجه، ولذا يجوز قبل الوقت، وركن له من وجه... وهو شرط للحج: أي عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى وعند الأئمة الثلاثة هو ركن ... (والوقوف بعرفة): أي في وقته ولو ساعة (وأكثر طواف الزيارة): أي في محله وهما ركنان للحج، قوله: وهما ركنان، إلا أن الوقف أقوى من الطواف ... فإنه لا وجود للحج إلا بوجود ركنيه. (مناسك لملا علي القاري، فصل في فرائضه، ص: ۹۲-۹۳، مكتبة إدارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشي)

الجواب

وقت مستحب عرفات کی طرف جانے کا یہ ہے کہ یوم عرفہ مین بعد طلوع شمس منی سے عرفات کی طرف روانہ ہوا اور وہاں پہنچ کر حسب قاعدہ نماز ظہر وعصر سے فارغ ہوکر وقوف عرفات کرے اور وقوف عرفات کا وقت زوال یوم عرفہ سے طلوع فجر یوم نحر تک ہے؛ یعنی دسویں تاریخ کی تمام رات بھی وقوف ادا ہوگیا اور مزدلفہ کی طرف لوٹنے کا مستحب وقت تو وہی ہے، جو معروف ہے کہ بعد غروب آفتاب یوم عرفہ عرفات سے چل کر مزدلفہ پہنچے اور رات کو وہاں رہے اور صبح کی نماز اندھیرے پڑھ کر وقوف مزدلفہ کرے اور وقت اس وقوف کا طلوع فجر یوم نحر سے طلوع آفتاب، یا بوقت عشا، یا اس کے بھی بعد صبح صادق سے پہلے پہلے عرفات پر پہنچ گیا، اس کا حج صحیح ہوگیا، وہ عرفات پر کچھ ٹھہر کر اسی وقت وہاں سے لوٹ کر مزدلفہ پہنچ کر وقوف مزدلفہ بھی اگر وقت وقوف مزدلفہ کا باقی ہوکر لیوے؛ تاکہ واجب ساقط نہ ہوا اور اگر وقوف مزدلفہ نہ ہوسکا، (۱) کہ اس کا وقت نہ ملا تو ترک واجب ہوا، دم دیوے۔ باقی تفصیل مناسک حج کی معروف ومشہور ہے اور کتب فقہ میں مذکور ہے، **فلیراجع**۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/ ۵۴۸-۵۴۹)

عرفات میں کس وقت حاضری ضروری ہے کہ حج ہوجائے:

سوال: عرفات پر حجاج کس وقت تک پہنچنے پر حج میں شامل ہوسکتے ہیں؟

خطبۂ حج کا وقت کیا ہے:

سوال: خطبۂ حج کس وقت شروع اور کس وقت ختم ہوتا ہے؟

غروب آفتاب سے پہلے عرفات سے واپس ہوجائے تو دم واجب ہوگا، یا نہیں:

سوال: اگر غروب آفتاب سے پہلے عرفات سے آجاوے، تو دم واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب

(۱) یوم عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ کے زوال کے بعد سے یوم نحر یعنی دسویں ذی الحجہ کی شب میں صبح صادق سے

(۱) فإذا صلى الفجر يوم التروية بكمة خرج إلى منى فيقيم بها حتى يصلى الفجر من يوم عرفة ... ثم يتوجه إلى عرفات فيقيم بها ... وإذا زالت الشمس يصلى الإمام بالناس الظهر والعصر ... ويصلى بهم الظهر والعصر فى وقت الظهر بأذان وإقامتين ... وغربت الشمس أفاض الإمام والناس معه ... فلو مكث قليلاً بعد غروب الشمس وإفاضة الإمام لخوف الزحام فلا بأس به ... وإذا أتى مزدلفة ... ويصلى الإمام بالناس المغرب والعشاء بأذان وإقامة واحدة ... ثم وقف ... ثم هذا الوقوف واجب عندنا وليس بركن، الخ. (الهداية، كتاب الحج، باب الاحراب: ١٤٣-١٤٦، مكتبة زكريا ديوبند)

الحج (فرضه) ثلاثة (الاحرام) ... والوقوف بعرفة) فى أوانه. (الدرالمختار) وهو من زوال يوم عرفة إلى قبيل طلوع فجر النحر. (ردالمحتار، كتاب الحج: ٣/ ٤٦٨-٤٦٩، ظفير)

پہلے، جس وقت بھی عرفات پر پہنچ جاوے فرض ادا ہوجاتا ہے اور حج ادا ہوجاتا ہے۔(۱)

(۲) حج میں تین خطبے ہیں: ایک ساتویں ذی الحجہ کو مکہ معظّمہ میں، دوسرا نویں ذی الحجہ کو عرفات میں بعد زوال شمس قبل از نماز ظہر وعصر کے اور تیسرا خطبہ گیارہ ذی الحجہ کو منی میں اور تفصیل ان کی کتابوں میں ہے۔(۲)

(۳) غروب آفتاب تک رہنا چاہیے، اگر قبل از غروب آفتاب واپس آ گیا تو دم لازم ہے۔(کذا فی الشامی)(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۵۴۶-۵۴۷)

غروبِ آفتاب سے پہلے میدانِ عرفات میں واپسی:

سوال: ۹/ذی الحجہ کو اگر کوئی شخص کسی ضرورت کے تحت حدودِ عرفات سے باہر جائے اور پھر غروب آفتاب سے پہلے عرفات میں واپس آجائے تو کیا غروبِ آفتاب سے پہلے عرفات سے نکلنے کی وجہ سے اس پر دَم واجب ہوجائے گا؟ (خواجہ نذیرالدین سبیلی، نزیل مکہ)

الجواب

غروب آفتاب کے وقت عرفات میں وقوف ضروری ہے، اگر میدانِ عرفات سے باہر جاکر غروبِ آفتاب سے پہلے ہی اندر واپس آجائے تو دَم واجب نہیں ہوگا؛ لیکن اس سے بھی احتیاط کرنی چاہیے؛ کیوں کہ بعض اہل علم کے نزدیک اس صورت میں بھی دَم واجب ہوجاتا ہے، اگر غروبِ آفتاب کے بعد واپس آیا تو بالاتفاق دَم واجب ہوجائے گا۔

---

(۱) (و)الحج (فرضه) ثلاثة الإحرام ...والوقوف بعرفة فی أوانه.(الدرالمختار)وهو من زوال یوم عرفة إلٰی قبیل طلوع فجرالنحر.(ردالمحتار، کتاب الحج: ۲/۲۰۲، ظفیر)

(۲) فإذا کان قبل یوم الترویة بیوم خطب الإمام خطبة یعلم فیها الناس الخروج إلٰی منٰی والصلٰوة بعرفات والوقوف والإفاضة إلخ ثم یتوجه إلٰی عرفات فیقیم بها إلخ وإذا زالت الشمس یصلی الإمام بالناس الظهر والعصر فیبدأ بالخطبة فیخطب خطبة یعلم فیها الناس الوقوف بعرفة الخ ویخطب خطبتین یفصل بینهما بجلسة کما فی الجمعة،إلخ.(الهدایة،باب الإحرام: ۱/۲۲۵)

قوله (وبعد الزوال ثانی النحر) قال فی اللباب: ثم اذا کان الیوم الحادی عشر وهوثانی أیام النحر خطب الإمام خطبة واحدة بعد صلاة الظهر لایجلس فیها کخطبة الیوم السابع یعلم الناس أحکام الرمی وما بقی من أمور المناسک وهٰذة الخطبة سنة وترکها غفلة عظیمة،آه.(رد المحتار، کتاب الحج،فصل فی الإحرام،مطلب فی حکم صلاة العید والجمعة فی منیٰ:۳/۵۴۰،ط:الریاض)

(۳) (ثامن الشهر خرج إلٰی منٰی) ... ومکث بها إلٰی فجر عرفة ثم) بعد طلوع الشمس (راح إلٰی عرفات) ... وإذا غربت الشمس أتی ... مزدلفة.(الدرالمختار)

(قوله:إذا غربت الشمس) ... بیان للواجب حتٰی لودفع قبل الغروب فإن جاوزحدود عرفة لزمه دم.(رد المحتار، کتاب الحج،مطلب فی اجابة الدعاء:۳/۵۱۷-۵۲۴،مکتبة زکریا دیوبند،انیس)

"وإن عاد قبل غروب الشمس ... ذكر الكرخي أنه يسقط عنه الدم أيضًا وكذا روى ابن شجاع عن أبي حنيفة ولو عاد إلٰى عرفة بعد الغروب لايسقط عنه الدم بلاخلاف". (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۵۳/۴)

عرفات میں ظہر وعصر کو جمع کرنا:

سوال: میدان عرفات میں ظہر وعصر اکٹھا پڑھنا ہے، یا نہیں؟ (نظام الدین، دربھنگہ)

الجواب

۹/ ذی الحجہ کو میدان عرفات میں امام حج کے ساتھ نماز ادا کرتے ہوئے ظہر وعصر کو ظہر کے وقت میں جمع کرکے پڑھنا مسنون ہے، امام حج سے مراد وہ شخص ہے، جس کو سعودی عرب کے فرماں روا کی طرف سے نائب کی حیثیت سے عرفات میں نماز کا امام مقرر کیا جائے، اگر مسجد نمرہ میں امام کی اقتدا میں نماز ادا نہ کی جائے؛ بلکہ خیموں میں نماز ادا کریں تو حنفیہ کے نزدیک دونوں نمازوں کو جمع نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ ظہر کی نماز اپنے وقت میں اور عصر کی نماز اپنے وقت پر ادا کی جائے گی، خواہ خیمہ میں تنہا نماز پڑھیں، یا الگ سے اپنی جماعت بنائیں، چنانچہ علامہ شامیؒ ایسی صورت کے بارے میں نقل کرتے ہیں: "صلوا كل واحد منهما في وقتها" (۲) خواتین کے لیے توفی زمانہ بہتر یہی ہے کہ وہ اپنے خیمہ ہی میں ظہر وعصر کی نماز اپنے اپنے اوقات میں ادا کرلیں؛ کیوں کہ ازدحام کی وجہ سے مسجد نمرہ میں خواتین کی صفیں الگ نہیں ہو پاتی ہیں اور مجمع خلط ملط ہو جاتا ہے، جو ظاہر ہے کہ حکم شریعت کے خلاف ہے؛ اس لیے عورتوں کے لیے اپنے خیموں ہی میں نماز ادا کرلینا بہتر ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۵۳/۴-۵۴)

ہوائی جہاز کے ذریعہ میدان عرفات کی فضا کو پار کرنے پر وقوفِ صحیح ہوتا ہے، یا نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کتاب "زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک، ص:۱۱۹" کی یہ تحریر توجہ طلب ہے۔ ہوائی جہاز جس مقام کی فضا میں گزرے، اسی مقام کا حکم رکھتا ہے؛ اس لیے اگر بعد زوال یوم عرفہ کے فضائی عرفات پر گزرے تو محرم کا حج ہو جائے گا۔ (زبدۃ المناسک، ص:۱۱۹)

لیکن ہوائی جہاز میں سوار ہوکر طواف کرنے سے طواف تو صحیح ہو جائے گا، بشرطیکہ ہوائی جہاز مسجد کی حدود میں داخل رہے؛ لیکن بلا عذر ایسا کرنے سے دم واجب ہوگا، جیسا کہ ہوائی جہاز کے علاوہ میں بھی بلا عذر سوار ہوکر طواف کرنے کا حکم ہے؛ لیکن جہاز میں سوار ہوکر عرفات میں سے گزرنے سے وقوف عرفہ نہ ہوگا، چوں کہ طواف کی حقیقت دوران حول البیت (یعنی خانہ کے چاروں طرف گھومنا) ہے اور مکان طواف حوال البیت (طواف کرنے کی جگہ خانہ کعبہ) ہے اور گھر یعنی خانہ کعبہ سے متعلق یہ تصریح موجود ہے کہ زمین سے لے کر آسمان تک بیت اللہ ہے۔ یہ طواف خانہ کعبہ

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الحج: ۳۰۷/۲-۳۰۶

(۲) ردالمحتار، كتاب الحج: ۵۲۰/۳

سے مرتفع ہوکر بھی جائز ہے؛ اس لیے ہوائی جہاز میں بشرائط مذکور طواف صحیح ہو جائے گا؛ لیکن وقوف عرفہ سے متعلق کہیں یہ تصریح نہیں ملی کہ زمین سے لے کر آسمان تک وقوف عرفہ ہے؛ بلکہ اکثر کتب میں وقوف کو زمین کے ساتھ مقید کیا ہے۔ (بحوالہ امداد الاحکام: ۲/۲۰۰، البحر الرائق: ۴/۳۳۹، عالمگیری: ۱/۱۴۸، مکمل ومدلل مسائل حج وعمرہ، ص: ۲۳۷)

باسمہ سبحانہ تعالی، الجواب ـــــــــــــ وباللہ التوفیق

یہ بات اگر چہ صحیح ہے کہ جس طرح خانہ کعبہ کے متعلق زمین سے آسمان تک بیت اللہ ہونے کی کتب فقہ میں تصریح ہے، اس طرح کی بات عرفات وغیرہ کے بارے میں صراحتاً منقول نہیں ہے؛ لیکن عرفہ کی فضا کو عرفات ہی کے درجہ مین رکھنے کے بارے میں بیت اللہ پر قیاس کرنے میں حرج نہیں ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مواقیت اور حدود حرم کے بارے میں فضائی حدود کا بھی وہی حکم ہے جو ارض حدود کا ہے، چناں چہ آج امت کا تعامل بھی اسی پر ہے۔

بریں بنا اس مسئلہ میں زبدۃ المناسک کی تحقیق راجح معلوم ہوتی ہے۔ بعد میں جب ''امداد الاحکام'' سے مراجعت کی گئی تو اس میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحبؒ کے مذکورہ فی السوال فتوی کے بعد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی درج ذیل تحریر سامنے آئی، اس سے بھی ''زبدۃ المناسک'' کے مسئلہ کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں: احقر اشرف علی قیاساً **علی کون ھواء الکعبۃ فی حکمھا و کون ھواء المسجد فی حکمہ** صحت کو راجح سمجھتا ہے؛ لیکن جزم نہیں کرتا۔ (امداد الاحکام: ۱/۲۰)

اور جن فقہی عبارتوں میں ارض عرفات کی قید لگی ہوئی ہے۔ وہ اس شرط پر ہے کہ فقہا کے زمانے میں اس کے بغیر وقوف عرفہ کا امکان ہی نہ تھا؛ اس لیے صاحب درمختار لکھتے ہیں:

فی شرح اللباب: والظاهر أن هٰذا ركن لعدم تصور الوقوف بدونه، إلخ. (ردالمحتار، کتاب **الحج: ۳/۵۲۲، زکریا**)

اور آج جب کہ فضائی طور پر وقوف کا امکان متحقق ہو چکا ہے، لہٰذا اب صحت کی بات ہی راجح ہونی چاہیے۔

وكره الوطی فوق مسجد؛ لأن مسجد إلٰی عنان السماء. (مجمع الأنهر: ۱/۱۹۰، شامی: ۲/۴۲۸، زکریا)

القدر المفروض من الوقوف إلٰی مسجد إلٰی عنان الدابة أو محمولا مع الغفلة. (البحر العمیق: ۳/۴۲۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری، ۱۴۳۵/۵/۹ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/۵۳۷)

ہوائی جہازوں میں وقوف عرفہ اور طواف کعبہ کا حکم:

رہا جواب ان مسائل کا جن کو میں نے پہلے پرچہ میں زیر غور کہا تھا اور وہ دو مسئلے ہیں: ایک ہوائی جہاز میں طواف کرنے کا، دوسرے ہوائی جہاز میں وقوف عرفہ کرنے کا، سو اس کے متعلق جو مجھ کو مطالعہ کتب فقہ سے ظاہر ہوا ہے، وہ یہ

ہے کہ مرکب ہوائی میں سوار ہو کر طواف کرنے سے طواف تو صحیح ہو جائے گا، بشرطیکہ مرکب ہوائی داخل حد مسجد رہے؛ لیکن بلا عذر ایسا کرنے سے دم واجب ہوگا، جیسا کہ مرکب غیر ہوائی میں بھی بلا عذر سوار ہو کر طواف کرنے کا یہی حکم ہے اور مرکب ہوائی میں سوار ہو کر عرفات کے مرور سے وقوف عرفہ ادا نہ ہوگا۔

قال فی البدائع: وأما مكان الطواف فمكانه حول البيت،آه. (ص: ۱۲۱)(۱)

وفی غنية الناسک: الطواف هو الدوران حول الكعبة كيف ماحصل،آه.

أما أركانه فثلاثة: اتيان أكثره وكونه بالبيت لافيه وكونه بفعل نفسه ولو محمولا أو راكب بعير وأما شرائطه فستة ثلثة منها لايفوته الحج وهو الوقت وتقديم الاحرام وتقديم الوقوف والباقی للكل وهی الإسلام وداخل المسجد ولو علٰى سطحه فلو طاف علٰى سطح المسجد جاز ولو مرتفعاً عن البيت لو طاف خارج المسجد مع وجود الحيطان لايصح إجماعاً ولو كان الحيطان منهدمة لايصح عند عامة العلماء؛ لأنه طاف بالمسجد لابالبيت،آه. (ص: ۸۵)(۲)

چوں کہ طواف کی حقیقت دوران حول البیت ہے اور مکان طواف حول البیت ہے اور بیت کے متعلق یہ تصریح موجود ہے کہ ہوا کعبہ عنان سماء تک بیت ہے اور اسی لیے طواف بیت سے مرتفع ہو کر بھی جائز ہے؛ اس لیے مرکب (ہوائی جہاز) ہوائی میں بشرائط مذکورہ طواف صحیح ہو جائے گا؛ لیکن وقوف عرفہ کے متعلق کہیں یہ تصریح نہیں ملی کہ ہواء ارض عرفہ عنان سماء تک بحکم عرفہ ہے؛ بلکہ اکثر کتب میں وقوف کو ارض کے ساتھ مقید کیا ہے۔

قال فی البحر وشرطه شيئان أحد هما كونه فی أرض عرفات،آه. (۳۳۹/۲)(۳)

وفی الهندية أيضاً: والوقوف شرطه شيئان أحد هما كونه فی أرض عرفات والثانی أن يكون فی وقته،آه. (۱۴۸/۲)(۴)

اور ظاہر ہے کہ وقوف بارض عرفۃ، یا کینونۃ بعرفۃ راکبا علی الدابۃ، یا محمول علی الایدی میں بواسطہ متحقق نہیں اور مرکب ہوائی میں راکب کو وقوف بارض عرفہ کسی طرح حاصل نہیں، نہ بواسطہ نہ بلا واسطہ، ہاں مرور بہواء عرفہ متحقق ہے۔ پس اگر کسی دلیل سے ہواء عرفہ کا بحکم ارض عرفہ ہونا ثابت ہو جائے، مقام تو یہ مرور قائم وقوف بارض عرفہ کے ہو سکتا ہے؛ مگر ہنوز کہیں اس کی تصریح نہیں ملی ہے، لہٰذا افتاء بصحت وقوف فی ہذہ الصورۃ مشکل ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ، ۲۳ رصفر ۱۳۴۵ھ۔ احقر اشرف علی قیاساً علی کون ھواء الکعبہ فی حکمہا وکون ھواء المسجد فی حکمہ صحت کو راجح سمجھتا ہے؛ لیکن جزم نہیں کرتا۔ (امداد الاحکام: ۲۰۱/۳)

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الحج: ۱۷۶/۳، انيس

(۲) غنية الناسک، ص: ۸۵، انيس

(۳) البحر الرائق، كتاب الحج: ۵۹۴/۲، انيس

(۴) الفتاویٰ الهندية، كتاب الصوم: ۲۵۳/۱، انيس

محرم عرفات میں نہ پہنچا تو حج ہوا، یا نہیں:

سوال: محرم یوم نحر کی طلوع فجر سے پہلے عرفات میں پہنچ گیا، اس قدر فاصلہ رہا کہ میدان عرفات میں پہنچتے پہنچتے فجر طلوع ہو جائے گی، البتہ اگر وہ پتھر پھینکے تو وہاں پہنچ سکتا ہے، ایک شخص کہتا ہے کہ محرم کے پتھر کا پہنچنا محرم ہی کا پہنچا سمجھا جائے گا اور اس کا حج ہو جائے گا تو کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب

یہ قول اس شخص کا غلط ہے، میدان عرفات میں سے کسی جزء میں پہنچ جانا محرم کا ضروری ہے، اگرچہ ایک لحظہ کے لیے ہو، بدون عرفات میں گزرنے کے حج نہ ہوگا، چناں چہ شرح لباب المناسک میں ہے کہ شرط ثالث وقوف عرفہ کی مکان عرفات ہے۔

”فلو أخطأه لم يجزوقوفه بغيرعرفة ولوببطن عرفة إلٰى أن قال الخامس كينونته بعرفة فى وقته ... لولحظة“. (المسلك المقتسط، ص: ١٠٤) (١) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۶/ ۵۴۱)

یوم عرفہ کس دن:

سوال: یوم عرفہ کو جو روزہ رکھنا مسنون ہے، ہندوستان والوں کے لیے اس سے کون سی تاریخ مراد ہوگی؟ سعودی عرب کے مطابق ۹ /ذی الحجہ کا دن یا وہ دن جب ہندوستان میں ذی الحجہ کی نو تاریخ آتی ہو؟ (محمد یاسر، حافظ بابانگر)

الجواب

شریعت میں کسی دن، یا کسی تاریخ کی جو فضیلت منقول ہے، وہ اس علاقہ کے اعتبار سے ہے، جہاں انسان قیام پذیر ہو، مثلاً ۱۰ /ذی الحجہ کو یوم نحر یعنی قربانی کا دن ہے تو اب ظاہر ہے کہ پوری دنیا میں ہر جگہ کے لوگ اپنے علاقہ کے اعتبار سے ۱۰ /ذی الحجہ کو قربانی کریں گے اور عید کی نماز ادا کریں گے، نہ کہ سعودی عرب کے اعتبار سے، اگر سعودی عرب کا اعتبار کیا جائے تو کہیں ۱۰ /کے بجائے ۸ /ذی الحجہ کو قربانی کرنی پڑے گی اور کہیں ۱۲ /ذی الحجہ کو، اگر یہ سوچا

(١) (و) الحج (فرضه) ثلاثة (الاحرام) ... (والوقوف بعرفة) فى أوانه (الدر المختار) وهو من زوال يوم عرفة إلٰى قبيل طلوع فجر النحر. (ردالمحتار، كتاب الحج: ٣/ ٤٦٨-٤٦٩، مكتبة زكريا، ديوبند)

وأما زمانه فزمان الوقوف من حين تزول الشمس من يوم عرفة إلٰى طلوع الفجر الثانى من يوم النحر حتّٰى لو وقف بعرفة فى غيرهٰذا الوقت كان وقوفه وعدم وقوفه سواء؛ لأنه فرض موقت ... وكذا من يدرك عرفة بنهار ولا بليل فقد فاته الحج ... أما القدرالمفروض من الوقوف فهو كينونته بعرفة فى ساعة من هٰذا الوقت فمتٰى حصل إتيانها فى ساعة من هٰذا الوقت تأدّى فرض الوقوف سواء كان عالماً بها أوجاهلاً، نائماً أو يقظان مفيقاً أومغمى عليه وقف بها أومرو هويمشى أوعلى الدابة أومحمولا. (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل ركن الحج: ٣/ ٦٢-٦٤، مكتبة دارالكتب العلمية بيروت، انيس)

جائے کہ یوم عرفہ حجاج کے وقوف عرفہ کی یادگار رہے تو پھر یہ بھی خیال کیا جاسکتا ہے کہ یوم قربانی حجاج کی قربانی ہی کی نقل ہے؛ اس لیے قربانی بھی سعودی عرب ہی کے لحاظ سے ہونی چاہیے؛ مگر دراصل یہ سوچ ہی غلط ہے اور اصل یہی ہے کہ ہر جگہ اسی مقام کی تاریخ کا اعتبار ہوگا، اسی لحاظ سے ۹/ذی الحجہ کو یوم عرفہ سمجھا جائے گا اور اس دن روزہ رکھنا مسنون ہوگا۔ (کتاب الفتاویٰ:۴/۴۹-۵۰)

یوم عرفہ اور یوم جمعہ کے توافق سے حج اکبر کا مسئلہ اور واردشدہ حدیث میں کلام:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب یوم عرفہ اور یوم جمعہ ایک دن واقع ہوجائیں اسے حج اکبر کہا جاتا ہے اور اس بارے میں ایک حدیث بھی ہے کہ اس دن کا حج ستر گنا حجوں کا ثواب رکھتا ہے اس مسئلہ کی تفصیل کیا ہے؟ بینوا توجروا

(المستفتی: راجہ گل حسن حقانی بنوں لکی مروت، ۱۳/۱۰/۱۹۸۳ء)

الجواب

فقہ کے رو سے اس حج کا ستر گنا زیادہ ثواب ہے، (۱) البتہ اس کے متعلق واردشدہ حدیث میں کلام ہے۔

کما فی شرح التنویر علی هامش الشامية (۲/۸٤۳): لو قفة الجمعية مزية سبعين حجة.

وفی ردالمحتار: وفی الشرنبلالية عن الزيلعی افضل الايام يوم عرفة اذا وافق يوم الجمعة وهو أفضل من سبعين حجة فی غير جمعة رواه رزين بن معاوية فی تجريد الصحاح ولكن نقل المناوی عن بعض الحفاظ أن هذا حديث باطل لا أصل له. (۲) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ:۴/۳۴۹-۳۵۰)

(۱) وفی المنهاج: اعلم انه ليس الحج الاكبر فی تعبير القرآن والحديث ما اشتهر على السنة العوام ان الحج الاكبر ماكان فيه يوم عرفة يوم الجمعة بدليل أن الله تعالىٰ طلق الحج الاكبر على حج الصديق الاكبر، فالحج الاكبر هو الحج مطلقا ويقال للعمرة الحج الاصغر، نعم للحج الذی يكون يوم عرفة فيه يوم الجمعة له فضل كبير روى رزين فی تجريد الصحاح عن طلحة بن عبيد الله بن كريز مرسلا افضل الايام يوم عرفة اذا وافق يوم جمعة فهو افضل من سبعين حجة فی غير يوم جمعة كذا فی جمع الفوائد وقالوا لم نقف على اسناده، نعم أقره الفقهاء. (منهاج السنن شرح جامع السنن للترمذی: ۲۸۱/٤، قبيل باب ماجاء فی الكلام فی الطواف)

(۲) الدر المختار مع ردالمحتار: ۵۷۲/۲، مطلب فی فضل وقفة الجمعة

وقال الملا علی قاری: رواه رزين بن معاوية فی تجريد الصحاح واما ما ذكره بعض المحدثين فی اسناد هذا الحديث بانه ضعيف فعلى تقدير صحته لا يضر فی المقصود فان الحديث الضعيف معتبر فی فضائل الاعمال عند جميع العلماء من ارباب الكمال، واما قول بعض الجهال بان هذا الحديث موضوع فهو باطل مصنوع مردود عليه ومنقلب اليه لان الامام رزين بن معاوية العبدری من كبراء المحدثين ومن عظماء المخرجين ونقله سند معتمد عند المحققين وقد ذكره فی تجريد صحاح الست فان لم يكن رواية صحيحة فلا اقل من انها ضعيفة كيف وقد اعتضد بما ورد ان العبادة تضاعف فی يوم الجمعة مطلقاً بسبعين ضعفا بل بمأة ضعف علىٰ ما سيأتی،الخ. (الحظ الأوفر فی الحج الأكبر فی ذيل إرشاد الساری، ص: ۳۱۹، باب المتفرقات)

یوم عرفہ کی دعائیں:

سوال: حج میں وقوف عرفہ کی کیا اہمیت ہے؟ اور اس موقع سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا دعائیں مانگی ہیں؟

(محمد اسعد، ناندیڑ)

الجواب

حج میں وقوف عرفہ کی بڑی اہمیت ہے، یہ حج کا رکن اعظم ہے،(۱) چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "الحج عرفة". (۲)

عرفات سے متعلق بہت سی دعائیں ان کتابوں میں منقول ہیں، جو اذکار اور دعاؤں سے متعلق ہیں، یہ چوں کہ دعا کی قبولیت کا خاص دن ہے؛ اس لیے اپنی دنیا و آخرت کے لیے زیادہ سے زیادہ دعائیں کرنی چاہیے، اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو دعا ثابت ہے، ان میں سے تین ترجمہ کے ساتھ یہاں نقل کی جاتی ہیں:

"لاَ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لاَ شَرِيْكَ لَهٗ ،لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ". (۳) (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں، اسی کے لیے فرمانروائی ہے اور اسی کے لیے ساری تعریفیں ہیں، تمام بھلائیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعا کو دعاء توحید سے موسوم کیا ہے اور ارشاد فرمایا کہ میں نے اور مجھ سے پہلے نبیوں نے میدان عرفات میں جو دعائیں کی ہیں، یہ ان میں سب سے افضل دعا ہے۔

میدان عرفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت سے یہ دعا بھی فرمائی ہے:

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَّ فِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَّ فِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا ، اَللّٰهُمَّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ، وَيَسِّرْلِيْ اَمْرِيْ،وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَسَاوِسِ الصَّدْرِ وَ شَتَاتِ الْاَمْرِ وَ فِتْنَةِ الْقَبْرِ، اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَايَلِجُ فِي اللَّيْلِ وَ شَرِّ مَا يَلِجُ فِي النَّهَارِ وَ شَرِّ مَا تَهُبُّ بِهِ الرِّيْحُ وَشَرِّ بَوَائِقُ الدَّهْرِ". (۴)

(اے اللہ! میرے دل میں، میرے کانوں میں اور میری آنکھوں میں نور پیدا فرمادے، اے اللہ! میرا سینہ کھول دے اور میرے ہر کام کو آسان فرمادے اور میرے دل کے وسوسوں، کام کے بکھراؤ اور قبر کی آزمائش سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں، یا

---

(۱) و أما ركن الحج فشيئان : أحدهما: الوقوف بعرفة و هو الركن الأصلي للحج.(بدائع الصنائع فی ترتيب الشرائع:۲/۲ ۰ ۳، كتاب الحج)

(۲) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الحج عرفة فمن أدرک ليلة عرفة قبل طلوع الفجر من ليلة جمع فقد تم حجه "عن عبد الرحمن بن يعمر رضى الله عنه.(سنن النسائي،رقم الحديث: ۳۰۱۹ ، فرض الوقوف بعرفة)

(۳) غنية الناسک،ص:۸۲،حصن حصين،ص:۱۸۴

(۴) غنية الناسک،ص:۸۳،حصن حصين،ص:۱۸۳

الٰہی! میں رات اور دن میں درپیش ہونے والی چیزوں کے شر سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں اور ان چیزوں کے شر سے بھی جنہیں ہوا اپنے ساتھ لے کر چلتی ہے اور زمانہ کی ہلاکت خیزیوں کے شر سے۔)

نیز حجۃ الوداع کے موقع سے یوم عرفہ کی شام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا کثرت سے پڑھنا منقول ہے:

"اَللّٰهُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَالَّذِیْ تَقُوْلُ وَ خَیْرًا مِّمَّا نَقُوْلُ ، اَللّٰهُمَّ لَکَ صَلوٰتِيْ وَ نُسُکِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ ، وَ اِلَيْکَ مَابِیْ وَ لَکَ رَبِّيْ تُرَاثِيْ ، اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ وَسْوَسَةِ الصَّدْرِ وَ شَتَاتِ الْاَمْرِ". (۱) (اے اللہ! آپ کے لیے تمام تعریفیں اسی طرح ہیں جیسا کہ آپ خود فرمائیں اور اس سے بہتر جو ہم کہہ سکیں، اے اللہ! میری نمازیں، میرے مناسک، میری زندگی اور میری موت آپ ہی کے لیے ہے، آپ ہی میری پناہ گاہ ہیں اور اے پروردگار! میرے بعد رہ جانے والی اشیا بھی آپ ہی کی ہیں، الٰہی! میں قبر کے عذاب، دل کے وسوسہ اور کاموں کے انتشار سے آپ ہی کی پناہ چاہتا ہوں۔)

یہ دعائیں براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، بزرگوں نے اس کے علاوہ بھی بہت سی دعائیں بتائی ہیں، اگر دعاؤں کے عربی الفاظ یاد نہ ہوسکیں تو اردو میں بھی ان کا مفہوم ادا کیا جا سکتا ہے اور ان کے علاوہ اپنی دنیا اور آخرت کے لحاظ سے اس دن زیادہ سے زیادہ دعائیں کرنی چاہیے اور یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ دعا میں الفاظ سے زیادہ جذبات و کیفیات کی اہمیت ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴/۵۰-۵۲)

استلام کا طریقہ:

سوال (۱) طواف کے دوسرے اور بعد کے چکروں میں جب لوٹ کر کالی پٹی پر پہنچیں تو کس طرح استلام کیا جائے گا؟ اس کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

(۲) کیا اس وقت حجر اسود کی طرف چہرہ اور دونوں ہاتھ کریں گے اور پیروں کا رخ حجر اسود کی طرف کرنا منع ہے، یا پیروں کا رخ بھی استلام کرتے وقت حجر اسود کی طرف کرنا چاہیے؟

(۳) زبدۃ المناسک کے صفحہ: ۱۲۷ پر جو عبارت لکھی ہے، اس سے یہی مطلب معلوم ہوتا ہے کہ حجر اسود کے سامنے استلام کرتے وقت سینہ، منہ، ہاتھ اور پیروں کا رخ حجر اسود کی طرف کریں، یا کوئی اور مطلب ہے؟ اس عبارت کا جو مطلب ہو بیان کریں۔ مسئلہ غنیۃ المناسک میں لکھا ہے کہ جس وقت حجر اسود کو استلام کرنے میں بوسہ دیا جاتا ہے تو اس وقت استلام کرنے والے کا سر اور ہاتھ کعبہ کے جزو کے اندر داخل ہوجاتے ہیں؛ اس لیے اس کو لازم ہے کہ بوسہ دینے کے وقت اپنے پاؤں کو اس جگہ پر خوب جمائے رکھے، جب تک کہ استلام سے فارغ نہ ہولے (پس جب فارغ ہوتو جمے پاؤں پر سیدھا کھڑا ہوکر اپنی داہنی طرف طواف کو چلے) اگر بوسہ دینے کے وقت پاؤں کعبۃ اللہ کے دروازہ

(۲) غنیۃ الناسک، ص: ۸۳

کی طرف اپنی جگہ سے چل گئے؛ اگر چہ ایک بالشت کی قدر سے بھی کم چھوڑ کر آگے ہو لیے اور اس کے بعد طواف شروع کیا تو گویا اس کے طواف میں اس قدر نقصان آ گیا، پس اگر چہ ہم حنفیوں کے نزدیک اس مقدار سے طواف باطل نہیں ہوتا؛ لیکن مکروہ تحریمی ہے اور امام شافعیؒ وغیرہ کے نزدیک وہ مقدار طواف باطل ہو گیا۔ (غنیۃ:۶۱)

برائے مہربانی مندرجہ بالا سوالات کے مدلل جواب قرآن وحدیث وفقہ کی روشنی میں (حنفی مسلک کے اعتبار سے) تحریر فرماویں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

حامداً و مصلیاً و مسلماً:

(۱) استلام کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلے حجر اسود کی طرف رخ کرے، تکبیر وتہلیل کہتے ہوئے کانوں تک ہاتھ اٹھائے، پھر ہاتھ چھوڑ کر اپنی ہتھیلیوں کو حجر اسود پر رکھے اور اپنے منھ کو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھے، آہستہ سے بوسہ لے کہ آواز پیدا نہ ہو؛ لیکن یہ اس وقت ہے جب اپنے سے کسی کو تکلیف نہ پہونچے، مثلاً دھکا نہ لگے اور اگر بغیر دھکا لگائے، ایسا ممکن نہ ہو تو صرف دونوں ہاتھوں کو حجر اسود پر رکھے اور ان دونوں کو بوسہ دے دے، یا کسی ہاتھ کو رکھے؛ لیکن داہنا ہاتھ رکھنا افضل ہے اور اگر ہاتھ رکھنا بھی ممکن نہ ہو تو لکڑی وغیرہ سے حجر اسود کو چھو لے اور اسی لکڑی کو چوم لے اور استلام اور لکڑی وغیرہ سے چھونے سے عاجز ہو تو حجر اسود کی جانب رخ کر کے اپنے ہاتھوں کو چہرے کے آگے بڑھا کر اس طرح اشارہ کرے کہ ہتھیلی کی پشت چہرے کی طرف ہو اور ہتھیلی کا اندرونی حصہ حجر اسود کی طرف ہو اور تکبیر وتہلیل اللہ کی حمد کرے اور درود بھیجے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر، پھر اپنی ہتھیلیوں کو بوسہ دے لے۔

فاستقبل الحجر مكبراً مهللا رافعا يديه كالصلاة واستلمه بكفيه وقبله بلاصوت وهل يسجد عليه؟قيل: نعم بلا ايذاء؛ لأنه سنة وترک الإيذاء واجب فإن لم يقدر يضعهما ثم يقبلهما أوإحداهما وإلا يمكنه ذلک يمس بالحجر شيئا في يده ولوعصا ثم قبله أي الشي أ وإن عجز عنهما: أي الاستلام والإمساس استقبله مشيرا إليه بباطن كفيه، ثم يقبل كفيه: أي بعد الإشارة المذكورة، قال في الفتح: ويفعل في كل شوط عند الركن الأسود ما يفعله في الابتداء. (رد المحتار:۳/۵۰۴-۵۰۵، مكتبه زكريا)

(۲) استلام کے وقت پیروں کا رخ حجر اسود کی طرف ہونا چاہیے۔

(۳) زبدۃ المناسک کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر استلام کے وقت پیر کعبۃ اللہ کے دروازے سے آگے بڑھ گیا اور استلام سے فارغ ہو کر وہیں سے طواف شروع کر دیا، جہاں تک پیر گیا ہے تو اس کے بقدر طواف میں نقصان ہو گیا۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہٗ: محمد عثمان عفی عنہ، ۶۲۲/۳/۲۲/۱۴۲۲ھ۔ الجواب صحیح: عبداللہ غفرلہٗ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم:۳/۳۲۶-۳۲۷)

نفل طواف کے بعد استیلام:

سوال: کیا حجرِ اسود کا استلام دو رکعت طواف کے بعد بھی کیا جاتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

جس طواف کے بعد سعی ہے، اس کی دو رکعت کے بعد استلام کے لیے جاتے وقت حجر اسود کا استلام کیا جائے گا اور جس کے بعد سعی نہیں ہے، اس کی دو رکعت کے بعد استلام بھی نہیں۔ (۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۳۴۹-۳۵۰)

حجر اسود کا استلام کرتے وقت پیر کس طرف رہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حجر اسود کا استلام کرتے وقت پیر کس طرح رکھے جائیں؟

طواف کرتے وقت حجر اسود تک پہنچ کر پیر سیدھا بنا ہوا ہے، ایسے ہی کھڑے ہو کر استلام کرنا درست ہے، یا نہیں؟

باسمه سبحانه تعالی، الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

استلام کے وقت چہرہ اور سینہ حجر اسود کی طرف کرنا مستحب ہے، اس کی صراحت کتبِ فقہ میں موجود ہے؛ لیکن پیر کس طرف رہے؟ اس بارے میں کوئی صراحت نہیں۔ ظاہر یہی ہے کہ جب سینہ حجرِ اسود کی طرف کرنے کی اجازت ہے تو اس کی طرف پیر کرنے میں کوئی حرج نہ ہونا چاہیے۔ (مستفاد: ایضاح المناسک، ص: ۱۱۹، زبدۃ المناسک، ص: ۱۱۵)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما أنه كان إذا صلى الركعتين رجع إلى الحجر فاستلمه، أو استقبله، إلخ. (المصنف لابن أبي شيبة: ۳/۴۲۸، رقم: ۱۵۲۳۰)

عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا استوت به راحلة عند مسجد ذي الحليفة في حجة أوعمرة أهل... حتىٰ انتهىٰ إلى البيت استقبله الحجر، الخ. (صحيح ابن خزيمة، باب التكبير عند استلام الحجر واستقبلة: ۴/۲۱۴، رقم: ۲۷۱۶)

فإذا أراد أن يستلم الحجر الأسود يستقبله بوجهه على القول الصحيح وهذا الاستقبال للحجر مستحب، لا واجب. (البحر العميق في مناسك المعتمر والحاج إلى بيت الله العتيق: ۲/۱۷۲، المكتبة المكية)

ثم إذا فرغ من ركعتي الطواف يعود إلى الحجر الأسود فيستلمه إن أمكنه أو يستقبله بوجهه ويكبر، الخ. (تحفة الفقهاء، باب الإحرام: ۱/۴۰۲، الشاملة)

---

(۱) قال في شرح اللباب: والأصل أن كل طواف بعده سعي، فإنه يعود إلىٰ استلام بعد الصلوٰة، ومالا فلاعلىٰ ما قاله قاضي خان في شرحه: إن هٰذا الاستلام الافتتاح السعي بين الصفا والمروة، فإن لم يرده السعي بعده، لم يعد عليه". (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الحج، باب الاحرام: ۲/۵۸۳، رشيدية)

وأما سنن الطواف ... واستقبال الحجر الأسود بالوجه فی ابتدائه، وإما فی أثنائه فمستحب.
(غنیة الناسک، ص: ٦٣، انوار ماسک، ص: ٣٧٧) فقط واللہ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۵/۱۱/۱۴۲۲ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۳۹۰/۷)

کیا طواف زیارت کے لیے مستقل احرام کی ضرورت ہے:

سوال: روز نحر کے جب جمار کو رمی کر لے اور ذبح کیا، پھر احرام سے فارغ ہوا، پس واسطے طواف زیارت کے دیگر بار احرام باندھے، یا نہ؟

الجواب

وحل له كل شيء إلا النساء (إلیٰ قوله) ثم طاف للزيارة. فی ردالمختار: وشرائط صحته الإسلام وتقديم الإحرام. (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ بار دیگر احرام نہیں ہوتا جس احرام سے حلال ہوا ہے وہی اس کے لیے کافی ہے۔

۷/ شعبان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولی، ص: ۷۰) (امداد الفتاوی: ۱۶۴/۲)

طوافِ زیارت بحالتِ احرام:

سوال: دسویں ذی الحجہ کو رمی اور قربانی کے بعد اگر دیر ہونے کے سبب حجامت نہ بنوائے، یا حجام نہ ملے تو ایسی صورت میں طوافِ زیارت کو جا سکتا ہے، احرام کے ساتھ، یا بلا احرام؟

الجواب حامداً ومصلیاً

جب اس نے حجامت نہیں بنوائی؛ یعنی نہ حلق کیا نہ قصر تو وہ احرام سے حلال نہیں ہوا، بحالتِ احرام ہی طواف زیارت کرلے۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۳۴۹/۱۰)

طواف زیارت نہ کیا تو کیا حکم ہے:

سوال: اگر کوئی شخص حج کے لیے گیا اور اس نے حج کے افعال وارکان ادا کئے؛ لیکن طواف زیارت نہ کرسکا اور اپنے وطن واپس چلا آیا تو اس کا کیا حکم ہے؟

(۱) الدر المختار، کتاب الحج: ۵۳٦/۳، انیس

(۲) ولو لم يحلق حتى طاف بالبيت، لم يحل له شيء حتى يحلق، كذا فی التبيين. (الفتاوی الهندية، الباب الخامس فی كيفية أداء الحج: ۲۳۲/۱، رشيدية)

لكن لا شيءَ علىٰ من طاف قبل الرمي والحلق. (ردالمحتار، کتاب الحج، باب الجنايات: ۵۵٥/۲، سعيد)

الجواب

حج کرنے والا اگر بدون طواف زیارت کے اس طرح کہ ایام نحر اور اس کے بعد کوئی طواف اس نے نہ کیا ہو، اپنے وطن کو واپس چلا آوے تو عورتیں اس پر حرام ہیں اور اس بارے میں احرام اس کا باقی ہے، واپس جانا مکہ معظّمہ کو اور طواف زیارت کرنا اس پر لازم وفرض ہے، بدون اس طواف کے احرام سے باہر نہیں ہوسکتا اور عورتیں اس کے لیے حلال نہیں ہوسکتیں۔ (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم: ۵۵۱/۶-۵۵۲)

دسویں ذی الحجہ کو قربانی سے قبل طواف زیارت کرنا:

سوال: کسی نے ۱۰؍تاریخ کو قربانی نہ کی ہو تو وہ طواف زیارت کرسکتا ہے، یا نہیں؟ نیز کیا اس کی وجہ سے فضیلت میں کوئی فرق آئے گا؟

الجواب وباللّٰہ التوفیق

۱۰؍ذی الحجہ کو قربانی سے قبل طواف زیارت کرسکتے ہیں؛ اس لیے کہ اس تاریخ میں قربانی اور طواف زیارت کے درمیان ترتیب مسنون کے خلاف کرنا مکروہ ہوگا۔ افضل یہی ہے کہ پہلے قربانی کی جائے، پھر اخیر میں طواف زیارت کیا جائے۔

فيجب في يوم النحر أربعة أشياء: الرمي ثم الذبح لغير المفرد، ثم الحلق، ثم الطواف، لكن لا شئ علٰى من طاف قبل الرمي والحلق نعم يكره. (الدرالمختار: ۲/ ۵۵۵)(۲)

والحاصل أن الطواف لايجب ترتيبه علٰى شئ من الثلاثة وإنما يجب ترتيب الثلاثة الرمي ثم الذبح ثم الحلق". (ردالمحتار: ۲/ ۴۷۰)(۳) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۲۴/۱۱/۱۴۱۸ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۴۴/۳)

متمتع کے لیے طواف قدوم کا حکم:

سوال: متمتع پر طواف قدوم سنت ہے، یا نہ؟ چرا کہ طواف قدوم سنت ہے واسطے حج کے اور متمتع نے احرام باندھا ہے واسطے عمرہ کے، ابھی اس پر طواف قدوم ساقط ہے، یا طواف عمرہ وقدوم ہر دو بجا کرے؟

الجواب

في الدرالمختار: وطاف بالبيت طواف القدوم ويلسن هٰذا الطواف للآفاقي.

---

(۱) ولولم يطف طواف الزيارة أصلاً حتٰى رجع أهله فعليه أن يعود بذالک الاحرام لانعدام التحلل منه وهو محرم عن النساء أبداً حتٰى يطوف. (الهداية، كتاب الحج: ۱۶۶/۱)

وكذا اذا رجع الٰى أهله وقد ترک منه أربعة أشواط يعود بذلک الاحرام وهومحرم أبداً في حق النساء وكلما جامع لزمه دم اذا تعدد المجالس. (فتح القدير، كتاب الحج، فصل طاف طواف اقدوم: ۲۲۶/۲، ظفير)

فی رد المختار: ثم إن كان المحرم مفرداً بالحج وقع طوافه هذا لقدوم وإن كان مفرداً بالعمرة أومتمتعاً أوقارناً وقع عن طواف العمرة نواه له أولغيره وعلى القار ن أن يطوف طوافاً آخر للقدوم آه استحباباً بعد فراغه عن سعي العمرة،قارى.(۲۷۰/۲)

فى العا لمگيرية:ويفعل(أى المتمتع)ما يفعله الحاج المفرد غير انه لا يطوف طواف التحية.(۱۵٤/۱)

اس سے معلوم ہوا کہ متمتع پر طواف قدوم نہیں ہے۔(تتمہ اولی،ص:۱۵۴)(امدادالفتاویٰ:۱۶۳/۲)

زمین حل کے رہنے والوں کیے لیے طواف قدوم کا مسئلہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اہل مکہ پر طواف قدوم نہیں ہے لیکن جولوگ حل صغیر یعنی میقات اور زمین حرم کے درمیان میں رہتے ہیں ان پر طواف قدوم ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: مولوی سید کرم شاہ،صوابی)

الجواب

طواف قدوم یعنی طواف تحیۃ الکعبۃ آفاقی مفرد بالحج، یا قران کرنے والے کے لیے سنت ہے اور اہل مکہ اور آفاقی متمتع اور معتمر پر طواف قدوم نہیں ہے۔(ارشادالساری)(۱)

اور فقہا نے حل صغیر کو اہل مکہ کے حکم میں شمار کیا ہے،خلافاً للقهستانی فليراجع إلى ردالمحتار.(۲)وھوالموفق

(فتاویٰ فریدیہ:۲۳۸/۴)

طوافِ وداع:

سوال: اگر حج کے بعد طوافِ وداع کر کے کسی دوسرے مقام پر چلے گئے ہوں، پھر واپس آ کر عمرہ کئے ہوں تو کیا، پھر طوافِ وداع ضروری ہے، نہ کرنے کی صورت میں کیا حکم ہے؟ اگر مقیمین بھی وہاں سے کسی مقام پر جو حدودِ حرم

(۱) قال العلامة الملا على القارى: الاول طواف القدوم ويسمى طواف التحية... وهو سنة ... للآفاقى دون الميقاتى والمكى المفرد بالحج والقارن ... بخلاف المعتمر اى المفرد بالعمرة والمتمتع ولو آفاقيا والمكى اى وبخلاف المكى اذا كان مفردا بالحج ومن بمعناه اى ومن سكن او اقام من اهل الآفاق بمكة وصار من أهلها فانه لا يسن فى حقهم.(ارشاد السارى،ص:٦٩، باب انواع الطواف)

(۲) قال العلامة شمس الدين الخراسانى القهستانى: وقد سن هذا الطواف للآفاقى أى الخارجى،كما فى المتداولات؛ لكن فى خزانة المفتيين أنه واجب على الأصح فلا يسن للمكى إذ لا قدوم له ويسن لأهل المواقيت وداخلها.(جامع الرموز:٥٥٤/١،كتاب الحج)

قال العلامة ابن عابدين: (قوله:للآفاقى) اى لا غير فتح فلا يسن للمكى ولا لاهل المواقيت ومن دونها الى مكة، سراج وشرح اللباب،إلا ان المكى اذا خرج للآفاق ثم عاد محرما بالحج فعليه طواف القدوم لباب فهذا خلاف مافى القهستانى من انه يسن لاهل المواقيت وداخلها فافهم.(ردالمحتار هامش الدرالمختار:١٨١/٢،مطلب فى طواف القدوم)

سے باہر ہو جانا چاہتے ہوں تو کیا عمرہ کرنے کے بعد طوافِ وداع ضروری ہے؟　　(عبید اختر، موتی باغ، کشن گنج)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

دوبارہ طواف وداع کی ضرورت نہیں، پہلا ہی طواف کافی ہے، چنانچہ ہدایہ کے حاشیہ پر تحفہ سے نقل کیا ہے:

"ليس على المعتمرين من أهل الآفاق طواف صدر". (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۴/۴۷-۴۸)

ارکان حج:

سوال: حج کے اندر کہاں کہاں ٹھہرنا ضروری ہے اور کہاں کتنی نمازیں پڑھے؟ مہربانی فرما کر جواب سے آگاہ فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

حامداً و مصلياً و مسلماً:

قبل از جواب حج کے بعض نقل وحرکت کی ترتیب لکھی جاتی ہے؛ تا کہ جواب کے سمجھنے میں آسانی ہو۔ آٹھویں تاریخ کو مکہ میں فجر پڑھ کر منیٰ کے لیے روانہ ہو، آفتاب نکلنے کے بعد منیٰ کی روانگی افضل معلوم ہوتی ہے؛ کیوں کہ بعض روایات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منیٰ جانے کا وقت بعد طلوع شمس منقول ہے۔ منیٰ میں ظہر، عصر، مغرب، عشا اور فجر پڑھ کر عرفہ روانہ ہو، آفتاب نکلنے کے بعد روانہ ہونا سنت ہے اور میدان عرفات میں قبل الزوال پہنچ جانا بہتر ہے۔ عرفہ میں ظہر وعصر کی جمع تقدیم کرے یعنی ظہر کے وقت میں نماز ظہر کے بعد متصلا عصر پڑھے، بشرطیکہ امام کے ساتھ جماعت سے پڑھنا ہو، غروب کے بعد بغیر مغرب پڑھے مزدلفہ روانہ ہو، مزدلفہ آکر مغرب وعشا کی جمع تاخیر کرے؛ یعنی عشا کے وقت میں اول مغرب بعدہ متصلا عشاء پڑھے، صبح کو نماز فجر مزدلفہ میں پڑھ کر منیٰ کو روانہ ہو، سنت قبل طلوع شمس روانہ ہونا ہے، منیٰ پہنچ کر جو افعال کرنے ہوتے ہیں کرے اور ایام نحر کی راتیں منیٰ میں گزارے۔

اب سنئے کہ آٹھویں تاریخ کو مکہ سے طلوع آفتاب کے بعد نکل کر منیٰ میں ظہر، عصر، مغرب، عشا، فجر پانچ وقت کی نمازیں پڑھنا اور طلوع آفتاب تک وقوف کرنا سنت ہے، پھر زوال شمس سے لے کر غروب آفتاب سے پہلے پہلے میدان عرفات میں جب بھی پہونچ جائے، تا غروب ٹھہرنا واجب ہے، زوال کے بعد فوراً پہونچنا واجب نہیں، البتہ زوال سے پہلے پہونچ جانا بہتر ضرور ہے اور وقوفِ فرض زمانِ وقوف کے اندر میدان عرفات میں پہونچ جانے سے ادا ہو جاتا ہے اور زمان وقوف نویں کی زوال شمس سے لے کر نویں دسویں کی درمیانی رات کے طلوع فجر صادق تک ہے اور طلوع فجر صادق کے بعد دسویں تاریخ کو طلوع شمس سے قبل وقوف بمزدلفہ خواہ ایک ہی ساعت کے لیے ہو، واجب ہے اور ایام نحر کی راتوں کو منیٰ میں گزارنا سنت ہے۔

(۱) حاشية الهداية : ۱/۲۳٤

خلاصہ یہ نکلا کہ حج میں دو جگہ ٹھہرنا واجب ہے، ایک نویں تاریخ کو غروب سے پہلے پہلے میدان عرفات میں پہونچ کر غروب آفتاب تک ٹھہرنا، دوم دسویں تاریخ کو فجر صادق طلوع ہونے کے بعد سورج نکلنے سے پہلے مزدلفہ میں ٹھہرنا خواہ ایک ہی ساعت ہو اور وقوف فرض فقط ایک ہے نویں کے زوال شمس سے لے کر دسویں کے طلوع فجر صادق سے پہلے پہلے میدان عرفات میں پہونچ جانا۔ (کذا فی کتب الفقہ) واللہ اعلم بالصواب

کتبہٗ: عبداللہ غفرلہٗ، ۱۴۰۲/۱۱/۶ھ، الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہٗ، الجواب صحیح: بندہ عبدالحلیم عفی عنہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۳/ ۳۲۳-۳۲۴)

طواف وداع نہ کرے تو کیا حکم ہے:

سوال: زید حج فرض ادا کرنے کے لیے بیت اللہ روانہ ہوا، چوں کہ زمانہ کافی زیادہ باقی رہا تھا، زید نے اور اس کے ہمراہوں نے یلملم کے پہاڑ سے اس وجہ سے احرام نہیں باندھا کہ اول مدینہ منورہ حاضری کا قصد کرلیا، چناں چہ اول مدینہ طیبہ پہنچ کر شرف زیارت روضۂ اقدس حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاصل کیا، وہاں سے رخصت ہوکر بیت اللہ شریف کے اندر داخل ہوا تو طواف داخلی اور ارکان حج ادا کئے، اس کے بعد پھر ایک مرتبہ طواف کیا، بعدہ سخت بیمار ہوگیا، پھر ۷/ ذی الحجہ کو وقت روانگی عرفات طواف بحالت مرض چارپائی پر کیا، عرفات میں میدان مخصوص میں داخل ہوکر خطبہ سنا اور تمام دیگر ارکان حج صفا و مروہ اثناء راہ میں ادا کئے، پھر مقام منی میں ۱۳/ کو احرام کھول دیا اور سر منڈوا دیا، جیسا کہ اور حجاج نے کیا، دوسرے روز بیت اللہ شریف کو واپس آیا؛ مگر بوجہ علالت کے پا پیادہ خود طواف واپسی حرم شریف نہ کرسکا، گو مثل ۷/ تاریخ کے چارپائی پر کرلینا ممکن تھا؛ مگر مطوف و دیگر اہالیان دیار نے یہ مسئلہ اس کو بتلایا کہ طواف واپسی کی اب ضرورت نہیں ہے، اس وجہ سے طواف نہ واپسی نہیں کرایا گیا اور اسی حالت بیماری میں زید اپنے وطن کو واپس چلا آیا اور اس کو عرصہ تخمینا دو سال کا گزر گیا اور اپنی زوجہ سے مجامعت برابر کرتا رہا، علماء ہند سے جب اس طواف کی بابت مسئلہ دریافت کیا گیا تو بعض نے طواف واپسی واجب فرمایا کہ یہ بھی رکن ہے، جب تک نہ کرلیا جاوے گا، حج کامل نہ ہوگا، بعض نے فرمایا کہ جب تک طواف نہ کیا عورت کے پاس جانا حرام ہے اور بعض نے فرمایا کہ طواف واپسی نہ کرنے سے عورت کی حرمت لازم نہیں؛ مگر طواف واپسی واجبات سے ہے اور بوجہ مرض وغلط بیانی مسئلہ ادا نہ ہوسکا، لہٰذا دو دم دے دے؛ تاکہ جو تاخیر ہوئی ہے، وہ رفع ہو جاوے؛ مگر طواف واپسی ادا کرنا پڑے گا، چوں کہ مسئلہ میں بہت زیادہ اختلاف ہے، لہٰذا کون قول صحیح ومعتبر سمجھا جاوے گا؟ جماع کی شمار نہیں ہوسکتی اور زید میں استطاعت دوبارہ جانے کی نہیں۔ ہاں دم دے سکتا ہے کہ صاحب نصاب زکوٰۃ قربانی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

سوال میں یہ ذکر نہیں کیا کہ زید نے طواف افاضہ بھی کیا ہے، یا نہیں؟ یہ طواف رکن اور فرض ہے، بدون اس طواف کے احرام سے نہیں نکلتا اور جماع زوجہ حلال نہیں ہوتا۔ وقت اس طواف کا دس ذی الحجہ سے ۱۲/ ذی الحجہ تک ہے، قیام

منی کی حالت میں مکہ معظّمہ آ کر یہ طواف کر کے پھر واپس منی کو جایا کرتے ہیں۔ پس یہ معلوم ہونا چاہیے کہ زید نے یہ طواف بھی کرلیا تھا، یا نہیں؟ اگر نہیں کیا تھا تو پھر مکہ معظّمہ جا کر یہ طواف کرنا لازم ہے اور جماع زوجہ کی وجہ سے اور تاخیر اس احرام کی وجہ سے دم لازم ہے اور اگر یہ طواف؛ یعنی طواف افاضہ کرلیا تھا تو فرض حج ادا ہوگیا۔(۱) طواف وداع یعنی مکہ معظّمہ سے واپسی اور رخصت ہونے کا طواف فرض نہیں، واجب ہے، اس کے ترک سے صرف ایک دم لازم ہے۔ واپس جانے کی اور اس طواف کرنے کی ضرورت نہیں۔(۲) پس سائل کو یہ تشریح کرنی چاہیے کہ ایام نحر میں یعنی دس ذی الحجہ سے بارہ ذی الحجہ تک کوئی طواف زید نے کیا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں کیا تو طواف زیارت اس کے ذمہ باقی ہے اور مکہ معظّمہ جا کر جب ہو سکے؛ وہ طواف کرنا ضروری ہے بدون اس طواف جماع زوجہ حلال نہیں ہوتا۔

حج کا جب ارادہ کیا جائے تو ضروری ہے کہ مسائل حج سے واقفیت حاصل کرے اردو میں احکام حج کی کتابیں موجود ہیں، اتنا تو ضرور کرلینا چاہیے کہ حج میں کیا کیا فرض ہے بہر حال اب صاف لکھنا چاہیے کہ طواف زیارت کیا ہے، یا نہیں؟ اس کے بعد مکرر شرح جواب لکھ دیا جاوے گا اور واضح ہو کہ طواف زیارت اور ہے اور طواف وداع اور ہے۔ اول فرض اور رکن حج ہے اور دوسرا واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عزیز الرحمٰن، مفتی مدرسہ عربی دیوبند (فتاویٰ دار العلوم: ۶/۵۴۹-۵۵۱)

طواف وداع سے قبل عورت کا حائضہ ہونا:

سوال: ایک بالغہ غیر شادی شدہ لڑکی جس کی عمر ۱۷/سال ہے، ہندوستان سے اپنے والد کے یہاں سعودی عرب میں چند ماہ قیام کرنے کے لیے آئی، اسی درمیان حج کا وقت آ گیا اور وہ والدین کے ساتھ حج کے لیے روانہ ہوئی، حج کے جملہ ارکان (فرائض وواجبات) ادا کیا، جب مکہ واپس آ گئی تو دو دن قیام کیا اور آخری دن جو مکہ سے واپسی کا دن تھا اس دن آخری رکن ''طواف وداع'' کرنا تھا، یہ رکن عذر شرعی کی وجہ سے ادا نہ کرسکی اور مجبوراً بغیر طواف وداع کئے اپنی مستقل رہائش گاہ پر واپس آ گئی اور پھر کچھ دنوں کے بعد ہندوستان واپس آ گئی، اب ایسے میں کیا حکم ہے؟

(۱) طواف وداع نہ کرنے کی وجہ سے لڑکی کے حج میں کیا حرج واقع ہوا؟

---

(۱) (وفرضه) ثلاثة (الإحرام) ... والوقوف بعرفة) وطواف الزيارة ... وطواف الزيارة (أول وقته بعد طلوع الفجر. يوم النحر وهو فيه) أى الطواف في يوم النحر الأول (أفضل) لترك وحل له النساء) ... فإن أخره عنها) أى أيام النحر ولياليها منها (كره) تحريماً (ووجب دم) لترك الواجب ... (ثم أتى منىٰ). (الدر المختار)

قوله: (كره تحريماً ...) أى ولو أخره الى اليوم الرابع الذى هو آخر أيام التشريق وهو الصحيح ... وبه يفتىٰ. (ردالمحتار، كتاب الحج، باب الإحرام، مطلب فى طواف الزيارة: ۳/۴۶۸-۴۶۹، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲) ثم إذا أراد السفر طاف للصدر أى الوداع سبعة أشواط بلا رمل وسعى وهو واجب إلا علىٰ أهل مكة. (الدر المختار)

(قوله: وهو واجب) فلو نفر ولم يطف وجب عليه الرجوع ليطوف ما لم يجاوز الميقات فيخير بين اراقة الدم والرجوع باحرام جديد بعمرة. (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب فى طواف الصدر: ۳/۵۴۴، ۵۴۵، مكتبة زكريا ديوبند، ظفير)

(۲) کیا طواف وداع نہیں کرنے کی وجہ سے دم، یا صدقہ لازم ہوگا؟ کچھ علما کہتے ہیں کہ دم دینا ہوگا، کچھ کہتے ہیں کہ دم نہیں دینا ہوگا۔

(۳) اگر دم دینا ہوگا تو اس کے لیے شرع کا کیا حکم ہے؟

(الف) دم کہاں دینا ہوگا، یہاں یا ہندوستان میں؟

(ب) اس کے لیے خصی، یا گائے کی قید ہے؟

(ج) دم دینے کا وقت کب ہے؛ یعنی اس کی ادائیگی کب کی جائے؟

(د) دم دینے کی صورت میں گوشت کے استعمال کا کیا حکم ہے؟ یعنی گوشت کس کو تقسیم کیا جائے؟

(و) اس سلسلہ میں کوئی اور حکم قابل عمل ہو تو تحریر فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

طواف وداع واجب ہے؛ لیکن حیض اور نفاس والی عورت پر واجب نہیں ہے، اگر کوئی عورت دیگر ارکان کی ادائیگی کے بعد مکہ سے روانگی سے پہلے حائضہ ہوجائے اور مکہ کی آبادی سے باہر نکلنے کے وقت تک پاک نہ ہو سکے تو اس پر طواف وداع واجب ہی نہیں۔ اس عذر کی وجہ سے یہ وجوب ساقط ہوجاتا ہے۔

المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط للملا علی قاری میں لکھا ہے: **(ولا یجب علی المعتمر)... (ولا علیٰ أهل مکة)... (و الحائض و النفساء) لعذرهما.** (ص: ۱۶۸)

(وإن جاوزت) جدران مکة (ثم طهرت فلم یلزمها) أی الطواف أو العود... فلا یلزمها العود ولا الدم. (ص: ۱۶۹)

اور امام نوویؒ نے مناسک میں لکھا ہے: "**ولا یجب طواف الوداع علی الحائض والنفساء ولا دم علیهما**". (ص: ۱۶۹)

(۲) دوسری بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ طواف زیارت کے بعد اگر کوئی حاجی نفلی طواف بھی کرے تو اگرچہ طواف وداع کی نیت نہ کی ہو، طواف وداع ادا ہوجائے گا۔ ملا علی قاری کی مناسک میں مذکور ہے: **(فلو طاف بعد الزیارة طوافاً) أی أیّ طواف کان (یکون عن الصدر) أی یقع عنه أی سواء نواه أم لا.** (ص: ۱۶۸)

(۳) واضح رہے کہ ایسا ہی حادثہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ پیش آیا تھا، انہیں طواف زیارت کے بعد حیض آیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بغیر طواف وداع واپسی کی اجازت دے دی۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ)(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مجاہد الاسلام القاسمی، ۲۵/۳/۱۴۰۳ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۵۲/۳)

(۱) **عن عائشة أن صفیّة بنت حییّ زوج النبی صلی اللّٰه علیه وسلم حاضت فذُکر ذٰلک** ==

زمین حل کے رہنے والوں کے لیے طواف وداع کا مسئلہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ حل صغیر؛ یعنی میقات کے اندر رہنے والوں پر طواف وداع واجب ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: مولوی سید کرم شاہ صوابی)

الجواب

طواف وداع (طواف صدر) میقات سے باہر آفاقی حاجی پر واجب ہے اور اہل میقات اور اہل مکہ اور معتمر پر واجب نہیں ہے۔ (ردالمحتار) (۱) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۳۸/۴)

کیا احرام باندھ کر طواف ضروری ہے:

سوال: حج کا احرام باندھنے کے بعد جب منیٰ کا ارادہ کرکے جاتے ہیں تو جانے سے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کرکے جانا ضروری ہے، یا بغیر طواف کے بھی جاسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً

یہ طواف فرض، یا واجب نہیں؛ بلکہ مستحب ہے۔ (۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۷/۱۳۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۴۷/۱۰)

دوگانہ طواف اوقات مکروہ ہیں:

سوال: طواف کے بعد دو رکعت کا پڑھنا کیا ہر وقت درست ہے؟

== لرسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: احابستنا هى؟ قالوا: إنها قد افاضت، قال: فلا إذن. (الصحيح للبخارى، باب إذاحاضت المرأة بعد ماأفاضت: ۲۳۷/۱) الصحيح لمسلم، باب وجوب طواف الوداع وسقوطه عن الحائض: ۴۲۷/۱، سنن أبى داؤد، باب الحائض تخرج بعد الإفاضة: ۲۷۴/۱)

(۱) قال العلامة الشامى: (ثم اذا اراد السفر طاف للصدر اى الوداع) وهو واجب الاعلى اهل مكة) افاد وجوبه على كل حاج آفاقى مفرد او متمتع او قارن ... فلا يجب على المكى ولا على المعتمر مطلقا ... (ومن فى حكمهم) اى ممن كان داخل المواقيت وكذا من نوى الاستيطان قبل حل النفر كما مر. (ردالمحتار هامش الدرالمختار: ۲۰۲/۲، مطلب فى طواف الصدر)

(۲) وروى الحسن عن أبى حنيفة: أن المتمتع اذا أحرم بالحج يوم التروية أوقبله، فان شاء طاف وسعٰى قبل أن يأتى الٰى منٰى وهو أفضل وروى هشام عن محمد أنه إن طاف وسعٰى لابأس به ووجه ذلك أن هٰذه الطواف ليس بواجب، بل هوسنة. (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل فى بيان سنن الحج والترتيب ... : ۱۲۸/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

جن اوقات میں نماز فرض کا پڑھنا منع اور نفل کا پڑھنا مکروہ ہے: سورج نکلتے وقت، جس وقت سورج سر پر ہو، سورج ڈوبتے وقت، صبح صادق کے بعد سورج نکلنے سے پہلے، عصر کی نماز کے بعد سورج ڈوبنے سے پہلے، مغرب کی نماز سے پہلے، خطبہ کے وقت، جماعت شروع ہوجانے کے بعد۔ ان اوقات میں ان دورکعت کا پڑھنا بھی منع ہے۔ (بحر: ۲۶۲/۱)(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۴۸/۱۰)

دوگانۂ طواف بھول کر دوسرا طواف شروع کردیا:

سوال: اگر طواف کے بعد دورکعت پڑھنا بھول جائے اور دوسرا طواف شروع کردے، تب یاد آئے تو کیا کرے؟ آیا اس دوسرے طواف کو چھوڑ کر دورکعت پڑھے، یا دوسرا طواف بھی پورا کرے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر دوسرے طواف کا ایک چکر پورا ہونے سے پہلے یاد آجائے، تو اس کو چھوڑ کر دورکعت پڑھ لے۔ اگر ایک چکر پورا ہونے کے بعد یاد آئے، تو یہ طواف پورا کرلے، اس کے بعد دورکعت پہلے طواف کے لیے پڑھے اور دورکعت دوسرے طواف کے لیے۔ (منحہ: ۲۵۶/۲)(۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۳۴۸/۱۰-۳۴۹)

متعدد طوافوں کے بعد نفل:

سوال: اگر کوئی شخص چند طواف مسلسل کرے اور پھر ہر طواف کے لیے دو دو رکعت مسلسل پڑھے تو کیا اس میں کوئی قباحت ہے؟

---

(۱) ویدخل في الواجب ركعتا الطواف، فلا تصح في هٰذه الأوقات الثلاثة، اعتبرت واجبة في حق هٰذا الحكم ونفلاً في كراهتها بعد صلاة الفجر والعصر احتياطا فيهما. (البحر الرائق: ٤٣٤/١، كتاب الصلاة، رشيدية) (وأيضا في البحر الرائق: ٥٨٥/٢، باب الاحرام، رشيدية)

"ثم صلى شفعاً في وقت مباح". (الدر المختار)

"لما مر في أوقات الصلاة من أن الواجب ولو لغيره كركعتي الطواف والنذر، لا تنعقد في ثلاثة من الأوقات المنهية: أعني الطلوع والاستواء والغروب". (رد المحتار، مطلب في طواف القدوم: ٤٩٩/٢، سعيد)

(۲) فروع: طاف ونسي ركعتي الطواف، فلم يتذكر إلا بعد شروعه في طواف آخر، فإن كان قبل تمام شوط، رفضه وبعد إتمامه، لا بل يتم طوافه الذي شرع فيه. (منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الحج، باب الإحرام: ٥٠٨/٢، رشيدية)

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

ایسا کرنا مکروہ ہے، البتہ جن اوقات میں طواف کی دو رکعت کا پڑھنا مکروہ ہے، ان اوقات میں اس طرح مسلسل طواف کرنا اور پھر بعد میں ہر طواف کے لیے دو دو رکعت پڑھنا مکروہ نہیں۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۵۰/۱۰)

تین چکر طواف کے بعد خطبہ شروع ہو گیا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید نے حرم شریف میں جا کر طواف شروع کیا، تین چار چکر کیے تھے، جمعہ کا خطبہ شروع ہو گیا، کیا زید اپنا طواف مکمل کرے یا طواف درمیان ہی میں چھوڑ کر خطبہ جمعہ سنے ہمارے بعض ساتھی جمعہ کا خطبہ شروع ہونے کے بعد طواف شروع کرتے تھے، کیا خطبہ کے شروع ہونے کے بعد طواف کرنا درست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالی، الجواب ـــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

طواف کے دوران اگر جمعہ کا خطبہ شروع ہو جائے، تو چکر پوار کر کے خطبہ سننے میں مشغول ہو جانا چاہیے، پھر نماز کے بعد مابقیہ چکر پورا کر لے اور جمعہ کا خطبہ شروع ہونے کے بعد طواف شروع کرنا جائز نہیں؛ تاہم اگر طواف کر لیا تو وہ درست ہو جائے گا۔

والطواف عند الخطبة مطلقاً ولو ساقطاً وإقامة المكتوبة ،فإن ابتداء الخطبة حينئذ مكروه بلا شبهة.(غنية الناسک:۱۲۷،جديد)

إذاحضرت الجنازة أو المكتوبة فى أثناء الشوط ينبغى أن يتمه إذا خاف فوت الركعة مع الإمام. (غنية الناسک:۱۲۷،جديد) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۱/۱/۲۲ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۳۹۹/۷)

(۱) قال فى السراج:ويكره الجمع بين أسبوعين أوأكثرمن غيرصلوٰة بينهما عند أبى حنيفة ومحمد رحمهما اللّٰه تعالىٰ،سواءٌ انصرف عن وترأوشفع.وقال أبويوسف رحمه اللّٰه تعالىٰ:لايكره إذا انصرف عن وترنحو أن ينصرف عن ثلا ثة أسابيع أوخمسة أوسبعة.

قوله:(ولم أر،إلخ) قال فى اللباب فى فصل مكروهات الطواف:والجمع بين أسبوعين أوأكثرمن غيرصلاة بينهما إلا فى وقت كراهة الصلاة؟وهومؤيد لما قاله المؤلف أيضاً،تأمل.(منحة الخالق على البحر الرائق: ۵۸۱/۲، كتاب الحج،باب الاحرام،رشيدية)

ويكره له الجمع بين الأسبوعين بغيرصلاة بينهما فى قول أبى حنيفة ومحمد رحمهما اللّٰه تعالىٰ،سواءٌ انصرف عن شفع أووتر،كذا فى السراج الوهاج.(الفتاوىٰ الهندية،الباب الخامس فى كيفية أداء الحج: ۲۲۷/۱، رشيدية)

طواف کے پہلے تین چکر میں رمل نہ کرنا:

سوال: چند ساتھیوں کے ساتھ سہو کا معاملہ ہوا، جو درج ذیل ہے:

(۱) ایک صاحب عمرہ کرتے وقت طواف کے پہلے تین چکر میں دوڑنا بھول گئے، اب ان کو کیا کرنا ہے؟

سعی میں چودہ چکر لگانا:

(۲) ایک صاحب صفا اور مروہ کے دو چکر کو ایک چکر سمجھ کر چودہ چکر لگا گئے، اس کا حکم شرعی کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

(۱) طواف کے پہلے تین شوط میں رمل کرنا سنت ہے، اگر کسی نے نہیں کیا تو اس کے ذمہ کچھ واجب نہیں ہوگا، البتہ خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہوگا۔

وأما سننه فالرمل فی بعض کل شوط والسعی فی البعض ...حتیٰ لورمل فی الکل أوسعی فی الکل لاشئ علیه لکنه یکون مسیئاً لترکه السنة. (بدائع الصنائع: ۳/ ۱۱۱۹)

(۲) صفا اور مروہ کے درمیان سات شوط (چکر) ہیں، صفا سے مروہ تک ایک شوط اور مروہ سے صفا تک دوسرا شوط، لیکن اگر کسی نے دونوں کو ملا کر ایک ہی شوط شمار کیا اور اس طرح اس نے چودہ شوط لگا لئے تو بھی شرعاً جائز ہے، البتہ بہتر یہی ہے کہ سات ہی چکر لگائے۔

وأما قدره فسبعة أشواط لإجماع الأمة ولفعل رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ویعد من لصفا إلی المروة شوطاً ومن المروة إلی الصفا شوطاً آخر، کذا ذکر فی الأصل، وقال الطحاوی: من الصفا والمروة ومن المروة إلی الصفا شوط واحد، و الصحیح من ذکر فی الأصل. (بدائع الصنائع: ۳/ ۱۱۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۱۴۱۶/۲/۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۳/ ۲۳۷)

طواف اور سعی کے درمیان موبائل سے گفتگو کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کسی شخص کی حالت طواف یا صفا مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے بذریعہ موبائل گفتگو کرنا، یا کسی کے کال کا جواب دینا کیسا ہے؟

باسمه سبحانه تعالی، الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

موبائل پر ضروری گفتگو کرنے سے طواف یا سعی میں کوئی خرابی نہیں آتی، البتہ بہتر یہ ہے کہ بلا ضرورت کسی طرح کی گفتگو نہ کی جائے، اور طواف وسعی کے درمیان ذکر واذکار میں مشغول رہا جائے۔

وأما كراهة الكلام، فالمراد منه فضولة إلا ما يحتاج إليه بقدر الحاجة. (فتح القدير: ۴۹۵/۲، مستفاد انوار مناسک: ۴۱۴-۵۷۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۸/۱۴۲۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۴۰۶/۷)

دوران طواف خشکی کی وجہ سے سونف کے دانے کھانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اگر دوران طواف خشکی کی وجہ سے سونف کے دانے منہ میں ڈال لیے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

باسمه سبحانه تعالى، الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

بغیر احرام کے طواف کی حالت میں سونف وغیرہ کھانے سے طواف فاسد نہیں ہوتا؛ لیکن اس سے احتراز اولیٰ ہے اور اگر احرام کی حالت میں طواف کر رہا ہے، تو خوشبودار چیز کا استعمال منع ہے، جس میں سونف اور الائچی بھی شامل ہے۔

لا بأس بأن يتكلم بكلام يحتاج إليه بقدر الحاجة، ويشرب ويفعل كل ما يحتاج إليه. (غنية الناسک، ص: ۶۷، قديم)

ومن المباحات الشرب لعدم تأديته إلىٰ ترک الموالاة لقلة زمانه بخلاف الأكل المانع عن الموالاة. (مناسک ملا علی القاری، ص: ۱۶۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۱/۱۰/۱۴۲۸۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۴۰۱/۷)

دوران طواف وضو کا ٹوٹ جانا:

سوال (۱) اگر کسی شخص کا وضو صرف دس پندرہ منٹ باقی رہتا ہو، دوران طواف اگر وضو ٹوٹ جائے تو کیا پھر سے وضو بنا کر از سر نو طواف کرے گا، یا وہیں سے آگے طواف کرے گا؟

بحالت احرام بیماری کی وجہ سے بال گرنے کا حکم:

(۲) اگر کسی شخص کا بال بیماری کی وجہ کر گرتا ہو تو اگر اس شخص کا بال حالت احرام میں ٹوٹ کر گر جائے تو کیا اس پر دم واجب ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

(۱) صورت مسئولہ میں خانہ کعبہ کے طواف کے دوران اگر شخص مذکور کا وضو ٹوٹ جائے تو وہ دوبارہ وضو کر کے اسی پر بنا کر لے، یعنی جتنا طواف کر چکا ہے وہیں سے آگے طواف کرے، از سر نو طواف کرنا ضروری نہیں ہے۔

"ولو خرج منه أو من السعي إلىٰ جنازة أو مكتوبة أو تجديد وضوء ثم عاد بنى". (الدر المختار)

(قوله بنى)أى علىٰ ما كان طافه ولا يلزمه الاستقبال.(رد المحتار: ٢/ ١٦٨)

(۲) جس شخص کا بال حالت احرام میں بیماری کی وجہ سے گرتا ہوتو اس پر دم واجب نہیں ہے؛ اس لیے کہ بال مونڈنے، یا توڑنے پر دم واجب ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۱۴۱۹/۱۱/۵ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۳۸/۳)

دوران طواف اردو میں دعائیں پڑھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ حج میں طواف کے دوران اردو میں دعائیں پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔ (المستفتی: انیس احمد، ۳۱/ اگست ۱۹۸۳ء)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

پڑھ سکتے ہیں، البتہ یاد سے مختصر دعائیں پڑھنا (خصوصا وہ دعائیں پڑھنا جس کے مفہوم کو جانتا ہو) اوفق بالسنّت ہے۔ (۱) وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۷۱/۴)

سعی کا شرعی حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ سعی کا شرعی حکم کیا ہے؟

باسمه سبحانه تعالى، الجوابـــــــــــــــ وبالله التوفيق

حج میں صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا واجب ہے۔

عن هشام بن عروة عن أبيه أنه قال: قلت لعائشة زوج النبى صلى الله عليه وسلم وأنا يومئذٍ حديث السن أرأيت قول الله تبارک وتعالىٰ: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ،فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِاعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا﴾فما أرى على أحد شيئاً أن لا يطوف بهما إنما أنزلت هٰذه الآية فى الأنصار كانوا يهلون لمناة،جاء الإسلام سالوا رسول الله صلى الله عليه وسلم يتحرجون أن يطوفوا بين الصفا والمروة فلما جاء الإسلام سالوا رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلک،فأنزل الله:﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ،فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِاعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ﴾. (صحيح البخارى، كتاب التفسير،باب قوله إن الصفا والمروة من شعائر الله: ٦٤٦/٢،رقم: ٤٤٩٥)

---

(۱) قال الملا على قارى: قوله داعيا اى بالدعوات المأثورة وغيرها المتعارفة المشهورة فى محالها المسطورة ... ويصحح الفاظ الدعوات خصوصا الماثورات لئلا يلحن فيها...لكن الاظهر ان اختيار المأثور عنه صلى الله عليه وسلم مستحب والمروى عن السلف مستحسن ويجوز الاكتفاء بما يرد على السالک إن كان أهلا لذلک.(شرح لباب المناسک،ص: ٩٢ـ٩٣،قبيل مطلب مهم فى قول العامة:اللّٰهم صل...)

عن سعيد ابن جبير رضى الله تعالى عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم سعى علىٰ راحلته بين الصفا والمروة. (المصنف لابن أبى شيبة:۱۳۳/۸،رقم: ۱۳۳۰۷،المجلس العلمى)

وهناك آثارمروية فى عائشة وأنس وعراك بن مالك ومجاهد وعطاء وعروة رضى الله عنهم. (المصنف لابن أبى شيبة:۱۳۳/۸ـ۱۳٤،المجلس العلمى)

هوركن عند الثلاثة وواجب عندنا. (غنية الناسک:۱۲۸)

والسعى بين الصفا والمروة عندنا واجب،وليس بركن،حتىٰ لو تركه يقوم الدم مقامه. (الفتاویٰ التاتارخانية:۵۰۳/۳،رقم:٤۹۳۱،زكريا، تبيين الحقائق:۲۸۰/۲،اللباب فى شرح الكتاب: ۱۷۰/۱)

وواجبه وقوف جمع والسعى بين الصفا والمروة. (تنوير الإبصار:٤٦۹/۳،زكريا، البحر الرائق:۱۲۸۲/۳، شرح النقاية: ۱۸۷/۱،الهداية مع الفتح:٤٦۰/۱،الخانية: ۳۹۲/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاء: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۶/۳/۴ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل:۴۴۴/۷)

صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی وجہ:

سوال: صفا اور مروہ کے درمیان گشت لگانا اور بار بار آنا جانا کیوں ضروری ہے، کیا آج بھی وہ دن موجود ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

صفا و مروہ کے درمیان حضرت ہاجرہ کا دوڑنا اور گشت کرنا اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند آیا کہ اس نے اس عمل کو قیامت تک کے لیے واجب فرمادیا،(۱) اگرچہ وہ دن موجود نہیں ہے۔ نیز صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا ایسا ہی ہے کہ جیسے غلام کا اپنے آقا کے محل کے دروازہ پر بار بار آنا جانا، اس خیال سے کہ خدمت میں اپنا خلوص ظاہر کرے؛ تاکہ نظر رحمت سے سرفراز ہو، یا اس امید میں آتا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ رحم نہیں کرے گا تو دوسری بار ضرور کرے گا، اسی طرح سعی کرنے والا اللہ تعالیٰ سے رحم وکرم کی امید لگائے ہوئے کرتا ہے۔ (ملخص از احکام اسلام عقل کی نظر میں:۱۷۵/۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

سہیل احمد قاسمی، ۲۵/ربیع الاول ۱۴۲۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲۴۳/۳)

ایام نحر میں سعی کرنا:

سوال: اور جو تین روز نحر کے میں سعی کرنا مکروہ لکھا ہے، اگر کسی نے بوقت جانے عرفات کے طواف وسعی نہ کیا ہو، ابھی وہ بوقت کرنے طواف زیارہ کے ایام نحر میں سعی کرے، یا نہ کرے؟

الجواب ــــــــــــــــ

فى الدرالمختار،أحكام المفرد:ثم طاف للزيارة يوما من أيام النحر الثلاثة ... سبعة بلا رمل

(۱) (وواجبه)...(ووقوف جمع)...(والسعى)...(بين الصفا)...(والمروة)(تنويرالأبصارعلىٰ هامش رد المحتار،مطلب فى فروض الحج وواجباته:۱٤۸/۲)

و لاسعیٰ إن كان سعی قبل هٰذا الطواف وإلا فعلهما؛ لأن تكرارهما لم يشرع.

فی رد المختار تحت (قوله: وإلا فعلها): أی وإن لم يكن سعی قبل رمی وسعی وإن رمل، قهستانی، أی لأنه رمله السابق بلا سعی غير مشروع. (۱)

وفی الدرالمختار: أحكام المتمتع ويحج كالمفرد لكنه يرمل فی طواف الزيارة ويسعى بعد إن لم يكن قدمها بعد الإحرام فی رد المختار: قوله إن لم يكن قدمها أی عقب طواف تطوع بعد الإحرام بالحج فلا دلا لة فی هٰذا علیٰ مشروعية طواف القدوم وللتمتع. (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ صورۃ مسئولہ میں سعی کرے۔ (تتمہ اولیٰ، ص: ۷۰) (امداد الفتاویٰ جدید: ۲/۱۶۴)

کمزور لوگوں کے لیے کم بھیڑ کے وقت ارکان ادا کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ارکان حج میں جہاں بہت زیادہ بھیڑ ہوتی ہے، کوئی کمزور بوڑھا آدمی کم بھیڑ رہتے وقت ارکان کی ادائیگی کرے تو کیا اس کی گنجائش ہے، جب کہ اہلیہ بھی ساتھ ہو؟

باسمه سبحانه تعالى، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

کمزور لوگوں اور خواتین کے لیے کم بھیڑ والے اوقات میں ارکانِ حج ادا کرنا بلا کراہت جائز اور درست ہے، بس اس کا خیال رہے کہ اس عمل کا اصل وقت نہ نکلنے پائے۔ (مستفاد: معلم الحجاج، ص: ۱۸۷/ ایضاح المناسک، ص: ۱۶۰)

ولو زحمه الناس وقف حتى يجد فرجة فيرمل. (الدرالمختار: ۳/۵۱۱، زكريا، ۳/۱۳٤، كراچی، كذا فی المناسک لملا علی القاری)

إن المرأة لوتركت الوقوف بمزدلفة لأجل الزحام لا يلزمها شئی، فينبغی أنها لو تركت الرمی لا يلزمها شیء. (البحرالرائق، كتاب الحج: ۲/۳٤۹، وكذا فی البحرالعميق: ۲/۱۱٦۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۶/۴/۱۴۲۴ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/۴۰۲)

مزدلفہ کی ایک دعا کا صحیح مطلب:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حجۃ الوداع کے موقع کی دعا جو مزدلفہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی کہ یا اللہ! آپ کے خزانوں میں کمی نہیں، مظلوم کو اپنے خزانہ سے بدلہ دے دیجیے اور ظالم کو معاف فرما کر جنت میں پہنچا دیجیے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی قبول فرمالیا۔ یہ دعا بھی مانگی کہ کوئی

(۱) رد المحتار، كتاب الحج، مطلب فی طواف الزيارة: ۳/۵۳۷، انيس

(۲) رد المحتار، كتاب الحج، مطلب فی طواف الزيارة: ۳/۵٦٤-۵٦۵، انيس

دشمن ایسا نہ ہو کہ سو فیصد ان کو ختم کر دے۔ یہ بھی قبول ہوگئی، پھر دعا مانگی کہ یہ آپس میں نہ لڑیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کی بداعمالیوں کی کوئی سزا بھی تو ہو۔ دوسری جگہ حدیث آتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے امتی کو اللہ تعالیٰ نافرمانیوں کی سزا دنیا میں دے کر آخرت میں جنت دیں گے۔ اس حدیث کو سامنے رکھ کر یہ بتایا جائے کہ جب سبھی نافرمان وظالم جنت میں جائیں گے ہی تو گویا سبھی مسلمان جنتی ہیں اور جنتیوں سے لڑنا بھڑنا نہیں چاہیے، اب اگر وہ ظلم کریں تو کیا ہمیں بدلہ لینا ہے، یا زمین غصب کرے تو کرنے دینا ہے، یا ان پر مقدمہ کرنا، ان سے باتیں بند کر دینا، یا ان کو مار پیٹ کروانا جائز ہے؟ اور اگر دنیا میں ان کی سزا نہ ہوئی اور وہ مر گئے تو کیا انہیں کافر سمجھنا ہے؛ کیوں کہ ان کے مظالم کا بدلہ دنیا میں انہیں نہیں ملا؟

باسمه سبحانه تعالى، الجواب ـــــــــــــــــ وبالله التوفيق

احادیث شریفہ کے ایسے معنی متعین کیے جاتے ہیں، جو دیگر احادیث اور نصوص سے متعارض نہ ہوں، اسی بات کو سامنے رکھ کر آپ کی ذکر کردہ حدیث مزدلفہ کا مطلب علما نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس میں معافی کی بات یا تو اس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج میں شریک ہونے والوں کے ساتھ خاص ہے، یا اس شخص کے لیے ہے، جس کے ذمہ کسی دوسرے بندہ کا حق نہ ہو اور وہ تا دم حیات نافرمانیوں سے اجتناب کرتا رہا ہو۔

وظاهر الحديث عموم المغفرة وشمولها حق الله تعالىٰ وحق العاد إلا أنه قابل للتقييد من كان معه صلى الله عليه وسلم فى تلك السنة أو بمن يقبل حجه بأن لم يرفث ولم يفسق. (مرقاة المفاتيح شرح المشكاة: ۲۴۱/۱۲)

اور دوسری حدیث کہ ''مومن کو نافرمانی کی سزا دنیا میں دے کر آخرت میں جنت ملتی ہے'' اس کو بھی عام نہیں کہا جا سکتا؛ کیوں کہ دیگر احادیث سے ثابت ہے کہ حقوق میں کوتاہی پر آخرت میں سخت سزا ملے گی؛ اس لیے اس حدیث کو حقوق اللہ کے ساتھ خاص مانا جائے گا اور حقوق العباد صاحب حق کے معافی کے معاف نہیں ہوں گے، لہذا کسی صاحب حق کا اپنے حق کا مطالبہ کرنا حدیث کے کسی طرح خلاف نہیں ہے اور یہ بات بھی غلط اور بلا دلیل ہے کہ جسے دنیا میں سزا نہ ملے، وہ کافر سمجھا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۹/۲/۲۲ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۵۲۶/۷)

معذورین کے لیے وقوف مزدلفہ کا ترک جائز ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ چوں کہ احناف کے نزدیک وقوف مزدلفہ واجب ہے، جو کہ فجر کے بعد کرنا ہوتا ہے؛ اس لیے فقہ حنفی پر عمل کرنے والے حضرات بہت پریشان ہو جاتے ہیں اور آج کل یہ پریشانی بہت عام ہو چکی ہے کہ عورتیں بچے بوڑھے اور بیمار لوگ صبح صادق کے بعد

وقوف سے فارغ ہوکر جو بس کا انتظار کرتے ہیں، وہ نہ پوچھیں اور پھر ہجوم الگ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بیچارے بوڑھے اور معذور لوگ اتنے پریشان ہوتے ہیں کہ منی پہنچتے پہنچتے وہ بے حال ہو جاتے ہیں، یہاں تک دیکھنے میں آیا کہ بعض لوگ صبح کو منی سے روانہ ہوتے ہیں اور وہ پہر میں اور بعض لوگ شام اور رات میں پہونچتے ہیں، جب کہ ان کو ایک بڑا مرحلہ؛ یعنی جمرہ عقبی کی رمی بھی کرنی ہے۔

مذکورہ بالا پریشانیوں کے پیش نظر کیا معذورین کو اس بات کی اجازت دی جاسکتی ہے کہ وہ مغرب اور عشا مزدلفہ میں پڑھنے کے بعد منی جاسکتے ہیں اور وقوف مزدلفہ کے ترک کرنے پر کوئی دم لازم نہیں ہوگا، جبکہ کئی احادیث سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاندان کے کمزور لوگوں کو مزدلفہ کی رات ہی منی بھیج دیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں ان لوگوں کے ساتھ تھا کہ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ کی رات کو اپنے خاندان کے کمزور لوگوں کے ساتھ منی روانہ کیا۔ (بخاری شریف: ۱/۲۲۷)

اسی طرح سے یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کو اجازت دے دی تھی کہ وہ مزدلفہ کی رات کو منی جاسکتی ہیں۔

باسمه سبحانه تعالى، الجواب ــــــــــــــ وبالله التوفيق

وقوف مزدلفہ کے مسئلے میں پہلے سے ہی سہولت موجود ہے، عورتیں اور معذور لوگ اگر رات میں منی چلے آئیں تو ان پر کوئی دم واجب نہیں ہے؛ لیکن جو لوگ طاقت ور ہوں اور رک سکتے ہوں تو ان کے لیے بہر حال دس تاریخ کی صبح صادق کے بعد تک مزدلفہ میں رکنا ضروری ہے، ورنہ دم لازم ہوگا۔

عن عائشة رضي الله عنها قالت: استأذنت سودة النبي صلى الله عليه وسلم ليلة جمع، و كانت ثقيلة ثبطة فأذن لها. (صحيح البخاري: ١/ ٢٢٧-٢٢٨، رقم: ٢٦٧٨)

عن ابن عباس رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: للعباس ليلة المزدلفة، إذهب لضعفائنا ونسائنا ليصلوا الصبح بمنىٰ. (شرح معاني الآثار للطحاوي: ٢/ ٢٩١، رقم: ٣٨٨٩، بيروت)

ثم وقف بمزدلفة، ووقته من طلوع الفجر إلىٰ طلوع الشمس، مارّاً كما في عرفة، لكن لو تركه بعذر كزحمة، بمزدلفة لا شيء عليه. (الدر المختار، كتاب الحج: ٣/ ٥٢٩، زكريا)

ولأن ترك الوقوف بمزدلفة جائز لعذر علىٰ ما نبين، ولو كان فرضا لما جائز تركه أصلا كسائر الفرائض، فدل أنه ليس بفرض بل هو واجب، إلا أنه قد يسقط وجوبه لعذر من ضعف أو مرض أو حيض أو نحو ذلك، حتىٰ لو تعجل ولم يقف لا شيء عليه. (بدائع الصنائع: ٢/ ٣٢١، زكريا، البحر الرائق: ٢/ ٦٠٠، غنية الناسك: ١٦٦، الفتاوىٰ التاتار خانية: ٣/ ٣٢٠، زكريا)

وهٰذا الوقوف من الواجبات عندنا وليس بركن حتى لو تركه، أصلا يلزمه الدم يجزيه الحج

الوقوف لمزدلفةولكن لمزدلفة واجب عندنا لا سنة (قوله) فلو ترك الوقوف بها فدفع ليلا فعليه دم إلا إذا كان لعذر. (غنية الناسک، ص: ۱٦٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۵/۴/۱۹ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/۵۳۰)

وقوفِ مزدلفہ:

سوال (۱) اگر ہجوم کی وجہ سے عورتیں اور ضعیف مرد۔ جسے ہجوم کی وجہ سے تکلیف کا اندیشہ ہو، مزدلفہ کا قیام نہ کریں تو دم واجب نہیں ہوگا؛ مگر یہ بھی مغرب وعشا کی نمازیں مزدلفہ میں ملا کر عشا کے وقت پر پڑھ کر منیٰ کو روانہ ہوں تو نہیں ہے۔ کیا اگر بالکل ہی مزدلفہ نہ جائیں؟ اور جہاں مغرب کا وقت ہو مغرب کی نماز پڑھیں اور عشا کے وقت عشا کی نماز پڑھیں تو کیا یہ بلا کراہت جائز ہے؟

ایضاً:

(۲) اگر تندرست مرد عورتوں اور بوڑھے مردوں کے ساتھ کسی وجہ سے مزدلفہ نہ ٹھہریں تو اس کو دم دینا ہوگا، ایسی صورت میں عورتیں اور بوڑھے مرد کس طرح تنہا عرفات سے منیٰ اپنے خیمہ میں جاسکتے ہیں؟ اگر دوسرے تندرست آدمی بھی ان معذوروں کو لے کر عرفات سے منی جا کر ان کو وہاں چھوڑ کر واپس آنا چاہیں تو آج کل بہت ہجوم کی وجہ سے مزدلفہ میں آنا اور قیام کرنا مشکل ہوجائے گا اور دوسرے ساتھیوں کو تلاش کرنا ناممکن ہوگا۔ بہتیری عورتیں تنہا منیٰ میں رہیں گی، آج کل فتنہ کے زمانہ میں ان کی عزت وآبرو کا ڈر ہے، بعض عورتیں تنہائی میں گھبراتی ہیں اور عورتوں اور بوڑھے مردوں کو جس طرح بھی ہو مزدلفہ کا قیام کرانا چاہیے اور اگر ان کو منی میں پہچانا ضروری ہو تو پھر ساتھی تندرست مرد اور عورت بھی مزدلفہ کا قیام بوجۂ مجبوری ترک کردیں۔

کیا یہ ترکِ قیام مزدلفہ مجبوری میں جائز ہوگا؟ ورنہ معذور اور غیر معذور سب ایک ہی جگہ مزدلفہ میں رہیں اور صبح صادق میں قیام کر کے مزدلفہ سے روانہ ہوجائیں۔

منیٰ سے روانگی:

(۳) اس کا مسئلہ بھی بہت مشکل ہے، بوڑھے ضعیف مردوں اور عورتوں کے لیے، لہٰذا دس ذی الحجہ کو ضعیف مرد اور عورت رات میں، جبکہ ہجوم کم ہوجاتا ہے۔ قیام کریں صبح صادق سے پہلے پہلے تک، اس طرح گیارہ، ذی الحجہ کو قیام مغرب کے بعد سے بارہ ذی الحجہ کو تقریباً سب ہی حجاج کرام منی سے واپس ہوجاتے ہیں، اگر مستورات کا ساتھ ہو تو مناسب بھی یہی ہے کہ بارہ ذی الحجہ میں منیٰ کو واپس جائے۔

اکثر معلمین خیمے بناتے ہیں، دور دور کہیں ایک خیمہ نظر آتا ہے جو تیرہ ذی الحجہ کو قیام کرنے والوں کے لیے رہ

جاتا ہے۔ بارہ ذی الحجہ کو اول اپنے خیمہ میں عصر کی نماز پڑھ کر مستورات کو لے کر جائیں اس وقت ہجوم کم ہوجاتا ہے اور آفتاب غروب ہونے سے پہلے پہلے حدودِ منیٰ چھوڑ دیتے ہیں، ورنہ صبح صادق سے پہلے تک منیٰ چھوڑنے کی گنجائش ہے، لہٰذا اگر مستورات، یا ضعیف مردوں کی وجہ سے آفتاب غروب ہوجائے تو ایسی صورت میں مکروہ وقت خیال نہ کریں، اس سے فارغ ہوتے ہی روانہ ہوجائیں۔ کیا یہ مناسب اور درست ہے؟

الجواب______________________ حامداً ومصلیاً

(۱) صبح صادق سے سورج نکلنے تک ذرا سی دیر بھی وقوف کرلیا، خواہ سوتے، یا جاگتے؛ بلکہ وہاں سے گزرنے سے بھی وقوف ہوکر واجب ادا ہوجائے گا۔(۱) صبح صادق سے پہلے مزدلفہ میں ٹھہرنے سے واجب ادا نہیں ہوگا اور ترکِ واجب کی وجہ سے دم لازم ہوگا۔ اگر رات کو مزدلفہ نہیں پہنچ سکا حتیٰ کہ صبح صادق ہوگئی، اس وقت ہی پہنچا، تو اس پر دم لازم ہے۔(۲)

سورج نکلنے میں جب دو رکعت کی مقدار وقت باقی رہ جائے، اس وقت تک ٹھہرنا سنتِ مؤکدہ ہے؛ لیکن ضعیف مرد اوعورت اگر صبح صادق ہوتے ہی نماز فجر پڑھ کر منیٰ کے لیے روانہ ہوجائے تو ان کے لیے اجازت ہے؛ بلکہ جو زیادہ

(۱) وأما ركنه: فكينونته بمزدلفة سواءٌ كان بفعل نفسه أوبفعل غيره،بأن كان محمولاً،وهونائم أومغمى عليه، أوكان علىٰ دابة لحصوله كائنا بها.(بدائع الصنائع، فصل فى الوقوف بمزدلفة:۳/ ۸۸،دارالكتب العلمية بيروت)

وأما ركنه فكينونته بمزدلفة سواء كان بفعل نفسه أوفعل غيره،بأن يكون محمولاً،بأمره أوبغير أمره، وهو نائم أو مغمى عليه أومجنون أوسكران،نواه أولم ينو،علم بها أولم يعلم.(رد المحتار،مطلب فى الوقوف بمزدلفة:۲/ ۱۱، سعيد)

(۲) وهٰذا والوقوف من الواجبات عندنا وليس بركن،حتىٰ لوتركه أصلاً يلزمه الدم،ولكن يجزيه الحج ... فقال:إذا سفر النهاربحيث لم يبق إلىٰ طلوع الشمس إلا مقدارما يصلى ركعتين يذهب وفى الخلاصة:ومن لم يكن هٰذه الليلة بالمزدلفة،عليه دم إن لم يأتها قبل طلوع الشمس جبراً للنقصان.(الفتاوىٰ التاتارخانية،كتاب الحج،الوقف بمزدلفة،والذاهب إلىٰ منىٰ:۲/ ۴۵۹۔ ۴۶۰،إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراتشى)

أخرج الترمذى وأبوداؤد وابن ماجة عن عروة بن مضرس بن أوس حارثة لأم الطائى واللفظ للترمذى،قال: أتيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بالمزدلفة حين خرج إلى الصلاة، فقلت: يارسول اللّٰه ! إنى جئت من جبلى طى أكللت راحلتى أتيعت نفسى، واللّٰه ما تركت من جبل إلا وقف عليه فهل من حج؟ فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم :من شهد صلا تنا هٰذه ووقف معنا حتيى يدفع، ووقف بعرفة قبل ذلك ليلاً أونهاراً فقد تم حجه وقضىٰ تفثه.(الجامع للإمام للترمذى، كتاب الحج،باب ماجاء من أدرك الإمام مجمع فقد أدرك الحج: ۱/ ۱۷۹،رقم الحديث: ۸۹۲، سنن أبى داؤد، كتاب الحج،باب من لم يدرك عرفة: ۱/ ۲۶۰، سنن النسائى، كتاب الحج: ۲/ ۲۸، رقم الحديث:۳۰۳۶،۳۰۳۹،انيس)

فمن دفع من جمع قبل نصف الليل ولم يعد فى الليل،فعليه دم ... والمستحب الاقتداء برسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم فى المبيت إلىٰ أن يصبح،ثم يقف حتىٰ يسفر.(أوجز المسالك،الوقف بعرفة والمزدلفة:۳/ ۵۷۶، المكتبة اليحيوية سهارنفور ،يوبى،الهند)

ضعیف ہو اور برداشت نہ کرسکیں، وہاں اگر اندھیرے ہی میں صبح صادق سے بھی پہلے روانہ ہوجائیں تو ان پر عذر کی وجہ سے دم لازم نہیں آئے گا۔(۱) اگر وقوفِ مزدلفہ نہ کرنا ہو، تو نماز اپنے وقت پر پڑھی جائے جمع نہ کی جائے۔(۲)

(۲) بہتر یہی ہے کہ سب مزدلفہ میں قیام کریں، ضعیفوں کی وجہ سے زیادہ نصرت ہوگی: **"هل تنصرون إلا بضعفائكم"**. (۳) اگر یہ صورت نہ ہوسکے، تو ان ضعیفوں کی نگرانی وحفاظت کی خاطر جو تندرست اس وقوف سے پہلے (رات ہی میں) چلا جائے تو وہ دم دے دے۔(۴)

(۳) ایسا کرنا مکروہ ہے؛ لیکن دم واجب نہیں ہوگا اور مستورات وضعفا کی رعایت سے کراہت میں بھی تخفیف ہوجائے گی۔(۵) فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۷/۱۳۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۷/۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۳۸-۳۴۱)

---

(۱) قال الحنفية: إن فات الوقوف،فإن كان لعذرفلا شيء عليه؟لأنه صلى الله عليه وسلم قدم ضعفة أهله،ولم يأمرهم بالكفارة،وإن كان فواته لغيرعذرفعليه دم؛لأنه ترك الواجب من غيرعذر،وأنه يوجب الكفارة". (الفقه الإسلامي وأدلته،حكم فوات الوقف بالمزدلفة عن وقته: ۳/۱۸۹،المكتبة الحقانية بشاور)

(۲) والحاصل أن من عزم علىٰ عدم المرور بالمزدلفة تلك الليلة، فعليه أن يصلى كل صلاة فى وقتها لعدم استكمال شروط الجمع،٥١. (إرشاد السارى إلىٰ مناسك الملا على القارى،فصل فى الجمع بين الصلاتين بها، يستحب التعجيل فى هٰذا الجمع: ۱٤٥،مصطفىٰ محمد صاحب المكة)

(۳) عن مصعب بن سعد قال: رأى سعد أن له فضلاً علىٰ من دونه،فقال النبى صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: "هل تنصرون وترزقون إلىٰ بضعفائكم. (الصحيح للبخارى، كتاب الجهاد،باب من استعان بالضعفاء والصالحين فى الحرب: ۱/٤٠٥، قديمى)

(۴) وهٰذا والوقوف من الواجبات عندنا وليس بركن،حتىٰ لوتركه أصلاً يلزمه الدم،ولكن يجزيه الحج ... فقال: إذا أسفرالنهار بحيث لم يبق إلىٰ طلوع الشمس إلا مقدارما يصلى ركعتين يذهب وفى الخلاصة: ومن لم يكن هٰذه الليلة بالمزدلفة،عليه دم إن لم يأتها قبل طلوع الشمس جبراً للنقصان. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الحج،الوقف بمزدلفة،والذاهب الىٰ منىٰ: ۲/٤٥٩-٤٦٠،إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراتشى)

فمن دفع من جمع قبل نصف اليل ولم يعد فى الليل،فعليه دم ... والمستحب الاقتداء برسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى المبيت إلىٰ أن يصبح،ثم يقف حتىٰ يسفر. (أوجزالمسالك،الوقف بعرفة والمزدلفة: ۳/٥٧٦، المكتبة العلمية سهارنفو)

وقالت الأحناف: الواجب هوالحضوربالمزدلفة قبل فجر يوم النحر،فلوترك الحضور لزمه دم،ألا اذا كان له عذر، فانه لايجب عليه الحضور،ولا شيء عليه حينئذٍ. (فقه السنة،المبيت بالمزدلفة والوقوف بها: ۱/٧٢٥، دارالكتاب العربى بيروت)

(۵) يرجع من منىٰ إلىٰ مكة قبل غروب الشمس من اليوم الثانى عشر بعد الرمى عند الأئمة الثلاثة،وعند الأحناف: يرجع إلىٰ مكة ما لم يطلع الفجرمن اليوم الثالث عشرمن ذى الحجة،لكن يكره النفر بعد الغروب لمخالفة السنة،ولا شئ عليه. (فقه السنة،متىٰ يرجع من منىٰ: ۱/٧٣٦،دار الكتاب العربى،بيروت)

==

منیٰ سے عرفات کے لیے نماز صبح سے پہلے روانہ ہونا:

سوال (۱) ہم لوگ حج کرنے کے لیے گئے، اس میں یہ بات دیکھنے کو ملی، جو مناسک حج کے خلاف ہے، مثلاً منیٰ سے عرفات صبح کی نماز پڑھ کر جانا ہوتا ہے، جیسا کہ کتابوں میں لکھا ہے؛ مگر معلم لوگ صبح ۳ر بجے سے ہی لوگوں کو بسوں میں لے جانا چاہتے ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟

۱۲ر ذی الحجہ کو زوال سے قبل رمی کا حکم:

(۲)　ذی الحجہ کو جمرات کی رمی زوال کے بعد کرنا ہوتا ہے؛ لیکن کافی لوگ صبح کو یعنی زوال سے کافی قبل ہی رمی کر کے واپس آ گئے، اس سلسلہ میں وضاحت فرمائیں کہ ان مناسک حج کے خلاف واقعات سے حج پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۱)　منیٰ میں نوی ذی الحجہ کی صبح تک رہنا اور فجر کی نماز اس کے مستحب وقت میں ادا کرنا مسنون ہے، اس سے پہلے عرفات کے لیے منیٰ سے روانہ ہونا خلاف سنت ہے، بہتر اور مسنون یہی ہے کہ فجر کی نماز وقت مستحب (اسفار) میں پڑھ کر عرفات کے لیے روانہ ہوں۔

"وفی المبسوط یستحب أن یصلی الظهر یوم الترویة و یقیم بها إلی صبیحة عرفة، آه، ویصلی الفجر بها لوقتها المختار وهو زمان الأسفار... وما مایفعله الناس فی هٰذه الأزمان من دخولهم أرض عرفات فی الیوم الثامن فخطأ مخالف للسنة". (ردالمحتار، مطلب فی الرواح إلی عرفات: ۱۷۳/۲)

(۲)　۱۲ر ذی الحجہ کو رمی جمار مشہور اور ظاہر روایت کے مطابق زوال کے بعد کرنا ضروری ہے، اگر کسی نے زوال سے پہلے کر لیا اور زوال کے بعد اس کا اعادہ نہیں کیا تو یہ کافی نہیں ہوگا، اس دن کا رمی چھوڑنے والا شمار ہوگا، جس کی وجہ اس کے ذمہ دم واجب ہوگا۔

أما وقت الرمی فی الیوم الثانی و الثالث فهو ما بعد الزوال إلی طلوع الشمس من الغد حتیٰ لا یجوز الرمی فیهما قبل الزوال. (الفتاویٰ الهندیة: ۲۳۳/۱)

وإن ترک رمی یوم واحد فعلیه دم؛ لأنه نسک تام. (فتح القدیر: ۸۵/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۷ر صفر ۱۴۱۶ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۳۹/۳)

==　عن نافع أن عبد اللّٰه بن عمر رضی اللّٰه عنهما کان یصلی الظهر والعصر والمغرب والعشاء والسبح بمنیٰ، ثم یغدو إذا طلعت الشمس الیٰ عرفة إلا من کان ضعیفاً ... وقال محمد بعد أثر الباب: هٰکذا السنة، فإن عجل أو تأخر فلا بأس إن شاء اللّٰه تعالیٰ، وهو قول أبی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ". (أوجز المسالک، باب الصلوٰة بمنیٰ یوم الترویة والجمعه بمنیٰ وعرفة: ۶۲۰/۳-۶۲۱، المکتبة الیحیویة سهارنفور)

ایام منیٰ میں حدود مزدلفہ میں بنے خیموں میں قیام کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ سنا ہے کہ منی کی حدود اب بڑھا کر مزدلفہ کی حدود میں داخل کردی گئی ہیں تو ایسے میں منی کا قیام مخدوش ہوجاتا ہے، جبکہ منی میں قیام کرنے والوں کو صراحۃً بورڈ وغیرہ پڑھ کر اندازہ ہوجاتا ہے کہ ہم مزدلفہ کی سرحد میں داخل ہوکر قیام کررہے ہیں۔

باسمہ سبحانہ تعالی، الجواب ـــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

ایسا نہیں ہے کہ منی کی حدود بڑھادی گئی ہوں؛ بلکہ وہ اپنی جگہ قائم ہیں، صرف خیموں کے سلسلہ کو مزدلفہ کی حد تک وسیع کردیا گیا ہے، ایسی صورت میں جو شخص مزدلفہ کی حدود میں واقع خیموں میں ایام منی میں قیام کرے گا، وہ ترک سنت کا مرتکب ہوگا؟ لیکن اس کی وجہ سے اس پر کوئی لازم نہیں آئے گا۔ (ایضاح المناسک، ص: ۱۵۶، ۱۵۷)

ویکره أن لا یبیت بمنیٰ لیالی الرمی ولو بات فی غیره متعمداً لا یلزمه شئی عندنا. (الفتاویٰ التاتارخانیة: ۵۳٤/۳، زکریا)

عن عائشة رضی اللّٰه عنها قالت: أفاض رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من آخر یومه حین صلی الظهر، ثم رجع إلی منی، فمکث بها لیالی أیام التشریق، یرمی الجمرة إذا زالت الشمس، کل جمرة، بسبع حصیات، یکبر مع کل حصاة، ویقف عند الأولی والثانیة، فیطیل القیام، و یتضرع، ویرمی الثالثة ولا یقف عندها. (سنن أبی داؤد، المناسک، باب فی رمی الجمار: ۲۷۱/۱، رقم: ۱۹۷۳)

لایبیت ولا فی الطریق ؛لأن البیتونة بمنیٰ لیالیها سنة عندنا. (أوجز المسالک: ٦٢٥/۳، مکتبة یحیویة سهار نفور)

ویسن أن یبیت بمنی لیالی أیام الرمی، فلو بات بغیرها متعمداً کره، ولا شیء علیه عندنا. (غنیة، قدیم، ص: ۹۵، کذا فی الأوجز المسالک، البیوتة بمکة لیالی منی: ٦٤٥/۳ مکتبة یحوی سهارنفور) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۴/۶/۸ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۴۷۶/۷)

حجاج کی کثرت، یا حکومتی پابندی کی وجہ سے ۸/ تا ۱۲/ ذی الحجہ کو منیٰ سے باہر قیام کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علما دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ آج حجاج کی کثرت کی وجہ سے یہ بھی ایک مسئلہ بن چکا ہے کہ حجاج کی ایک بڑی تعداد کے خیمے ۸/ تا ۱۲ ذی الحجہ کے قیام کے لیے مزدلفہ میں لگتے ہیں، اور بعض لوگ منی سے متصل مکہ کی آخری آبادی ''حی العزیزیہ'' میں قیام کرلیتے ہیں، جس کی وجہ سے بہت سے حجاج تشویش کا شکار رہتے ہیں، اس سلسلے میں سوال یہ ہے کہ ان دنوں میں حاجی کے قیام منی کی کیا حیثیت ہے؟

باسمه سبحانه تعالى، الجواب ـــــــــــــــ وبالله التوفيق

عام حالات میں ایام تشریق میں حدود منی میں رات گزارنا حاجی کے لیے سنت مؤکدہ ہے، اگر کوئی شخص جان بوجھ کر اس سنت کو ترک کرے، یعنی منی میں ٹھہرنے کا انتظام ہونے کے باوجود وہاں نہ ٹھہرے تو وہ کراہت تحریمی کا مرتکب ہوکر گنہگار ہوگا؛ لیکن اگر منی میں قیام کا انتظام نہ ہوسکے، جیسا کہ آج کل حکومتی پابندیوں کی وجہ سے کثرت سے یہ صورت پیش آتی ہے تو اس ترک سنت کی وجہ سے اس پر کوئی دم واجب نہ ہوگا اور اس کے حج میں بھی کوئی خرابی نہ آئے گی اور چوں کہ بالقصد اس نے ترک سنت نہیں کی ہے؛ اس لیے امید ہے کہ وہ گنہگار بھی نہ ہو۔

ويسن أن يبيت بمعنى ليالي أيام الرمي، فلو بات بغيرها متعمداً كره، ولا شي ء عليه عندنا. (غنية الناسك، باب طواف الزيارة: ۱۷۹، ادارة القرآن كراتشي، كذا في لفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۳۴۳، زكريا، أو جز المسالك، البيوتة بمكة ليالي منى: ۳/۶۴۵، مكتبة يحيوية سهار نفور، أنوار مناسك: ۴۹۷)

عن عائشة رضي الله عنها قالت: أفاض رسول الله صلى الله عليه وسلم من آخر يومه حين صلى الظهر، ثم رجع إلىٰ منى، فمكث بهاليالي أيام التشريق، يرمي الجمرة إذا زالت الشمس، كل جمرة بسبع حصيات، يكبر مع كل حصاة، ويقف عند ا لأولىٰ والثانية، فيطيل القيام، و يتضرع، ويرمي الثالية ولا يقف عندها. (سنن أبي داؤد، المناسك، باب في رمي الجمار: ۱/۲۷۱، رقم: ۱۹۷۳)

ولو بات بمكة رصلى بها الفجر يوم عرفة ثم توجه إلىٰ عرفات ومر بمنى أجزاه؛ ولكن أساء بترك الاقتداء برسول الله صلى الله عليه وسلم. (الفتاوىٰ الهندية: ۱/۴۶۷، كذا في الهداية مع فتح القدير: ۲/۴۶۷، دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۸/۱/۲۱ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/۴۷۷)

حدود منیٰ میں جگہ کی تنگی کے باعث حدودِ مکہ میں قیام کر کے رمی جمرات کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اگر کوئی حاجی حدود مکہ میں ہی مقیم رہے اور وہیں سے رمی وغیرہ کے لیے جایا کرے تو کیا حج پر کوئی اثر پڑے گا؟

کیا حدود حرم میں کسی بھی جگہ حاجی قیام کرسکتا ہے، خواہ مکہ مکرمہ شہر کے اندر ہو یا مضافات میں؟ اور کیا منی کے علاوہ مزدلفہ میں بھی قیام کرسکتا ہے؛ اس لیے کہ مزدلفہ بھی حدود حرم میں داخل ہے؟

باسمه سبحانه تعالى، الجواب ـــــــــــــــ وبالله التوفيق

اگر کوئی شخص ایام منی میں منیٰ کی حدود میں جگہ نہ ملنے کی وجہ سے حدود مکہ میں مقیم رہا، یا منی کے قریب کسی محلّہ میں، یا مزدلفہ میں ٹھہرا رہا اور رمی کے مقررہ اوقات میں آتا جاتا رہا تو بھی اس کا حج درست ہوجائے گا اور اس پر کوئی جنایت لازم نہ ہوگی۔

عن عائشة رضي الله عنها قالت: أفاض رسول الله صلى الله عليه وسلم من آخريومه حين صلى

الظهر، ثم رجع إلٰى منى، فمكث بها ليالى أيام التشريق ، يرمى الجمرة إذا زالت الشمس، كل جمرة بسبع حصيات ،يكبر مع كل حصاة ،ويقف عند الأولٰى والثانية، فيطيل القيام، ويتضرع، ويرمى الثالثة ولا يقف عندها. (سنن أبى داؤد ،المناسک / باب فی رمی الجمار: ۱/ ۲۷۱،رقم:۱۹۷۳)

ولو بات بمكة وصلى بها الفجر يوم عرفة ثم توجه إلى عرفات ومر بمعنى أجزاه ؛ ولكن أساء بترک الا قتداء برسول الله صلى الله عليه وسلم. (الفتاویٰ الهندية: ۱/ ۴۶۷، كذا فى الهداية مع فتح القدير: ۲/ ۴۶۷ ،دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۸/۱/۲۱ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/ ۴۷۷)

۱۰/ ذی الحجہ کو عزیزیہ پہنچ کر ۲۰/ دن منیٰ، مزدلفہ اور مکہ میں ٹھہرنے والا مسافر ہے، یا مقیم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علما دین ومفتیان شرع متیں مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک آدمی ۶/ ذی الحجہ کو حج کے لیے جارہا ہے، ۷/ ذی الحجہ کو سیدھا عزیزیہ میں مقیم ہوگا؟ ۸/ ذی الحجہ کی رات کو عزیزیہ سے منی پہنچے گا منیٰ میں اس کی نماز قصر ہوگی، یا پوری پڑھی جائے گی؟ حج کے ارکان کے بعد مکہ مکرمہ زادہا اللہ شرفا وتعظیما آجائے گا مکہ میں ۲۰/ دن قیام رہے گا، سعودی حکومت کے مطابق منیٰ مکہ کے حدود میں ہے، اگر نماز ادا ہے تو اس صورت میں منیٰ جانے کی کیا ضرورت ہے؟ عزیزیہ ہی میں رک سکتے ہیں؟ اور اس صورت میں چوتھے دن کی کنکری کا کیا حکم ہے؟

باسمه سبحانه تعالى، الجواب ـــــــــــــ وبالله التوفيق

عزیزیہ مکہ معظّمہ کا ایک متصل محلّہ ہے، اور معنی کی حدود شرعیہ توفیقی ہیں، ان میں ردوبدل کی کسی کو اجازت نہیں؛ تاہم اب چوں کہ مکہ معظّمہ کی آبادی منی مزدلفہ سے متصل ہو چکی ہے؛ اس لیے صرف قصر واتمام کے مسئلہ میں منی اور مزدلفہ کا حکم وہی ہوگا جو مکہ معظّمہ کا ہے اور قصر واتمام کے علاوہ دیگر مسائل ومناسک (جیسے منی میں رات گذارنا، جمرات کی رمی کرنا وغیرہ) میں منی کا جو حکم پہلے تھا وہی اب بھی ہے، اس مختصر تمہید کے بعد مسئولہ صورت کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ شخص جس نے ۸/ ذی الحجہ کو عزیزیہ پہنچ کر بیس دن منی، مزدلفہ اور مکہ معظّمہ میں قیام کا ارادہ کیا ہے، وہ مقیم سمجھا جائے گا، البتہ ایام منی میں منی کی حدود میں رات گذارنے کی سنت اس پر بہ دستور باقی رہے گی، عزیزیہ میں قیام قیام منی کے قیام کے درجہ میں نہیں ہوگا، اگر یہ شخص ۱۳/ ذی الحجہ کی صبح صادق سے پہلے منی کی حدود سے نکل کر عزیزیہ میں آکر مقیم ہو گیا، تو اس پر چوتھے دن کی کنکری مارنا واجب نہیں ہوگا۔ (مستفاد انوار مناسک، ص: ۴۵۴-۴۵۷)

إذا كانت القرى متصلة بربض المصر ،فحينئذٍ تعتبر مجاوزة القرى، والصحيح ما ذكرنا أنه يعتبر عمران المصر إلا إذا ثمة قرية، أو قرىٰ متصلة بربض المصر ،فحينئذٍ يعتبر مجاوزة القرىٰ. (الفتاویٰ التاتارخانية: ۲/ ۵، كراتشى) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۷/۱۱/۴ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/ ۴۸۱)

کیا منیٰ آبادی کے گھیرے میں آنے کی وجہ سے اس کی استقلالی حیثیت ختم ہو جائے گی:

سوال: ایک وسیع وعریض میدان جو کئی کلومیٹر تک پھیلا ہوا ہو، مثلاً ''منیٰ'' جو صدیوں سے ایک خاص مقصد کے لیے استعمال ہو رہا ہے، نیز اس کی ایک مستقل حیثیت ہے، اگر ایسا میدان وسعت آبادی کی وجہ سے آبادی کے گھیرے میں آجائے؛ لیکن اس میں اب بھی وہی کام انجام پاتا ہو، جو ہر زمانے میں انجام پاتا آیا ہے، قرب وجوار کی آبادی کی کوئی خاص ضرورت اس میدان سے وابستہ نہ ہو تو کیا آبادی کے گھیرے میں آنے کی وجہ سے یہ کہا جائے گا کہ اب یہ میدان آبادی کا حصہ بن گیا، اس کی استقلالی حیثیت ختم ہوگئی، یا یہ کہا جائے گا کہ یہ جیسے پہلے مستقل تھا، کسی کے تابع نہ تھا، اب بھی مستقل ہے، آبادی کے تابع نہیں ہے؟ شہر کے بیچ میں واقع بڑے بڑے پارکوں اور خالی میدانوں (جیسے نئی دہلی میں لال قلعہ یا انڈیا گیٹ کے پاس بڑے بڑے پارک ہیں) کے درمیان اور مذکورہ بالا میدان کے درمیان شرعی اعتبار سے کوئی فرق ہوگا یا دونوں کا حکم یکساں ہے؟

باسمه سبحانه تعالى، الجواب ـــــــــــــــــ وبالله التوفيق

منیٰ کے علاقہ کو بالکلیہ مکہ معظّمہ سے غیر متعلق قرار دینا صحیح نہیں ہے؛ اس لیے کہ منیٰ میں مناسک حج کی ادائے گی، ایسی حالت مصلحت ہے، جس میں سب مسلمان مشترک ہیں، ان میں اہل مکہ بھی شامل ہیں، نیز رمضان المبارک وغیرہ میں معتمرین اور زائرین کی سواریوں کے لیے ان میدانوں میں پارکنگ کا بھی انتظام کیا جاتا ہے اور پارکنگ موجودہ دور میں ایک مصلحت ہے؛ اس لیے منیٰ کے رقبہ کو مصالح مکہ سے بالکل خارج نہیں کیا جا سکتا اور اس کا حکم بھی بڑے شہروں کے درمیان واقع میدانوں ہی کے مانند ہوگا۔

(۱) **أن منىٰ من فناء مكة فإنه من الحرم قال الله تعالىٰ: ﴿هُدْياً بلِغَ الكَعْبَةِ﴾ سماه باسم الكعبة لكونه تبعاً لها، لما أن الهدايا والضحايا لاتنحر بمكة بل بمنىٰ دل ذلك علىٰ أنه فى حكمها أوفى فنائها.** (الكفاية مع الفتح: ۲/۲۵، كوئٹة، البحر العميق: ۳/۱۴۲۹)

(۲) **تعريف الفناء وهو ما أعد لحوائج أهل المصر.** (العناية: ۲/۵۱، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(کتاب النوازل: ۷/۴۹۷)

کیا پہاڑی سرنگوں اور شاہی محل کے ذریعہ منیٰ کو عزیزیہ سے متصل قرار دیا جاسکتا ہے:

سوال: منیٰ کی موجودہ صورت حال یہ ہے کہ محلّہ ''شیشہ'' کی طرف سے بغیر کسی پہاڑی رکاوٹ کے جمرات کا میدان عمارتوں سے مل گیا ہے، یہی صورت ''ریع صدقی'' کی طرف سے ملنے والی سڑک سے بھی ہے، اس کے علاوہ ''عزیزیہ شمالیہ'' اور منیٰ کے درمیان پہاڑیاں حائل ہیں، ان میں اتصال کے لیے کئی سرنگیں بنائی گئیں ہیں، ہر سرنگ کی لمبائی آدھے کلومیٹر سے زیادہ ہی ہے؛ تاہم مزدلفہ کی جانب ملنے والی پہاڑی پر شاہی محل تعمیر کیا گیا ہے، جو کافی دور تک

عزیزیہ اور منیٰ کی جانب دونوں پہاڑیوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے، اس کے بالمقابل ''کوئتی مسجد'' کی جانب بھی پہاڑیوں میں سرنگ بنائی گئی ہیں، جہاں دوسری جانب ''معیصیم'' کی قربان گاہیں تعمیر ہیں۔ اس صورتِ حال میں سوال یہ ہے کہ پہاڑی سرنگوں اور شاہی محل کے ذریعہ منیٰ کو عزیزیہ سے متصل قرار دیا جا سکتا ہے، یا نہیں؟ اس بارے میں سہولت کے لیے ایک نقشہ بھی سوال نامہ کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے، اس کو بغور ملاحظہ فرما کر جواب تحریر فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالی، الجواب ــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

شہر مکہ معظّمہ پہلے ہی سے پہاڑیوں کے درمیان آباد ہے اور اس کے کئی محلے پہاڑیوں کے دامن میں، یا پہاڑوں کے اوپر بسے ہوئے ہیں اور ان میں تعمیراتی اتصال نہ ہونے کے باوجود انہیں عرفاً مکہ معظّمہ کا جز ہی سمجھا جاتا رہا ہے اور پہاڑیوں کو حائل قرار نہیں دیا جاتا رہا اور اب جب کہ پہاڑیوں کے اندر جا بجا سرنگیں بنادی گئی ہیں تو یہ اتصال مزید مضبوط ہو گیا۔ یہی صورتِ حال منیٰ کی بھی ہے کہ مکہ معظّمہ اور منی کے درمیان محلّہ ''شیشہ'' اور ''ریع صدقی'' کی طرف سے، نیز عزیزیہ جنوبیہ کی طرف سے بغیر سرنگ کے اتصال ہے اور اس کے علاوہ کئی جگہوں پر پہاڑی سرنگوں کے ذریعہ سے رابطہ کی صورت نکالی گئی ہے اور اس پہاڑ پر اوپر شاہی محل آباد ہے، جس کا رقبہ منی سے لے کر عزیزیہ تک دونوں جانب پھیلا ہوا ہے؛ اس لیے ان روابط کی بنیاد پر منی کو عزیزیہ کی جانب سے بھی متصل قرار دیا جائے گا۔

(۱) إن كان بينه وبين المصر أقل من قدر غلوة ولم يكن بينهما مزرعة يعتبر مجاوزة الفناء أيضاً. (البحر الرائق: ۱۲۸/۲، زکریا، الفتاویٰ البزازیة: ۷۱/٤، خلاصة الفتاوی: ۱۹۸/۱، أشرفية دوبند)

(۲) وإن كا في وسط البلد نهر فاجتاز فليس له القصر؛ لأنه لم يخرج من البلد ولم يفارق البنيان فأشبه الرحبة والميدان في وسط البلد. (المغنی: ۵۰/۲)

(۳) وإن كان للبلد محال كل محلته، وإن كان بعضها متصلاً ببعض لم يقصر حتى يفارق جميعها. (المغنی لا بن قدامة: ۵۰/۲، الفقه الإسلامی وأدلته: ۲۹٦/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(کتاب النوازل: ۴۹۸/۷)

کیا منیٰ بطور پارکنگ مستعمل ہونے کی وجہ سے مصالح مکہ میں شمار ہو سکتا ہے:

سوال: آج کل رمضان المبارک میں معتمرین کی کثرت ہوتی ہے اور حکومت سعودیہ کی طرف سے جمرات کے اردگرد بڑے میدانوں کو معتمرین کی بسوں کے لیے پارکنگ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، جیسا کہ جمرات کے قریب لگے ہوئے سرکاری بورڈ سے واضح ہوتا ہے تو کیا اس اعتبار سے منیٰ کو مصالح بلد میں شمار کیا جا سکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالی، الجواب ــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

دورِ حاضر میں شہر کی بہت سی ایسی ضروریات بڑھ گئی ہیں، جو پہلے زمانہ میں موجود نہیں تھیں، ان میں سے ایک بہت بڑا مسئلہ بڑے شہروں میں گاڑیوں کی پارکنگ کا ہوتا ہے، جس کے لیے شہروں میں کثیر منزلہ عمارتیں بھی تعمیر کی جاتی

ہیں، بریں بنا گاڑیوں کی پارکنگ کے لیے میدان بھی دورحاضر میں بڑے شہروں کی اہم ضروریات میں سے ہے، لہٰذا رمضان المبارک، یا دیگر ایام میں معمرین کی کثرت واژدحام کی بنا پر حکومت کی طرف سے منی کو بہ طور پارکنگ استعمال کرنے کی وجہ سے منی مکہ معظّمہ کے مصالح میں بلا شبہ سامل ہو جائے گا۔فقہانے بعض شہروں میں حاجیوں کے قیام کے لیے چھوڑ دے گئے بڑے بڑے میدانوں کومصالح بلد میں شامل کیا ہے، جہاں حجاج کرام کے قافلے آتے جاتے ہوئے قیام کرتے تھے،تو جب دیگر شہروں میں اس ضرورت کے لیے چھوڑے گئے خالی میدانوں کوفناء شہر مان لیا گیا ہے،تو منی کو اس درجہ میں رکھنے میں کیا اشکال ہے؟

(۱) وأما الفناء وهو المكان المعد لمصالح البلد كركض الدواب ودفن الموتى وإلقاء التراب. (رد المحتار، كتاب الحج: ۵۹۹/۲،زكريا، وكذافي البزازية: ۷۴/۴،الموسوعة الفقهية: ۲۲/ ۸۸، شامي: ۱۳۹/۲، كراتشي،العناية مع الفتح: ۵۱/۲، زكريا،الدر المختار مع الشامي: ۷/۳،زكريا)

(۲) قال الشامي:أقول:إذا علمت ظهرلك أن ميدان الحصا في دمشق من ربض المصر وأن خارج باب الله إلى القرية القدم من فنائه؛لأنه مشتمل على الجبانة المتصلة بالعمران،وهو معد لنزول الحاج الشريف؛فإنه قد يستوعب نزولهم من الجبانة إلٰى ما يحاذ ى القريته المذكورة فعلٰى هٰذا لا يصح القصر فيه للحاجو كذاالمرجة الخضراء؛فإنها معدة لقصر الثياب وركض الدواب ونزول العساكر مالم يجاوزصدر الباز،بناءً علٰى ما حققه الشرنبلا لي في رسالته من أن الفناء يختلف باختلاف كبر المصر وصغره فلا يلزم تقديره بغلوة، كما روى عن محمد ولا بميل أو بميلين كما روى عن أبي يوسف. (رد المحتار، كتاب الحج: ۶۰۰/۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (کتاب النوازل: ۴۵۰/۷)

حکومت اگر دو الگ مقامات کو ایک شمار کر لے تو کیا قصر واتمام کے باب میں دونوں ایک ہی شمار ہوں گے:

سوال: ایک مقام کو حکومت کسی دوسری جگہ کے ساتھ ملحق قرار دے کر دونوں کو موضع واحد تسلیم کر لے، خواہ اس کی کوئی بھی مصلحت ہو تو کیا قصر واتمام کے باب میں بھی دونوں موضع واحد کے حکم میں ہو جائیں گے؟

باسمه سبحانه تعالى، الجواب ــــــــــــــ وبالله التوفيق

کسی جگہ کو شہر کے ساتھ ملحق کرنا دراصل ایک انتظامی معاملہ ہے اور مصالح مرسلہ میں شامل ہے، اس طرح کے معاملات میں حکم حاکم فیصل کی حیثیت رکھتا ہے، بریں بنا جب کہ سعودی حکومت کے ذمہ داران اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں کہ منیٰ اب مکہ معظّمہ کے ایک محلّہ کی حیثیت اختیار کر چکا ہے تو منی کو شہر مکہ کے تابع نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں رہی۔ مکہ معظّمہ کے ایک محلّہ کی حیثیت اختیار کر چکا ہے تو منی کو شہر مکہ کے تابع نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں رہی۔

اب ہم ذیل میں موجودہ زمانہ کے حکومت کے اہم ذمہ داران اور صاحب نظر مستند علماء کرام کی آرا پیش کرتے ہیں، جن سے یہ واضح ہوگا کہ اب حکومت سعودیہ کی نظر میں منیٰ ومزدلفہ مکہ کے تابع قرار دئے گئے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

''میر نائف'' وزیر داخلہ سعودی عرب کی رائے:

(۱) سعودی عرب کے سابق وزیر داخلہ اور اعلیٰ اختیاراتی حج کمیٹی کے چیئرمین امیر نائف ابن عبدالعزیزؒ نے صراحت کی ہے تمام مشاعر مقدسہ اب مکہ شہر کے بیچوں بیچ آ گئے ہیں، ان کے الفاظ یہ ہیں:

نشاهد أن مكة شرفها الله تعالٰى تعدى توسعها في جهة الجنوب عرفة،ومن جهة الشمال الغربي وصلت إلى الشرائع فأصبحت المشاعرفي وسط مدينة جهة الشمال الغربي وصلت إلى الشرائع فأصبحت المشاعر في وسط مدينة مكة. (أخبار الجزيرة، ۷/ذی الحجة ۱٤۲۹ھ، ۵/دسمبر ۲۰۰۸ء، بحوالہ حج میں قصر و اتمام کی تحقیق ۱۳۹، مؤلفہ: مفتی محمد رضوان صاحب راولپنڈی پاکستان)

(ترجمہ: ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مکہ معظّمہ کی وسعت جانب جنوب میں عرفات تک اور جانب شمال مغرب میں شرائع تک پہنچ چکی ہے اور اب سبھی مشاعر مکہ شہر کے بیچ و بیچ آ گئے ہیں۔)

اب غور فرمائیے کہ جب سعودی وزیر داخلہ خود مشاعر مقدسہ کو شہر مکہ کے وسط میں ہونے کا اعلان کر رہے ہیں تو اس کے بعد کسی کے نہ ماننے کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟

شیخ عثیمینؒ کا فتویٰ:

(۲) سعودی عرب کے ایک بڑے معتبر عالم شیخ محمد صالح بن محمد العثیمینؒ (متوفی ۱۴۲۱ھ) فرماتے ہیں:

وفي يومنا هٰذا إذا تأمل المتأمل يجد أن منٰى حي من أحياء مكة،وحينئذٍ يقوى القول بأنهم لا يقصرون في منىٰ،الخ. (الشرح الممتع على زاد المستقنع: ۷/۷۷، بحوالہ: حج میں قصر و اتمام کی تحقیق: ۱۳۵)

(ترجمہ: اور ہمارے آج کے اس دور میں اگر کوئی گہرائی سے جائزہ لے گا تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ ''منیٰ'' مکہ کے محلوں میں سے ایک محلّہ ہے، اور اسی سے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ حجاج منیٰ میں قصر نہیں کریں گے۔)

شیخ سبیل کا مکتوب:

(۳) سابق امام حرم شیخ محمد بن عبداللہ السبیل جو اپنے زمانہ میں حرمین شریفین کی اعلیٰ اختیاراتی نگراں کمیٹی کے رئیس رہے ہیں، انھوں نے مشہور عالم دین حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم شیخ الحدیث دار العلوم کراچی پاکستان کے ایک سوال کے جواب میں واضح طور پر یہ تحریر کیا تھا کہ '' مکہ شہر کی آبادی منیٰ کے علاوہ حدودِ عرفات تک پہنچ گئی ہے اور حکومت بھی ان جگہوں کو ایک آبادی شمار کرتی ہے''۔ شیخ کے الفاظ یہ ہیں:

الذي يظهر لنا أن منىٰ أصبحت اليوم جزءً من مدينة مكة بعد أن اكتنفها بنيان مكة وتجاوزها إلٰى حدود عرفة،وبناءً علٰى هٰذا فإنها قد أصبحت اليوم من أحياء مدينة مكة،فلا يعد الذاهب إليها من مكة مسافراً،إلخ،إن حكومة المملكة العربية السعودية تعد منٰى من مكة علٰى

اعتبار أنها حي من أحياء ها. (بحوالہ: رسالہ حج میں قصر واتمام کی تحقیق: ۱۳۳، شیخ موصوف کی پوری تحریر ملاحظہ کریں، انوار مناسک: ۶۸۱، مؤلفہ: مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی)

(ترجمہ: یہ بات ہمارے سامنے ظاہر ہے کہ آج کل منیٰ شہر مکہ کا ایک جزو بن چکا ہے، یہاں تک کہ مکہ کی عمارتیں نہ صرف یہ کہ اس کے پہلے تک پہنچ چکی ہیں؛ بلکہ حدود عرفات تک مل گئی ہیں، بریں بنا منیٰ آج کل شہر مکہ کے محلوں میں سے ایک ہے؟ لہٰذا مکہ سے منیٰ کی طرف جانے والا شخص مسافر نہ ہوگا، (اور شیخ موصوف آگے حکومت سعودیہ کا موقف بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ) سعودی حکومت منیٰ کو مکہ میں شامل مانتی ہے، یہ اعتبار کرتے ہوئے کہ وہ مکہ کے محلوں میں سے ایک محلّہ ہے۔)

ایک عالم محقق کی تحقیق:

(۴) عرب کے ایک محقق عالم ڈاکٹر عبداللہ نذیر احمد عبدالرحمٰن جو جدہ کے ''ملک عبدالعزیز'' یونیورسٹی'' کے معاون استاذ ہیں اور جنہوں نے علامہ ابن الضیاء المکی الحنفی المتوفی ۸۵۴ کی جامع ترین کتاب ''البحر العمیق فی مناسک المعتمر والحجاج الی بیت العتیق'' کی ۵؍جلدوں میں تعلیق وتحقیق اور اشاعت کا عظیم علمی کارنامہ انجام دیا ہے، وہ اس موضوع پر اپنی رائے اس طرح ظاہر کرتے ہیں:

فإن منىٰ الآن أصبحت من ضمن مكة المكرمة، لتوسع البناء والعمران، وامتدادها إليها، ومن ثم اختلف الحكم باختلاف العلة، إذا الحكم يدور مع العلة حيث ما دار سلباً وايجاباً، وحصل الخلاف في المسئلة بين العلماء باعتبار ما كان المنى عليها، أما الأن فقد الوضع فأصبحت منىٰ من مكة المكرمة وليس ذٰلك في زمن موسم الحج بل علىٰ مدار السنة لا ستدامة، إقامة الناس بها. (حاشية: البحر العميق: ۱۴۹۳/۳)

(ترجمہ: منیٰ اب مکہ معظّمہ کے اندر آچکا ہے؛ کیوں کہ آبادی کی وسعت منیٰ تک پہنچ گئی ہے، اس بنا پر علت کے بدلنے سے حکم بھی بدلے گا؛ کیوں کہ حکم علت کے ساتھ دائر رہتا ہے، جہاں بھی دائر ہو، مثبت یا منفی طور پر اور پہلے زمانہ میں منیٰ کی جو صورتِ حال تھی، اسی اعتبار سے (منیٰ میں اقامت جمعہ کے سلسلہ میں ۹ فقہاء میں اختلاف ہوا تھا؛ لیکن اب صورت حال بدل چکی ہے اور منیٰ مکہ معظّمہ میں شامل ہو چکا ہے، اور یہ صرف موسم حج ہی کے لیے نہیں ہے؛ بلکہ سال بھر کے لیے یہی حکم ہے؛ کیوں کہ برابر وہاں لوگوں کی آمد ورفت جاری رہتی ہے۔)

مفتی مدینہ حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ کا فتویٰ:

(۵) مدینہ منورہ کے متبحر عالم، مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی بلند شہری مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ (المتوفی ۱۴۲۲ھ) نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا:

''اگر حکومتِ سعودی منیٰ کو مکہ معظّمہ کا محلّہ تسلیم کرلے تو صرف قصر واتمام کے مسئلہ میں فرق آسکتا ہے، جو امور منیٰ

سے متعلق ہیں، وہ بہر حال منیٰ ہی سے متعلق رہیں گے؛ یعنی منیٰ اگر چہ مکہ معظّمہ کا محلّہ بن جائے پھر بھی وہاں یوم الترویہ گزارنا، پانچ نمازیں منیٰ میں پڑھنا نویں کو منیٰ سے روانہ ہونا سنت رہے گا‘‘۔

نیز فرمایا:

’’اگر منیٰ کو مکہ معظّمہ کا حصہ مان لیا جائے تو مکہ معظّمہ میں پندرہ دن رہنے سے مقیم ہو جائے گا اور شک کو مٹانے کے لیے دو رکعت کی جگہ چار رکعت پڑھ لے، تب بھی نماز ہو جائے گی‘‘۔ (یادگار صالحین ۸۳۲۔۸۳۳، مؤلفہ: مفتی عبدالرحمٰن کوثر مدنی مدظلہ)

ایک شبہ کا ازالہ:

یہ کہہ کر منیٰ اور مزدلفہ کو حدود مکہ سے خارج نہیں کیا جا سکتا کہ یہ محض میدان ہے، یہاں کوئی آبادی نہیں ہے؛ اس لیے کہ شہری حدود میں شمولیت کے لیے آبادی اور تعمیرات کا ہونا لازمی شرط نہیں ہے، آج بھی بڑے بڑے شہروں میں لق ودق پارک اور بڑے بڑے وسیع الشان میدان ضرورت کی بنا پر عمارتوں سے خالی رکھے جاتے ہیں۔ (دہلی کے قلب میں انڈیا گیٹ کے اطراف کا بہت بڑا رقبہ محض میدان ہے، اسی طرح کی صورت حال اور بڑے شہروں میں بھی ہے) لیکن انہیں کوئی بھی شہر سے باہر قرار نہیں دیتا، پھر منیٰ اور مزدلفہ وغیرہ ہی کو اتصال آبادی کے باوجود الگ جگہیں قرار دینے پر اصرار کیوں ہے؟ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے۔ (ماخوذ: کتاب المسائل: ۲۷۸/۳۔۲۷۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(کتاب النوازل: ۵۰۵/۷)

حدیث ’’منیٰ مناخ من سبق‘‘ کا منشا کیا ہے:

سوال: حدیث: ’’منیٰ مناخ من سبق‘‘ کا منشا کیا ہے؟ کیا اس کی وجہ سے منیٰ میں اگر آبادی ہو جائے تو اسے شرعاً غیر معتبر قرار دیا جائے گا؟

باسمه سبحانه تعالى، الجواب ـــــــــــــــــ وبالله التوفيق

’’منیٰ مناخ من سبق‘‘ والی حدیث شریف کا منشا صرف دو باتیں ہیں:

(الف) اول کہ منی کی زمین پر کسی کی ذاتی ملکیت نہیں؛ بلکہ یہ جگہ عملاً پوری امت کے لیے وقف ہے اور اس کی متولی حکومت ہے۔

(ب) دوسرے یہ کہ جو شخص منیٰ میں پہنچ کر پہلے کسی جگہ پر قبضہ کر لے وہی اس کا حقدار ہے، اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ منیٰ کی کسی طرح کی آبادی معتبر نہیں؛ کیوں کہ اگر یہ آبادی غیر معتبر ہوتی تو فقہاء احناف منی کو شہر مان کر وہاں جمعہ قائم کرنے کی اجازت نہ دیتے، بریں بناء اگر حکومت کے انتظام میں وہاں کوئی تعمیر عارضی یا مستقل بنائی جائے، جس پر کسی کی ذاتی ملکیت نہ ہو تو یہ حدیث شریف کے خلاف نہ ہوگی۔

(۱) عن عائشة رضی اللّٰہ عنها قالت: قلنا یارسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ألا نبنی لک بناءً یظلک بمنیٰ ؟ قال: لامنٰی مناخ من سبق. (سنن الترمذی: ۱/ ۱۷۷، سنن ابن ماجة: ۲۱٦)

(۲) قوله: قال لا: لأن منی لیس مختص بأحد إنما هوموضع العبادة من الرمی وذبح الهدی و الحلق ونحو ها فلوأجیز البناء فیها لکثرت الأ بنیة ویضیق المکان وهذا مثل الشوارع مقاعد الأسواق وعند أبی حنیفة أرض الحرم موقوفة فلا یجوزأن یملکها أحد. (حاشیة سنن الترمذی: ۱/ ۱۷۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (کتاب النوازل: ۷/۵۱۱)

متمتع اور قارن پر کیا دو دم ہیں:

سوال: قارن و متمتع کو ایک ہی قربانی واجب ہے، یا دو؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

ایک قربانی تو دمِ قرآن، یا دمِ تمتع واجب ہے۔(۱) پھر اگر وہاں پہونچ کر مقیم ہو جائے اور صاحبِ نصاب ہو تو ایک قربانی صاحبِ نصاب ہونے کی وجہ سے واجب ہوگی۔(۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۳۴۲)

مشین سے بال کٹانے پر حلق کی فضیلت ثابت نہ ہوگی:

سوال: کیا فرماتے ہیں علما دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حج وعمرہ سے فراغت پر جو حلال ہونے کے لیے مشین سے سر کے بال اُتارتے ہیں، کیا اس سے حلق کی فضیلت حاصل ہوگی یا یہ قصر ہی ہے، حلق صرف اُسترے، یا بلیڈ سے ہی ہوتا ہے؟

---

(۱) دم القارن شاة أوبدنة، أوسبع بدنة، وهودم شکر لتوفیق الجمع بین العبادتین. (سکب الأنهر مع مجمع الأنهر، باب القرآن والتمتع: ۱/۲۸۸، دارأحیاء التراث العربی بیروت)

ویجب الدم علی المتمتع شکراً لما أنعم اللّٰہ تعالٰی علیه تیسیرالجمع بین العباد تین، کذا فی فتاویٰ قاضی خان". (الفتاویٰ الهندیة، الباب السابع فی القران والتمتع: ۱/۲۳۹، رشیدیة)

اتفق العلماء علٰی أن المتمتع والقارن یلزمهما إذا أحرما بالحج ... ودم القرآن والتمتع شکراً، الخ. (الفقه الاسلامی وأدلته، باب دم التمتع والقران: ۳/۲۲٤، مکتبة حقانیة پیشاور)

(۲) وأما الأضحیة فإن کان مسافراً، فلایجب علیه، وإلا کالمکی، فتجب کما فی البحر. (رد المحتار، مطلب فی رمی الجمرة العقبة: ۲/۵۱۵، سعید)

(وانا تجب) التضحیة دون الأضحیة ... (علٰی حر) ... (مسلم) ... (مقیم)، فلا تجب علی المسافر... موسر؛ لأن العبادة لا تجب إلا علی القادر، وهوالغنی دون الفقیر، ومقداره ما تجب فیه صدقة الفطر. (مجمع الأنهر، کتاب الأضحیة: ۲/۵۱٦، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

باسمه سبحانه تعالى، الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

مروجہ مشین قصر کے درجہ میں ہے، اس سے حلق کی فضیلت حاصل نہ ہوگی، البتہ حلق کے لیے ائندہ کوئی مشین ایجاد ہوجائے تو اس کا حکم الگ ہوگا۔

والتقصير أن يأخذ من رؤوس شعره مقدار الأ نملة. (مراقي الفلاح: ٧٣٦، دار الكتاب ديوبند)

والمراد بالتقصير أن يأخذ الرجل والمرأة من رؤوس شعر ربع الرأس مقدار الأنملة، وفي البدائع: قالوا: يجب أ ن يزيد في التقصير على قدر الأنملة حتى يستوفي قدر الأنملة كل شعرة برأسه؛ لأن أطراف الشعر غير متساوية عادة. (ردالمحتار، كتاب الحج: ٥٣٤/٣، زكريا، بدائع الصنائع: ٣٣٠/٢، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۰/۱/۱۴۳۳ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۴۳۷/۷)

قصر کی مقدارِ واجب:

سوال: حج، یا عمرہ سے حلال ہونے کے لیے سر کے کتنے بالوں کا قصر واجب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــ

حامداً ومصلياً ومسلماً:

حنفیہ کے نزدیک قصر کی مقدار واجب چوتھائی سر کے بال ہیں، اس طرح کہ چوتھائی سر کے بالوں میں سے کسی بال کا قصر لمبائی میں انگلیوں کے پوروں سے کم نہ ہو اور چوں کہ بال چھوٹے بڑے ہوتے ہیں؛ اس لیے انگلی کے پوروں کی مقدار سے اس قدر زائد کاٹا واجب ہے کہ جس سے قصر کئے جانے والے چوتھائی سر کے سب سے چھوٹے بال بھی انگلیوں کے پوروں کے بقدر کٹ جائیں اور تمام بالوں کا قصر مستحب ہے، البتہ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک تمام بالوں کا قصر واجب ہے اور احتیاط اسی میں ہے، محقق ابن ہمام حنفی امام ہونے کے باوجود سر کے تمام بالوں کے قصر یا حلق کو واجب کہتے ہیں اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حلق وقصر کی مقدار ایک ہے؛ یعنی جس امام کے نزدیک حلق کی جو مقدار اس کے نزدیک قصر کی مقدار بھی وہی ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پورے سر کا حلق کرانا ثابت ہے۔

قال ابن قدامه في المغني (٤٦٤/٣): والمرأة تقصر من شعرها مقدار الأنملة والأنملة رأس الإصبع من المفصل الأعلىٰ إلىٰ قوله: ... قال أبوداؤد: سمعت أحمد سئل عن المرأة تقصر من كل رأسها؟ قال: نعم، تجمع شعرها إلىٰ مقدم رأسها ثم تأخذ من أطراف شعرها قدر أنملة و الرجل الذي يقصر في ذلك كالمرأة. (إعلاء السنن: ١٧٢/١٠)

واختار ابن الهمام وجوب حلق الكل أو تقصيره كقول مالك، قال: وهو الذي أدين الله تعالىٰ به. (إعلاء السنن: ١٧٣/١٠، نقلاً عن اللباب: ٣٨٦/٢)

اتفقت الأئمة على أنه يجزى فى الحلق قدرمايجزى المسح فى باب الوضوء كما صرح به ابن الهمام. (إعلاء السنن: ۱۷۳/۱۰)

وقال ملك العلماء العلامة الكاسانى: فأما الحلق فالأفضل حلق جميع الرأس لقولهٖ عز و جل: "محلقين رؤسكم". والرأس اسم للجميع و كذا روى أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم حلق جميع رأسه. (بدائع الصنائع: ۱٤۱/۲)

قال فى البحر: والمراد بالتقصير أن يأخذ الرجل والمرأة من رؤس شعرربع الرأس مقدار الأنملة كذا ذكره الزيلعى، ومراده أن يأخذ من كل شعرة مقدار الأنملة كما صرح به فى المحيط، وفى البدائع: قالوا: يجب أن يزيد فى التقصير علىٰ قدرالأنملة حتىٰ يستوفى قدر الأنملة من كل شعرة برأسه؛ لأن أطراف الشعرغير متساوية عادةً قال الحلبى فى مناسكه: وهو حسن. (شامى: ۱۸۱/۲) **واللّٰه أعلم بالصواب**

كتبہٗ: عبداللہ غفرلہٗ، ۱۴۱۰/۱۲/۲۸ھ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہٗ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۳۱۸/۳-۳۱۹)

تمام سر، یا چوتھائی حصہ کے منڈوانے، یا کتروانے کے بغیر احرام سے نہیں نکلتا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کے بال تین، یا چار انچ بڑے ہوں اور عمرہ، یا حج پورا کرنے کے بعد قینچی سے دو تین جگہوں سے کاٹ لے۔ کیا یہ شخص اس سے احرام سے نکل سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: عبدالحق سعودی عرب، دفتر اہتمام، ۱۳/محرم ۱۴۰۳ھ)

الجواب

احناف کے نزدیک تمام سر، یا چوتھائی حصہ کا منڈوانا، یا کتروانا ضروری ہے، (۱) اور اس سے کم کتروانے یا منڈوانے والا شخص احرام سے خارج نہیں ہوسکتا۔ وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۴۳/۴)

احرام کی حالت میں ایک دوسرے کا حلق اور قصر کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر حجاج حضرات ایک دوسرے کے لیے حلق اور قصر کریں، اس کا کیا حکم ہے یعنی جو شخص حجام اور وہ خود احرام میں ہے۔ کیا اس پر احرام کی حالت میں دوسرے محرم کے لیے حلق، یا قصر سے دم لازم نہیں آئے گا؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: عنایت اللہ، ریاض سعودی عرب، ۳/رمضان ۱۴۰۳ھ)

---

(۱) قال العلامة المودود الموصلى الحنفى: والسنة حلق الجميع فان نقص من ذلك فقد اساء لمخالفة السنة ولا يجوز أقل من الربع ونظيره مسح الرأس فى الوضوء فى الاختلاف والدلائل والتقصيرأن يأخذ من رؤس شعره وأقله مقدارالأنملة. ((الإختيار لتعليل المختار: ۸۹/۱، فصل فى افعال الحج)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

واضح رہے کہ مناسک ادا کرنے کے بعد اور مناسک کے رفض کے ارادہ کے وقت محرم اپنے سر کو خود، نیز دوسرے محرم کے سر کو منڈ واسکتا ہے۔

أما الثانی فلما رواہ البخاری (۳۸۰/۱) فی حدیث عمرة الحدیبیة وجعل بعضهم یحلق بعضا حتیٰ کاد بعضهم یقتل بعضا غما أی إزدحاما.(۱)

وأما الأول فلما فی إرشاد الساری إلیٰ مناسک الملا علی قاری(ص: ۱۵٤): وإذا حلق أی المحرم رأسه أی رأس نفسه أو رأس غیره ای ولو کان محرما عند جواز التحلل ای الخروج من الاحرام باداء افعال النسک لم یلزمه شیئ انتهیٰ.(۲)

قلت: ویدل علیه الحدیث؛ لأنه لما جاز حلق بعض المحرمین لبعض عند قصد الانتهاء جاز عند حقیقة الانتهاء بطریق اولیٰ فافهم وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۴۴/۴)

احرام سے حلال ہونے کے لیے چند بالوں کا منڈانا:

سوال: ارکانِ عمرہ ادا کرنے کے بعد ارکانِ حج میں دس ذی الحجہ کے بعد اور متمتع اور قارن کو قربانی کرنے کے بعد مرد کو سارے سر کے بال استرے سے منڈوانا چاہیے، یا سارے سر کے بال انگلی کے ایک پور کے برابر کٹوانا ہوں گے؟ اگر سر کے بال انگلی کے ایک پور؛ یعنی انملہ کے برابر بڑے نہیں تو سارے سر کے بال کو کم از کم چوتھائی سر کے بالوں کو استرے سے منڈوانا پڑے گا؛ تاکہ احرام اتر جائے اور ممنوعات احرام حلال ہو جائیں؛ مگر آج کل لاکھوں کی تعداد حج میں ایسے لوگوں کی ہوتی ہے کہ وہ سر کے بال کے صرف چند بال کٹوا لیتے ہیں، لہٰذا نہ تو ان کا احرام اترتا ہے اور نہ بیوی کے لیے حلال ہوتے ہیں، جس کو دیکھ کر صدمہ ہوتا ہے، کثرت سے مرد اس میں مبتلا ہیں تو کیا کسی امام کے نزدیک اس طرح سر کے چند بال کاٹنے سے مرد کا احرام اتر جاتا ہے اور بوجہِ مجبوری حنفیہ بھی ایسا کر سکتے ہیں؟ ورنہ یہ کوتاہی عام ہے اور کوئی مانتا نہیں، لہٰذا اکثریت کا گناہِ عظیم سے بچانے کے لیے کوئی گنجائش ہو سکتی ہو تو ان کے لیے بتلا دیا جائے؛ تاکہ وہ بال منڈوانے کو غیر ضروری نہ سمجھیں؛ بلکہ اس گنجائش پر عمل کر لیں اور حلال ہو جائیں، یہ رواج ہو گیا کہ چند بال کٹواتے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

یہ رواج غلط ہے اور خلافِ شرع ہے، اس چیز کے اختیار کرنے پر عوام کو کس نے مجبور کیا، خاص کر جب کہ فقہا نے

---

(۱) الصحیح للبخاری: ۳۸۰/۱، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع اهل الحرب، الخ

(۲) ارشاد الساری الی مناسک القاری، ص: ۱۵٤، قبیل فصل فی زمان الحلق ومکانه وشرائط جوازه

اس سلسلہ میں بہت وسعت دی، مثلاً: چوتھائی سر کے بال منڈوانا، یا کتروانا بھی کافی ہے، ایک انگل سے کچھ زیادہ بال کٹا دینا بھی کافی ہوتا ہے، یہ ضروری نہیں کہ جڑ ہی سے کاٹا جائے؛ یعنی احرام سے ان صورتوں میں بھی حلال ہو جائے گا، اگر چہ صرف چوتھائی سر کے بال منڈانے، یا کٹانے سے مکروہ تحریمی کا ارتکاب ہوگا۔ اگر کسی دوا، صابون وغیرہ سے سر کے بال کو ختم کر دے، تب بھی کافی ہے۔ اگر سر پر بال ہی نہیں تو صرف استرہ پھیر لینا بھی کافی ہوگا، اگر سر پر زخم ہو تو استرہ بھی نہ پھر سکے تو اس سے یہ واجب ہی ساقط ہے۔ (۱)

ان سب کے باوجود اگر عوام غلط راستہ بلا کسی مجبوری کے اختیار کرلیں تو وہ خود ذمہ دار ہیں، ان کی وجہ سے حکم شرعی کو نہ بدلا جائے گا، مثلا: داڑھی منڈانے، جھوٹ بولنے، غیبت کرنے، سود لینے، سود دینے کا عام رواج ہو جائے تو اس کو اس کی اجازت نہیں دی جائے گی؛ بلکہ وعیدات وترغیبات کے ذریعہ ان کی اصلاح کی کوشش کی جائے گی، ورنہ شریعت عوام کے لیے کھلونا بن جائے گی۔ (العیاذ باللہ) فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۷/۱۳۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۷/۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۳۴۳-۳۴۴)

افعال حج کے ختم ہونے کے بعد اپنا اور دوسرے کے سر کا حلق جائز ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ رمی جمرہ عقبہ اور نحر کے بعد خود اپنے آپ کا حلق کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (المستفتی: مولانا شہزادہ صاحب ترنگزئی)

الجواب

افعال حج کے ختم ہونے کے بعد ہر محرم اپنا سر اور دیگر محرمین کا سر منڈا سکتا ہے۔

كما في إرشاد الساري(١٥٤) عند الخروج من الاحرام بأداء أفعال النسك جاز للمحرم حلق رأسه ومحرم آخر، انتهىٰ. (٢) بدليل حديث عمرة الحديبية. (٣) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۴/۲۴۵)

(۱) (حلق وقصر) (قوله: وحلقه أفضل): أي هو مسنون، وهٰذا في حق الرجل، ويكره للمرأة؛ لأنه مثلة في حقها كحلق لحيته؛ وأشار إلىٰ أنه لو اقتصر علىٰ حلق الربع جاز كما في التقصير، لكن مع الكراة لتركه السنة، فإن السنة حلق جميع الرأس أو تقصير جميعه، كما في شرح اللباب و القهستاني، قال في النهر: واطلاقه: أي اطلاق قول الكنز: (والحلق أحب) يفيد أن حلق النصف أولىٰ من التقصير، ولم أر اه. قلت: أن أراده أنه أولىٰ من تقصير الكل، فهو ممنوع لما علمت، أو من تقصير النصف أو الربع فهو ممكن. (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في رمي الجمرة العقبة: ٢/٥١٦، سعيد)

ثم يحلق أو يقصر، والحلق أفضل، ويكفي فيه ربع الرأس، والتقصير أن يأخذ من رؤوس شعره مقدار الأنملة. (حاشية الطحطاوي علىٰ مراقي الفلاح، فصل في كيفية ترتيب أفعال الحج، ص: ٧٣٦، قديمي)

(۲) ارشاد الساري: ١٥٤، قبيل فصل في زمان الحلق ومكانه

(۳) بعد حديث طويل: فلما راوا ذلك قاموا فنحروا وجعل بعضهم يحلق بعضا حتى كاد بعضهم يقتل بعضا غما. (صحيح البخاري: ١/٣٨٠، كتاب الشروط باب الشروط في الجهاد)

قصر کی مقدار اور یوم الثالث میں قبل الزوال رمی کا عدم جواز:

سوال: بندہ کا تیسرے سال حج کے لیے جانا ہوا تھا، وہاں پر مولانا شیخ عبدالحی صاحب مہاجر مکی سے کسی نے پوچھا کہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ زبدۃ المناسک میں قصر موئے قدر پورے انگشت کو لکھا ہے اور ۱۲ر ذی الحجہ قبل الزوال رمی جمار کا عدم جواز لکھا ہے تو مہاجر صاحب نے فرمایا کہ رشید احمد صاحب نے غلطی کی ہے، قصر قدر انامل ہے اور ۱۲ر ذی الحجہ کو قبل الزوال رمی جائز ہے؛ کیوں کہ ہذا الوقت اس پر عمل ہے۔

سوال یہ کہ قصر کی مقدار اور رمی قبل الزوال کا کیا حکم ہے؟ نیز مولوی عبدالحی صاحب نے جو قبل الزوال جواز رمی کا فتوی دیا ہے۔ حجت ہے، یا نہیں؟

الجواب

حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے زبدۃ المناسک میں قصر کی مقدار پورے انگشت جو لکھا ہے، صحیح ہے۔ پورا انگشت بواو مجہول ترجمہ انملہ کا ہے، جس کو اردو میں انگلی کا پھول کہتے ہیں۔ مولوی عبدالحی صاحب نے جو اس کی تغلیط کی ہے، وہ غلط ہے۔ غالباً وہ انملہ تمام انگلی کو سمجھ گئے ہیں اور چونکہ ان کو مولانا (رشید احمد صاحب) رحمۃ اللہ علیہ سے نفسانی بغض اور ناخوشی ہے؛ اس لیے صحیح بات کو بھی غلط سمجھ رہے ہیں۔

قاموس میں ہے:

الأنملة بتثليث الميم والهمزة تسع لغات التى فيها الظفر.(۱)

اور شامی میں ہے:

والأنملة بفتح الهمزة والميم وضم الميم لغة مشهورة ومن خطأ راويها فقد اخطأ ،واحدة الأنامل،بحر، وفى تهذيب اللغات للنووى:الأنامل أطراف الأصابع وقال أبوعمرو الشيبانى والسجستانى: والجرىُ لكل أصبع ثلاث أنملات.(۲)

اور تاریخ ۱۲ر ذی الحجہ کو قبل از زوال رمی کرنا قول راجح پر جائز نہیں۔ مناسک ملا علی قاری میں ہے:

"وقت رمى الجمار الثلاث فى اليوم الثانى والثالث من أيام النحر بعد الزوال فلا يجوز أى الرمى قبله أى قبل الزوال فيهما فى المشهور أى عندالجمهور كصاحب الهداية وقاضى خان والكافى والبدائع وغيرها".

ہاں البتہ ایک روایت حسن کی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے غیر ظاہر یہ بھی ہے کہ جو شخص منیٰ سے جانے کا ارادہ کرے، وہ قبل از زوال کے رمی کر لے۔

---

(۱) القاموس المحيط،فصل النون:١٠٦٥،مؤسسة الرسالة بيروت،انيس

(۲) ردالمحتار،مطلب فى رمى جمرة العقبة:٥١٦/٢،دارالفكر بيروت،انيس

آپ خود غور کریں کہ جو شخص صد ہا روپیہ خرچ کر کے تکلیف اٹھا کر حج کو جاتا ہے، اس کو کیا ضروری ہے کہ ذرا سی راحت کے لیے روایات ضعیفہ پر عمل کرے اور درمختار میں ہے:

"(... وإن قدم الرمی فیه) أی فی الیوم الرابع (علی الزوال جاز) فإن وقت الرمی فیه من الفجر للغروب وأما فی الثانی والثالث فمن الزوال لطلوع ذکاء". (۱)

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ زوال سے پہلے ان ایام میں وقت رمی نہیں ہوتا اور نیز درمختار میں ہے:

"والفتیا بالقول المرجوع جهل وخرق للإجماع".

صاحب ردالمحتار لکھتے ہیں:

"(قوله: بالقول المرجوح) کقول محمد مع قول أبی یوسف إذا لم یصحح أو یقوجهه وأولیٰ من هٰذا بالبطلان الافتاء بخلاف ظاهر الروایة إذا لم یصحح". (۲)

تو یہ روایت جو حسن سے مروی ہوئی ہے مخالف ظاہر الروایۃ ہے اور کسی معتبر نے اسکی تصحیح نہیں کی ہے تو بمقابلہ ظاہر الروایۃ جائز العمل نہیں ہوسکتی اور مولوی عبدالحی صاحب کا فتویٰ اور اس وقت ان کے بعض معتقدین کا عمل ہرگز حجت نہیں ہوسکتا۔ بناءً علیہ اس مسئلہ میں مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہرگز غلطی نہیں کی ہے، بلکہ مولوی عبدالحی صاحب خود غلطی میں پڑے ہوئے ہیں۔ فقط

بندہ خلیل احمد عفی عنہ (فتاویٰ مظاہر علوم: ۱/۱۵۷-۱۵۸)

حلق وقصر میں ایک ربع بھی کافی ہے:

سوال: قصر میں پورے سر کے بال چھوٹے کرانے ضروری ہیں، یا ربعِ راس کا قصر کافی ہے، اگر کسی کے سر پر پینٹھے ہوں تو وہ بال کتنے چھوٹے کرائے، جو شرعی قصر کا مصداق بن سکیں؟

الجواب ______________ حامداً ومصلیاً

ربعِ رأس بھی کافی ہے، ایک انگلی بال کٹانے سے قصر معتبر ہو جائے گا، حلق افضل ہے۔

"ثم یحلق أو یقصر والحلق أفضل ویکفی فیه الربع، والتقصیر أن یأخذ من رؤوس شعره مقدار الأنملة". (مراقی الفلاح، ص: ٤٤٣) (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۱۰/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۱۰/۲۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۳۴۴)

---

(۱) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، مطلب فی طواف الزیارة: ٥٢١/٢، دارالفکر بیروت، انیس

(۲) الدرالمختار مع ردالمحتار، مقدمة: ٧٤/١-٧٥، دارالفکر بیروت، انیس

(۳) مراقی الفلاح، کتاب الحج، فصل فی کیفیة ترتیب أفعال الحج، ص: ٧٣٦، قدیمی ==

محرم کو حلال ہونے کے لیے حلق وقصر خود کرنا:

سوال: محرم اپنا احرام کھولنے کے وقت حلق، یا قصر خود کرسکتا ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ احرام سے باہر ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اپنے سر کا حلق یا قصر کسی غیر محرم کے پاس کرائے؟ (محمد یونس افریقی، متعلم دارالعلوم دیوبند)

الجوابـــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

حلق، یا قصر خود بھی کرسکتا ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۰/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۰/۸/۳۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۴۶/۱۰)

عورتیں حلال ہونے کے لیے کتنے بال کہاں کے کاٹیں:

سوال: حج کے بعد قربانی کے وقت مرد سر منڈاتے ہیں اور عورتیں اپنی انگلی کے پھیر کے اتنے بال تراشتی ہیں تو جب عمرہ کرتے ہیں تو حج کے بعد جتنے بال کاٹتے ہیں، اتنے بال عمرہ کے بعد بھی کاٹنا چاہیے، یا اس سے بھی کم بال کاٹ سکتے ہیں؟ اور یہ کہ نیچے کے بال کاٹے جائیں، یا پیشانی کے بال بھی کاٹے جاسکتے ہیں؟

الجوابـــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

ایک انگلی کے برابر؛ یعنی ایک انگلی کی تہائی کی مقدار تمام سر کے بال کاٹ دیں۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۳/۷/۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۴۵/۱۰)

== ثم يحلق،وهو أفضل من تقصير،أويقصربأن يأخذ من شعره قدرالأنملة وجوباً،وتقصير الكل مندوب،والربع واجب.(مجمع الأنهرفي شرح ملتقى الأبحر: ۲۸۰/۱،دارأحياء التراث العربي بيروت لبنان)

عن نافع عن ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:رحم الله المحلقين قالوا:والمقصرين؟ يارسول الله قال:رحم الله المحلقين قالوا!والمقصرين يا رسول الله قال والمقصرين.(الصحيح لمسلم،كتاب الحج، باب تفضيل الحلق على التقصير وجواز التفسير،رقم الحديث: ۲۳۸۱،انيس)

(۱) (وإذا حلق): أى المحرم (رأسه): أى رأس نفسه (أو رأس غيره): أى ولو كان محرماً (عند جواز التحلل): أى الخروج من الإحرام بأداء أفعال النسك (لم يلزمه شيء).الأولىٰ:لم يلزمهما شيء.وهٰذا حكم يعم كل محرم فى كل وقت.(مناسك الملا على القارى،فصل فى الحلق والتقصير،ص: ۲۳۰،إدارة القرآن و العلوم الإسلامية،كراتشى)

(وإذا حلق): أى المحرم (رأسه أورأس غيره) ولوكان محرماً (عند جوازالتحلل):أى الخروج من الإحرام بأداء أفعال النسك،(لم يلزمه شيء).(إرشاد السارى إلىٰ مناسك الملا على القارى،فصل فى واجباته، ص: ۵۰، مطبعة مصطفىٰ محمد مصر)

(۲) ولاحلق على المرأة،لما روى عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال:"ليس على النساء حلق،وإنما عليهن تقصير"(أبو داؤد،كتاب المناسك،باب الحلق والتقصير: ۶۰۷/۱،رقم الحديث: ۱۹۸۴،۱۹۸۵،عن ابن عباس) ==

حج میں عورتوں اور مردوں کے لیے بال کٹوانے کی مقدار:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ حج کے دوران مرد اور عورتیں کتنے بال کٹوائیں گی؟ بینوا توجروا۔ (المستفتی: انیس احمد، ۲۴؍شوال ۱۴۰۳ھ)

الجواب

مرد کے لیے تمام سر کا منڈانا، یا کترانا چاہیے اور عورت کے لیے انگشت کے ایک پورے کی مقدار کا کترانا (تمام سر سے) چاہیے۔(۱) چوتھائی حصہ سے کم پر اکتفا کرنا جنایت ہے مرد وزن دونوں کے لیے۔(۲) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۴۴/۴-۲۴۵)

محرم کا حالت احرام میں سر منڈوانے میں مذہب شافعی اور حنفی کی تفصیل:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب ایک محرم نے احرام کی حالت میں سر منڈوایا تو اس حالق پر امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صدقہ نہیں ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک حالق پر صدقہ ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے لیے دلیل یہ ہے کہ ایک دفعہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے احرام کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک منڈوایا اور بال مبارک ان کے ساتھ رہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے پاس کچھ بال چھوڑ کر بقیہ برائے تبرک صحابہ کرام پر تقسیم کرو اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر ایک محرم دوسرے محرم کا بحالت احرام سر منڈوائے تو اس حالق پر صدقہ ہے۔(کما ذکرہ کنز الدقائق، باب الجنایات) اگر امام صاحب کے لیے اس مسئلہ میں کوئی دلیل ہو تو وضاحت فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: مولانا زاہد الرحمٰن صورتی کلہ ضلع کرک، ۴؍۱۰؍۱۹۸۴ء)

= = وروت عائشة رضی اللّٰه تعالٰی عنها أن النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم نهی المرأة أن تحلق رأسها.(مسند البزار: ۳۲/۲، رقم الحدیث: ۱۱۳۷، نصب الرأیة: ۹۵/۳، مجمع الزوائد: ۲۶۳/۳)

ولأن الحلق فی النساء مثلة، ولهٰذا لم تفعله واحدة من نساء رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم، ولکنها تقصر، فتأخذ من أطراف شعرها قدر أنملة، لما روی عن ابن عمر رضی اللّٰه تعالٰی عنه أن سئل فقیل له: کم تقصر المرأة؟ فقال: "مثل هٰذه". وأشاره الٰی أنملة.(بدائع الصناء، فصل فی أحکام الحلق والتقصیر: ۱۰۰/۳، دار الکتب العلمیة، بیروت)

وأما المرأة، فلاحلق علیها، ولکنها تقصر بأخذ شیء من أطراف الشعر مقدار أنملة والأفضل لها أن تقصر من کل شعرة مقدار أنملة.(الفتاوٰی التاتارخانیة، کتاب الحج، الفصل الرابع عشر فی الحلق والتقصیر)

(۱) وفی الهندیة: والتقصیر ان یأخذ الرجل والمرأة من رؤس الشعر ربع الرأس مقدار الأنملة وفی البدائع قالوا یجب أن یزید فی التقصیر علی قدر الأنملة ... وحلق الکل افضل اقتداء بالنبی صلی اللّٰه علیه وسلم کذا فی الکافی.(الفتاویٰ الهندیة: ۱۳۲/۱، الباب الخامس فی کیفیة أداء الحج)

(۲) قال العلامة الموصلی: والسنة حلق الجمیع فان نقص من ذلک فقد اساء لمخالفة السنة ولا یجوز أقل من الربع ونظیره مسح الرأس فی الوضوء فی الاختلاف والدلائل.(الإختیار لتعلیل المختار: ۸۹۱/۱، فصل فی افعال الحج)

الجواب ـــ

مناسک ختم ہونے، یا ختم کرنے کے وقت ایک محرم دوسرے محرم کا سر منڈ واسکتا ہے، **کما فی حدیث صلح الحدیبیة فی البخاری (۳۸۰/۱) وصرح به فی إرشاد الساری (۱۵٤)**(۱)**وهو الموفق** (فتاویٰ فریدیہ: ۲۴۵/۴)

وقتِ احصار بغیر ذبح حلال ہونے کی شرط:

سوال: "**اشتراط الاحلال بغیر ذبح عند الاحرام وقت الاحصار**"، مفتی بہ قول کے مطابق صحیح اور معتبر ہے، یا نہیں؟ بصورتِ مذکورہ احصارِ شرعی پیش آ گیا تو ہدی ذبح کئے بغیر احرام سے حلال ہو جائے گا، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

یہ شرط کارآمد نہیں، بغیر ہدی ذبح کیے حلال نہیں ہوگا۔

"**ما لم يذبح لايحل، وهو قول عامة العلماء، سواء شرط عند الاحرام الاحلال بغير ذبح عند الاحصار أولم يشترط، ويجب أن يواعد يوماً معلوما يذبح عنه، فيحل بعد الذبح ولايحل قبله، آه**". (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۵/۱۰/۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۴۷/۱۰)

رمیٔ جمار کی حقیقت:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی محبوب چیز اللہ کے راستہ میں قربان کیجئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے محبوب بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کرنے کے لیے جانے لگے تو اللہ نے اس کے بدلے میں دنبہ بھیجا۔ تمام علما یہ بیان کرتے ہیں کہ پھر آپ کو شیطان نے بہکایا اور شیطان نے کہا: کوئی باپ اپنے بیٹے کو

---

(۱) (بعد حديث طويل) فلما راوا ذلک قاموا فنحروا وجعل بعضهم يحلق بعضا حتى كاد بعضهم يقتل بعضا غما. (صحيح البخارى: ۳۸۰/۱، باب الشروط فى الجهاد والمصالحة مع اهل الحرب كتاب الشروط)

قال الملا على قارى: واذا حلق المحرم رأسه او رأس غيره ولو كان محرما عند جواز التحلل اى الخروج من الاحرام باداء افعال النسک لم يلزمه شىء. (ارشاد السارى: ۱۵٤، قبيل فصل فى زمان الحلق ومكانه)

(۲) الفتاوى الهندية، الباب الثانى عشر فى الاحصار: ۲۵۵/۱، رشيدية

وما لم يذبح لايحل، وهذا قول عامة العلماء، سواءٌ كان شرط عند الاحرام الاحلال بغير ذبح عند الاحصار أولم يشترط ... ويجب أن يواعدهم يوماً معلوماً يذبح فيه، فيحل بعد الذبح، ولايحل قبله". (بدائع الصنائع، فصل فى حكم الاحصار: ۱۹۱/۳ـ۱۹۲، دارالكتب العلمية، بيروت)

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ولا تحلقوا رؤسكم حتىٰ يبلغ الهدى محله﴾ (سورة البقرة: ۱۹٦، انيس)

ذبح کیا کرتا ہے؟ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سات کنکریاں ماریں اور تبھی سے یہ سنت جاری ہوگئی؛ لیکن زید کہتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام سے متعلق نہیں، یہ واقعہ اصحاب فیل یعنی ابرہہ کا جو لشکر بیت اللہ کو ڈھانے کے لیے آیا تھا تو اللہ نے ابابیل کو حکم دیا تھا اور انہوں نے فوج پر کنکریا ماریں تو اسی سنت کو لوگ ہمیشہ مناتے ہیں؛ لہٰذا حضرت سے مؤدبانہ التماس ہے کہ صحیح واقعہ کیا ہے؟ آیا کنکریاں مارنا یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے، یا ابرہہ کی فوج پر ابابیل کے کنکری مارنے کی یادگار ہے؟ صحیح کیا ہے؟

(المستفتی: محمد یٰسین، قصبہ انہل، ضلع اجین، ایم پی)

باسمه سبحانه تعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

رمئی جمار کا تعلق حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کے واقعہ سے ہے، اصحاب فیل سے واقعہ سے نہیں ہے اور یہ بات بھی واضح رہے کہ اصحاب فیل منی کی حدود میں داخل ہی نہ ہو سکے تھے؛ بلکہ اس سے پہلے ہی منی اور مزدلفہ کے درمیان وادیٔ محسر میں تباہ کر دیئے گئے تھے؛ بلکہ اس سے پہلے ہی منی اور مزدلفہ کے درمیان وادیٔ محسر میں تباہ کر دیئے گئے تھے اور کنکریاں مارنے کی سنت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شروع ہوئی ہے۔ تفسیر کی کتابوں میں اس کی صراحت ہے کہ جب شیطان نے حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کو راستے میں بہکانا چاہا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے جمرۂ اولیٰ کے پاس، پھر جمرۂ ثانیہ کے پاس، پھر جمرۂ ثالثہ کے پاس سات سات کنکریاں ماریں، آج تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کنکریاں مارنے کی سنت عبادت کے طور پر جاری ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک جاری رہے گی۔

والمشهور أن أصل السنية رمي الشيطان هناک ففي خبر عن قتاده أن الشيطان أراد أن يصيب حاجته من إبراهيم وابنه يوم أمر بذبحه، فتمثل بصديق له، فأراد أن يصيب حاجته من إبراهيم وابنه يوم أمر بذبحه، فتمثل بصديق له، فأراد أن يصده عن ذلک فلم يتمكن، فتعرض لا بنه، فلم يتمكن، فتعرض لابنه، فلم يتمكن فأتى الجمرة فانتفخ حتى سد الوادى ومع إبراهيم ملک، فقال له: ارم يا إبراهيم، فرمى بسبع حصيات يكبر فى أثر كل حصاة، فأفرج له عن الطريق، ثم انطلق حتى أتى الجمرة الثانية، فسد الوادى أيضا، فقال الملک: ارم يا إبراهيم فرمى كما فى الأولیٰ، وهكذا فى الثالثة. (۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ ۱۵ / جمادی الثانی ۱۴۲۱ھ۔ (الف فتویٰ نمبر: ۲۵۸۸/۳۵)

الجواب صحیح: احقر سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۱/۶/۱۵ھ۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۲۸۶/۱۲-۲۸۷)

(۱) روح المعاني، سورة الصافات، قديم: ۳۲/ ۱۳۲، جديد زكريا، ۱۹۳/۱۳ ومثله فى القرطبى: ۹۶/۸- ۹۵، تفسير الآيات: ۱۰۲، ۱۱۳، تفسير معارف القرآن أشرفيه، ديوبند: ۴۶۰/۸)

رمی جمار کی وجہ:

سوال: لوگ حج کرنے جاتے ہیں اور اس جگہ پر کنکر مارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شیطان پر کنکری مارا جاتا ہے تو کیا اب تک وہاں پر شیطان موجود ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

رمی جمار اللہ تعالیٰ کے ذکر کو قائم کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔

عن عائشة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إنما جعل رمي الجمار والسعي بين الصفا والمروة لإقامة ذكر الله". (السنن للترمذي، باب كيف ترمى الجمار: ۱۱۰/۱)

اول تو یہ ایک بہت بڑے اولوالعزم پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ دوسرے یہ کہ احکام حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے ہم تک آئے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ اس طرح اس سے شیطان کو ہی تکلیف پہنچادیں، چناں چہ اس عمل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ شیطان کو تکلیف پہنچاتا ہے، اگر چہ بظاہر شیطان وہاں موجود نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سہیل احمد قاسمی، ۲۵ / ربیع الاول ۱۴۲۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۴۰/۳)

تینوں جمرات پر رمی کرنے کی حکمت:

سوال: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اللہ کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے اپنے بیٹے کو قربان کرنے کا ارادہ کیا تھا تو شیطان نے انہیں بیٹے کی قربانی نہ دینے کے لیے ورغلانے کی کوشش کی تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شیطان کو پتھر مار مار کر بھگایا تھا، اسی کی یاد میں حج اور عمرہ کے موقع پر شیطان کو کنکریاں ماری جاتی ہیں؛ مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ شیطان کو کنکریاں مارنے کے لیے تین مقامات کیوں ہیں؟ (نظیر سہروردی، ناندیڑ)

الجواب ـــــــــــــــــــ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے: ''جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کے سلسلے میں حکم خداوندی کی تعمیل کے لیے فرزند ارجمند کے ساتھ منیٰ تشریف لے گئے تو یہی تین جگہیں تھیں، جہاں شیطان نے آپ علیہ السلام کو بہکایا تھا، آپ علیہ السلام نے اس سے اظہار بیزاری کے لیے سات سات کنکریاں بھی ماری تھیں، اسی واقعہ کی یادگار کے طور پر ہر تین جمرات پر رمی کی جاتی ہے''۔(۱) (کتاب الفتاویٰ: ۵۵/۴-۵۶)

---

(۱) دیکھئے: تفسیر ابن کثیر: ۱۸۶/۳ (وَرُوِيَ عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ وَقَتَادَةَ نحو ذلك، وقال أبو داود الطيالسي: أخبرنا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ أَبِي الْعَاصِمِ الْغَنَوِيِّ، عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَمَّا أُرِيَ أَوَامِرَ الْمَنَاسِكِ، عَرَضَ لَهُ الشَّيْطَانُ عِنْدَ الْمَسْعَى، فَسَابَقَهُ إِبْرَاهِيمُ ثُمَّ انْطَلَقَ بِهِ جِبْرِيلُ حَتَّى أَتَى بِهِ مِنًى، قال: ==

رمی جمرات کے لیے کنکریاں مزدلفہ یا راستے سے اٹھا لائے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ رمی جمرات یعنی شیطان مارنے کیلئے کنکریاں وہیں سے اٹھاتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ نیز یہ کنکریاں کہاں سے لینا مستحب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

رمی جمار کے لیے مزدلفہ، یا راستے سے کنکریاں اٹھا کر ساتھ لانا مستحب ہے اور ماسوائے مزدلفہ سے اٹھا لینا بھی جائز ہے۔ (شرح لباب)(۱) اور جہاں کنکریاں ماری جاتی ہیں، وہیں سے اٹھا کر رمی جمار کرے، یہ مکروہ تنزیہی ہے۔ (ہندیہ)(۲) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ:۲۴۲/۴)

رمی میں نیابت کب جائز ہے:

سوال: ''یہ لوگ جو جمرات کے پاس بھیڑ برداشت نہیں کر سکتے اور انتظار کرتے رہنے سے رمی کا وقت ختم (فوت) ہو رہا ہو، جس کی قضا بھی مشروع (جائز) نہیں ہے، لہٰذا ان کے لیے جائز ہے کہ کسی کو وکیل مقرر کر دیں؛ مگر اس کے علاوہ دوسرے مناسکِ حج میں نیابت جائز نہیں'' یہ اقتباس حج وعمرے کے مسائل بقلم شیخ علامہ عبدالعزیز بن باز (سعودیہ عربیہ) سے ماخوذ ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ دوران حج میرے لڑکوں نے میری اور میری اہلیہ کی طرف سے رمی کی؛ کیوں کہ میری اور میری اہلیہ کی عمر ساٹھ، پینسٹھ (۶۵) سال کے درمیان ہے، میرے پاؤں میں زخم ہونے کے بعد اچھا تو ہو گیا؛ مگر چلنے میں ٹھوکر لگنے سے تکلیف ہوتی تھی اور میری اہلیہ کو شوگر کی بیماری ہونے سے چکر کے ڈر سے بچوں نے کنکریاں ماریں؛ مگر دوسری اور حج کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ صرف معذور شخص جو چل پھر نہیں سکتا، اپنی طرف سے وکیل مقرر کر سکتا ہے، ورنہ ''دَم'' دینا ہوگا، مجھے پڑھنے کے بعد سے بے چینی ہو رہی ہے، آپ وضاحت کریں کہ:

(الف) کیا ہم پر دَم واجب ہو گیا؟

== هـذا منـاخ الـناس، فَلَمَّا انْتَهَى إِلَى جَمْرَةِ الْعَقَبَةِ تَعَرَّضَ لَهُ الشَّيْطَانُ، فَرَمَاهُ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ حَتَّى ذَهَبَ، ثُمَّ أتى به إلـى الْـجَـمْـرَةَ الْقُصْوَى فَعَرَضَ لَهُ الشَّيْطَانُ، فَرَمَاهُ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ حَتَّى ذَهَبَ فَأَتَى بِهِ جَمْعًا، فَقَالَ: هَذَا الْمَشْعَرُ، ثُمَّ أَتَى بِهِ عَرَفَةَ، فَقَالَ: هذه عرفة، فقال له جبريل: أعرفت؟(تفسير ابن كثير،سورة البقرة:۳۱۶/۱،دارالكتب العلمية بيروت،انيس)

(۱) قـال الـمـلا على قاري: يستحب أن يرفع من المزدلفة سبع حصيات...أو من الطريق أى طريق مزدلفة فهو جـائـز وقـيـل مستحب...ويجوزأخذها من كل موضع أى بلا كراهة إلا من عند الجمرة فإنه مكروه... قال في الفتح: وما هي إلا كراهة تنزيه.(إرشاد السارى:۱۴۸،فصل في رفع الحصى)

(۲) وفـي الهندية: ويستحب أن يأخذ حصى الجمار من المزدلفة أومن الطريق ولا يرمى بحصاة اخذها من عند الجمرة فان رمىٰ بها جاز وقد أساء،كذا في السراج الوهاج.(الفتاوىٰ الهندية: ۲۳۲/۱،الكلام في الرمى)

(ب) کیا ہم دَم انڈیا میں دے سکتے ہیں؟ یا مجھے خود سعودیہ جانا پڑے گا؟

(ج) کیا ہم اپنے رشتہ دار کے ذریعہ، جیسے بھائی، یا بیٹا جو اس سال حج کر رہے ہیں، ان کے ذریعہ دَم دے سکتے ہیں؟ (مظفر قادری، مغلپورہ)

الجواب

(الف) رمی میں نیابت کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ جو شخص رمی کرنے پر قادر نہ ہو، وہ دوسرے کو نائب بنا سکتا ہے، قادر نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اتنا بیمار و کمزور ہو کہ اگر جمرات تک اسے پہنچا دیا جائے تو کنکری پھینکنے کی طاقت نہ ہو، چوں کہ مختلف لوگوں میں قوی وقوتِ ارادی کا تفاوت ہوتا ہے؛ اس لیے اہل علم نے اس کے لیے یہ معیار مقرر کیا ہے کہ اس کے لیے نماز یں بیٹھ کر پڑھنا جائز ہو۔

"وحد المريض أن يصير بحيث يصلي جالسًا".(۱)

یا اتنا معذور تو نہ ہو؛ لیکن جمرات تک پیدل چلنے کی طاقت نہ ہو اور سواری میسر نہ ہو۔

" أن لا يجد من يحمله".(۲)

اسی اصول کی روشنی میں آپ اپنی اس وقت کی کیفیت کا اندازہ کر کے خود فیصلہ کرلیں، اگر اس درجہ کا عذر آپ حضرات کے ساتھ تھا تو آپ کا اپنے لڑکوں سے رمی کرانا درست عمل تھا، ورنہ آپ پر دم واجب ہو گیا، البتہ ان تینوں دنوں کی رمی چھوڑنے پر ایک ہی دم یعنی ایک بکرا دے دینا کافی ہے۔

"ولو ترک رمی الجمار الثلث في الأيام كلها فعليه دم واحد لاتحاد الجنس".(۳)

(ب) حج سے متعلق قربانی اور جنایت کا حدود حرم میں دینا ضروری ہے، حرم سے باہر دم دینا کافی نہیں، البتہ اس کے لیے آپ کا خود سعودیہ جانا ضروری نہیں۔

(ج) آپ کسی اور شخص کے ذریعہ بھی دم کی رقم بھیج دیں، یا اگر آپ کا کوئی عزیز سعودیہ میں موجود ہو اور ان کو لکھ دیں کہ وہ آپ دونوں کی طرف سے حرم میں ایک ایک دم دے دے تو کافی ہے، مکہ مکرمہ میں مدرسہ صولتیہ میں بھی اس کا انتظام ہے، اگر کوئی شخص وہاں رقم پہنچا دے اور آپ دونوں حضرات کا نام ان کو دے دے تو وہ آپ کی طرف سے دم دے دیں گے۔ (کتاب الفتاویٰ:۵۶/۴-۵۸)

کیا تین دن تک رمی جمار صرف اس امت کی خصوصیت ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام

(۱) غنية الناسک، ص: ۱۸۷

(۲) حواله سابق، ص: ۱۸۸

(۳) غنية الناسک، ص: ۲۸۹

نے صرف دسویں تاریخ کو رمی کی تھی۔ امت محمدیہ کے لیے ۳/روز تک رمی کیوں رکھی گئی تھی؟

باسمه سبحانه تعالیٰ ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

یہ کہنا بلا دلیل ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو رمی کی تھی؛ اس لیے کہ زمانہ جاہلیت میں حج کے مناسک انجام دیئے جاتے تھے، ان میں تینوں دنوں کی رمی اور منی میں قیام کا ثبوت ملتا ہے، اس سے دلالۃً یہ معلوم ہوتا ہے کہ دین ابراہیمی میں بھی حج کے مناسک کے طور پر تین دن رمی کا سلسلہ تھا، اسی کی تائید دین محمدی میں بھی کی گئی۔

﴿فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ ،وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ﴾ المراد: التخيير بين التعجل والتأخر، ولا يقدح فيه أفضلية الثانی خلافاً لصاحب الإ نصاف، وإنما ورد بنفی الإثم تصريحاً بالرد علٰى أهل الجاهلية حيث كانوا مختلفين فيه فمن مؤتم للمعجل ومؤتم للمتا خر. (روح المعانی: ۱٤۱/۲، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۹/۱۱/۱۴۲۶ھ۔ (کتاب النوازل: ۴۴۹/۷)

معذور اور خواتین کا ۱۰/ذی الحجہ کو آدھی رات سے رمی شروع کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کیا بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین نیز ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لیے دس ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کی جاسکتی ہے؟

باسمه سبحانه تعالیٰ ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

بیمار معذور اور خواتین وغیرہ کے لیے دسویں ذی الحجہ کی رمی نصف شب سے کرنے کی اجازت نہیں؛ کیوں کہ دسویں ذی الحجہ کی رمی کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور گیارہ کی صبح صادق تک باقی رہتا ہے، یہ وقت پہلے ہی سے وسیع ہے، اس میں مزید وسعت دینے کی ضرورت نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ معذور کمزور اور خواتین کی بیماری اور کمزوری کا لحاظ رکھتے ہوئے صبح صادق کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے (جس وقت بھیڑ کم ہو جاتی ہے) ان کو رمی کرنے کی گنجائش دی جاسکتی ہے۔

عن ابن عباس رضی الله عنهما مفصلا قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم للعباس ليلة المزدلفة: إذهب بضعفائنا ونسائنا فليصلوا الصبح بمنى، وليرموا جمرة العقبة قبل أن تصبحهم دفعة الناس ،قال الراوی: فكان عطاء يفعله بعد ما كبر وضعف. (فتح الباری: ٤٢١/٣، إعلاء السنن: ١٥٨/١٠، دار الكتب العلمية بيروت)

عن ابن عباس رضی اللّٰه عنهما أن النبی صلى الله عليه وسلم كان يأمر نساء ثقلة صبيحة

جمع، أن يفيضوا مع أول الفجر بسواد، وأن لا يرموا الجمرة إلا مصبحين. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، باب الوقت المختار لرمي جمرة العقبة: ۲۹۰/۷، رقم: ۹٦٥٤، عمدة القاري: ٦۹۰/٤، إعلاء السنن: ۱٥٨/۱۰، دار الكتب العلمية بيروت)

وخالف في ذلك الحنفية: فقالوا: لايرمي جمرة العقبة إلا بعد طلوع الشمس، فإن رمى قبل طلوع الشمس وبعد طلوع الفجر جز، وإن رما ها قبل الفجر أعادها، وبهذا قال أحمد وإسحاق، والجمهور ... واحتج الجمهور بحديث ابن عمر رضي الله عنها ... أنه كان يقدم ضعفة أهله فيقفون عند المعشر الحرام بالمزدلفة بليل ... فمنهم من يقدم منىٰ صلاة الفجر، و منهم من يقدم بعد ذلك، فإذا قدم رموا الجمرة وكان ابن عمر يقول: أرخص في أولئك رسول الله صلى الله عليه وسلم. (صحيح البخاري رقم: ۱٦٧٦، فتح الباري: ٤۲۰/۳، إعلاء السنن: ۱٦۳/۱۰ـ۱٦٥، دار الكتب العلمية بيروت)

قال مالك وأبو حنيفة وأحمد وإسحاق: جائز رميها بعد الفجر قبل طلوع الشمس، وقال مالك: لم يبلغنا أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رخص لأحد برمي قبل أن يطلع الفجر، ولا يجوز رميها قبل الفجر، فإن رماها قبل الفجرأعادها، وكذلك قال أبو حنيفة وأصحابه: لا يجوز رميها، وقال ابن المنذر، السنة أن لا ترمي إلا بعد طلوع الشمس، ولا يجزى المرمى قبل طلوع الفجر، فإن رمى أعاد إذ فاعله مخالف لما سنه رسول الله صلى الله عليه وسلم لأمته، ومن رماها بعد طلوع الفجرقبل طلوع الشمس فلا إعادة عليه، إذ لا أعلم أحداً قال: لايجزئه. (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۷/۲ـ٦، المكتبة التجارية)

فوقت الجوازأداء طلوع الفجر فلا يصح قبله. (غنية الناسك، باب رمي الجمار: ۱٨۱، إدارة القرآن كراتشي)

ولو رمى قبل طلوع فجر يوم النحر لم يصح اتفاقاً. (غنية الناسك: ٦۰٤/۲، زكريا)

ولو رمى قبل طلوع الفجر لم يصح اتفاقاً. (الفتاوىٰ الهندية: ۲۳۳/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۱/۱/۱۴۲۸ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۴۵۲/۷)

حوادث کی وجہ سے اوقات رمی کے سلسلہ میں مسلک غیر پر فتویٰ دینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک بار پھر سیکڑوں حاجی جمرات کو کنکری مارتے وقت اپنے مسلمان بھائیوں کے پاؤں تلے شہید ہو گئے، شہادت سے قبل مچی بھگدر میں وہ ایسے دیگر ساتھیوں کے پاؤں تلے روندے گئے، وہ گرے تو ان کے اوپر سے ہزاروں حاجی ان کو کچلتے اور روندتے نکلے، یہ تکلیف دہ حادثہ اپنی طرح کا پہلا حادثہ نہیں تھا، اس سے پہلے بھی متعدد بار ایسا ہو چکا ہے؛ بلکہ اب تو رفتہ رفتہ یہ تقریباً ہر سال کا معمول بنتا جا رہا ہے۔

آخر ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس سوال کے جواب میں عام طور پر آپ لوگوں کو حجاج کو دوش دیتے دیکھیں گے کہ ان کی

ناسمجھی، نادانی اور ان کا تربیت یافتہ نہ ہونا، ان حادثات کا اصل سبب ہے، بلاشبہ تمام عازمین حج اعلی درجہ کے سمجھ دار، دانا اور تربیت یافتہ ہوتے ہیں، نہ ہو سکتے ہیں؛ لیکن آخر کیا وجہ ہے کہ انہیں حجاج کے ہاتھوں دوران حج کسی اور مقام پر بالعموم ایسے حادثے رونما نہیں ہوتے۔ اگر ان تمام حادثات میں دوش صرف حجاج کا ہے تو حج کے دیگر ارکان کی ادائیگی کے وقت ایسی صورت حال کیوں پیدا ہوتی ہے؟ کیا وہ حجاج جو منی میں رمی جمرات کے وقت غیر تربیت یافتہ ہوتے ہیں۔ دیگر مناسک کی ادائے گی کے وقت اعلی درجہ کے تربیت یافتہ ہو جاتے ہیں، ظاہر ہے ایسا نہیں ہے تو پھر رمی جمرات کے وقت ایسے حادثے کیوں رونما ہوتے ہیں۔

دراصل رمی جمرات کا وقت اور مقام نہایت تنگ ہوتا ہے، آپ خود غور فرمائیں کہ پچیس لاکھ سے زائد حجاج کرام کو رمی کرنی ہو، رمی کرنے کا مقام بھی متعین ہو اور وقت بھی نہایت محدود، ایسی صورت حال میں اس اژدحام کا کیا عالم ہوتا ہوگا اور اس اژدحام میں اگر کوئی حادثہ ہو جائے تو کیا اس کو کنڑول کرنا آسان بلکہ ممکن ہوگا؟

اب ظاہر ہے کہ نہ یہ ممکن ہے کہ اس اژدحام اور اس کے نتیجہ میں وجود میں آنے والے حادثات سے بچنے کے لیے عازمین حج کی تعداد کم کی جائے کہ وہ پہلے ہی سے مسلمانوں کی مجموعی تعداد کے اعتبار سے نہایت کم ہے اور نہ یہ ممکن ہے کہ رمی جمرات کے مقام کو اتنی وسعت دے دی جائے کہ اژدحام سے بچایا جا سکے، لہذا بس وقت کی توسیع وہ چیز ہے، جو اس طرح کے حادثات سے بچانے میں ہماری کچھ مدد کر سکتی ہے، ضرورت ہے کہ علماء (علماء احناف) اس پر غور فرمائیں اور اگر شرعی دلائل کی روشنی میں رمی کے وقت میں توسیع کر کے ان تلف ہونے والی جانوں کو بچانا ممکن ہو تو اپنے فتاوی کے ذریعہ ان کو بچائیں، اس طرح کے حادثات کی زد میں آنے والوں کی تعداد بھی تو سیکڑوں تک ہوتی ہے، ڈر ہے کہ کہیں ان کی تعداد بڑھ کر کبھی ہزاروں کی حدود نہ تجاوز کر جائے۔ قبل اس کے کہ (خدانخواستہ) ایسا ہو، ہمارے اصحاب علم و فتاویٰ کو اس طرف توجہ دینی چاہیے کہ یہ مسئلہ ان کی توجہ کا مستحق اور منتظر ہے۔ زیر نظر تحریر کا مقصد بھی اس اہم مسئلہ پر محترم علما کی خدمت میں چند گزارشات کا پیش کرنا ہے۔

۱۰ ذی الحجہ کو پہلی رمی ہوتی ہے اور احناف کے نزدیک اس کا وقت صبح صادق سے شروع ہو کر اگلے دن کی صبح تک رہتا ہے، جب کہ اس کا مستحب وقت ان کے نزدیک طلوع آفتاب سے زوال تک رہتا ہے۔

چوں کہ ۱۰ ذی الحجہ حاجی کے لیے سب سے زیادہ مشغول دن ہوتا ہے اور اس دن کوئی مناسک ادا کرنے ہوتے ہیں، رمی کرنی ہوتی ہے، قربانی کرنی ہوتی ہے، حلق (یا تقصیر) کروانا ہوتا ہے، طواف زیارت بھی اسی دن ہوتا ہے اور پھر منی واپسی کرنی ہوتی اور احناف کے نزدیک ان سب کا آغاز حاجی کو رمی سے ہی کرنا ہے؛ اس لیے حاجی کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ رمی جلد از جلد کرے؛ تاکہ وہ پھر دیگر مناسک ادا کر کے منیٰ جلد واپس آ سکے، ایسی صورت میں صبح کے وقت جمرۃ العقبہ کی رمی سے تمام لوگ جلد فارغ ہونا چاہتے ہیں، نتیجۃً وہاں زبردست اژدحام ہوتا ہے اور کسی طرح

کے حادثات کے خطرات بڑھ جاتے ہیں۔ دیگر مسالک میں سے حنابلہ اور شوافع کے یہاں ۱۰؍ذی الحجہ کو رمی کا وقت نصف رات سے شروع ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں حجاج کے وقت میں گنجائش نکل آتی ہے اور اس پر عمل کرنے والوں کے لیے یہ ممکن ہوتا ہے کہ وہ کثرت اژدحام کے وقت کی آزمائش سے بچ جائیں اور اس دن کے دیگر ماسک بھی کسی قدر آرام سے ادا کرلیں، اس طرح وان متوقع حادثات سے بچ سکتے ہیں، جن کا خطرہ بھیڑ کی زیادتی کی وجہ سے صبح کے وقت بڑھ جاتا ہے اور خوف رہتا ہے کہ کہیں حجاج کی ایک بڑی تعداد اس طرح کے کسی حادثہ کی زد میں نہ آجائے۔ علماء احناف بالخصوص ان کے اصحاب فتوی کے لیے یہ غور کرنے کا مقام ہے کہ اس مسئلہ میں امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے مسلک پر عمل کر کے سیکڑوں ہزاروں مسلمانوں کی جانوں کو متوقع حادثات سے بچایا جاسکتا ہے، فقہائے احناف نے ماضی میں اس سے بہت کم درجہ کی ''ضرورت'' میں مسلک غیر پر فتویٰ دیا ہے۔ یہاں مسئلہ مسلمانوں کی جان کا ہے، جس کے لیے شریعت نے ''ضرورت'' کے وقت میتہ اور خنزیر جیسے محرمات کے استعمال کی اجازت دی ہے۔

مسئلہ مفقود عنہا زوجہا ممتدۃ الطہر کی عدت اور تعلیم قرآن و مسائل کی اجرت جیسے کتنے ہیں کہ اس میں ہمارے متقدمین کی آرا کچھ اور تھیں؛ لیکن تغیر زمانہ کے نتیجے میں وجود میں آئی ''شرعی ضرورت'' نے متاخرین کو مجبور کیا کہ وہ کسی اور مسلک پر فتویٰ دیں اور ذکر کئے گئے تینوں مسائل میں جن شرعی ضرورتوں نے اپنے مسلک سے عدول پر فقہائے احناف کو مجبور کیا تھا، اگر غور کیا جائے تو وہ زیر نظر مسئلہ میں موجود ''ضرورت'' سے کہیں کم تر تھیں، ان میں سے کسی بھی مسئلہ میں ایک فرد واحد کی بھی جان تلف نہیں ہو رہی تھی اور یہاں مسئلہ ہر سال سیکڑوں ہزاروں حاجیوں کو متوقع خطرات سے بچانے کا ہے۔

پھر شوافع اور حنابلہ کا یہ مسلک ایسا بے دلیل بھی نہیں کہ اس کی طرف عدول اس وجہ سے مشکل ہو کہ اس رائے کے پیچھے مضبوط دلائل نہیں۔ ان حضرات کے مستدلات میں سے صرف ایک دلیل کو یہاں ہم ذکر کر رہے ہیں، جس سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ رائے اپنے لیے قابل لحاظ دلائل کی بنیاد پر رکھتی ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت اسماء بنت ابی بکر کے مولی حضرت عبداللہ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہ ۱۰؍ذی الحجہ کی شب کو چاند کے غائب ہو جانے کے بعد مزدلفہ سے منی کی طرف چلیں اور وہاں پہنچ کر رمی کی اور رمی کے بعد اپنی قیام گاہ واپس آ کر نماز فجر ادا کی۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: ''**ما أرانا إلا قد غلسنا**'' جس کے جواب میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے لیے اس کی اجازت دی تھی۔ شوافع اور حنابلہ کا کہنا ہے کہ ''**قد غلسنا**'' سے مراد طلوع فجر سے پہلے رمی کرنا ہے، ان کے اس قول کی تائید ابوداؤد کی روایت میں اسی موقع کے یہ الفاظ کرتے ہیں: ''**إنا رمينا الجمرة بليل**'' یہ تو حضرت اسماء کا ذکر ہے، ابوداؤد نے اسی مقام پر ایک اور حدیث ذکر کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ نے بھی حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی اجازت سے ۱۰/ویں ذی الحجہ کو طلوع فجر سے پہلے رمی کی تھی، اب رہیں وہ احادیث جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''ضعفة أهله'' کو یہ نصیحت کی تھی کہ وہ طلوع فجر سے پہلے رمی نہ کریں تو یہ حضرات ان احادیث کے سلسلے میں یہ کہتے ہیں کہ وہ افضل پر عمل کا حکم تھا اور افضل بہرحال بعد میں ہی رمی کرنا ہے۔

یہاں تک جو عرض کیا گیا، وہ ۱۰/ذی الحجہ کی رمی کے سلسلے میں تھا، اس کے بعد ۱۱، ۱۲/ذی الحجہ کے سلسلہ میں امام ابوحنیفہ کا مشہور اور احناف کا مفتی بہ قول یہ ہے کہ ان دونوں دنوں میں رمی کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے اور اگلے دن کی صبح صادق سے پہلے تک رہتا ہے اور دیگر تمام مسالک میں بھی ان دونوں دنوں میں رمی کا وقت زوال سے ہی شروع ہوتا ہے، اس صورت میں ۱۱/ذی الحجہ کو تو زیادہ پریشانی نہیں پیش آتی کہ اس دن سوائے رمی کے کوئی اور رکن ادا نہیں کرنا ہوتا؛ لیکن ۱۲/ذی الحجہ کو چوں کہ تقریباً تمام حاجی غروب سے پہلے منیٰ کی حدود سے باہر نکلنا چاہتے ہیں؛ اس لیے اس دن وقت کی قلت مسئلہ بنتی ہے، جس کے نتیجہ میں زبردست اژدحام ہو جاتا ہے اور پھر یہ اژدحام نہایت تکلیف دہ حادثات کا بھی سبب بنتا ہے، خیال رہے کہ اس طرح کے حادثات عام طور پر ۱۲/ذی الحجہ کو ہی ہوتے ہیں۔

علماء احناف کے لیے یہ امر قابل توجہ ہے کہ کیا ایسی صورت میں امام ابوحنیفہؒ کے ایک غیر مشہور اور غیر مفتی بہ قول پر فتویٰ دیا جا سکتا ہے، جس کے مطابق ان دونوں دنوں میں رمی کا وقت طلوع فجر سے شروع ہو جاتا ہے، ہمارے اہل علم واقف ہیں کہ ''ضرورت و حاجت'' کے وقت ماضی میں فقہا حنفیہ نے متعدد مسائل میں قول مرجوع و غیر مفتی بہ پر فتوی دیا ہے، اور جیسا کہ پیچھے کئی بار گزرا، یہاں ''ضرورت'' سیکڑوں ہزاروں مسلمانوں کی جانوں کی حفاظت ہے، جب کہ جن مسائل میں غیر مفتی بہ قول کو اختیار کر لیا گیا، اہل علم واقف ہیں کہ ان میں سے اکثر مسائل میں ''ضرورت'' اس سے کم درجہ کی ہے۔

اب تک جو کچھ لکھا گیا، اس کی روشنی میں دو سوال سامنے آتے ہیں:

(۱) کیا ۱۰/ذی الحجہ کی رمی کے سلسلہ میں شوافع اور حنابلہ کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے اس دن کی رمی کا آغاز نصف لیل سے ہونے پر فتویٰ دیا جا سکتا ہے۔

(۲) کیا خود امام ابوحنیفہؒ کے غیر مفتیٰ بہ قول پر فتویٰ دے کر ۱۱، ۱۲/ذی الحجہ کی رمی کے وقت کو طلوع فجر سے شروع مانا جا سکتا ہے؟

باسمه سبحانه تعالیٰ ، الجواب ـــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

ذی الحجہ کی دسویں تاریخ میں رمی کے ابتدا کی وقت کے متعلق حضرت امام شافعی وغیرہم کے دلائل کو بحث میں نہ لاتے ہوئے اصولی طور پر عرض ہے کہ دوسرے امام کے مسلک پر عمل کرنے کے لیے واقعی ضرورت کا پایا جانا شرط ہے اور چوں کہ حنفیہ اور جمہور علما کے مسلک میں دس تاریخ کو رمی کا وقت مکمل چوبیس گھنٹہ (دسویں کی صبح صادق سے

گیارہویں کی صبح صادق تک) ہے اوراس میں بھیڑ وغیرہ کے عذر سے وقت مکروہ میں رمی کرنے میں بھی حرج نہیں، نیز سالوں کا مشاہدہ یہ ہے کہ شام تک بھیڑ کافی حد تک چھٹ جاتی ہے اور رات میں تو میدان بالکل خالی نظر آتا ہے؛ اس لیے اس مسئلہ میں عدول عند المذہب کی نہ ضرورت ہے اور نہ اجازت ہے۔علاوہ ازیں حنفیہ کے نزدیک وقوف مزدلفہ کا واجب وقت دسویں تاریخ کو صبح صادق اور طلوع آفتاب کے درمیان ہے۔اب اگر آج کے دن صبح صادق سے قبل رمی کی اجازت دی جائے گی تو لازماً وقوف مزدلفہ کا واجب ترک ہو جائے گا۔حالاں کہ اس سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا ہے، لہٰذا مسئلہ میں تبدیلی کے بجائے حجاج کو صحیح تربیت دینے، انہیں شریعت میں پہلے سے موجود وقت کی وسعت سے آگاہ کرنے اور ذمہ دار رفقاء سفر کے ذریعہ ان پر عمل درآمد کرانے کی ضرورت ہے، بالخصوص حجاج کو جلد بازی سے بچنے کی تلقین کی جائے،اس کے بغیر سوال نامہ کی تمہید میں آپ نے جو حجاج کے جانی تحفظ کا مطالبہ پیش کیا ہے، وہ پورا نہ ہو سکے گا۔

قال فی الغنیة:أما الرمی فی الیوم الأول .فلأ دائمه وقت الجوازمن الفجر إلی الفجر ووقت مسنون من طلوع الشمس إلی الزوال،ووقت مباح من الزوال إلی الغروب،ووقت من طلوع الشمس وبعد الغروب،وإن كان بعد لا كراهة فيهما. (غنية الناسک، باب رمی الجمار: ۱۸۱،إدارة القرآن کراتشی)

۱۱،۱۲رذی الحجہ کو زوال سے قبل رمی کے جواز کے متعلق حضرت امام ابوحنیفہ کا قول انتہائی ضعیف اور غیر مفتیٰ بہ ہے، حتی کہ بعض علماء نے امام صاحبؒ کی طرف اس کی نسبت کو بھی غلط فہمی قرار دیا ہے، بایں ہمہ کسی بھی ضعیف قول پر عمل اور فتویٰ کے لیے شرعی ضرورت کا متحقق ہون ضروری ہے اور یہاں کوئی شرعی ضرورت متحقق نہیں ہے؛ اس لیے کہ زوال کے بعد سے اگلے دن کی صبح صادق تک اچھا خاصا لمبا وقت ملتا ہے اور عوام بلکہ بعض خواص میں جو یہ بات مشہور ہو گئی ہے کہ ۱۲رتاریخ کو غروب سے قبل منی سے نکلنا لازم ہے، ورنہ اگلے دن کی رمی واجب ہو جائے گی، یہ مفروضہ حنفی مسلک کی رو سے قطعاً غلط ہے۔مسئلہ یہ ہے کہ ۱۲رتاریخ کی رمی کا وقت تیرہویں کی صبح صادق تک باقی رہتا ہے اور عذر کی وجہ سے اس رات میں رمی بلا کراہت درست ہے؛ اس لیے اس غلط فہمی کو دور کرنے کی ضرورت ہے۔ہمارا بار بار کا مشاہدہ ہے کہ ۱۲رتاریخ کو غروب کے بعد جمرات میں بھیڑ بالکل چھٹ ضعیف ترین قول کو بنیاد بنا کر رمی کے وقت کو تبدیل کرنے کے بجائے پہلے ہی سے جو رخصت شریعت میں موجود ہے، اس پر عمل کی ترغیب دینی چاہیے۔

وأما وقت الجوازفی الیوم الثانی والثالث من أیام النحر،فمن الزوال إلٰی طلوع الفجرمن الغد،فلا یجوز قبل الزوال فی ظاهر الروایة ،وعلیه الجمهور من أصحاب المتون والشروح والفتاویٰ ،قال فی الفیض،وهو الصواب،آه.

وروی الحسن عن أبی حنیفة أنه لو أراد أن ینفرفی الیوم الثالث من أیام النحرله أن یرمی قبل الزوال،وإن رمی بعد ه فهوأفضل، وإنما لا یجوز قبل الزوال ممن لا یرید النفر،آه. خلاف ظاهر

الرواية ،وخلاف النص من فعله صلى الله عليه وسلم ،وفعل الصحابة بعده، قال في البدائع: وهذا باب لا يعرف بالقياس ؛ بل بالتوقيف،آه.

وقال في الفتح: لا يجوز فيهما قبل الزوال اتفاقاً لو جوب اتباع المنقول لعدم المعقولية،آه. (غنية الناسک،باب رمی الجمار: ۱۸۱، إدارة القرآن كراتشي)

وله النفر من منى قبل طلوع فجر الرابع. (الدرالمختار مع رد المحتار: ۵۴۳/۳،بدائع الصنائع: ۳۲۵/۲، انوار مناسک: ۴۸۸-۴۹۲ میں بھی اس مسئلہ کی تفصیل ہے۔) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۹/۸/۱۴۲۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۴۶۶/۷)

منی میں ۲۴ رگھنٹہ رمی کے بارے میں چسپاں کئے گئے اشتہارات کا کیا حکم ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حکومت کی طرف سے جگہ جگہ اشتہارات چسپاں کئے گئے ہیں، جن پر لکھا ہے کہ چوبیس گھنٹہ رمی کی جاسکتی ہے۔ مفتی بشیر احمد صاحب فرماتے ہیں کہ اس اعلان کی کوئی شرعی بنیاد نہیں ہے، یہاں پر بھی مجھ ناچیز کی یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے کہ وہاں کے ذمہ داران کے اعلانات اور احکامات کی پابندی ہم عام حاجیوں پر لازمی اور ضروری کیوں نہیں ہے؟

باسمه سبحانه تعالىٰ ، الجواب ــــــــــــــ وبالله التوفيق

پہلے دن یعنی یوم النحر (دسویں ذی الحجہ) میں فی الجملہ رمی کا وقت ۲۴ رگھنٹہ ہے؛ لیکن ۱۱، ۱۲ رتاریخ کو یہ وقت زوال سے شروع ہوتا ہے اور اگلے دن کی صبح صادق تک رہتا ہے؛ لہٰذا اِن دنوں میں ۲۴ گھنٹہ رمی کرنے کی بات بے دلیل ہے اور جن اعلانات کا آپ نے ذکر فرمایا ہے، یہ معلمین اپنے طور پر اپنی سہولت کے لیے چھاپتے رہتے ہیں؛ لیکن جب مسئلہ سعودی علماء اور وہاں کے دارالافتاء سے پوچھا جائے تو وہ یہی بتاتے ہیں کہ زوال کے بعد رمی کی جائے گی؛ اس لیے ان اعلانات کو سعودی حکومت کا اعلان سمجھنا صحیح نہیں اور اگر بالفرض یہ اعلان حکومت ہی کی طرف سے ہو، تب بھی حنفیہ کے لیے اس کی پابندی جائز نہیں؛ کیوں کہ ہمارے مسلک کے راجح قول میں ۱۱، ۱۲ رذی الحجہ کو زوال سے پہلے رمی کی اجازت نہیں، اگر کوئی حاجی زوال سے قبل رمی کرلے اور بعد میں وقت کے اندر نہ دہرائے تو اس پر ترک رمی کی وجہ سے دم لازم ہوگا، حجاج کو یہ مسئلہ اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے۔ (مستفاد: کتاب المسائل: ۳۴۹/۳، انوار مناسک: ۴۷۸-۴۷۹، ایضاح المناسک: ۱۵۱-۱۵۴)

عن جابر رضي الله عنه قال: رمى رسول الله صلى الله عليه وسلم الجمرة يوم النحر ضحى وأما بعد فإذا زالت الشمس. (الصحيح لمسلم،باب بيان وقت استحباب الرمی: ۴۲۰/۱، رقم: ۱۲۹۹، سنن أبي داؤد: ۲۷۱/۱،رقم: ۱۹۷۱،سنن الترمذی: ۱۷۹/۱،رقم: ۸۹۵)

عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما قال: كان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یرمی الجمار إذا زالت الشمس. (المصنف لابن أبی شیبة: ۴۸٦/۸،رقم: ۱۴۷۹۰)

أما الرمی فی الیوم الأول فلأدائه وقت الجواز من الفجر إلی الفجر ... وأما وقت الجواز فی الیوم الثانی والثالث من أیام النحر،فمن الزوال إلیٰ طلوع الفجر من الغد، فلا یجوز قبل الزوال اتفاقاً لوجوب اتباع المنقول لعدم المعقولیة والوقت المسنون فی الیومین من الزوال إلیٰ غروب الشمس ومن الغروب إلیٰ طلوع الفجر ووقت الفجر وقت مکروه،وإذا طلع الفجر فقد فات وقت الأداء عند الإمام،وبقی وقت القضاء إلی آخر أیام التشریق،فلو أخره عن وقت أدائه فعلیه القضاء والجزاء. (غنیة الناسک: ۱۸۱-۱۸۲، کراتشی، کذا فی البدائع الصنائع: ۳۲۴/۲، نعمییه دیوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۴۷۳/۷)

بارہویں کی رمی زوال سے پہلے جائز ہے، یا نہیں:

سوال: بارہویں کی رمی قبل از زوال ادا ہو جاتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

نہیں بارہویں کی رمی زوال سے پہلے جائز نہیں۔

بارہویں کو بعد مغرب طواف زیارت ہوسکتا ہے، یا نہیں:

سوال: طواف زیارت بارہویں تاریخ کو بعد مغرب ادا ہوسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

ادا ہو جائے گا، مگر دم واجب ہوگا، طواف زیارت کا وقت واجب بارہویں تاریخ کے غروب سے شمس سے پہلے تک ہے اور وقت صحت واداء اتمام عمر ہے۔ (غنیۃ ،ص:۹۵) (امداد الاحکام: ۱٦۰/۳)

بارہ تاریخ کو زوال سے قبل رمی کرنا اور بدون عذر رمی میں نیابت کا حکم:

سوال: زید رمی جمرات ثلاثہ بارہ تاریخ کی بکر، یا ہندہ، یا چند عورتوں کی طرف سے بحالت صحت وکالۃً کر لی اور رمی قبل زوال ہوئی، آیا یہ رمی صحیح ہوئی، یا نہیں؟ درصورت عدم صحت دم وغیرہ اس پر واجب ہے، یا کیا؟ اگر واجب ہے تو یہاں دے سکتا ہے، یا وہیں کسی سے کرا دیا جائے؟

الجواب

بارہ تاریخ کو زوال سے قبل رمی کرنا صحیح نہیں ہے اور رمی میں بدون عذر نیابت بھی جائز نہیں ہے؛ اس لیے نہ خود

زید کی رمی صحیح ہوئی اور نہ بکر و ہندہ وغیرہ کی اور سب پر دم واجب ہے؛ اس لیے ہر ایک کی طرف سے ایک ایک بکری حرم میں ذبح کرائی جاوے یہاں ذبح کرنا کافی نہیں ہے۔

قال فی الغنية: الناسک وأما وقت الجواز فی اليوم الثانی والثالث من أيام النحر فمن الزوال إلٰی طلوع الفجر من الغد فلا يجوز قبل الزوال فی ظاهر الرواية وعليه الجمهور من أصحاب المتون والشرح والفتاوی قال فی الفيض وهو الصواب. (ص:۹۷)

وفی (ص: ۱۰۰) السادس أن يرمی بنفسه فلا يجوز النيابة فيه عند القدرة و يجوز عند العذر وفی ص ۱۴۹) ولو ترک رمی الجمار الثلث فی يوم واحد أو يومين أو فی الأيام كلها فعليه دم واحد لاتحاد الجنس، آه.

وفی (ص: ۱۲۸) وحيث ما أطلق الدم فالمراد الشاة و تجزی فی كل موضع إلا إذا جامع بعد الوقوف بعرفة أو طاف للزيارة جنباً أو حائضاً أو نفساءً ففيهما تجب بدنة، الخ.

وفی (ص: ۱٤۰) الثامن من ذبحه فی الحرم فلو ذبح فی غيره لايجزيه عن الذبح.

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ، از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون، ۲۲ / جمادی الاخریٰ ۱۳۴۵ھ۔ (امدادالاحکام: ۱۶۳/۳)

علالت وکمزوری کی بنا پر رمی میں نائب بنانا:

سوال: زید نے حج کیا؛ لیکن اپنی کبرسنی، جسمانی کمزوری اور شدید علالت کی بنا پر خود رمی جمار نہیں کرسکا؛ بلکہ اس کی طرف سے نیابۃً دوسرے شخص نے رمی کیا اور ایسا اس لیے کیا کہ بے پناہ ہجوم کے باعث جان جانے کا خطرہ ہوتا ہے تو ایسی صورت میں رمی جمار ادا ہوگیا، یا نہیں؟ اور بصورت دم ادائیگی کیا دم واجب ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

حج میں رمی جمار واجب ہے۔ درمختار میں لکھا ہے:

(وواجبه) نيف وعشرون (وقوف جمع)... (ورمی الجمار). (۱)

اور جب واجبات حج میں سے اگر کسی واجب کو بغیر کسی عذر کے ترک کردیا جائے، تب تو دم لازم ہوتا ہے، لیکن اگر کسی عذر شرعی کی وجہ سے واجب ترک ہوجائے تو دم لازم نہیں ہوتا۔ شامی میں ہے:

(يستثنی من الاطلاق المارّ فی وجوب الجزاء ما فی اللباب، لو ترک شيئًا من الواجبات بعذر لا شئ عليه. (ردالمحتار: ۲۵/۳) (۲)

مذکورہ صورت میں کمزوری اور شدت علالت یہ عذر شرعی موجود ہے، اس عذر کی وجہ سے اگر زید کو جان جانے کا

(۱) الدرالمختار: ۲/ ۲۰۲

(۲) رد المحتار، باب الجنايات: ۲/ ۲۰۰

خطرہ تھا اور وہ خود رمی نہیں کر سکا؛ بلکہ کسی کو نائب بنا کر رمی کروالیا تو اس کا حج درست وصحیح ہوگیا اور اس پر دم بھی لازم نہیں۔ فقہا نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ اگر کسی کو نائب بنا کر رمی کرادیا جائے، دراں حالیکہ حج کرنے والے کو کوئی عذر ہو تو یہ جائز و درست ہے، چناں چہ مبسوط میں ہے:

"والمريض الذى لايستطيع رمى الجمار يوضع الحصى فى كفه حتٰى يرمى به؛ لأنه فيما يعجز عنه يستعين بغيره وإن رمى عنه أجزأه بمنزلة المغمٰى عليه فإن النيابة تجرى فى النسك كما فى الذبح". (المبسوط: ٤/ ٦٩) (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری، ۱۴۰۳/۵/۵ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۴۲/۳)

کمزور عورتوں، یا بیمار کے لیے رمی جمرات کا ترک کرنا، یا وکیل مقرر کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ عورتوں کے لیے ازدحام کی وجہ سے رمی جمرات چھوڑنا جائز ہے، یا نہیں؟ نیز بیمار آدمی، یا عورتیں رمی کے لیے وکیل مقرر کرسکتا ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: رشید گل، سعودیہ عربیہ، ۱۹۸۴/۶/۱۹ء)

الجواب

کمزور لوگ اور زنانہ رات کے وقت رمی جمرات کر سکتے ہیں تا طلوع فجر، ان پر نہ دم واجب ہے اور نہ کوئی کراہیت لازم ہوتی ہے۔ (مناسک ملاعلی قاری: ۱۸۵) (۲) اور جب عورت کے لیے ازدحام کے خوف کی وجہ سے رمی جمرات کا ترک کرنا جائز ہے اور ان پر دم لازم نہیں ہوتا ہے۔ (کمافی ردالمحتار: ۲/۲۱۵) (۳) تو توکیل بطریق اولیٰ جائز ہوگا اور بیمار کے لیے بھی توکیل جائز ہے، جبکہ خود رمی پر قدرت نہیں رکھتا ہو۔ (ہندیہ: ۱/۲۳۶) (۴) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۴۷/۴)

---

(۱) المبسوط للسرخسى، باب رمى الجمار: ٤/ ٦٩

(۲) قال الملا على قارى: ووقت الكراهة مع الجواز من الغروب الى طلوع الفجر الثانى من غده ولو اخره الى الليل كره الا فى حق النساء وكذا حكم الضعفاء ولا يلزمه شيىء اى من الكفارة لكن يلزمه الاساءة لتركه السنة وان كان بعذر لم يكره اى تأخيره ولو اخره اى رمى اليوم الى الغد لزمه الدم والقضاء اى فى ايامه.(ارشاد السارى: ١٨٥، قبيل فصل فى وقت الرمى فى اليومين)

(۳) قال العلامة ابن عابدين: (قوله كزحمة) عبارة اللباب الا اذا كان لعلة او ضعف او يكون امرأة تخاف الزحام فلا شيء عليه... قلت وهو شامل لخوف الزحمة عند الرمى فمقتضاه انه لو دفع ليلا ليرمى قبل دفع الناس وزحمتهم لا شيء عليه...فالاولىٰ تقييد خوف الزحمة بالمرأة ويحمل اطلاق المحيط عليه لكون ذلك عذرًا ظاهرا فى حقها يسقط به الواجب بخلاف الرجل او يحمل على ما اذا خاف الزحمة لنحو مرض ولذا قال فى السراج الا اذا كانت به علة أومرض أو ضعف فخاف الزحام فدفع ليلا فلا شيء عليه.(ردالمحتار هامش الدرالمختار: ٢/ ٣٩١، مطلب فى الوقوف بمزدلفة)

(۴) وفى الهندية: مريض لا يستطيع الرمى توضع الحصاة فى كفه ليرمى به او يرمى عنه غيره بامره كذا فى محيط السرخسى فى صفة الرامى.(الفتاوىٰ الهندية: ١/ ٢٣٦، فصل فى المتفرقات)

گونگا کس طرح تلبیہ پڑھے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ جس شخص کو بولنے پر قدرت نہ ہو یا وہ قدرتی طور پر بے زبان اور گونگا ہو تو وہ شخص تلبیہ کس طرح پڑھے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

گونگے کے لیے تلبیہ کے وقت زبان ہلانا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ صرف مستحب ہے۔

والأخرس يلزمه تحريك لسانه، وقيل: لا بل يستحب ومال شارحه إلى الثاني ؛ لأن الإصح أنه لا يلزمه التحريك في القراء ة للصلاة ،فهٰذا أولٰى؛لأن الحج أوسع؛ولأن القرا ء ة فرض قطعي عليه بخلاف التلبية. (ردالمحتار، كتاب الحج: ٤٩٠/٣،زكريا) **فقط والله تعالىٰ أعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۳/۳/۱۴۳۶ھ۔ (کتاب النوازل: ۴۳۳/۷)

ذبح حلق کے بعد ہے، یا قبل:

سوال: ذبح بعد حلق کے کرے، یا پیش؟

الجواب ــــــــــــــــ

في الدرالمختار: (ثم) بعد الرمي (ذبح إن شاء)...(ثم قصر).

في رد المختار: أي أو حلق. (٢٩٤/٢)(١)

اس سے یہ ترتیب معلوم ہوئی اول رمی، پھر ذبح، پھر حلق۔

۷/شعبان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولی: ۷۰) (امداد الفتاویٰ: ۱۶۳/۲)

ایامِ معلومات کی تشریح:

سوال: "**وقد روى ابن أبي شيبة من وجه آخر عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: أن المعلومات يوم النحر وثلٰثة أيام بعده ورجح الطحاوي هٰذا لقوله تعالىٰ: ﴿يشهدوا منافعهم ويذكروا اسم الله في أيام معلومات علىٰ ما رزقهم﴾** (سورةالحج: ٢٨)(فتح الباري: ٢٦٦/٢) ابن ابی شیبہ کی مکمل سند مطلوب ہے، پوری سند تحریر فرما دیں؟

امام طحاوی کا بیان طحاوی میں نہیں ملتا، امام طحاوی نے جو چار دن کی قربانی کو قرآن کی آیت سے ترجیح فرمائی ہے، یہ بیان امام طحاوی کی کون سی کتاب میں ہے، اس کتاب کا نام وصفحہ تحریر فرمائیں؟

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، مطلب في رمي جمرة العقبة: ٥١٥/٢، دارالفكر بيروت، انيس

(۲) فتح الباري لابن حجر، قوله: باب فضل العمل في أيام التشريق: ٤٥٨/٢، دارالمعرفة بيروت، انيس

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

یہاں مصنف ابن ابی شیبہ کا مکمل نسخہ موجود نہیں، نہ مطبوعہ، نہ قلمی، جس قدر ہے، اس میں یہ روایت موجود نہیں، (۱) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام طحاوی رحمۃ اللہ کی کون سی کتاب سے یہ روایت لی، معلوم نہیں ہوسکا، تلاش سے بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ اغلب یہ ہے کہ اس میں کسی کو خلط ہوا، وہ اس طرح کہ ''أیام معلومات'' کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں: ایک قول یہ بھی ہے: ''یوم النحر وثلٰثة أیام بعده'' اس سے ذہن اس طرح چلا گیا کہ یہی ایامِ ذبح بھی ہیں۔

حافظ ابوبکر جصاص رازیؒ نے أحکام القرآن: ۳/۲۸۷ میں لکھا ہے:

''فروی عن علی وابن عمر رضی اللّٰہ عنهم: أن المعلومات یوم النحر ویومان بعده، واذبحُ فی أیها شئت. قال ابن عمر رضی اللّٰہ عنهما: المعلومات أیام النحر، والمعدودات أیام التشریق، وذکر الطحاوی عن شیخه أحمد ابن أبی عمران عن بشر بن ولید والکندی القاضی قال: کتاب أبو العباس الطوسی إلٰی أبی یوسف یسئله عن أیام المعلومات، فأملی علٰی أبی یوسف جواب کتابه: اختلف أصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فیها، فروی عن علی وابن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنهم أنها أیام النحر، وإلٰی ذلک أذهب؛ لأنه قال: ﴿علی ما رزقهم من بهیمة الأنعام﴾ وذلک فی أیام النحر، وعن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالٰی عنهما والحسن وابراهیم رحمهما اللّٰہ تعالٰی أن المعلومات أیام العشر، والمعدودات أیام التشریق، روری معمر عن قتادة مثل ذلک. وروی ابن أبی لیلٰی عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالٰی عنهما فی قوله تعالٰی: ﴿واذکروا للّٰہ فی أیام معلومات﴾ یوم النحر وثلثة أیام بعده. وذکر أبو الحسن الکرخی أن أحمد القاری روی عن محمد عن أبی حنیفة أن المعلومات العشر. وعن محمد أنها أیام النحر الثلثة: یوم الأضحی ویومان بعده، آه''. (۲)

علاوہ ازیں اور بھی بعض امور ایسے ہیں، جن کو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا ہے؛ مگر وہ تصانیفِ طحاوی میں موجود نہیں؛ بلکہ اس کے برعکس موجود ہے، غالباً کسی دوسرے نے لکھا ہے، اس کے اتباع میں حافظ نے بلا تحقیق کے نقل کردیا ہے۔

ایامِ ذبح کی تعداد میں متعدد اقوال ہیں:

---

(۱) قد تتبعت فلم أجده فی مصنف ابن أبی شیبة؛ لکن رواه العلامة ابن حزم فی محلاه فقال: ''روینا من طریق محمد بن المثنی، نا عبید اللّٰہ بن موسٰی، نا ابن أبی لیلی عن الحکم ابن عتیبة عن مقسم عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالٰی عنهما قال: ''الأیام المعلومات یوم النحر، وثلاثة أیام بعده''. (المحلی بالآثار، کتاب الأضاحی، مسألة: ۹۸۲/اختلاف العلماء فی تحدید وقت الأضحیة ونهایة: ۶/۴۱، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(۲) أحکام القرآن، للجصاص، باب الأیام المعلومات: ۳/۳۴۵، قدیمی

ایک قول یہ بھی ہے: ”یوم النحر ثلثة أيام بعده“ اس کے استدلال میں جبیر بن مطعم کی روایت پیش کی جاتی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

”إن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم قال: ”كل فجاج منٰی منحر، فی كل أيام التشريق ذبح“.

مگر حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کو عبدالرحمٰن بن ابی حسین روایت کرتے ہیں اور بزار نے اپنی مسند میں لکھا ہے:

”لم يلق ابن أبی حسين جبير ابن مطعم فيكون منقطعاً“.

اسی روایت کو سلیمان بن موسی نے جبیر بن مطعم سے نقل کیا ہے، مگر بیہقی نے لکھا ہے:

”سليمان بن موسی لم يدرک جبير بن مطعم، فيكون مقطعاً“.

ابن عدی نے کامل میں دوسری سند سے لیا ہے:

”عن معاوية بن يحی المندفی عن الزهری عن ابن المسيب عن أبی سعيد الخدری رضی اللّٰه تعالٰی عنه عن النبی صلی اللّٰه تعالٰی عليه وسلم قال: ”أيام التشريق كلها ذبح“.

مگر نسائی، ابن معین، علی ابن المدینی نے معاویۃ بن یحی کی تضعیف کی ہے، حتی کہ ابن ابی حاتم نے ”کتاب العلل“ میں فرمایا ہے: ”قال أبی: هٰذا حديث موضوع بهٰذا الإسناد“. یہ سب بحث عینی: ۱۰/۶۳۳ میں ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۳۵۱-۳۵۳)

یوم القر کی تشریح:

سوال: ”إن أعظم الأيام عند اللّٰه يوم النحر، ثم يوم القر“. (مشكاة المصابيح، ص: ۲۳۲) جب کہ قربانی کے تین دن ہیں تو لفظ ”یوم القر“ کا کیا مطلب ہے؟ کیا حاجیوں کے لیے قربانی کے تین دن نہیں ہیں؟ اگر ہیں تو لفظ ”یوم القر“ کیوں فرمایا؟ اس حدیث سے تو صاف یہ بیان ظاہر ہوتا ہے کہ قربانی کرنے کا صرف ایک ہی دن ہے، دوسرا دن آرام کرنے کا ہے۔

---

(۱) العبارة المذكورة بأسرها: ”ورواه البزاز فی مسنده، وقال: ابن أبی حسين لم يلق جبير بن مطعم فيكون منقطعاً؛ لأنه يرجحه فإن قلنا: أخرجه أحمد أيضاً والبيهقی عن سليمان بن موسٰی عن جبيربن مطعم عن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم قلت قال البيهقی سلمان بن موسٰی لم يدرک جبير بن مطعم، فيكون منقطعاً، فإن قلت: أخرج ابن عدی فی الكامل عن معاوية بن يحیٰ المندفی عن الزهری عن ابن المسيب رضی اللّٰه عنه عن أبی سعيد الخدری رضی اللّٰه تعالٰی عنه عن النبی صلی اللّٰه تعالٰی عليه وسلم قال: ”أيام التشريق كلها ذبح“. (قلت: معاوية بن يحی ضعفه النسائی وابن معين وعلی ابن المدينی، وقال ابن أبی حاتم فی كتاب العلل: فإن هٰذا حديث موضوع بهٰذا الأسناد“. (البناية فی شرح الهداية للعينی، باب الأضحية: ۸۱/۳۰، ۳۱، رشيدية)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

"إن أعظم الأيام عند الله يوم النحر،ثم يوم القر". (۱)

اس میں تو حصر نہیں ہے کہ قربانی صرف ایک روز ہی ہوسکتی ہے،اس کے بعد درست نہیں۔"یوم القر"کو یوم القر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ:

قال ابن المنظور الأفريقي في لسان العرب (٣٩٦/٦):"ويوم القر اليوم الذي يلي عيد النحر؛ لأن الناس يقرون في منازلهم.وقيل:لأنهم يقرون بمنٰى عن كراع:أي يسكونون ويقيمون ... وقال أبو عبيد:أراد بيوم القر الغد من يوم النحر،وهو حادي عشر ذي الحجة،سمي يوم القر؛لأن أهل الموسم يوم التروية ويوم عرفة ويوم النحر في تعب من الحج، فإذا كان الغد من يوم النحر قروا بمنٰى،فسمٰى يوم القر،آه". (۲)

مجمع البحار (١٣١/٢) میں علامہ پٹنی نے لکھا ہے:

"أفضل الأيام يوم النحر،ثم يوم القر وهو حادي عشر ذي الحجة؛لأنهم يقرون فيه بمنى:أي يسكنون ويقيمون،آه". (۳)

ایسا ہی تقریبا تاج العروس فی شرح القاموس: ۳۸۷/۳،(۴)شروح مشکوٰۃ: مرقاۃ: ۲۳۷/۳، لمعات،(۵) طیبی:۴۳۴/۳(۶) میں بھی یہی وجہ تسمیہ لکھی ہے۔

(يوم القر) بفتح القاف وتشديد الراء:أي يوم القرار، بخلاف ما قبله وما بعده من حيث الانتشار،وقال بعض الشراح:و هو اليوم الأول من أيام التشريق،سمٰى بذلك؛لأن الناس يقرون يومئذٍ في منازلهم بمنٰى،ولاينفرون عنه بخلاف اليومين الأخيرين،آه". (۷)

وجۂ تسمیہ سے دور کا بھی اشارہ نہیں ملتا کہ قربانی کا صرف ایک دن ہے۔

---

(۱) مشكوة المصابيح،باب الهدى،الفصل الثاني،ص:٢٣٢،قديمي

(۲) لسان العرب: ٨٢/٥،دارصادر،بيروت

(۳) مجمع بحارالأنوار: ٢٤٥/٤،مجلس دائرة المعارف العثمانية حيدر آباد الدكن الهند

(۴) وفي الحديث:"أفضل الأيام عند الله يوم النحر،ثم (يوم القرا).وهوالذي يلي يوم النحر؛لأنهم يقرون فيه بمنٰى عن كراع.وقال غيره:لأنهم يقرون في منازلهم.وقال أبوعبيد:وهو حادي عشر ذي الحجة، سمي به؛لأن أهل الموسم يوم التروية ويوم عرفة ويوم النحر في تعب من الحج،فإذا كان الغد من يوم النحرقروا بمنى، فسمي يوم القر".(تاج العروس في جواهرالقاموس:٣٩٤/١٣،دارإحياء التراث العربي بيروت

(۵) أشعة اللمعات،كتاب المناسك،باب الهدى،الفصل الثاني:٣٥٦/٢، مکتبۂ نوریہ رضویہ سکھر

(۶) شرح الطيبي،باب الهدى:٣٠٦/٥،ادارةالقرآن والعلوم الإسلامية،كراتشي

(۷) مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح،باب الهدى:٥٣٠/٥،رشيدية

یوم الترویہ میں مکہ معظّمہ سے چل کر منیٰ پہنچے، یوم عرفہ میں منیٰ سے چل کر عرفات گئے، بعد غروب وہاں سے چل کر مزدلفہ آئے، شب میں ٹھہر کر یوم النحر میں منیٰ آئے، وہاں رمی جمرۂ عقبہ، اضحیہ، حلق سے فارغ ہوکر مکہ مکرمہ آئے، طواف زیارت اور سعی کرکے جب ہی اسی روز منیٰ پہنچ گئے، یہ تین روز مسلسل چلنا پھرنا ہوا، درمیان میں کوئی دن قرار کا نہیں ملا، ۱۱ کو منیٰ میں قرار پکڑا کہ نہ مکہ مکرمہ جانا ہے، نہ مزدلفہ میں، نہ عرفات میں؛ اس لیے یہ دن یوم القر ہے۔ امام طحاویؒ نے حدیث روایت کی ہے:

”بسنده: عن عبد الله بن قُرط رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ”أحب الأیام إلی الله عزوجل یوم النحر، ثم یوم القر“. فقدمت إلیٰ رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه و سلم بدنات خمساً أوستاً، فطفقن یزدلفن إلیه فلما وجبت جنوبها، قال: کلمة خفیة لم أفقهها، فقلت للذی کان إلیٰ جنبی: ما قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم؟ قال: قال: ”من شاء اقتطع، آه“. (مشکل الآثار: ۱۳۲/۲)(۱)

ابوداؤد شریف میں بھی بتغیر بعض الالفاظ مذکور ہے۔ (۲) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قربانی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم القر میں فرمائی ہے۔ سیوطیؒ نے اس کو جن الفاظ میں نقل کیا ہے، ان میں زیادہ وضاحت ہے:

”أخرج الطبرانی وأبونعیم والحاکم وصححه عن عبد الله بن قرط قال: قدم رسول الله صلی الله علیه وسلم فی یوم القر بدنات خمس أوست، فطفقن یزدلفن إلیه، بأیتهن یبدأ، آه“. (۳)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۳۵۳/۱۰-۳۵۶) ☆

---

(۱) شرح مشکل الآثار، باب بیان مشکل ماروی عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من قوله: ”من انتهب فلیس منا“. (رقم الحدیث: ۱۳۱۹): ۳۶۰/۳، مؤسسة الرسالة بیروت

(۲) عن عبد الله بن قرط رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: قال: ”أن أعظم الأیام عند الله یوم النحر، ثم یوم القر“. (وهو الیوم الثانی، قال: وقرب لرسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بدنات خمس أوست، فطفقن یزدلفن الیه بأیتهن یبدأ، فلما وجبت جنوبها، فتکلم بکلمة خفیة لم أفهمها فقلت: ما قال؟ قال: ”من شاء اقتطع“. (سنن أبی دائود، باب الهدی إذا عطب قبل أن یبلغ: ۲۴۵/۱، دارالحدیث ملتان)

(۳) الخصائص الکبریٰ، باب ما وقع فی حجة الوداع من الآیات والمعجزات: ۶۶/۲، المکتبة الحقانیة، پشاور

☆ چہل مسائل حج:

مسائل حج سے متعلق مختلف قسم کی کتابیں لکھی گئی ہیں، پشتو زبان میں حضرت مفتی صاحب کا لکھا ہوا رسالہ (مسائل حج) بھی ضروری اور اہم مسائل پر مشتمل ہے جس میں حج اور عمرے کے وہ مسائل ذکر کئے گئے ہیں، جو بہت ضروری ہیں اور عوام ان میں اکثر غلطیاں کرتے ہیں، اس رسالہ سے چند اہم اور ضروری مسائل برائے افادہ عام شامل فتاویٰ کئے جا رہے ہیں۔ (از مرتب)

مسئلہ: (۱) احرام: حج یا عمرے کی نیت کو کہا جاتا ہے، جس کے بعد تلبیہ پڑھی جائے، عوام چادروں کو احرام کہتے ہیں، یہ غلط ہے چادروں کو احرام کی چادریں کہتے ہیں۔ (معتبرات فقہ)

==

== مسئلہ: (۲) اضطباع: اس کو کہتے ہیں کہ طواف کے وقت ساتوں چکر میں دایاں ہاتھ اور کندھا کھلا رکھے۔

مسئلہ: (۳) رمل: اس عمل کو کہتے ہیں کہ طواف کے اول تینوں چکر میں اکڑ کر شانہ ہلاتے ہوئے قریب قریب قدم رکھ کر ذرا تیزی سے چلے؛ لیکن دوڑے نہیں۔

مسئلہ: (۴) ہدی: اس دنبے، بکری، گائے، بھینس اور اونٹ کو کہا جاتا ہے، جو منی اور حرم میں ذبح کئے جاتے ہیں اور اس میں قربانی کی شرائط موجود ہوں۔

مسئلہ: (۵) جنایت: احرام، یا حرم کی بے حرمتی کو کہا جاتا ہے۔

مسئلہ: (۶) جزا اور کفارہ جنایت کی سزا کو کہتے ہیں۔

مسئلہ: (۷) دم: دنبے وغیرہ کے ذبح کو کہا جاتا ہے۔

مسئلہ: (۸) صدقہ: مقدار فطرانہ غلہ وغیرہ خیراتی دینے کو کہا جاتا ہے۔

مسئلہ: (۹) زمین حرم: مکہ معظّمہ کی زمین اور مکہ معظّمہ کی چاروں طرف ایک معلوم زمین کو کہا جاتا ہے۔

مسئلہ: (۱۰) زمین حل: زمین حرم سے باہر میقات تک زمین کو کہا جاتا ہے۔

مسئلہ: (۱۱) میقات: اس مقام کو کہا جاتا ہے، جس سے حج، یا عمرے کا احرام باندھا جاتا ہے۔ (معتبرات فقہ)

مسئلہ: (۱۲) آفاق: میقات سے باہر زمین کو کہا جاتا ہے۔

مسئلہ: (۱۳) اگر ایک متمتع عمرہ ادا کرے اور پھر مکہ میں رہ جائے تو یہ متمتع اس عمرہ اور حج کے درمیان میں عمرے کر سکتا ہے اور اس پر دم لازم نہیں ہوتا۔ (ارشاد الساری، منحۃ الخالق وغیرہ)

مسئلہ: (۱۴) رمضان میں عمرہ مستحب ہے اور اس عمرہ کا ثواب حجۃ الوداع کے برابر ہے۔ (ابوداؤد وغیرہ)

مسئلہ: (۱۵) جس کے پاس اتنا مال ہو کہ اس کی حیثیت سے مناسب اس کے کرایہ، نفقہ اور اس کے اہل وعیال کے نفقہ کے لیے واپسی تک کافی ہو تو اس پر حج فرض ہے۔ (شامی)

مسئلہ: (۱۶) جس پر قرض ہو جیسے مہر وغیرہ، اس قرض کی مقدار کے علاوہ اگر سابق مقدار مال اس کے پاس ہو اس پر حج فرض ہے ورنہ نہیں ہے۔ (شامی)

مسئلہ: (۱۷) اگر کسی تاجر کا ذریعہ معاش تجارت ہو، اس پر حج اس وقت فرض ہو جاتا ہے کہ کرایہ اور نفقہ کے علاوہ اس کے پاس اتنا سرمایہ باقی رہ جاتا ہو کہ اس پر تجارت کا کاروبار چل سکتا ہو۔ (ہندیہ)

مسئلہ: (۱۸) جس کے پاس اتنا مال ہو کہ حج کے لیے کافی ہو؛ لیکن مدینہ منورہ جانے اور تبرکات وغیرہ کی گنجائش نہ رکھتا ہو اس پر حج فرض ہے۔ (قواعد فقہ)

مسئلہ: (۱۹) اگر کسی کے پاس مال ہو؛ لیکن مکان نہ ہو تو اس نے اگر قافلوں کی روانگی سے قبل، یا شوال شروع ہونے سے قبل مکان نہیں خریدا، اس پر حج فرض ہوا۔ (ہندیہ)

مسئلہ: (۲۰) اگر فقیر آدمی تکلیف برداشت کرے اور میقات تک اپنا آپ پہنچا دے اور حج کی نیت کرے، یا فرض حج کی نیت کرے اس کا ذمہ فریضہ حج سے فارغ ہوا، اگر اس کے بعد غنی ہو جائے، اس پر دوبارہ حج فرض نہیں اور اگر یہ فقیر میقات میں نفلی حج کی نیت کرے تو یہ نفل حج ہوا اور فرض حج پھر ادا کرے گا۔ (شرح لباب) ==

== مسئلہ: (۲۱) اگر عورت شوہر، یا محرم کے بغیر سفر حج اختیار کرے، حج ادا ہوا؛ لیکن یہ سفر گناہ کا سفر ہے، اگرچہ بندرگاہ، یا ائیر پورٹ پر محرم یا شوہر کھڑا ہو۔

مسئلہ: (۲۲) محرم ہر اس آدمی کو کہا جاتا ہے، جس کے ساتھ نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہو، البتہ اس زمانہ فسق میں رضاعی بھائی، دیوث و بے غیرت شوہر اور جوان سال ساس کا داماد کے ساتھ ہر سفر پر جانا جائز نہیں ہے۔ (شامی)

مسئلہ: (۲۳) حاجیوں کے ساتھ جلب کرنا کارثواب ہے، اگر ثواب، یا اکرام، یا امداد کے ارادہ سے ہو اور اگر ریا، فخر، یا حاجیوں کے تقرب حاصل کرنے کے لیے ہو تو کار عذاب ہے، اسی طرح حاجیوں کا استقبال اگر دعا کرانے، یا اکرام یا امداد کے لیے ہو، کارثواب ہے اور اگر دیگر اغراض کے لیے ہو تو رسم قبیح اور کار عذاب ہے۔ (قواعد شرع)

مسئلہ: (۲۴) صلوٰۃ احرام کے وقت کندھوں اور سر کو چھپائے گا۔ (شرح لباب، قواعد فقہ)

مسئلہ: (۲۵) صلوٰۃ احرام کے بعد متصل نیت کرنا، یا تلبیہ پڑھنا نہ فرض ہے نہ شرط ہے، لہٰذا اگر موسم کے خرابی کی وجہ سے اگر کوئی آدمی صلوٰۃ احرام ائیر پورٹ میں ادا کرے اور نیت و تلبیہ جہاز کی باقاعدہ روانگی کے بعد کرے تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔ (قواعد فقہ)

مسئلہ: (۲۶) جو لوگ حج تمتع کا ارادہ رکھتے ہیں جیسے پاکستانی حاجی اور عمرہ کا احرام کرے، اس کے لیے اور اسی طرح دیگر محرموں کے لیے طواف سے پہلے اضطباع کرنا خلاف سنت ہے۔ (شرح لباب)

مسئلہ: (۲۷) جب مکہ معظّمہ پہنچ جائے اسے اجازت ہے کہ پہلے سامان وغیرہ مناسب جگہ پہنچا دے اور اس کے بعد طواف یا عمرہ ادا کرے۔ (شرح لباب)

مسئلہ: (۲۸) نیت طواف کرنے کے بعد حجر اسود کی طرف جائے اور منہ اور دونوں ہتھیلیاں اور پیشانی حجر اسود پر رکھ دے اور تین بار بوسہ لے اور چپ چپ کی آواز نہ آنے پائے۔

مسئلہ: (۲۹) چوں کہ حجر اسود پر خوشبو وغیرہ ہوتی ہے؛ اس لیے محرم کے لیے احتیاط یہ ہے کہ اس کو بوسہ نہ دے۔ (قواعد فقہ)

مسئلہ: (۳۰) جب رکن یمانی کو پہنچ جائے تو دونوں ہاتھ یا صرف ایک ہاتھ اس پر رکھے گا، نہ اس کا بوسہ لے گا اور نہ اس پر پیشانی رکھے گا، البتہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک رکن یمانی کا بوسہ لینا سنت ہے اور اگر ہاتھ رکھنا مشکل ہو تو اشارہ نہیں کرنا چاہیے، بغیر اشارہ کے چلا جائے۔

مسئلہ: (۳۱) اگر ازدحام کی وجہ سے رمل نہ ہوسکتا ہو تو طواف کو مؤخر کرے اور اگر ازدحام کم ہونے کی امید نہ ہو طواف شروع کرے اور اول تین چکر کے دوران میں اگر موقع پالے رمل کرے۔ (شامی)

مسئلہ: (۳۲) خانہ کعبہ کو دیکھنا عبادت ہے؛ لیکن طواف کے دوران میں خانہ کعبہ کو نہیں دیکھا جائے گا۔ (غنیۃ، ایضاح نووی)

مسئلہ: (۳۳) اگر طواف کرنے والا نمازیوں کے سامنے چلتا ہے تو جائز ہے۔ (شامی)

مسئلہ: (۳۴) اگر کسی نے ناپاک کپڑوں میں طواف کیا یہ مکروہ ہے؛ لیکن اس پر نہ دم واجب ہے اور نہ صدقہ، خواہ یہ طواف فرض ہو یا واجب یا سنت یا نفل اور خواہ تھوڑی جگہ ناپاک ہو، یا سب کپڑے۔ (شرح لباب)

مسئلہ: (۳۵) صلوٰۃ طواف مسجد حرام، زمین حرم اور زمین حل وغیرہ میں ہر جگہ جائز ہے، البتہ افضل یہ ہے کہ مقام ابراہیم کے پیچھے ہو، یا میزاب رحمت کے نیچے ہو۔ (شامی)

مسئلہ: (۳۶) اگر کسی نے زیادہ طواف کئے اور آخر میں ہر طواف کے لیے دو دو رکعت نماز ادا کرے تو ذمہ فارغ ہوا، اگرچہ یہ طریقہ مکروہ ہے۔ (شامی، شرح لباب) ==

بدرجہ مجبوری خواتین کے لیے بحالت حیض طواف زیارت کا حکم:

سوال (۱) حیض کی وجہ سے عورت طوافِ زیارت نہیں کرسکی، یہاں تک کہ جہاز کے چلنے کا وقت آ گیا اور وہ ابھی تک پاک نہیں ہوئی، دور دراز مسافت اور قلتِ نفقہ وغیرہ کے سبب مکہ مکرمہ میں لوٹ کر آنا ممکن نہیں، یا بہت متعذر ہے اور ظاہر ہے کہ اس رکن کے ترک سے حج نامکمل رہتا ہے، یہاں تک کہ فقہاء حضرات نے لکھا ہے کہ واپس آ کر طواف کرنا ہی پڑے گا۔

یہ مسئلہ کثیر الوقوع ہے اور آج کے حالات سفر میں ملکی قوانین کی رو سے اور زیادہ مشکل ہو گیا ہے، چوں کہ متعین تاریخ پر جہاز کی روانگی ہے اور اس کے بعد کوئی دوسرا جہاز نہیں مل سکتا۔

نیز ویزا بھی نہیں مل سکتا؛ تا کہ قیام میں ذرا تاخیر ہو اور پھر واپس آنا بھی مشکل ہے، بہت سے لوگوں کو دوبارہ سفر نصیب نہیں ہوتا اور اگر ہوتا بھی ہے تو چند مہینہ یا چند سال کے بعد اتنی دراز مدت کے لیے الگ رہنا طوافِ رکن ادا نہ کرنے کی وجہ سے دشوار ہے، مسئلہ ہٰذا کے متعلق چند فقہی عبارات پیش کی جاتی ہیں:

(۱) ”في الشامي: نقل بعض المحشين عن مسلک ابن أمير حاج: لوهم الركب على القفول ولم تطهر فاستفتت هل تطوف أم لا؟ قالوا: يقال لها: لايحل لک دخول المسجد، وإن دخلت وطفت أتممت وصح طوافک، فعليک ذبح بدنة وهٰذه المسئلة كثير الوقوع يتحير فيها النساء“. (۱)

(۲) ”في المبسوط السرخسي: وإن كان طاف للزيارة جنباً حتٰى رجع إلٰى أهله فإنه يعود

== مسئلہ: (۳۷) آب زمزم سے تبرکاً چار اندام اور غسل کیا جا سکتا ہے، البتہ اس کے ساتھ استنجا، بے وضو کا وضو کرنا، غسل جنابت اور غلاظت دھونا مکروہ ہے۔ (شرح لباب) چوں کہ مسجد میں وضو اور غسل کرنا مکروہ ہے؛ اس لیے آب زمزم کے ساتھ مسجد سے باہر پاک جگہ میں وضو اور غسل کیا جائے گا۔ (بحر، شامی)

مسئلہ: (۳۸) آب زمزم کا کھڑے ہو کر پینا بلا کراہت جائز ہے اور ایسا نہیں ہے کہ اس کا کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے۔ (شامی)

مسئلہ: (۳۹) اگر کسی نے ایک چوتھائی سے کم سر مونڈایا، یا کترایا یہا حرام سے نہیں نکلا ہے، اگر کپڑے پہن لے، یا خوشبو استعمال کرے، اس پر دم یا صدقہ لازم ہو جاتا ہے۔ (شامی وغیرہ)

مسئلہ: (۴۰) جس نے فرض حج نہیں کیا ہو، اس کے لیے افضل یہ ہے کہ پہلے حج ادا کرے اور حج کے بعد زیارت روضہ مطہرہ کے لیے جائے اور اگر یہ حج نفلی ہو اس کو اختیار ہے کہ پہلے زیارت کے لیے مدینہ منورہ جائے، یا پہلے حج ادا کرے اور جس حاجی کا راستہ مدینہ منورہ سے ہو، وہ پہلے زیارت روضہ مطہرہ کرے۔ (شرح لباب)

مدینہ منورہ میں حجرۂ شریفہ کو بوسہ دینا، ہاتھ رکھنا، لپٹنا، سجدہ کرنا، جھکنا اور زمین بوسی وغیرہ سب ناجائز ہیں۔ (شرح لباب) (فتاویٰ فریدیہ: ۲۵۴/۴-۲۵۸)

(۱) رد المحتار، كتاب الحج: ۲/ ۱۸۴

إلٰی مکة لیطوف طواف الزیارة وإن لم یرجع إلٰی مکة فعلیه بدنة لطواف الزیارة وعلي الحائض مثل ذالک، ولیس علیها لترک الصدر شيء،الخ". (۱)

(۳) "في البحر الرائق:بعد قول الکنز:طاف للرکن محدثابدنة لوجنباً ویعید والإعادة هي الأصل مادام بمکة وأما إذا رجع إلٰی أهله ففی الحدث الأصغراتفقوا إن بعث الشاة أفضل من الرجوع ،واختلفوا في الحدث الأکبرفاختارفي الهدایة أن العود إلی الإعادة أفضل واختار في المحیط إن بعث الدم أفضل". (۲)

(۴) "في الهدایة: وإن لم یعد وبعث بدنة أجزأه لمابینا أنه جابرله (أي بعد أن طاف للزیارة جنباً)". (۳)

(۵) "وفي فتح القدیر:لوطاف المرأة للزیارة حائضاً فهو کطواف الجنب سواء،إلخ". (۴)

عبارت مرقومہ سے ظاہر ہے کہ جنبی یا حائضہ کا طواف صحیح ہوسکتا ہے، لیکن عدمِ اعادہ کی صورت میں منجر بالبدنہ ہو جاتا ہےاوراعادہ میں اعادہ کی صورت یہی ہے کہ وہ وطن لوٹ آئے۔

البتہ شامی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اثم (گناہ) کا ہونا بھی محقق ہے گو بدنہ سے اس کا انجبار (تلافی) ہوجاتا ہےتو ہمارے مسئلہ میں جب ایسے قوی اعذار موجود ومحقق ہیں، کیا پھر بھی وہ عورت گنہ گار ہوگی؟ حاصل یہ ہے کہ ان عبارات کے پیش نظر جوعورت حائضہ ہےاور بوقتِ روانگی جہاز اب تک پاک نہیں ہوئی وہ طوافِ رکن کر کے بدنہ ادا کرسکتی ہے، یانہیں؟اوراعذارِ مذکورہ کی بنا پراثم (گناہ) کا تحقق ہوگا، یانہیں؟

کیا بحالت مجبوری رمی،قربانی اور حلق کے درمیان ترتیب ساقط ہوجائے گی:

(۲) عندالحنفیہ متمتع اورقارن کے لیے یومِ نحر میں ترتیب بین الرمی والذبح والحلق ہے؛ یعنی پہلے رمی جمرہ عقبہ، پھر ذبح، پھر حلق کرائے،ترتیب میں تقدیم وتاخیر، یا تبدیل ہوتو دم واجب ہوجاتا ہے۔یہ مسئلہ مسلم ہے کہ آج کے احوال کے پیشِ نظر ترتیب کا باقی رکھنا ایامِ حج میں مشکل ہے؛ بلکہ نہایت ہی متعذر رہے،الا ماشاءاللہ،متعذر رہونے کی یہ وجوہات ہیں:

(۱) بے حد ازدحام وہجوم

(۲) مذبح کا قیام گاہ سے بہت دور ہونا یعنی منیٰ میں۔

(۳) گرمی کی شدت،ان تینوں باتوں کے سبب قیام گاہ سے مذبح تک جانا گوممکن ہے مگر بہت دشوار ہے۔

---

(۱) المبسوط السرخسی: ٤١/٤

(۲) البحرا لرائق،کتاب الحج: ٢٠/٣

(۳) الهدایة،کتاب الحج: ٢٧٣/١

(۴) فتح القدیر، کتاب الحج: ٤٦٢/٢

(۴) وکلاء؛ یعنی جولوگ وکالۃً دوسروں کی طرف سے قربانی کرتے ہیں، اس میں بہت ہی کوتاہیاں کرتے ہیں، کبھی رمی سے پہلے ہی قربانی کردی، یا حلق کے بعد ہی کردی اور بعض غیر مقلد تو یوم نحر سے پہلے ہی قربانی کر بیٹھتے ہیں۔

(۵) جہالت عامہ کی بنا پر اکثر لوگ ان وکلاء پر اعتماد کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ترتیب رمی، حلق ذبح کے درمیان کوئی چیز ہی نہیں، یا ان کو خبر ہی نہیں کہ ترتیب ٹوٹ گئی۔

(۶) ضعیف و بوڑھے کے حق میں تو یہ اعذار نا قابلِ تردید ہیں۔

(۷) آج کل کوپن سے جو جانور خریدے جاتے ہیں، ان میں بھی زیادہ وثوق نہیں؛ اس لیے کہ یہ حکومتِ سعودیہ کی طرف سے فروخت کیے جاتے ہیں اور غیر مقلدین کی بنا پر وہ بھی اس ترتیب کا لحاظ نہیں رکھتے ،بعض لوگ یقین سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہماری قربانی ہوئی، یا نہیں ہوئی اب وہ حلق کب کرے، اگر کرلیا تو خلجان اور شبہ ضرور رہے گا۔

(۸) خود مذبح میں یہ مشاہدہ ہوا ہے کہ لوگوں کے ہجوم اور جانوروں کی کثرت کی بنا پر طبیعت گھبرا جاتی ہے اور چوٹ لگنے کا بھی اندیشہ ہے، اور اوپر سے تین میل گرمی میں پیدل چلنا پڑتا ہے، اس موقع پر گاڑی ملنا بھی مشکل اور غریب لوگوں کے پاس کرایہ بھی نہیں ہوتا۔

لہٰذا ان وجوہات کے ماتحت ضرورت سمجھ کر کیا کسی حنفی کو حق ہے کہ اس خاص مسئلہ میں شوافع کے مسلک پر عمل کرے کہ ان کی کتابوں سے عدم وجوبِ ترتیب ظاہر ہے، تو مذہب شوافع پر عمل کرنے سے یہ سہولت ہوگی کہ اب کسی حاجی کو اس ترتیب کا لحاظ رکھنا ضروری نہ ہوگا اور کسی قسم کا خلجان یا پریشانی نہیں ہوگی، اگر ضرورت سے قربانی پہلے کی گئی یا حلق پہلے اور قربانی بعد میں کی تو کچھ واجب نہیں ہوگا۔

اس ضروری امر میں حضرات علماء کرام سے رہنمائی مطلوب ہے؟

سراج احمد غفرلہٗ (جنوبی افریقہ، ۱۰؍شعبان ۱۴۰۸ھ)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

یہ صحیح ہے کہ اگر کوئی طواف زیارت بالکل نہ کرے نہ بحالت طہارت نہ بحالت غیر طہارت بلکہ بالکل ترک کردے اور وطن کو رجوع کر جائے اور میقات سے باہر تک پہونچ جائے تو جب تک جدید احرام کے ساتھ واپس آ کر طواف زیارت کا ارادہ نہ کرے، احرام حج سے باہر نہ ہوگا اور مدت العمر تک عورت اس پر حلال نہ ہوگی؛ لیکن اگر طواف زیارت کر کے خروج عن المیقات کیا ہے خواہ حالت جنابت میں احرام جدید کے ساتھ واپس آ کر اعادہ تو افضل ضرور ہے؛ لیکن اگر واپس نہ آئے؛ بلکہ دم جنایت (بدنہ) بھیج دے تو بھی کافی ہوجاتا ہے اور انجبار ہوجاتا ہے؛ یعنی واپس آ کر طواف کرنا واجب نہیں رہتا ہے۔

اپنی پیش کردہ عبارت (۴) سے ذرا پہلے پڑھ لیجئے تو اس سے یہ مسئلہ واضح ہوجائے گا اور یہ بھی صحیح ہے کہ یہ مسئلہ کثیر الوقوع ہے اور آج کے حالاتِ سفر وغیرہ سے واپسی بسا اوقات دشوار ہوجاتی ہے۔

پھر شامی کی عبارت سے عورت کے گنہ گار ہونے کا جو اشکال پیش کیا ہے، اس پر یہ عرض ہے کہ اس عورت کے فتویٰ لے لینے اور اس کا جواب لاتحل دخول المسجد مل جانے کے باوجود مکہ میں رہتے ہوئے فتویٰ کے خلاف کر کے مسجد حرام میں داخل ہوگئی تو یہ معصیت لازم آئے گی کما اشار الیہ قول المفتی، **وان دخلت و طافت أثمت.**

بہر حال خلافِ فتویٰ داخل ہو کر اگر چہ گنہگار ہوگئی تو اس پر اس کا توبہ کرنا لازم ہوگا؛ لیکن اس کا یہ طواف صحیح ہو جائے گا اور انجبار نقصان کے لیے ذبح بدنہ لازم ہو جائے گا اور جب توبہ و ذبح بدنہ کرے گی تو انجبار مکمل ہو کر معصیت بھی ختم ہو جائے گی، ''**لأن ا لتائب من الذنب کمن لاذنب له أو کما قال علیه الصلاة و السلام**''.(۱)

یہ حکم ایسا ہے جیسا کہ نماز میں کسی واجب کے سہواً ترک ہو جانے پر ارتکاب معصیت ہو جاتی ہے اور جب سجدۂ سہو کر لے تو اس سے انجبار ہو کر معصیت مرتفع ہو جاتی ہے، اسی طرح یہاں بھی حکم ہوگا، کیونکہ جس طرح ترک واجب سہواً میں سجدہ سہو منجبر ہوتا ہے ایسا ہی یہ ذبح بدنہ بھی منجبر ہوتا ہے اور فرق یہ ہوگا کہ نماز میں ترک واجب سہواً میں کوئی مذکر نہیں تھا، اس لیے معصیت نہ ہوگی اور یہاں فتویٰ مفتی مذکر موجود تھا، اس لیے معصیت اور اس پر توبہ کا حکم ہوگا۔

نیز آپ کی پیش کردہ عبارت (۳) سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر حائضہ نے بحالت حیض طوافِ زیارت کر لیا مکہ میں رہتے ہوئے تو اس پر یہ حکم نہیں تھا کہ توبہ اور اعادہ کرے؛ یعنی دوبارہ بحالت پاکی طواف کرے؛ لیکن اگر اعادہ نہ کرے اور وطن لوٹ آئے تو اعادہ کے لیے لوٹ کر آنا واجب نہیں رہتا؛ بلکہ صاحب ہدایہ کے نزدیک اگر چہ عورت بلا اعادہ افضل ہے؛ لیکن صاحب محیط کے نزدیک صرف بدنہ (برائے دم جنایت) بھیج دینا افضل ہے، لہٰذا اگر عود بلا اعادہ کرے گی تو افضلیت ہوگی۔

نیز البحر الرائق کی عبارت اور شامی کے سیاق وسباق سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ بحالت حیض طواف کرنے کے بعد اگر مکہ میں رہتے ہوئے پاک ہو کر طواف کرنے کا موقع نہ ملے اور پاکی کے انتظار میں مکہ میں رہنا اختیار میں نہ رہے، مثلاً قافلہ اس کا چل دے گا، یا اس کا جہاز چھوٹ جائے گا، اس مجبوری سے بغیر اعادہ وطن چلی گئی تو حسبِ نصِ شرعی ﴿**لایکلف اللّٰه نفساً إلا وسعها**﴾(۲) اس کے چلے جانے پر مواخذہ نہ ہوگا۔

تقریب فہم کے لیے چند فقہی عبارات پیش کی جاتی ہیں:

(۱) ''**وأما ترک الواجبات بعذر فلا شیء علیه، ثم مراد هم بالعذر مایکون من اللّٰه تعالٰی، فلو کان من العباد فلیس بعذر** (إلی قوله) **بخلاف ما إذا منعه خوف الزهام فإنه من اللّٰه تعالٰی فلا شیء علیه**''. (۱)

(۲) ''**وفي الشامیة: إن ترک الواجب بعذر مسقط للدم**''.(۲۰۶/۲)

(۳) ''**وتجوز أي النیابة في الرمي عند العذر**''.(غنیة: ۱۰۰)

(۴) ''**ولو طاف المفرد وغیره قبل الرمي والحلق لاشیء علیه ویکره لترک السنة**''. (شرح مسلک: ۱۵۵)

---

(۱) مشکوة المصابیح، : ۲۰۶

(۲) سورة البقرة: ۲۸۶

(۳) غنیة الناسک فی بغیة المناسک، ص: ۱۳۸

(۵) ”**ولیس أن یبیت بمنی لیالي أیام الرمي، فلو بات بغیر ها متعمدا کره ولاشيء علیه**“. (غنية: ۹۵)

(۶) جو شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا ہو، یا جمرات تک پیدل، یا سوار ہو کر آنے میں سخت تکلیف ہو، یا مرض بڑھ جانے کا، یا مرض پیدا ہو جانے کا قوی اندیشہ ہو تو وہ معذور ہے۔ (زبدۃ المناسک ناقلاً عن اللباب: ۱۶۵)

(۷) اگر معذور کا عذر دوسرے سے رمی کرانے کے بعد ایام رمی کے رہتے ہوئے زائل ہو جائے تو بھی دوبارہ خود رمی کرنا ضروری نہیں رہتا۔ (زبدۃ المناسک: ۱۶۶)

(۸) ذبح میں نیابت کا ثبوت عام اور شائع ہے، جیسا کہ آپ کی پیش کردہ عبارت (۴) سے بھی اخذ ہوتا ہے۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ ترتیب بین الرمي والذبح والحلق اگرچہ واجب فی نفسہ ہے؛ لیکن عذر شرعی کی وجہ سے اگر چھوٹ جائے، یا ٹوٹ جائے اور اس پر عمل نہ ہو سکے تو اس پر دم جنایت وغیرہ، یا کوئی وزر، یا کفارہ وغیرہ نہ آئے گا؛ بلکہ ادائیگی حج بلا کراہت مکمل ہو جائے گی۔

اور جناب کے ذکر کردہ اعذار مذکورہ میں (۱) کے عذر کا مبیح للترک ہونا تو ظاہر ہی ہے اور باقی غیروں میں بھی ایسا شخص جو ضعیف وبوڑھا ہو، یا اتنی لمبی مسافت تک چلنے کا عادی نہ ہو اور شدید گرمی ودھوپ میں چلنے میں ظن غالب ہو کہ بیمار ہو جائے گا، یا مرض بڑھ جائے گا، یا چوٹ وغیرہ ناقابلِ تحمل پیدا ہو جائے گی اور سواری نہ ملے گی تو اس کے حق میں یہ ترتیب واجب نہ رہے گی؛ بلکہ محض حسب استطاعت امتثال کا حکم رہے گا اور وہ اعذار کی وجہ سے اپنے نائب کے ذریعہ رمی وذبح دونوں کرا سکے گا اور نائب کے ذریعہ کرانے کے بعد خود عذر مبیح زائل ہو جائے، جب بھی دوبارہ خود عمل کرنا اس پر لازم نہ رہے گا۔

اور ۴، ۵، ۷ میں احتیاط سے کام لینے کا حکم متوجہ ہو جائے گا، مثلاً اپنی جماعت وگروہ سے جو متدین اور محتاط ہو اور اس امر پر قادر ہو اور اس سے یہ ظن غالب ہو کہ صحیح وکالت ونیابت انجام دے دے گا تو اس سے یہ کام کرا لیا جائے اور اس کو ہدایت کر دی جائے کہ قربانی سے فارغ ہو کر جلد سے جلد اطلاع کرے، پھر جب تک اچھی طرح مقررہ وقت کے ساتھ قربانی ہو جانے کا ظن غالب نہ ہو جائے حلق نہ کرائیں، البتہ طواف وحلق میں نیابت درست نہ ہوگی۔ نیز طواف زیارت کا ان سب چیزوں کے بعد ہونا واجب نہیں ہے؛ بلکہ صرف سنت ہے، کما فی العبارۃ الرابعۃ۔

اس لیے طواف زیارت کا ان چیزوں سے پہلے کر لینا علماء نے صرف مکروہ لکھا ہے اور کوئی دم، یا صدقہ وغیرہ لاگو ہونا نہیں لکھا ہے، خاص کر ایسی مجبوری کی حالت میں کراہت بھی نہ ہوگی، لہذا ایسی معذوری کی حالت میں اگر بآسانی ہو سکے تو خود طواف کے لیے چلا جائے اور طواف کرے اور پھر قربانی ہو جانے کی اطلاع مل جائے تو حلق کرائے، حلق کرا لینے کے بعد عورت بھی حلال ہو جائے گی اور جب ان تمام مسائل میں بوقت معذوری فقہ حنفی سے بھی مذکورہ گنجائش نکل آتی ہے تو اب تقلید حضرت امام شافعیؒ کرنے کا سوال ہی ختم ہو جاتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور، ۱۱/۹/۱۴۰۸ھ۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۲/۴۵-۵۰)

یوم النحر کے بعد منیٰ میں قیام کی شرعی حیثیت:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ منیٰ کا رش مطلق عذر ہے، یا مخصوص لوگوں کے لیے ہے؟ نیز عرفات سے مزدلفہ کے راستے میں رش کو منیٰ کے رش پر قیاس کرتے ہوئے منیٰ والا حکم لگانا درست ہے، یا نہیں؟ اگر کوئی شخص بوجہ رش کے مزدلفہ تاخیر سے پہنچے اور وقوف نہ کرسکے تو دم لازم ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

یوم النحر کے بعد منی میں تین راتیں گزارنا مسنون ہے، جس کی عدم ادائیگی پر گناہ تو ہوتا ہے؛ مگر دم لازم نہیں آتا، البتہ وقوف مزدلفہ واجب ہے، جس کی ادائیگی نہ ہونے پر دم لازم آتا ہے؛ لیکن اگر بھیڑ، یا کسی عذر کی وجہ سے تاخیر ہوگئی، یا ادائیگی نہ ہوسکی تو دم لازم نہیں آئے گا۔

لمافي الطحطاوی علی الدر (۱/ ۵۰۵): (قوله لكن لو تركه بعذر الخ) لايخص هذا الواجب بل كل واجب اذا تركه للعذر لاشيء عليه قاله في البحر (قوله كزحمة) ولو للرجال مع بعضهم او كان به ضعف او علة.

وفي الدر المختار (۲/ ۵۱۱): (ثم وقف) بمزدلفة ووقته من طلوع الفجر الى طلوع الشمس ولو مارا كما في عرفة، لكن لو تركه بعذر كزحمة بمزدلفة لاشيء عليه.

وفي الشامية تحته: (قوله: كزحمة) عبارة اللباب الااذا كان لعلة او ضعف، أو يكون امراة تخاف الزحام فلا شيء عليه آه، لكن قال في البحر ولم يقيد في المحيط خوف الزحام بالمراة بل اطلقه فشمل الرجل.

وفي الشامية (۲/ ۵۲۰): قوله فيبيت بها للرمی) أی ليالی أيام الرمی هو السنة فلو بات بغير ها كره ولا يلزمه شیء، لباب. (نجم الفتاویٰ: ۳/ ۳۱۳-۴۱۴)

منیٰ میں رات گزارنے کا حکم اور منیٰ سے واپسی کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایام تشریق میں منیٰ میں رات گزارنے کا کیا حکم ہے؟ اگر کوئی شخص قصداً، یا جگہ نہ ملنے کی وجہ سے منیٰ کے باہر رات گزارے تو اس کے لیے کیا حکم ہوگا؟ نیز منیٰ سے واپسی کب ہوگی؟

الجواب ــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

ایام تشریق میں گیارہویں اور بارہویں کو منیٰ میں رات گزارنا سنت ہے، اگر کوئی شخص منیٰ کے باہر رات گزارے تو مکروہ ہوگا اور اس پر کچھ بھی لازم نہیں ہوگا اور منیٰ سے واپسی بارہ (۱۲) ذی الحجہ کو زوال شمس کے بعد رمی کرنے کے

لیے ہوگی، البتہ اگر تیرہویں تاریخ کی رات کو وہاں (منیٰ) ہی ٹھہر رہا تو تیرہویں تاریخ کو رمی کرنا لازمی ہو جائے گا۔

لمافی الھندیة(۱/ ۲۳۲): ویکرہ ان یبیت فی غیر منیٰ فی ایام منیٰ، کذافی شرح الطحطاوی، فإن بات فی غیرھا متعمداً فلا شیء علیه عندنا.

وفی الشامیة (۲/ ۵۱۹): (ثم أتی منیٰ) بعدما صلی رکعتی الطواف (یبیت بھا لرمی أی لیالی أیام الرّمی وھو السنة فلو بات بغیرھا کرہ ولایلزمه شیء. (نجم الفتاویٰ:۳-۳۱۴-۳۱۵)

حلق کے مسنون طریقے کا بیان، نیز امام صاحب کا واقعہ حلق:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حلق کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ دائیں جانب سے، یا بائیں جانب سے؟ بندے نے سنا کہ امام اعظمؒ پر حج کے دوران کسی حجام نے اعتراض کیا کہ آپ نے حلق کی بہت سی سنتیں ترک فرمادیں، کیا یہ بات درست ہے؟ اگر درست ہے تو باحوالہ تحریر فرمادیں۔

الجواب ـــــــــــــــــــ بعون الملك الوھاب

واضح رہے کہ مذکورہ مسئلہ میں امام صاحب نور اللہ مرقدہ سے دو روایتیں منقول ہیں: پہلا قول جو مشہور اور مرجوع عنہ ہے، یہ ہے کہ حلق میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ حالق (حجام) کی دائیں جانب (جو کہ محلوق کا بایاں جانب کہلائے گا) سے حلق کی ابتدا کریں اور اسی قول کو صاحب النہر الفائق، صاحب ہندیہ، صاحب فتح القدیر اور علامہ عینیؒ وابن حجرؒ نے ذکر فرمایا ہے۔

دوسرا قول امام صاحب کا یہ ہے (جس کو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بعد میں اختیار فرمالیا تھا اور یہی قول عندالحنفیہ مختار، راجح اور سنت کے موافق ہے) کہ محلوق کی دائیں جانب سے حلق کرنا سنت ہے اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منقول وثابت ہے اور اسی قول کو صاحب فتح القدیر نے ''وھوالصواب'' فرمایا ہے۔ نیز ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مناسک میں اور مولانا محمد حسن شاہ المہاجر المکیؒ نے غنیۃ الناسک میں امام صاحبؒ کا مذکورہ قول کی طرف رجوع ثابت کیا ہے۔

اور یہ بات درست ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فعل پر کسی حجام نے ایام حج میں حلق کے دوران اعتراض کیا تھا، حاشیہ کنز الدقائق کے حوالہ سے تحریر کیا جاتا ہے:

عن وکیع قال: قال لی أبوحنیفة: اخطأت فی ستة من أبواب من المناسک علّمنیھا حجام وذلک إننی حین أردت أن احلق رأسی قفت علی حجام فقلت له بکم تحلق رأسی؟ فقال لی عراقی: أنت، فقلت: نعم، قال لی: النسک لا یشارط علیه اجلس فجلست منحرفا عن القبلة، فقال لی: حول وجھک إلی القبلة فحولته وأردت أن یحلق رأسی من الجانب الأیسر؟ فقال لی: ادر الشق الأیمن من رأسک فادرته وجعل یحلق وأنا ساکت، فقال لی: کبر، فجعلت أکبر

حتی قمت أذهب، فقال لی: أین ترید؟ فقلت: رحلی، فقال: ادفن شعرک، ثم صل رکعتین، ثم امض، فقلت له: من أین لک ما أمرتنی؟ فقال: رأیت عطاء بن أبی رباح یفعل هذا. (حاشیة کنز الدقائق، ص: ۹۷، ف: ۳، تحت قوله: ثم احلق)

(حضرت امام وکیع فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ میں نے مناسک حج میں چھ چیزوں میں غلطی کی جو بعد میں مجھے ایک حجام نے سکھائی اور وہ یہ کہ میں نے جب حلق کرنے کا ارادہ کیا تو میں ایک حجام کے پاس گیا اور میں نے اس سے پوچھا کہ آپ کتنے روپے میں حلق کروگے تو اس نے کہا کہ کیا آپ عراق سے تشریف لائے ہیں، میں نے کہا: جی ہاں! تو کہا کہ حج میں شرط نہیں لگائی جاتی، پس بیٹھ جاؤ تو پھر میں قبلہ سے منحرف ہوکر بیٹھا تو اس نے کہا کہ قبلہ رو ہوکر بیٹھو، پس میں قبلہ کی طرف پھرا اور میں نے اپنے سر کی بائیں جانب سے حلق کروانے کا ارادہ کیا تو کہا کہ دائیں جانب آگے کرو، پس میں نے اسی طرح کیا اور خاموش بیٹھا رہا تو اس نے کہا کہ تکبیر پڑھتے رہو، پس میں تکبیر پڑھتا رہا، یہاں تک کہ (جب فارغ ہوا) تو میں جانے لگا تو کہنے لگا کہ کہاں جا رہے ہو میں نے کہا کہ اپنی قیام گاہ کی طرف، پس انہوں نے کہا کہ اپنے بالوں کو دفن کرتے جاؤ اور پھر دو رکعت نماز پڑھنا، پھر اس کے بعد جانا، پس میں نے کہا کہ آپ نے مجھے جو جو کہا ہے، یہ کہاں سے سیکھا ہے تو اس حجام نے کہا کہ میں نے عطا بن ابی رباح کو اس طرح کرتے دیکھا ہے۔)

پس یہ بات واضح ہوگئی کہ امام صاحب کا مذہب پہلے بائیں جانب سے حلق کرنے کا تھا اور بعد میں امام صاحبؒ نے دائیں جانب حلق کرنے کی طرف رجوع فرمالیا تھا اور یہی حلق کا مسنون طریقہ ہے اور احناف (کثر اللہ سوادھم) کا مختار اور مفتی بہ قول بھی یہی ہے۔

واضح رہے کہ اگر حالق (حجام) محلوق کے پیچھے کھڑے ہوکر حلق کرے تو اس طرح حالق اور محلوق دونوں دائیں جانب سے ابتدا کرنے والے شمار ہوں گے، اس طرح کرنے سے دونوں قولوں پر عمل ہوجائے گا اور یہی توجیہ ملاعلی قاریؒ نے بھی ذکر فرمائی ہے۔

یہ تو اس صورت میں ہے کہ جب دونوں (حالق ومحلوق) قبلہ رو ہوکر حلق کی ابتداء کرے، البتہ اگر محلوق قبلہ رو ہوکر بیٹھے اور حالق کسی عذر کی بنا پر قبلہ رو ہوکر حلق نہ کرسکتا ہو تو قول مختار وراجح پر عمل کیا جائے گا اور شاید امام صاحبؒ کے متردد ہونے کی وجہ بھی یہی صورت تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو تیامن (دائیں جانب سے ابتدا) مروی ہے، وہ فاعل (حالق) کے اعتبار سے ہے، یا مفعول (محلوق) کے اعتبار سے ہے۔

نیز یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ مذکورہ واقعہ سے امام صاحب (جعل الجنۃ مثواہ) کی قدر ومنزلت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل سامنے آیا تو اس کے لئے جھک گئے اور اسی پر عمل کرنے والے بن گئے اور اپنی غلطی کا اعتراف فرمالیا۔ (فما احسن ذوقہ وتسلیمہ الصواب)

لما فی النهر الفائق (۸۹/۲، باب الاحرام، دار الکتب العلمیة): قالوا: ویندب البداءة بیمین

الـحـالـق لا الـمـحلوق إلا أن فی الصحيحين يفيد العكس وذلک أنه صلی اللّٰه عليه وسلم قال للـحـلاق: خـذو أشـار إلـی الجانب الأيمن ثم الايسر ثم جعل يعطيه الناس،قال فی الفتح: وهو الـصواب وإن كان خلاف المذهب،انتهی،أقول: ويوافقه مافی الملتقط عن الامام حلقت رأسی بـمـكة فـخـطـأنـی الـحـلاق فی ثلاثة أشياء: لما أن جلست قال: استقبل القبلة وناولته الجانب الأيسر فقال: ابدأ بالأيمن فلما اردت ان اذهب،قال: ادفن شعرک فرجعت ودفنته،انتهی.

وفـی مـناسک ملا علی القاری (ص: ۲۲٦،إدارـة الـقرآن والعلوم الإسلامية): فإذا فرغ من الـذبح حلق رأسه ويستقبل القبلة للحلق، ويبدأ بالجانب الأيمن من رأس المحلوق هو المختار كـمـا فـی منسک ابن العجمی والبحر، وقال فی النخبة: وهو الصحيح وقد روی رجوع الإمام عـمـا نـقـل عـنه الأصحاب، لأنه قال: اخطات فی الحج فی موضع كذا وكذا فذكر منه البداء ة بيـميـن الـحالق فصح تصحيح قوله الأخير، واندفع ماهو المشهور عنه عند المشائخ أن المعتبر فی البداء ة يمين الحالق فيبدأ بشقه الأيسر من المحلوق.

ولـووقف الـحـالق من وراء المحلوق حال كونهما مستقبلين لاجتمع الابتداء بيمين الحالق والـمـحلوق، وارتفع الخلاف ويبقی الحال علی الوجه الاكمل، نعم إذا تعذر هذا الجمع فلا بد مـن الترجيح، ولعل هذا هو سبب تردد الامام مع اطلاعه علی ما ورد عنه عليه السلام حيث نظر إلی أن التيامن هل هو معتبر بالنية إلی الفاعل، أوالمفعول والمتبادر هو الأول،فتامل.

... قـلـت: لـعـلـه لما كان متردداً فی القضية وفی القول بالارجحية ورأی فعل الحجام علی وجـه الـنـظـام الـموروث من زمنه عليه السلام انقاد له فی ذلک المقام واعترف عنه بخطأ فيما وقع له من خلافه فی المرام.

وفـی غنية الناسک فی بغية المناسک (ص: ۱۷۳،إدارـة القراان والعلوم الاسلإمية: ويستقبل الـقبـلة لـلـحـلـق ويبدأ بالجانب الأيمن من رأس المحلوق وهذا هو الصواب: وقد صح رجوع الإمـام إليـه فـانـدفـع مـا هـو الـمشهور عنه عند المشائخ انه يعتبر فی سنة الحلق البداء ة بيمين الـحالق لا المحلوق و يبدأ بشقه الايسر وفی الملتقط عن الامام حلقت رأسی فخطانی الحلاق فی ثلاثة أشياء،الخ. (نجم الفتاویٰ:۳/۳۱۸-۳۲۰)

☆ ☆ ☆

حج میں قربانی کے مسائل

حج قران اور تمتع میں بطور شکرانہ قربانی واجب ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حج قران، تمتع اور حج افراد میں سے کون حج میں حاجی پر قربانی واجب ہوتی ہے؟ اور یہ قربانی کس وجہ سے واجب ہوتی ہے؟ آیا یہ قربانی ہے، یا بطور شکرانہ کس چیز کا ہے۔ نیز اگر کوئی حاجی قران یا تمتع کرنے والا قربانی کی اہلیت نہ رکھتا ہو تو اس کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟

باسمه سبحانه تعالیٰ ، الجواب ــــــــــ وبالله التوفيق

صورت مسئولہ کا جواب یہ ہے کہ حج کی قسموں میں سے صرف حج قران اور حج تمتع میں بطور شکرانہ قربانی واجب ہوتی ہے اور یہ شکرانہ اس بات پر ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے ایک ہی سفر میں حج اور عمرہ کی دونوں عبادتوں کو انجام دینے کی توفیق دی ہے اور حج افراد میں قربانی واجب نہیں۔

عن أنس بن مالك رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رمى جمرة العقبة ثم انصرف إلى البدن فنحرها، إلخ. (الصحيح لمسلم: ۴۲۱/۱، رقم: ۱۳۰۵، سنن أبي داؤد: ۲۷۲/۱، رقم: ۱۹۸۱)

أخرج البخاري حديثاً طويلاً عن ابن عباس طرفه فإذا فرغنا من المناسك جئنا فطفنا بالبيت وبالصفا والمروة فقد تم حجنا وعلينا الهدي كما قال الله عز وجل فما استيسر من الهدي الآية. (صحيح البخاري: ۲۱۳/۱، رقم: ۱۵۷۲)

وعلى المتمتع دم إذا وجد ذلك، قال تعالىٰ: ﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ (سورة البقرة: ۱۹۶) **لأن وجوبه على المتمع لأجل شكر النعمة حيث وفق لأداء النسكين والقارن يشاركه فيها.** (تبيين الحقائق: ۳۳۵/۲، زكريا)

ويجب الدم على المتمتع شكراً لما أنعم الله تعالىٰ عليه بتيسير الجمع بين العبادتين. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الحج: ۲۳۹/۱، زكريا)

والذبح له أفضل ويجب على القارن والمتمتع. (ردالمحتار، كتاب الحج: ۵۳۴/۲، زكريا)

البتہ جو قارن اور متمتع قربانی استطاعت نہ رکھے؛ یعنی اس کے پاس سفر کے اخراجات کے علاوہ اتنا مال نہ ہو کہ وہ

قربانی کا جانور خرید سکے تو اس کے لیے شریعت نے یہ رخصت دی ہے کہ وہ قربانی کے بجائے دس روزے رکھے، جن میں سے کم از کم تین روزے یوم النحر سے پہلے پہلے رکھنے ضروری ہیں اور مابقیہ روزے اس کے بعد رکھ سکتا ہے، پس اگر شخص نے یوم النحر سے قبل تین روزے نہ رکھ سکے تو اب اس کے لیے قربانی کے علاوہ کوئی متبادل نہ ہوگا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿فإذا اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِا الْعِمْرَةِ الی الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مَنَ الْهَدْیِ ،فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلا ثَةِ اَيَّامٍ فِیْ الْحَجِّ ،وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ،تِلْکَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ،ذٰلِکَ لَمَنْ لَمْ يَكُنْ اَهلُهُ حَاضِرِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (البقرة:١٩٦) وإن كان معسراً لا يجد ثمن الهدى فإنه يصوم ثلاثة أيام فى الحج...ثم يصوم سبعة أيام بعد ما مضت أيام التشريق عندنا. (الفتاویٰ الهندية: ٢٣٩/١، زكريا)

فإن لم يصم إلٰى يوم النحر تعين الدم إن لم يصم الثلاثة فى الحج وجب عليه الدم ولايجوز أن يصوم الثلاثة والسبعة بعدها. (الفتاویٰ الهندية: ٢٣٩/١، زكريا)

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۵۴۶/۷)

کیا متمتع، یا قارن پر مالی قربانی بھی واجب ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کیا متمتع، یا قارن حاجی پر تمتع اور قران کی قربانی (دم شکر) کے ساتھ ساتھ مالی قربانی، جو عیدالاضحیٰ میں صاحب حیثیت صاحب نصاب شخص پر واجب ہوتی ہے، بھی واجب ہوگی، یا نہیں؟ اگر حاجی کے پاس کرایہ اور حج کے دیگر اخراجات کاٹ کر اتنی رقم بچ جائے کہ اس سے وہ بآسانی عیدالاضحیٰ والی مالی قربانی کر سکتا ہے، پھر وہ قربانی نہ کر سکا اور ایام نحر گزر گئے تو ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ نیز مالی قربانی کا بھی حدود حرم ہی میں کرانا ضروری ہے، یا حاجی کے گھر والے بھی اس کے وطن میں کر سکتے ہیں؟ اور حاجی ان سے کرا سکتا ہے؟

باسمه سبحانه تعالىٰ ، الجواب ــــــــــــــ وبالله التوفيق

جو شخص ایام حج میں مقیم ہو اور صاحب حیثیت بھی ہو، اس پر حج کی قربانی (بشرطیکہ تمتع، یا قران کیا ہو) کے ساتھ ساتھ مالی قربانی کرنا بھی واجب ہے اور یہ مالی قربانی وہ اپنے وطن میں بھی کرا سکتا ہے، حدود حرم میں کرانا لازم نہیں، پھر اگر اس نے مالی قربانی چھوڑ دی ہے تو قربانی کا وقت گزرنے کے بعد اس پر ایک بکری کی قیمت صدقہ کرنی لازم ہے۔

عن أنس بن مالک رضى اللّٰه عنه أن رسو ل اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم رمى جمرة العقبة ثم انصرف إلى البدن فنحرها، إلخ. (الصحيح لمسلم: ٤٢١/١، رقم: ١٣٠٥، سنن أبى داؤد: ٢٧٢/١، رقم: ١٩٨١)

أخرج عبد الرزاق عن ابراهيم قال: رخص للحاج والمسافر فى أن لايضحى وقال أيضاً كانوا إذا شهدوا ضحوا وإذا سافروا لم يضحوا. (مصنف عبد الرزاق: ٣٨٢/٤ـ ٨١٤٤)

وأنها تجری فیها النیابة فیجوز للإنسان أن یضحی بنفسه أوبغیره،لأنها قربة تتعلق بالمال فتجری فیها النیابة.(الفتاویٰ الهندیة:۲۹٤/٥)

فلا تجب علیٰ حاج مسافر،فأما أهل مکة فتلزمهم وإن حجوا.(رد المحتار:٤٥٧/٩،زکریا)

وأما الأضحیة،فإن کان مسافراً فلا تجب علیه وإلا فکا لما لکی فتجب علیه.(غنیة، قدیم:۹۲،قدیم،شامی:۵۳٤/۳،زکریا) تکملة:البحر الرائق: ۱۷۳/۸)

ولو لم یضح حتی مضت أیام النحر فقد فاته الذبح إن کان من لم یضح غنیا ولم یوجب علیٰ نفسه شاة بعینها تصدق بقیمة شاة اشتریٰ أولم یشتر کذا فی العتابیة.(الفتاویٰ الهندیة:۲۹٦/٥)

ولو ترکت التضحیة ومضت أیامها حیة ناذر وتصدق بقیمتها غنی،شراها أولا. (الدرالمختار، الأضحیة:٤٦۳/۹،بدائع الصنائع: ۲۰۲/٤،زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ:احقر محمد سلمان مصنور پوری غفرلہ،۱۴۲۸/۳/۱۳ھ۔الجواب صحیح:شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔(کتاب النوازل:۵۴۸/۷)

دم شکر صرف قارن، یا متمتع پر واجب ہے، مفرد پر نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا قربانی صرف قارن اور متمتع پر واجب ہے، یا مفرد پر بھی؟ اگر مفرد قربانی کرے تو جائز ہوگی، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: رشید گل سعودی عرب، ۱۹۸۴/۶/۱۹ء)

الجواب

قربانی (دم شکر) صرف قارن یا متمتع پر واجب ہوتی ہے نہ کہ مفرد پر، کما فی الهدایة وردالمحتار والهندیة وغیرها. (۱) اس میں فرض اور نفل کا کوئی فرق نہیں ہے اور اگر مفرد اس قربانی میں کمزوریوں کے ازالہ کی نیت کرے تو جائز ہے، بخلاف القارن والمتمتع. (۲) اور اگر متمتع یا قارن قربانی کو رمی پر مقدم کرے تو اس پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دم واجب ہے، خلافا لمن سواہ۔ (ہدایۃ، ردالمحتار، ہندیہ وغیرہا) وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ:۲۹۰/۴)

---

(۱) قال العلامة المرغینانی: واذا رمی الجمرة یوم النحر ذبح شاة او بقرة او بدنة او سبع بدنة فهذا دم القران لانه فی معنی المتعة والهدی منصوص علیه فیها.(الهدایة: ۲٤۰/۱،باب القران)

قال العلامة ابن عابدین: وذبح للقران وهو دم شکر ای لما وفقه اللّٰه تعالیٰ للجمع بین النسکین فی اشهر الحج بسفر واحد.(ردالمحتار هامش الدرالمختار:۲۰۹/۲،باب القران)

وفی الهندیة: اذا رمی جمرة العقبه یوم النحر یذبح دم القران وهذا الدم نسک من المناسک.(الفتاویٰ الهندیة: ۲۳۸/۱،الباب السابع فی القران والتمتع)

(۲) وفی الهندیة: ثم یرجع الی منیٰ فان کان معه نسک ذبحه وان لم یکن فلا یضره لانه مفرد بالحج ولو کان قارنا او متمتعا فلا بدله من الذبح.(الفتاویٰ الهندیة: ۲۳۱/۱،باب فی کیفیة اداء الحج)

(۳) قال العلامة المرغینانی: ومن أخر الحلق حتی مضت ایام النحر دم عند أبی حنیفة وکذا إذا أخر ==

قربانی کی استطاعت رکھنے کے باوجود روزے رکھنا کافی نہیں ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک حاجی وہاں قربانی نہ کرے اور دس روزے متواتر رکھے کیا اس پر دم واجب ہے؟ بینوا توجروا

(المستفتی: حاجی عبدالمجید، پشاور شہر، ۱۴/صفر ۱۳۹۵ھ)

الجواب

جو حاجی متمتع، یا قارن ہو، اس پر قربانی لازم ہے اور عدم قدرت کی صورت میں دس روزے رکھنا کافی ہے؛ لیکن باوجود قدرت کے روزے رکھنا کافی نہیں، قربانی (ہدیہ) ذبح کرنا ضروری ہے۔ (ماخوذ از ردالمحتار: ۵: ۳۶)(۱) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۹۲/۴)

متمتع پر علاوہ دم شکر کے قربانی کا وجوب:

سوال: متمتع پر جو واسطے شکر نعمت کے ذبح لازم ہے، بغیر اس کے مسافر غنی پر اضحیٰ کی قربانی لازم ہے، یا نہ؟

الجواب

فی الدرالمختار: حتی حر مسلم مقیم بمصر أو قریة أو بادیة عین فلا تجب علی حاج مسافر فاما أهل مكة فلزم مهم وان حجوا، الخ. فی ردالمختار: ذلک لانهم مقیمون. (۳۰۸/۵)(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ شخص شرعاً اگر مقیم ہوگیا ہے تو بشرط غنا اس پر قربانی اضحیٰ کی مستقبل واجب ہے اور شرعاً مسافر قاصر الصلوٰۃ ہے تو واجب نہیں۔

(تتمہ اولی، ص: ۱۳۵)(امدادالفتاوی: ۱۶۶/۲)

== طواف الزيارة وقالا: لا شيء عليه في الوجهين، وكذا الخلاف في تاخير الرمي وفي تقديم نسك على نسك كالحلق قبل الرمي ونحر القارن قبل الرمي. (الهداية: ۲۸۷/۱، باب الجنايات)

قال العلامة الحصكفي: أو قدم نسكا على آخر فيجب في يوم النحر أربعة اشياء الرمي ثم الذبح لغير المفرد ثم الحلق ثم الطواف لكن لا شيء على من طاف قبل الرمي والحلق، قال ابن عابدين: قوله فيجب الخ لما كان قوله او قدم الخ بيانا لوجوب الدم بعكس الترتيب فرع عليه ان الترتيب واجب مع بيان مايجب ترتيبه ومالا يجب فافهم. (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲۲۶/۲، باب الجنايات)

(۱) قال العلامةالحصكفي: وذبح للقران وهو دم شكر... وان عجز صام ثلاثة ايام... آخرها يوم عرفة... وسبعة بعد تمام ايام حجه فرضا أو واجبا وهو بمعنى أيام التشريق. (الدرالمختارعلى هامش ردالمحتار: ۲۰۹/۲، باب القران)

وذكر في الأصل: وقال: ولا تجب الاضحية على الحاج وأراد بالحاج المسافر فأما أهل مكة فتجب عليهم الأضحية وإن حجوا، لما روى نافع عن ابن سيدنا عمر رضى الله عنهما أنه كان يخلف لمن لم يحج من أهله اثمان الضحايا ليحضوا عنه تطوعا ويحتمل أنه ليضحوا عن أنفسهم لا عنه فلا يثبت الوجوب مع الاحتمال. (بدائع الصنائع، فصل في شرائط وجوب في الأضحية: ۶۲/۵، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

حج کے بعد دم شکریہ کا حکم:

سوال: حج کے بعد دم شکریہ کیسا ہے اور اغنیاء اور مساکین پر کیا شکریہ کا حکم رکھتا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

دم شکر قارن و متمتع پر واجب ہے اور مفرد کے لیے مستحب۔ (کذا فی الدالمختار) اور اس دم سے کھانا فقیر و غنی اور خود مہدی کو جائز ہے۔

فی الدر المختار: (ویجوز أکله...من هدی التطوع) إذا بلغ الحرم (والمتعة والقران فقط). (۱)

(تتمہ اولی) (امداد الفتاوی: ۲/۱۶۶)

میاں بیوی دونوں کا حج تمتع میں صرف ایک قربانی کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید اور اس کی اہلیہ دونوں نے حج تمتع کا باندھا تھا؛ لیکن جس طرح گھر پر رہتے ہوئے ہر سال عید الاضحیٰ کے موقع پر صرف گھر کے ذمہ دار کی طرف سے صرف ایک قربانی کرتے تھے وہی طریقہ دوران حج بھی اختیار کیا کہ دونوں نے صرف ایک قربانی مقام منی میں کی، حج کے بعد معلوم ہوا کہ آپ کا حج ناقص رہا اور آپ پر دم لازم ہوا، اب چوں کہ حج کے ایام بھی گزر چکے ہیں اور گھر واپسی ہو چکی ہے، اب کیا کریں؟ اگر دم لازم ہے تو اس کی مقدار کیا ہے اور کن ایام میں ادا کیا جائے؟ اور کیا حدود حرم میں پہنچ کر ہی ادا کرنا ضروری ہے؟ نیز ایک حاجی پر اگر کئی بار ایک سے زیادہ سہو ہو جائے اور دم لازم آ جائے تو کیا ہر سہو پر الگ الگ دم ادا کرنا ہوگا، یا سب کی طرف سے ایک دم کی ادائیگی کافی سمجھی جائے گی؟

باسمه سبحانه تعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــ وبالله التوفيق

اگر آپ نے یہ سمجھ کر قربانی کی ہے کہ جیسے اور حجاج قربانی کر رہے ہیں، میں بھی اسی طرح کر رہا ہوں تو یہ قربانی حج تمتع کی طرف سے مانی جا سکتی ہے؟ لیکن اگر حج کی قربانی کا کوئی خیال ہی نہ تھا؟ بلکہ صرف مالی قربانی ہی کا قصد تھا، جیسا کہ سوال کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے تو صورت مسئولہ میں آپ پر اور آپ کی اہلیہ پر دم تمتع کے ساتھ دو دم جنایت بھی لازم ہیں اور یہ سب دم حدود حرم میں ہی ذبح کرنے ضروری ہیں، گویا ہر ایک پر تین دم لازم ہوں گے: (۱) دم تمتع، (۲) دم تمتع کو ۱۲/ ذی الحجہ سے مؤخر کرنے کا دم جنایت، (۳) قربانی سے پہلے حلق، یہ قصر کی جنایت کا دم اور چوں کہ احرام سے نکلنے کی نیت سے حلق کرایا ہے؛ اس لیے مزید کسی جنایت پر دم اور چوں کہ احرام سے نکلنے کی نیت سے حلق کرایا ہے؛ اس لیے مزید کسی جنایت پر دم نہ ہوگا۔ (مستفاد: انوار مناسک/ ۵۰۷)

---

(۱) الدر المختار علی رد المحتار، باب الهدی: ۲/ ۶۱۵، دار الفکر بیروت، انیس

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَحۡلِقُوۡا رُؤُسَكُمۡ حَتّٰى يَبۡلُغَ الۡهَدۡىُ مَحِلَّهٗ﴾ (سورة البقرة: ۱۹۶)

عن إبراهيم عن علقمة: ﴿وَلَا تَحۡلِقُوۡا رُؤُسَكُمۡ حَتّٰى يَبۡلُغَ الۡهَدۡىُ مَحِلَّهٗ﴾ فإن عجل فحلق قبل أن يبلغ محله فعليه فدية من صيام أو صدقة أو نسک، قال إبراهيم فذكرته لسعيد بن جبير: فقال: هٰذا قول ابن عباس وعقد بيده ثلاثين وروى عن ابراهيم النخعي مثل ذٰلک. (تفسير ابن حاتم: ۳۳۷/۱، الشاملة)

أما قوله تعالىٰ: ﴿ولا تحلقوا﴾ إلخ، ففيه مسائل: المسئلة الأولىٰ في الاٰية حذف؛ لأن الرجل لا يتحلل ببلوغ الهدىٰ محله بل لا يحصل التحلل إلا بالنحر فتقدير الآية: حتىٰ يبلغ الهدى محله و ينحر فإذا نحر فاحلقوا. (تفسير الرازى: ۳۰۵/۵، الشاملة)

عن مولى لابن عباس قال: تمتعت أن أنحر، وأخرجت هديي حتىٰ مضت الأيام، فسألت ابن عباس ؟ فقال: اهد هديا لهديک، وهديا لما أخرت. (المصنف لابن أبى شيبة ۷۰٤/۸، رقم: ۱۵۷۰۹)

أخرج البخارى حديثاً طويلا عن ابن عباس طرفه ... فإذا فرغنا من المناسک جئنا فطفنا بالبيت وبالصفا والمروة فقد تم حجنا وعلينا الهدى كما قال اللّٰه عزوجل ﴿فما استيسر من الهدى﴾ الآية. (صحيح البخارى: ۲۱۳/۱، رقم: ۱۵۷۲)

وعلى المتمع دم إذا وجد ذلک، قال تعالىٰ: ﴿فَمَنۡ تَمَتَّعَ بِالۡعُمۡرَةِ اِلَى الۡحَجِّ فَمَا اسۡتَيۡسَرَ مِنَ الۡهَدۡىِ﴾ (سورة البقرة: ۱۹۶)

سئل رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: أدناه شاة وإنه دم شكر. (الفتاوىٰ التاتارخانية: ٦٢٦/۳)

إذا حلق القارن قبل الذبح وأخر إراقة الدم عن أيام النحر ينبغى أن يجب عليه ثلاثة دماء دم بحلقة قبل الذبح ود م لتاخير الذبح عن أيام النحر ودم القران والتمتع ولو حلق قبل الرمى والباقى بحالها وجب دم رابع قبل الرمى. (غنية الناسک: ۲۸۰، إدارة القرآن كراتشى)

فعليه دم وكذلک القارن والمتمتع إذا أخر الذبح حتىٰ مضت أيام النحر. (الفتاوىٰ التاتارخانية: ٥٨٦/۳، زكرياديوبند)

ولا يجوز ذبح هدى التطوع والمتعة والقران إلا فى يوم النحر ... أما دم المتعة والقران فلقوله تعالىٰ: ﴿فَكُلُوۡا مِنۡهَا وَاَطۡعِمُوۡا الۡبَائِسَ الۡفَقِيۡرَ﴾ ويجوز ذبح بقية الهدايا فى أى وقت شاء ولا يجوز ذبح الهدايا إلا فى الحرم لقوله تعالىٰ: ﴿بالغا الكعبة﴾ ولأن الهدى اسم لما يهدى إلى مكان ومكانه الحرم قال النبى صلى اللّٰه عليه وسلم: منىٰ كلها منحر وفجاج مكة كلها منحر. (الهداية، باب الهدى: ۳۸٤/۲-۳۸٥، مكتبة البشرىٰ كراتشى)

والحديث أخرجه الإمام أبو داؤد فى سننه. (سنن أبى داؤد، باب الصلاة بجمع، رقم: ۱۹۳۷، سنن ابن ماجة، رقم: ۳۰٤۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۷/۱۰/۱۴۲۹ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۵۴۹/۷)

حلق کرانے اور وطن واپس لوٹنے کے بعد معلوم ہوا کہ تمتع کی قربانی نہیں ہوسکی:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ہم قربانی کے پیسے مکہ میں رہنے والے ایک عزیز کو دے دیئے تھے، اس نے دس تاریخ کو قربانی کرنے کا وعدہ کرلیا تھا، سفرحج سے واپسی پر معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ اس شخص نے قربانی نہیں کی وہ ہرسال حاجیوں سے ایسے ہی قربانی کے نام سے پیسہ لے لیتا ہے، حاجی یہ سوچ کر کہ ہمارے علاقہ کا رہنے والا ہے، ہماری خیرخواہی میں ہمارا یہ تعاون کررہا ہے، پیسہ دے کر مطمئن ہوجاتا ہے، پھر وہ شخص کسی بھی حاجی کے ذریعہ وہ سب پیسہ اپنے گھر بچوں کو بھیج دیتا ہے، اب واپسی پر یہ تحقیق ہوئی، آئندہ کے لیے ایک دوسرے کو بتلانا بھی شروع کردیا ہے کہ فلاں شخص کو کوئی قربانی کے پیسے نہ دے؛ مگر جن حاجیوں کی قربانی نہیں ہوئی وہ کیا کریں، کیا دم تو لازم نہیں آیا اور قربانی دوبارہ کریں کیا کریں؟ وہ حاجی بہت پریشان ہیں، امید ہے، جلد ہی جواب مرحمت فرماکر ارسال فرمادیں؟

باسمه سبحانه تعالیٰ ، الجواب ــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

مسئولہ صورت میں جن حاجیوں کی قربانیاں نہیں ہوسکی ہیں، ان کو حدود حرم کے اندر اپنی قربانی کرانا لازم ہے اور چوں کہ وقت مقررہ؛ یعنی ایام نحر میں قربانی نہیں ہوئی؛ اس لیے بطور جنایت مزید ایک ایک قربانی لازم ہوگی۔

قال الله تعالى:﴿وَلَا تَحْلِقُوْا رُؤُوسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ﴾(سورة البقرة:١٩٦)

قال ابن جرير الطبراني:فإن كان أحرم بالحج فمحله يوم النحر وإن هو رجع لم يزل محرما حتٰى ينحرعنه رجع لم يزل محرما حتٰى ينحرعنه يوم النحر،فإن هوبلغه أن صاحبه لم ينحرعنه عاد محرماً وبعث بهدى آخر،فواعد صاحبه يوم النحرعنه بمكة ويحل.(تفسير الطبراني:٧٦٧/٣-٣٦٦)

قال أبوحنيفة وأصحابه : إذا حل المحصر قبل أن ينحر هدية فعليه دم ويعود حراماً كما كان حتٰى ينحرهدية.(الجامع الأحكام القرآن: ٣٥٣/١،المكتبة التجارية)

وفي الحديث الطويل أخرج البخاري ومسلم بأسانيد هم فيه: ثم لم يتحلل من شيء حرم منه حتٰى قضى حجه،ونحرهديه يوم النحر وإفاض وطاف بالبيت ثم حل من كل شيء حرم منه.(صحيح البخاري،رقم: ١٦٩١،صحيح مسلم،رقم:١٢٢٧،كذا إعلاء السنن: ٣٣٦/١،رقم:٢٨٧٦)

وكذلك لو بعث الهدى وواعدهم أن يذ بحوا عنه في الحرم في يوم بعينه ثم حل من إحرام ظن أنهم ذبحوا عنه فيه،ثم تبين أنهم لم يذبحوا فإنه يكون محرماً. (بدائع الصنائع،حكم الإحصار:٣٩٩/٢،زكريا)

ويختص ذبحه بالمكان وهوالحرم ،وبالزمان وهوأيام النحرحتٰى لوذبح قبلها لم يجز بالأجماع ولوذبح بعدها أجزاه بالإجماع،ولكن كان تاركاً للواجب عند الإ مام يجب بين

الرمی والحلق ولا آخر له فی حق السقوط. (غنية،قديم:۱۲۸)

ولو أخر القارن والمتمتع الذبح عن أيام النحر فعليه دم. (غنية:۱۴۹)

إذا عجز القارن والمتمتع عن الهدی أو الصوم بأن كان شيخاً فانيا بقی علی ذمته ولا يجزئه الفدية عن الصوم. (غنية جديد: ۲۱۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۲/۱/۱۴۳۱ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/۵۵۳)

قارن اور متمتع کے لیے رمی قربانی اور حلق میں ترتیب واجب ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ دسویں تاریخ کے مناسک میں احناف کے نزدیک ترتیب واجب ہے، آج کل حجاج کو جو دشواریاں لاحق ہوتی ہیں تقریباً سب اہل علم ان سے واقف ہیں، میں ذیل میں چند دشواریاں عرض کرتا ہوں۔

(۱) قربانی بہر حال رمی کے بعد کرنی ہوتی ہے، لوگ اپنی قربانیوں کا مختلف طریقہ سے بندوبست کرتے ہیں، کچھ ذمہ دار لوگ کو پیسے دے دیتے ہیں کہ وہ ان کی طرف سے قربانی کر لیں، کچھ لوگ بینک میں پیسے جمع کروادیتے ہیں اور کچھ لوگ جو گروپ کے ساتھ جاتے ہیں، وہ اپنے گروپ لیڈر کو پیسے دے دیتے ہیں، گو کہ ہر ایک اپنا وقت دے دیتا ہے کہ ہم آپ کی طرف سے اتنے بجے قربانی کریں گے، پھر اس کے باوجود اکثر یہ ہوتا ہے کہ رمی کرنے میں لوگوں سے تاخیر ہو جاتی ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ لوگ جب رمی کرنے جاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حادثہ کی وجہ سے اموات ہو رہی ہیں تو یہ لوگ رک جاتے ہیں کہ بعد میں کریں گے، ادھر معلوم ہوا کہ ان کی قربانی ہو چکی ہے تو یہ بے چارے کیا کریں؟ ایک اور دم کا حکم لگانا کیا ان کے لیے پریشانی کا سبب نہیں ہوگا، خاص کر جب آدمی مسافر ہوتا ہے تو ضرورت کے لحاظ سے اپنے پاس پیسہ رکھتا ہے؟

(۲) اسی طرح حلق کا مسئلہ ہوتا ہے، حجاج کو جو وقت دیا جاتا ہے کہ آپ اتنے بجے حلق کر لیں، وہ لوگ تو احتیاطاً کئی گھنٹہ کے بعد حلق کرتے ہیں، اس کے باوجود کئی دفعہ معلوم ہوا کہ ان کی قربانی آج نہیں ہوسکی، اگلے دن ہوگی، جب کہ بے چاروں نے وقت مقرر کے کئی گھنٹوں کے بعد حلق کیا ہے، نیز یہ بھی دیکھنے کہ رمی کے بعد لوگ بجائے یکسوئی حاصل کرنے کے ادھر اُدھر پھرتے رہتے ہیں کہ کیا ہماری قربانی ہوگئی، بعض دفعہ رات کے دس گیارہ بج جاتے ہیں اور قربانی کرنے والے حضرت کا کچھ پتہ نہیں ہوتا، جب وہ آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ٹریفک کی وجہ سے دیر ہوگئی موبائل کی بیٹری ختم ہوگئی تھی؛ اس لیے آپ لوگوں کو فون نہ کر سکا اور جب لوگوں کے نام پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ میاں کا ہو گیا بیوی کا نہیں ہوا، یا بیوی کا ہو گیا، میاں کا نہیں ہوا؟ ان تمام وجوہات کی وجہ سے حجاج بڑے پریشان رہتے ہیں، تنگ آ کر کتنے حنفی حجاج بینک میں پیسہ جمع کر دیتے ہیں، جب کہ بینک والوں کا حال یہ ہے کہ وہ تقریباً سب

ہی کو دسویں تاریخ کی صبح دس گیارہ بجے کا وقت دے دیتے ہیں۔ایک دفعہ میں نے ان لوگوں سے پوچھا کہ لاکھوں آدمیوں کی قربانی ایک ہی وقت میں آپ کیسے کر لیتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ جیسے ہی پرچی کٹاتے ہیں، آپ کی قربانی ہوجاتی ہے، یہ پرچہ آپ کی نیابت کرتا ہے، اب چاہے آپ کی قربانی تین دن کے بعد ہی کیوں نہ ہو، آپ حلق وقصر کر کے احرام کھول سکتے ہیں، چناں چہ کتنے لوگوں کو دیکھا کہ رمی کر کے بینک سے پرچہ کٹواتے ہیں اور بینک والے کہتے ہیں کہ آدھا گھنٹہ کے بعد آپ حلق وقصر کر کے احرام کھول لیں اور لوگ اس پر عمل کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا مسائل اور پریشانیوں کو سامنے رکھتے ہوئے آپ حضرات سے گزارش ہے کہ اس مسئلہ میں دوسرے ائمہ اور خاص کر صاحبینؒ کے قول پر عمل کرتے ہوئے کس قدر توسع کی گنجائش ہے، اگر کسی وجہ سے ترتیب قائم نہ رکھ سکے تو کیا دم ساقط ہونے کا فتویٰ دیا جاسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ ، الجواب ـــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

حنفیہ کے مفتی بہ قول کے مطابق حج میں قارن اور متمتع کے لیے رمی، قربانی اور حلق میں ترتیب واجب ہے، جس کے ترک پر دم واجب ہوجاتا ہے، بے شک موجودہ دور میں حکومت سعودیہ کے قربانی کے نظام کی وجہ سے اس ترتیب کا برقرار رکھنا مشکل ہوگیا ہے؛ لیکن یہ ایسا ناممکن العمل نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے سرے سے حکم ترتیب ہی کو کالعدم کردیا جائے، واقعہ یہ ہے کہ مختلف قسم کی پابندیوں کے باوجود اب بھی ایسی صورتیں موجود ہیں، جن کو اپنا کر باہمت اور واقف کار لوگ اعمال حج میں ترتیب برقرار رکھ سکتے ہیں، مثلاً:

(۱) ہمارے علم میں حدود حرم میں کم از کم چار مقامات ایسے ہیں، جہاں حجاج خود جا کر اپنے ہاتھ سے قربانی کر سکتے ہیں۔

الف: منی اور مزدلفہ سے متصل ''المعیصیم'' نامی قربان گاہ جو بہت بڑے رقبہ میں پھیلی ہوئی ہے، یہاں ہجوم زیادہ رہتا ہے۔

ب: اسی جگہ سے ٹیکسیاں ملتی ہیں، جو مویشیوں کی بڑی منڈی (سوق المواشی) تک لے جاتی ہیں، وہاں جا کر آسانی سے قربانی کی جاسکتی ہے۔

ج: اسی طرح مکہ معظمہ کے محلّہ ''شرائع'' میں بھی ایک بڑی قربان گاہ ہے، وہاں جانور خرید کر اپنی طرف سے اور اپنے ساتھیوں کی طرف سے قربانی کی جاسکتی ہے۔

د: نیز مکہ مکرمہ میں محلّہ ''مسفلہ'' سے آگے چل کر خالقہ نامی ایک بڑی منڈی ہے، اس میں بھی جانوروں کی فروختگی اور قربانی کا نظم ہے؛ اس لیے بہتر یہ ہے کہ رمی کرنے کے بعد باہمت طاقت ور اور دیانت دار افراد ان جگہوں پر جا کر اپنی طرف سے اور اپنے ساتھیوں کی طرف سے قربانی کریں اور اس کے بعد حلق کرائیں؛ تاکہ ترتیب برقرار رہے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ جو لوگ ان جگہوں پر نہیں جاسکتے وہ واقف وجانکار اور معتمد علیہ ساتھیوں پر اعتماد کرکے ان کو قربانی کے لیے بھیج دیں اور آج کل موبائل کی سہولت حج میں عام ہوگئی ہے، یہ حضرات جب قربانی کرلیں تو اپنے ساتھیوں کو خبر دیں کہ قربانی ہوچکی ہے، اب حلق کرالیا جائے؛ لیکن یہاں یہ خیال رہنا چاہیے کہ کسی بھی اجنبی اور ناواقف شخص پر اعتماد نہ کیا جائے؛ اس لیے کہ کئی سالوں سے ایسے واقعات پیش آئے کہ حجاج کی بلڈنگوں پر آکر بعض لوگوں کو سستی قربانی کا لالچ دے کر بڑی تعداد میں رقمیں وصول کرلیں اور پھر قربانیاں نہیں کیں؛ اس لیے حجاج ایسے لوگوں کے جھانسے میں نہ آئیں؛ بلکہ صرف قابل اعتماد افراد کے ذریعہ ہی قربانی کرائیں۔

(۳) تیسری شکل یہ ہے کہ مدرسہ صولتیہ میں قربانی کے لیے رقم جمع کرادیں اور ان کے دئے ہوئے وقت کی پابندی کریں۔ الغرض موجودہ حالات میں مذکورہ بالا صورتوں کو اپنا کر جب ترتیب برقرار رکھی جاسکتی ہے تو مطلقاً ترتیب کے حکم کو ساقط کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے؛ اس لیے حنفی حجاج کو اپنی ترتیب باقی رکھنے کی حتی الامکان کوشش کرنی چاہیے اور بینک کا کوپن خرید کر خود اپنی مرضی سے ترتیب کو خراب نہیں کرنا چاہیے؛ تاہم اگر کوئی شخص اپنی کمزوری، یا کسی اور معقول وجہ سے کوشش اور فکر کے باوجود ترتیب کو برقرار نہ رکھ سکے تو اس کے وجوب کا حکم نہیں دیا جائے گا، چناں چہ ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علما ہند کے چھٹے فقہی اجتماع منعقدہ ۱۴۱۷ھ (بمقام دیوبند) میں ہند و پاک کے معتبر علما ومفتیان کرام نے یہ تجویز منظور فرمائی ہے۔

قلت: وقد يدل علىٰ وجوب الترتيب بين الرمي والذبح والحق والطواف ما رواه أنس بن مالک رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أتى منى، فأتى الجمرة فرماها، ثم أتى منزله بمعنى ونحر ثم قال للخلاف، خذوا أشار إلىٰ جانبه الأيمن ثم الأيسر. (الصحيح لمسلم، باب بيان أن السنة يوم النحر أن يرمي ثم ينحر ثم يحلق رقم: ۱۳۰۵)

وفي حديث جابر رضي الله عنه: أن النبي صلى الله عليه وسلم انصرف إلى المنحر، فنحر، ثم ركب فأفاض إلى البيت. (الصحيح لمسلم، باب حجة النبي صلى الله عليه وسلم رقم: ۱۲۱۸)

عن إبراهيم قال: من حلق قبل أن يذبح أهرق دما فقراً، ﴿وَلَا تَحْلِقُوْا رُؤُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّه﴾ (البقرة: ۱۹۶) (المصنف لابن أبي شيبة كذا في الجوهر النقي: ۳۴۷/۱، ومسند أحمد: ۲۳۴/۱، وسنن النسائي: ۵۲/۲، والبيهقي في السنن الكبرى: ۱۳۳/۵، إعلاء السنن: ۱۸۳/۱۰، دارالكتب العلمية بيروت)

قال الشامي: والحاصل أن الطواف لا يجب ترتيبه علىٰ شيء من الثلاثة، وإنما يجب ترتيب الثلاثة، الرمي ثم الذبح ثم اللحق، لكن المفرد لا بح عليه فيجب عليه الترتيب بين الرمي والحق فقط (شامي: ۵۸۸/۳، زكريا)

اعلم أن ما يفعل فى أيام النحر أربعة أشياء :الرمى والنحر والحلق والطواف،وهٰذا الترتيب واجب عند أبى حنيفةومالک وأحمد. (البحرالرائق:۳/ ۲٤، کراتشی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ:احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ۱۹/۴/۱۴۲۵ھ۔الجواب صحیح:شبیر احمد عفا اللہ عنہ(کتاب النوازل:۷/۵۵۵)

حاجی کی طرف سے اہل خانہ کا قربانی کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک شخص حج کرنے کو گیا ہے اور وہاں جا کر اس کو قربانی کرنی ہے اور اس شخص کے گھر پر بھی قربانی ہوتی ہے، اگر قربانی اسی کے گھر پر ہو جائے اور حج کے دوران وہ شخص قربانی وہاں نہ کرے تو اس کا حج جائز ہوگا، یا کہ نہیں؟

باسمه سبحانه تعالیٰ ، الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

تمتع اور قران کرنے والے پر جو قربانی بطور شکر واجب ہوتی ہے، اس کو حدود حرم میں کرنا لازم ہے، حدود حرم کے باہر اپنے قربانی کرنے سے حج والی قربانی ادا نہ ہوگی، البتہ جو حاجی ایام حج میں مقیم اور مال دار ہو، اس کے لیے اپنی مالی قربانی کہیں بھی کرنا جائز ہے، خواہ حدود حرم میں ہو، یا اپنے گھر پر اس قربانی کا حج کی قربانی سے کوئی تعلق نہیں۔

عن جابر رضى اللّٰه قال:ثم قال النبى صلى اللّٰه عليه وسلم:قد نحرت هٰهنا ومنى كلها فنحر. (سنن أبى داؤد،باب صفة حجة النبى صلى اللّٰه عليه وسلم رقم:۱۹۰۷)

وخص ذبح الكل بالحرم. (كنز الدقائق مع البحر:۳/ ۱۲۸،زكريا)

ويختص بالمكان وهوالحرم والزمان وهوأيام النحر. (رد المحتار،باب القران أفضل:۳/ ۵۵۷، زكريا)

هدى القارن والمتمتع هوواجب شكراً علىٰ اطلاق الارتفاق بالعمرة فى وقت الحج فإنه أرفق وعلىٰ توفيقه لأداء النسكين فى أشهرالحج بسفر واحد ويختص ذبحه بالمكان وهو الحرام وبالزمان وهوأيام النحرحتىٰ لو ذبح قبلها لم يجزه بالإ جماع. (غنية الناسک،باب القران:۲۰۶ـ۲۰۷،إدارة القرآن کراتشی)

وأما الأضحية فإن كان مسافراً فلا يجب عليه،وإلا فكا لمكى فتجب. (غنية الناسک: ۱۷۲، إدارة القرآن کراتشی)

عند أبى حنيفة محل الهدى فى الإحصار الحرم لقوله تعالىٰ:﴿ثُمَّ مَحِلُّهَا اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ﴾(الحج: ۳۲)**واحتجوا من السنة بحديث ناحية بن جندب صاحب النبى صلى اللّٰه عليه وسلم: ابعث معى الهدى فانحره بالحرم قال فكيف تصنع به قال:أخرجه فى الأ دية لا يقدرون عليه فانطلق به حتىٰ أنحره فى الحرم.** (الجامع لأحكام القرآن:۲/ ۳۵۳،المكتبة التجارية) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ۱۴/۶/۱۴۲۹ھ۔الجواب صحیح:شبیر احمد عفا اللہ عنہ(کتاب النوازل:۷/۵۵۲)

حج کی قربانی کہاں کی جائے:

سوال: ریڈیو کویت اور پاکستانی رسالہ ''اخبار جہاں'' سے معلوم ہوا کہ دورانِ حج قربانی منیٰ میں نہ کر کے اپنے ملک، یا گھروں میں کر سکتے ہیں؟

(حافظ مہدی حسن، پوسٹ بکس ۴۲۲ ریاض، سعودی عرب)

الجواب ——————— وباللّٰہ التوفیق

یہ مسئلہ بھی غلط بتایا اور وجہ بھی غلط بتائی یا پھر ادھوری بات بتائی۔ مسئلہ اس طرح ہے کہ قربانی دو طرح کی ہوتی ہے:

ایک قربانی تو وہ ہے، جو صاحب نصاب مقیم پر واجب ہوتی ہے، خواہ حج کرنے جائے، یا نہ جائے۔ اگر حاجی صاحب نصاب ہے اور مکہ مکرمہ، یا مدینہ طیبہ کا مکین بھی پندرہ دن سے زیادہ قیام کی نیت کرے تو اس پر قربانی واجب ہو جائے گی، اس کے بارے میں اختیار ہے کہ چاہے تو مکہ مکرمہ میں، یا مدینہ طیبہ میں، یا گھر پر ہی کرنے کا انتظام کرے، یا اپنے وطن میں قربانی کے لیے رقم بھیج دے کہ وطن کے لوگ وطن میں اس کی طرف سے کر دیں اور اس قربانی کے بارے میں مذکورہ مصلحت سوچی جا سکتی ہے۔

اور دوسری قربانی حاجی پر بوجہ حج واجب ہوتی ہے، اس قربانی کا منیٰ میں کرنا واجب ہے، اس میں گوشت کے اضاعت وعدم اضاعت پر نظر نہ ہوگی؛ بلکہ اس میں صرف اراقہ دم شرعاً مطلوب ہے، اس میں مذکورہ مصلحت بیان کرنا غیر شرعی بات ہوگی، اسی طرح دم احصار اور دم جنایت کا بھی حکم ہے کہ اس کا بھی حدود حرم میں کرنا واجب ہوتا ہے، اس کے بارے میں بھی مذکورہ مصلحت صحیح نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور، ۱۳۹۹/۲/۲ھ۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۲/۴۲-۴۳)

منیٰ کی قربانیوں کا گوشت اور چمڑا قابل استعمال بنانے کی اسکیم:

سوال: ادارہ ہذا نے منیٰ کی قربانیوں کے جانوروں کے چمڑے، گوشت وغیرہ کو سائنٹفک طریقہ پر کارآمد بنا کر اس کی آمدنی سے مسلمانوں کی تعلیمی ومعاشرتی پستی کی امداد کے لیے سفارت خانہ حکومت سعودی عربیہ دہلی سے درخواست کی، معزز سفیر نے رابطہ عالمِ اسلامی کانفرنس سے رجوع کرنے کی ہدایت کی۔ نیز حکومتِ ہند نے مذہبی موانعات کا جواز ظاہر کر کے اس میں حصہ لینے سے مجبوری کا اظہار فرمایا۔

ان حالات میں ہمارے اس منصوبہ کی تکمیل وکامیابی کے لیے آپ کی اصابت رائے اور فتویٰ کافی اہمیت کا حامل ہے، براہِ کرم اس تعلق سے فتویٰ صادر فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب ——————— وباللّٰہ التوفیق

یہ تو ظاہر ہے کہ قربانی کا گوشت وچمڑا قربانی کرنے والا خود استعمال کر ڈالے، یا کسی غریب کو صدقہ کر دے، یا کسی

غنی کوتحفہ، یاہدیہ کردے، یہ سب جائز ہے،(۱) بشرطیکہ وہ واجب التصدق نہ ہو، (جیسا کہ نذر کی قربانی، یا میت کی طرف سے اس کی وصیت کے مطابق کی ہوئی قربانی، یا دمِ جنایت) ورنہ اس کا حکم دوسرا ہوگا، پھر وہ غنی وغریب اس کا مالک ہونے کے بعد خوداستعمال کرے، یاکسی کودے دے، حتیٰ کہ چمڑے کواگرفروخت کرکے اس کی قیمت اپنے مصرف میں صرف کردے، اس کا بھی اختیار اس کو حاصل ہے۔

ہاں قربانی کرنے والا اگر خود تحفہ، ہدیہ یا صدقہ کرنے کے بجائے فروخت کردے تو اس پر اس کی قیمت کا تصدق کرنا لازم ہوگا، یہی حکم منیٰ کی قربانی اور مناسکِ حج کے اضحیہ کا بھی ہے، البتہ فرق یہ ہے کہ مناسکِ حج کا اضحیۃ خالص اوراعلیٰ شعائر اسلامیہ میں سے ہے اوراس میں محض اظہارِ تعبد بشکل اراقۃ دم ہے، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی موقعہ پر ستر اونٹ اور کسی موقعہ پر سو اونٹ کی قربانی کرنے سے ظاہر ہے؛ کیوں کہ نفسِ وجوبِ اضحیہ تو ایک بکری یا اونٹ کے ساتویں حصہ سے بھی ادا ہوسکتا ہے۔

اور یہ اسکیمیں اگر چہ بظاہر خوشنما ہی نہیں، قدرے مفید بھی معلوم ہوتی ہیں؛ مگر اظہارِ تعبد کے منافی ہیں اور اس مقصد کوفوت کرتی ہیں، جو مشکوٰۃ نبوت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے طرز عمل سے ظاہر ہورہا ہے؛ کیوں کہ اس طرح کاربند ہونے پر بعد چندے یہ عمل (اراقۂ دم) محض ایک سیاسی، تجارتی، معاشی مقصد ہوکر رہ جائے گا اور اظہارِ تعبد فنا ہوکر قلبِ موضوع، قلب ماہیت اور مسخ مذہب کا ذریعہ وسبب بن جائے گا؛ اس لیے اس اسکیم کو اختیار کرنا شریعت مطہرہ کے ایک اہم مقصد کوفوت کرنا ہے۔

دوسرے یہ کہ مسلمانوں کی تعلیمی ومعاشی پستی کے ازالہ کی اس سے آسان اور بے کھٹکے دوسری بہت سی صورتیں موجود ہیں اوران میں سے یہ صورت بہت ہی آسان ہے کہ ایسا نیک جذبہ رکھنے والے اگر خود صاحبِ نصاب نہ ہوں، جب بھی اپنے گردوپیش بسنے والے اغنیا سے پوری پوری رقم زکوٰۃ ادا کرنے اور اس قسم کے پریشان حالوں کی پریشانی رفع کرنے میں کرائیں اور اگر خود بھی صاحب نصاب ہیں تو ان پر اور بھی حکم متوجہ ہے کہ اپنی رقم کی پوری پوری زکوٰۃ صحیح طریقہ اوران مصارف میں صرف کرکے ایسے لوگوں کی پریشان حالی دور کریں اور دور کروائیں اوران کا باقاعدہ نظم فرمائیں۔ اسی طرح حکومتوں کو بھی اس طرف متوجہ فرمائیں کہ احوالِ باطنہ وظاہرہ دونوں کی زکوٰۃ کا صحیح نظم اور صحیح استعمال ہونے لگے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور، ۲/۲/۱۳۹۹ھ۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۲/۴۳-۴۴)

ذبح کرنا قربانی کے جانور، یا شکریہ کے جانور کا محرم کے لیے کیسا ہے:

سوال: قربانی یا شکریہ کا جانور محرم ذبح کرے، یا نہ کرے؟

---

(۱) ویتصدق بجلدها لأنه جزء منها أویعمل منه آلة تستعمل فی البیت کالنطع والجراب والغربال ونحوها. (الهدایة آخرین، ص: ٤٣٤، کتاب الأضحیة)

الجواب

في الدر المختار: (وله)أی للمحرم (ذبح شاة...وبقرة وبعير ،إلخ). (مع ردالمختار)(۱)
اس سے جواز معلوم ہوا۔
(تتمۂ اُولیٰ ،ص:۷۰)(امداد الفتاویٰ:۱۶۲/۲)

حاجی پر عید الاضحیٰ کی قربانی واجب نہیں ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ دو بھائیوں میں سے ایک حج کے لیے گیا گھر پر جو بھائی رہ چکا ہے،اس پر اس حاجی بھائی کی طرف سے قربانی واجب ہوگی ، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔
(المستفتی: مختار سید بنوی،۱۹۸۳/۸/۱۶ء)

الجواب

حاجی پر قربانی واجب نہیں ہے، نہ منیٰ میں اور نہ وطن میں، کما في البدائع وتمام الكلام في الساري. (۲)
وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ:۲۹۲/۴)

حرمین میں مقیم حاجی پر اضحیہ کا مسئلہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے والد صاحب نے امسال حج پر روانہ ہونے سے پہلے مجھے کہا کہ آپ میری طرف سے ایک بکرا ذبح کریں، جو کہ دم اضحیہ ہے اور مجھ پر واجب ہے، باقی دم شکر کا بکرا میں خود ذبح کروں گا، میں نے مقامی علما سے پوچھا،انہوں نے کہا: دو دم نہیں ہیں؛اس لیے میں نے والد

(۱) الدر المختار مع ردالمحتار،باب الجنايات في الحج:۵۷۱/۲،دارالفكربيروت
نیز دیکھئے:البحر الرائق، كتاب الحج:٦٤/٣،انيس

(۲) بدائع الصنائع:٥٩١/٤، كتاب التضحية فصل شرائط الوجوب
قال العلامة ملا علی قاری: اعلم ان الاضحية واجبة على كل مسلم حر مقيم موسر ويستوی فيه المقيم بالامصار والقرىٰ والبوادی فلا تجب على المسافرين ولا على الحاج اذا كان محرما وان كان من اهل مكة كذا فی الخزانة ولعل وجهه انه يجب على الحاج دم القران او متعة ويستحب لهم دم افراد فيسقط عنهم دم الاضحية تخفيفا عليهم كما سقط عنهم صلاة العيد اجماعا وكذا صلاة الجمعة بمنىٰ عند بعضهم قال السنجاری فی منسكه ولا تجب الاضحية على المسافر والحاج لان فيه الحاق المشقة بالمشقة وتجب على اهل مكة لعدم المشقة فيهم ولعله اراد باهل مكة من لم يحج منهم ولا يبعد انه اذا اراد عمومهم فقد قال الحدادی وأما اهل مكة فتجب عليهم وان كانوا حجوا كذا فی الكرخی وذكر فی الخجندی انها لا تجب على الحاج اذا كان محرما وان كان من اهل مكة، والله اعلم (ارشاد الساری،ص:٢٦٣،مطلب فی التحقيق فی اضحية اهل مكة إذا حجوا)

صاحب کی جانب سے قربانی نہیں کی، جب وہ واپس تشریف لائے اور انہیں معلوم ہوا تو بہت خفگی کا اظہار کیا۔اب ازروئے شرع اس قربانی کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: سردار علی خان، ۲۴/۲/۱۹۴۷ء)

الجواب

محترم وعلیکم السلام کے بعد واضح رہے کہ اگر آپ کے والد صاحب رمضان میں مدینہ منورہ گئے ہوں اور وہاں سے شوال میں عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ واپس ہوا ہو تو آپ کے والد صاحب متمتع تھے اس پر دم تمتع واجب ہوا ہے جو کہ اس نے ادا کیا ہے اور چونکہ آپ کے والد صاحب حرمین میں مقیم تھے، **كما هو الظاهر لأنه نوىٰ أكثر من خمسة عشر يوماً** ، لہٰذا اس پر اضحیہ واجب تھا، (۱) اور جب آپ نے اس کی طرف سے اضحیہ ذبح نہیں کیا ہے تو ابھی ایک متوسط شاۃ (دنبہ) جو کہ چھ ماہ سے زائد عمر کا ہو اور اتنا فربہ ہو کہ سال بھر کا معلوم ہوتا ہو کی قیمت مساکین میں تقسیم کریں۔ (کما فی رد المحتار: ۲۸۰/۵) (۲) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۹۳/۴)

ایام النحر میں دم نہ کرنے والا حاجی اب کیا کرے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب ایک حاجی ایام النحر میں لاعلمی، بھول، یا کسی اور وجہ سے دم ادا نہ کرے، جبکہ فریضہ حج سے پہلے برائے زیارت مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم گیا ہو، اب یہ حاجی ایک دم ادا کرے گا، یا دو؟ اور ایام النحر میں، یا دوسرے ایام میں بھی ادا ہوسکتا ہے؟ نیز زمین حرم میں، یا زمین حل میں بھی ہوسکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: فضل ہادی حقانی خرکی، ضلع مردان، ۹/۸/۱۹۴۷ء)

الجواب

اگر یہ حاجی مدینہ منورہ سے رمضان میں واپس ہوا ہو تو اس پر دم تمتع نہیں ہے، البتہ اگر اس نے عام قربانی ایام نحر میں

(۱) قال العلامة الكاساني: وذكر في الاصل وقال: ولا تجب الاضحية على الحاج واراد بالحاج المسافر فاما اهل مكة فتجب عليهم الاضحية وان حجوا لما روىٰ نافع عن ابن سيدنا عمر رضي الله عنهما انه كان يخلف لمن لم يحج من اهله اثمان الضحايا ليضحوا عنه تطوعا. (بدائع الصنائع: ۱۹۵/۴، كتاب التضحية فصل شرائط الوجوب) ومثله في إرشاد الساري: ۲۶۳، مطلب في التحقيق في أضحية أهل مكة)

(۲) قال العلامة ابن عابدين: (قوله وتصدق بقيمتها غني شراها اولا) وتعقبه الشيخ شاهين بان وجوب التصدق بالقيمة مقيد بما اذا لم يشتر اما اذا اشترى فهو مخير بين التصديق بالقيمة او التصدق بها حية كما في الزيلعي ابو السعود... فبين ان المراد اذا لم يشترها قيمة شاة تجزئ في الاضحية كما في الخلاصة وغيرها قال القهستاني او قيمة شاة وسط كما في الزاهدي والنظم وغيرهما. (ردالمحتار هامش الدر المختار: ۲۲۶/۵، كتاب الاضحية)

نہیں کی ہوتو وہ ایک شاۃ کی قیمت بطور تصدق مساکین میں تقسیم کرے،(۱) اور اگر مدینہ منورہ سے شوال میں عمرہ کے احرام سے آیا ہوتو اس پر دم تمتع واجب ہوگا،(۲) اور تاخیر کی وجہ سے دم جنایت بھی واجب ہوگا اور زمین حرم کے ساتھ مختص ہوگا۔(ہندیہ)(۳) اور اگر یہ حاجی وقوف عرفات سے پہلے فوت ہوا ہوتو اس پر نہ قربانی ہے اور نہ دم تمتع وغیرہ، پس اگر اس حاجی نے حج مکمل کیا ہو؛ لیکن دم تمتع ذبح نہ کیا ہوتو کسی کو وکیل بنا کر حرم میں دو دنبے وغیرہ ذبح کروائے، خواہ ایام حج میں ہو، یا پہلے ہو۔ وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ:۲۹۴/۴)

حج کی قربانی سے کھانا ضروری نہیں خون بہانے سے ثواب مل جاتا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ حج میں لاکھوں قربانیاں ہوکر آخر میں اسے جلایا جاتا ہیں، لوگ تھوڑا بہت گوشت کھالیتے ہیں، باقی چھوڑ دیتے ہیں اور ضائع ہوجاتا ہے۔ اس کا کیا حکم ہے؟ بینواتوجروا۔

(المستفتی: لیفٹیننٹ محمد دین، جدہ سعودیہ، ۱۰/۸/۱۹۸۳ء)

الجواب

قربانی کے گوشت میں سے کھانا ضروری نہیں خون بہانے سے ثواب مل جاتا ہے۔(۴) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ:۲۹۶/۴)

منی میں حجاج کا اسلامی بنک کے توسط سے جانور ذبح کرانا:

سوال: ماہنامہ ''الفرقان'' جون وجولائی ۱۹۸۶ء مطابق شوال وذی قعدہ ۱۴۰۶ھ، شمارہ، ص:۶،۷، جلد نمبر:۵۴ میں حضرت مولانا محمد برہان الدین صاحب سنبھلی دامت برکاتہم کا ایک مضمون بہ عنوان ''حضرت علمائے کرام کی خدمت میں حج کی قربانی سے متعلق ایک اہم سوال چھپا تھا۔ احقر کے پاس ان کا مکتوب گرامی آیا کہ اس کے متعلق اپنی رائے تحریر کروں۔

(۱) قال العلامة الحصكفي: وتصدق بقيمتها غنى شراها اولا لتعلقها بذمته بشرائها اولا فالمراد بالقيمة قيمة شاة تجزى فيها.(الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۲۲۶/۵،قبيل فروع كتاب الأضحية)

(۲) وفي الهندية: والمتمتع من يأتي باعمال العمرة في اشهر الحج اويطوف اكثر طوافها في اشهر الحج ثم يحرم بالحج ويحج من عامه ذلك قبل ان يلم باهله بينهما الماما صحيحا.(الفتاوىٰ الهندية: ۲۳۸/۱، باب القران والتمتع)

(۳) وفي الهندية: لا يجوز ذبح هدى المتعة والقران الا في يوم النحر حتى لو ذبح قبله لا يجوز اجماعا وبعده كان تاركا للواجب عند الامام فيلزمه دم ويجوز ذبح بقية الهدايا في اى وقت شاء ولا يجوز ذبح الهدايا إلا في الحرم.(الفتاوىٰ الهندية: ۲۶۱/۱،الباب السادس عشر في الهدى)

(۴) قال العلامة ابى بكر بن على الحداد اليمني: الاضحية اراقة الدم من النعم دون سائر الحيوان والدليل على انها الاراقة انه لو تصدق بعين الحيوان لم يجز والصدقة بلحمها بعد الذبح مستحب وليس بواجب حتى لولم يتصدق به جاز قال في الواقعات شراء الاضحية بعشرة دراهم خير من التصدق بالف درهم لان القربة التي تحصل باراقة الدم لا تحصل بالصدقة.(الجوهرةالنيرة: ۱۸۲/۲، كتاب الاضحية)

مولانا کے سوال کا خلاصہ یہ ہے:

’’حج کے دنوں میں ۱۰-۱۱-۱۲/ذی الحجہ کو منی کے اندر لاکھوں جانور قربان کئے جاتے ہیں اور چند سال پہلے تک وہاں ذبح ہوئے والے جانوروں کا گوشت عموماً ضائع ہوجاتا تھا؛ بلکہ اس کی بدبو سے بیماریاں پھیلنے کا خطرہ پیدا ہوجاتا تھا۔اس صورت حال سے تمام حساس لوگ فکرمند اوراس کے آرزومند تھے کہ ایسی کوئی صورت نکلے،جس سے ہرسال اتنی بڑی مقدار میں ضائع ہونے والی خداوند تعالیٰ کی نعمت صحیح مصرف میں خرچ ہواوراس سے ان لاکھوں بھوکوں کے پیٹ بھرنے کا انتظام ہو،جوساری دنیا اور خاص عالم اسلام میں بھی ایک ایک بوٹی اور ایک ایک نوالہ کے لیے ترس رہے ہیں۔

انہی حساس اور دردمند دلوں کی توجہ دہانی سے بالآخر سعودی حکومت اوراس کے باشعور افراداس کا حل تلاش کرنے پرآمادہ ہوئے اوراس میں کامیاب بھی ہوئے۔

اس غرض سے تین سال ہوئے سعودی حکومت نے ایک بہت بڑا مذبح ’’مجزرۃ المعیضم‘‘ منیٰ میں بنوایا،جس کے اندر لاکھوں جانور نہ صرف ذبح کئے جاسکتے ہیں؛ بلکہ انہیں تیار کر کے ان کا گوشت محفوظ کیا جاسکتا ہے اور پیک کر کے مختلف ملکوں کے ضرورت مندوں کو بھیجا بھی جاسکتا ہے۔

چنانچہ ادھر تین سال سے (۱۴۰۳ھ کے حج سے) سعودی حکومت **’’البنک الإسلامی للتنمیة جدہ‘‘** کے تعاون سے اجتماعی قربانی کا اور گوشت محفوظ کر کے مختلف ملکوں کے ضرورت مندوں میں تقسیم کرنے کا نظم کررہی ہے۔

البنک الإسلامی (اسلامک ڈیولپمنٹ بنک I.D.B) کا طریق کار یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ایک مقامی کمپنی (شراکۃ الراجحی) کے توسط سے قربانی کے خواہش مند حجاج کے ہاتھوں ’’کوپن‘‘ فروخت کرتا ہے،کوپن پر مختلف قسم کی قربانیوں مثلاً ہدی،اضحیہ،صدقہ کے لیے الگ الگ علامتیں قائم کی گئی ہیں،حاجی جس قسم کی قربانی البنک الاسلامی کے ذریعہ کرانا چاہتا ہے،مطلوبہ قربانی کی علامت پر نشان لگا کر تعین کردیتا ہے،پھراس کی جانب سے قربانی کردی جاتی ہے؛لیکن حاجی کو بالعموم یہ نہیں معلوم ہو پاتا کہ اس کی طرف سے جانور کب ذبح کیا گیا؟اس طریق کار سے حنفی حجاج جو حج قران،یاتمتع کرتے ہیں کے لیے ایک اہم مسئلہ پیدا ہوگیا ہے؛ کیوں کہ فقہ حنفی میں ’’مفتی بہ‘‘ قول کے مطابق قران،یاتمتع کرنے والے ہرحاجی کے لیے یہ ضروری (واجب) ہے کہ وہ ۱۰/ذی الحجہ کومزدلفہ سے واپسی پر،پہلے جمرۃ العقبہ کی رمی کرے،پھرقربانی کرے (دم قران،یاتمتع دے) اوراس کے بعد سر کے بال اتروائے،اس ترتیب کی خلاف ورزی پرمزید ایک جانور کی قربانی بطور کفارہ کرنا ضروری ہوجاتا ہے،اس وجہ سے حنفی حجاج نے البنک الاسلامی سے بجا طور پر یہ مطالبہ کیا کہ انہیں یہ بتایا جائے کہ ان کی طرف سے جانور کس وقت ذبح کیا گیا؛ تاکہ وہ بقیہ کاموں میں بھی واجب ترتیب کا لحاظ رکھ سکیں؟

لیکن اجتماعی نظم میں ہر حاجی کو یہ بتانا عملاً ممکن نہیں کہ اس کی طرف سے جانور کب ذبح کیا گیا؟ اس مشکل کو حل کرنے کے لیے البنک الاسلامی جدہ کے بالغ نظر رئیس نے علما کا اجتماع جدہ میں منعقد کیا۔ اجتماع میں ایک حل یہ پیش کیا گیا کہ صاحبینؒ کے نزدیک ترتیب واجب نہیں، ایسی صورت میں جب کہ ہر سال لاکھوں مذبوحہ جانور ضائع ہونے سے بچ جاتے ہیں، اس مصلحت کی وجہ سے صاحبین کے قول پر فتویٰ دینا درست ہوگا؟ اور جو انتظام کیا گیا ہے، اس کو اختیار کرنا مناسب رہے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم، حامداً ومصلیاً ومسلماً:

حکومت لاکھوں جانوروں کی قربانی کی ذمہ داری لینے کے بعد گوشت کی حفاظت کے سلسلہ میں بے حساب رقم خرچ کرنے کے لیے آمادہ ہے، اس سے بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حسب دستور قربانی کا طریقہ قائم رہے، حجاج خصوصاً متمتع اور قارن اپنی قربانی اپنے مسلک کے مطابق کریں اور گوشت کی فراہمی اور حفاظت کے لیے زیادہ سے زیادہ مزدور اور ملازم مقرر کئے جائیں اور ایک وسیع وعریض مذبح کا انتظام کر کے وہیں قربانی کو ضروری قرار دیا جائے تو سارے مسائل حل ہوتے نظر آتے ہیں۔ (ان شاء اللہ) رقم وصول کر لینا اور حجاج کو وقت کا پابند بنانا تکلیف مالا یطاق ہے، جو محتاط حجاج ہیں، وہ شکوک وشبہات میں مبتلا رہیں گے اور قربانی ہونے کا یقینی علم نہ ہونے کی وجہ سے بڑی پریشانی میں مبتلا رہیں گے، چناں چہ امسال ہمارے یہاں کے ایک حاجی صاحب (جن کے ہمراہ تقریباً آٹھ حجاج تھے، ان سب) نے اس طریقہ پر عمل کیا، رمی کے بعد اس بات کی تحقیق کرنا چاہی کہ ہماری قربانی ہوگئی، یا باقی ہے؟ تحقیق کے لیے گئے تو متعین جگہ پر کوئی ذمہ دار نہیں ملا، چار پانچ مرتبہ گئے؛ مگر کچھ تحقیق نہ ہوسکی، ذہنی طور پر سب بہت پریشان ہوئے کہ حلق کر کے احرام اتار دیں، یا نہ اتاریں، بڑی کشمکش کے بعد کسی صاحب نے بتایا کہ آپ اطمینان رکھیں، آپ کی قربانی ہوگئی ہوگی، تب جا کر حلق کر کے احرام اتارا؛ مگر دل میں شک تو باقی ہی رہا؛ اس لیے جدید طریقہ اختیار کرنے کے بجائے قدیم طریقہ کو ہی قائم رکھنا بہتر معلوم ہوتا ہے، یہی قدیم طریقہ ہے، اسی پر عمل چلا آرہا ہے۔ نیز جدید طریقہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں وقت تک آپ رمی سے فارغ ہوجائیں، فلاں وقت آپ کی قربانی ہوگی، اس پر عمل دشوار ہے، ممکن ہے کہ کوئی عذر پیش آجائے، مثلاً بیمار ہوگیا، یا کوشش کے باوجود رمی کے لیے نہیں پہنچ سکا، ایسے وقت قربانی سے پہلے رمی سے فارغ ہوجانا اور قربانی کے بعد حلق ہونا مشکل ہے، ترتیب قائم رکھنا مشتبہ ہی رہے گا اور جو عبادت عمر بھر میں ایک مرتبہ ادا ہوتی ہے اور بڑی تمناؤں اور کاوشوں کے بعد یہ سعادت نصیب ہوتی ہے، بلا شک وشبہ ادا ہوجائے، اسی میں اطمینان قلبی حاصل ہوتا ہے۔

اس لیے بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مفتی بہ قول پر عمل کرتے ہوئے اور قدیم طریقہ کو باقی رکھتے ہوئے حکومت

گوشت فراہم کرنے اور حفاظت کرنے کا اعلیٰ پیمانہ پر انتظام کرے تو ان شاء اللہ حجاج کو پریشانی اور الجھن نہ ہوگی اور حکومت کا مقصد بھی پورا ہوگا، ہذا ما ظہر لی الآن۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۱۳/۸-۱۱۴)

اسلامی بینک کے توسط سے جانور ذبح کرانا:

سوال: فتاویٰ رحیمیہ (۱۲۰/۹) میں منی میں حجاج کرام کا اسلامی بینک کے توسط سے قربانی کرانے کے متعلق آپ کا جو فتویٰ شائع ہوا ہے، وہ بغور پڑھا، آپ سے اس فتویٰ پر مزید غور وفکر کی درخواست ہے۔

آج کل حجاج کی کثرت اور بے پناہ ہجوم کی بنا پر حنفی فقہا میں سے صاحبینؒ (مع ائمہ ثلاثہؒ) کے قول پر سقوط ترتیب (بین الرمی والنحر والحلق) کا فتوی دیا جا سکتا ہے، یا نہیں؟

حال ہی میں شیخ الہند ہال دیوبند میں ''المباحث الفقہیہ'' کے تحت ہونے والے اجتماع میں بھی اس مسئلہ پر غور ہوا، اس میں بضرورۃ مبتلی بہ کو صاحبین کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش کی تجویز منظور ہوئی ہے، اس کا متن ملاحظہ فرمائیں۔

''تجویز نمبر (۳) رمی، ذبح اور حلق میں ترتیب:

متمتع اور قارن کے لیے ذبح اور حلق کے درمیان امام اعظمؒ کے قول پر جو مفتی بہ ہے، ترتیب لازم ہے، اس کے ترک سے دم واجب ہو جاتا ہے، جب کہ صاحبینؒ کے نزدیک یہ ترتیب سنت ہے، اس کے ترک پر دم واجب نہیں ہے۔

آج کل حجاج ازدحام، یا پریشان کن اعذار کے پیش نظر اگر ترتیب قائم نہ رکھ سکیں تو صاحبین کے قول پر عمل کی گنجائش ہے۔ (تجاویز چھٹا فقہی اجتماع، ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند، ۱۶، ۱۷، ۱۸/ ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ مطابق ۲۶، ۲۷، ۲۸/ مارچ ۱۹۹۷ء بمقام شیخ الہند ہال دیوبند)

امید ہے کہ حضرت والا اس مسئلہ پر مکرر غور فرما کر کوئی واضح فتویٰ صادر فرمائیں گے، سمع خراشی کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ والسلام

(مولانا) برہان الدین (صاحب) لکھنؤ، ۴/ صفر ۱۴۱۸ھ)

الجواب

آنجناب نے اپنے ۴/ صفر المظفر ۱۴۱۸ھ کے مکتوب گرامی میں ''ترتیب بین الرمی والنحر والحلق'' پر مزید غور وفکر کرنے کے لیے تحریر فرمایا ہے، چناں چہ غور وفکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں:

آج کل بے پناہ ہجوم اور دیگر پریشان کن اعذار کے پیش نظر سقوط ترتیب کے متعلق آپ کا اور دیوبند کے فقہی اجتماع کا فیصلہ غلط تو نہیں ہے؛ مگر یہ عام فتویٰ نہیں ہو سکتا، معذورین کے لیے مخصوص ہونا چاہیے، استطاعت ہوتے ہوئے دم دینے میں احتیاط ہے۔

رسائل الارکان میں ہے:

ثم الترتيب بين الرمى والذبح والحلق واجب عند الإمام أبى حنيفة رحمه الله لأن الرمى من المناسک وكذا الذبح فيكونان قبل الخروج من الاحرام فيجب عند فوات الترتيب المذكور الدم عنده وقال الإمام أبو يوسف والإمام محمد:الترتيب سنة ولا يجب بفواته شيء وهذا أشبه بالصواب لماروى الشيخان عن ابن عباس رضى الله عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم قيل له فى الذبح والحلق والرمى والتقديم والتاخير؟ فقال: لاحرج، وقدروى الشيخان عن عبدالله بن عمرو بن العاص أن رسول الله صلى اللة عليه وسلم وقف فى حجة الوداع بمنى للناس يسئالونه فجاء رجل فقال:لم اشعر فنحرت قبل أن أرمى؟ فقال: ارم ولا حرج، فما سئل النبى صلى الله عليه وسلم يومئذ عن شيء قدم ولا أخر إلا قال افعل ولا حرج والله اعلم بالصواب. (رسائل الأركان،ص:۲۵۵،الرسالة الرابعة فى الحج بيان الذبح والحلق)

ہدایہ اولین میں ہے:

وكذا الخلاف فى تاخير الرمى فى تقديم نسک عن نسک كالحلق قبل الرمى ونحر القارن قبل الرمى والحلق قبل الذبح لهما إن مافات مستدرک بالقضاء ولا يجب مع القضاء شيء آخر، وله حديث ابن مسعود رضى الله عنه أنه قال:من قدم نسكا على نسک فعليه دم لأن التاخير عن المكان يوجب الدم فى ما هو موقت بالمكان كالاحرام، فكذا التاخيرعن الزمان فيما هو موقت بالزمان. (الهداية،باب الجنايات: ۲۷۶/۱)

فتح القدیر میں ہے:

(قوله:لهما إن مافات مستدرک بالقضاء،الخ)ولهما أيضا من المنقول ما فى الصحيحين أنه عليه الصلاة والسلام وقف فى حجة الوادع فقال رجل يا رسول الله لم اشعر فحلقت قبل أن اذبح؟ قال:اذبح ولاحرج، وقال آخر: يا رسول الله لم اشعر ونحرت قبل أن ارمى؟ قال: ارم ولا حرج، فما سئل يومئذ عن شيء قدم ولا أخر إلا قال افعل ولا حرج، والجواب أن نفى الحرج يتحقق بنقى الاثم والفساد فيحمل عليه دون نفى الجزاء فإن فى قول القائل لم اشعر ففعلت مايفيد انه ظهرله بعد فعله أنه ممنوع من ذلک فلذا قدم اعتذاره على سؤاله وإلا لم يسأل أولم يعتذر؛ لكن قد يقال يحتمل أن الذى ظهر له مخالفة تثيبه ترتيبه رسول الله صلى الله عليه وسلم فظن أن ذلک الترتيب متعين فقدم ذلک الا عتذار وسأل عما يلزمه به فبين عليه الصلاة والسلام فى الجواب عدم تعيينه عليه بنفى الحرج وان ذلک الترتيب مسنون لا واجب والحق انه يحتمل أن يكون كذلک وان يكون الذى ظهرله كان هو الواقع إلا أنه عليه الصلاة والسلام عذرهم للجهل، وأمر هم ان يتعلموا منا سكهم وانما عذرهم بالجهل لأن الحال كان

إذ ذاک فی ابتدائه وإذا احتمل کلا منهما فالاحتیاط اعتبار التعیین والأخذ به واجب فی مقام الاضطراب فیتم الوجه لأبی حنیفة ویؤیده ما نقل عن ابن مسعود رضی اللّٰه عنه من قدم نسکا علی نسک فعلیه دم، بل هو دلیل مستقل عند ناوفی بعض النسخ ابن عباس وهو الاعرف،رواه ابن ابی شیبة عنه لفظه:من قدم شیئا من حجه أوأخره فلیهرق دما وفی سنده ابراهیم بن مهاجر مضعف وأخرجه الطحاوی بطریق آخر لیس ذلک المضعف، حدثنا ابن مرزوق حدثنا الخصیب حدثنا وهیب عن ایوب عن سعید بن جبیر عن ابن عباس مثله، قال: فهذا ابن عباس أحد من روی عنه علیه الصلاة والسلام افعل ولا حرج لم یکن ذلک عنده علی الاباجة بل علی أن الذی فعلوه کان علی الجهل بالحکم فعذرهم وأمرهم ان یتعلموا مناسکهم،الخ. (فتح القدیر مع الکفایة:۶۲/۳۔۶۳،باب الجنایات)

امام ابوحنیفہؒ کا مسلک نہایت قوی ہے، رمی اور نحر حج کے عظیم مناسک میں سے ہے، لہٰذا ان کو ان کے شایان شان طریقہ کے مطابق ادا کرنا چاہیے، اور ان کے لیے شایان شان طریقہ یہی ہے کہ حاجی کو اس بات کا یقین ہو کہ اس نے یہ مناسک حالت احرام میں ادا کئے ہیں، ترتیب ملحوظ نہ رکھنے اور اسلامی بنک کے ذریعہ قربانی کرانے میں اس پر عمل نہ ہو سکے گا اور بڑی فضیلت سے محرومی ہوگی اور اس کی تائید حضرت ابن مسعودؓ کی روایت "**من قدم نسکا علی نسک**" اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت "**من قدم شیئا من حجه أو أخر فلیهرق دما**" سے بھی ہوتی ہے، حج عمر بھر میں ایک مرتبہ ادا کیا جاتا ہے؛ اس لیے اس طرح ادا ہونا چاہیے، جو اس کا حق ہے، لہٰذا نوجوان صحت مند اور باہمت لوگ مفتی بہ قول پر ہی عمل کرنے کی کوشش کریں اور جو حضرات ضعیف، کمزور اور معذور ہوں اور وہ لوگ ہجوم اور اپنی معذوری کی وجہ سے مفتی بہ قول پر عمل کرنے سے قاصر ہوں تو ایسی ضعیف اور معذور حضرات، صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر عمل کرلیں تو اس کی گنجائش ہے اور حکومت، معلمین، منتظمین اور پولیس کے ذریعہ اس کا انتظام کرے اور بڑے پیماہ پر اس کی تشہیر بھی کرے کہ ضعفا اور کمزور و معذور حضرات پیچھے رہیں اور نوجوان اور باہمت لوگوں کو حکومت کی جانب سے ایسا نشان دیا جائے کہ وہ بلا تکلف حج کے مناسک بالترتیب ادا کرسکیں اور ترتیب کو ملحوظ رکھتے ہوئے از خود قابل اعتماد طریقہ پر قربانی کا انتظام کریں، ضعفا اور معذورین ان کے لیے آڑ اور رکاوٹ نہ بنیں؛ بلکہ ان کے آگے بڑھنے میں ان کا تعاون کریں، پولیس بھی ان کی مدد کرے اور ان کے لیے سہولتیں مہیا کرے، اس طرح عمل کرنے میں دونوں طبقہ والوں کے لیے سہولتیں پیدا ہو جائیں گی، اگر اس پر عمل نہیں کیا گیا تو مفتی بہ قول ہمیشہ کے لیے متروک العمل ہو جائے گا اور ابن مسعود و ابن عباسؓ کی روایت کا ترک لازم آئے گا (صاحبین کا جو استدلال ہے، صاحب فتح القدیر نے اس کا جواب دیا ہے، ملاحظہ فرمالیا جائے) اور معاندین کے لیے لوگوں کو امام ابوحنیفہ اور فقہ سے بدظن کرنے کا موقع ہاتھ آجائے گا، جس کے لیے وہ ہمیشہ کمربستہ رہتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

نوٹ:

(۱) اگر یہ کہا جائے کہ حجاج اپنے طور پر قربانی کرتے ہیں تو ہزاروں جانوروں کا گوشت ضائع جاتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت کی ناقدری ہے، اس کے برعکس اگر دوسرے قول پر عمل کرلیا جائے (جس میں ترتیب واجب نہیں) تو اس عظیم نعمت کو ضائع ہونے سے بچایا جاسکتا ہے۔ ایک لقمہ گرجانے پر اس کو اٹھا کر کھالینے کی اسی طرح کھانے کے برتن کو صاف کرنے کی ہدایت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام موجود ہے تو جب ایک لقمہ کی اتنی اہمیت ہے تو ہزاروں مذبوحہ جانوروں کی کتنی اہمیت ہوگئی۔۔۔تو جواباً عرض ہے کہ حجاج کرام قربانی کرنے کے بعد خدانخواستہ اپنے مسافرانہ حالت کی وجہ سے گوشت کا صحیح انتظام نہ کرسکیں تو اسی نعمت کی ناقدری نہیں کہا جاسکتا اور نہ نعمت کی ناقدری مقصود ہے، لقمہ گرجانے پر قدرت کے باوجود نہ اٹھانا، اسی طرح برتن صاف نہ کرنا نعمت کی ناقدری ہی ہے۔ صورت مسئولہ میں حاجی کا مقصد اپنی ایک اہم عبادت غیر مشتبہ طور پر ادا کرنا ہے، اس کے بعد اگر وہ خدانخواستہ گوشت کا صحیح انتظام نہ کرسکے تو وہ معذور شمار ہوگا، اسے ناقدر نہیں کہا جائے گا: "**إنما الأعمال بالنيات**". (۱) یہ بات تو سب ہی جانتے ہیں کہ قربانی اراقہ دم کا نام ہے اور اراقہ دم ہی سے عبادت ادا ہوجاتی ہے اور حجاج کرام صحیح طور پر عبادت ادا کرنے کے مکلّف ہیں، اس کے بعد گوشت کا انتظام کرنا حجاج کرام (جو عموماً مسافر ہوتے ہیں اور شریعت میں مسافر کے لیے بہت ساری رخصتیں ہیں) کی ذمہ داری نہیں، یہ انتظام حکومت کی ذمہ داری ہے، حجاج کرام بمنزلۂ مہمان اور حکومت بمنزلہ میزبان کے ہے، مہمان کی ضروریات کا انتظام کرنا میزبان کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ حکومت اس کے انتظام سے قاصر ہے تو یہ بات بظاہر سمجھ میں نہیں آتی، جو حکومت ایک شب وروز میں ہزاروں خیمہ کا انتظام کرسکتی ہے (جیسا کہ امسال منی میں آگ کے حادثہ میں ہوا) کیا وہ ان جانوروں کو گوشت کا انتظام نہیں کرسکتی؟

(۲) آزادانہ ذبح کرنے میں ایک فائدہ یہ بھی ہے، جس کا خود احقر نے اپنے سفر حج میں مشاہدہ کیا، مقامی غربا (حبشی وغیرہ) پہاڑ پر بیٹھے رہتے ہیں اور جب کوئی حاجی قربانی کرتا ہے، وہ غربا فوراً دوڑ کر پورا جانور، یا بقدر ضرورت لے جاتے اگر تمام ہی لوگ حکومت کے زیر نگرانی مذبح میں قربانی کرانے لگیں تو ان غربا کا کیا ہوگا؟ وہ بے چارے محروم رہیں گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۱۴/۸-۱۱۷)

☆☆☆

(۱) صحيح البخاری، رقم الحديث: ۱، صحيح لمسلم، رقم الحديث: ۱۹۰۷، سنن ابن ماجة، رقم الحديث: ۴۲۲۷، سنن أبی داؤد، رقم الحديث: ۲۲۰۱، سنن الترمذی، رقم الحديث: ۱۶۴۷، انيس

احرام کے مسائل

احرام کی حقیقت کیا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ احرام کسے کہتے ہیں؟ کیا احرام کا مطلب احرام کی چادریں پہننا ہے؟ یا احرام کا مطلب تلبیہ پڑھنا ہے؟ اگر احرام کا مطلب تلبیہ پڑھنا ہے تو جو شخص بولنے پر قادر نہ ہو تو وہ احرام کی نیت سے تلبیہ کس طرح ادا کرے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ ، الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

احرام دراصل نیت اور تلبیہ (یا اس کے قائم مقام کوئی ذکر خداوندی) کے اجتماع سے عبارت ہے؛ یعنی حج یا عمرہ کی نیت کر کے تلبیہ پڑھ لینے سے احرام شروع ہو جاتا ہے، خاص کپڑوں یا ہیئت کا نام احرام نہیں ہے، اور گونگا شخص جو بولنے پر قادر نہ ہو، اس کے لیے صرف احرام کی نیت کرنا کافی ہے، اس پر زبان ہلانا لازم نہیں ہے۔

الإحرام شرعاً: الدخول في حرمات مخصوصة أي التزامها غير أنه لايتحقق شرعاً إلا بالنية مع الذكر، والمراد بالذكر التلبية ونحوها. (رد المحتار، كتاب الحج: ٤٨٥/٣، زكريا، منحة الخالق: ٥٦٠/٢، زكريا، فتح القدير: ٤٢٩/٢)

وكذا لا يشترط أي لصحة الإحرام هيئة أي صورية ولا حالة. (مناسک كبير، ص: ٩٤)

ولا يلزم العاجزعن النطق كأخرس وأمي تحريك لسانه. (الدرالمختار)

ونقل الشامي بحثاً: فينبغي أن لا يلزمه في الحج الأولٰى؛ لأن القراءة فرض قطعي والتلبية أمر ظني. (رد المحتار، كتاب الحج: ١٨١/٢-١٨٢، زكريا)

قال الرافعي: قوله ولكن يحتاج إلى الفرق بين التحريمة والتلبية يظهرأنه على القول بلزوم التحريك في التحريمة يلزمه في التلبية، والقراءة أيضاً، ومقابله عدم اللزوم في الكل وهو المختار. (تقريرات الرافعي: ١٥٩/٢)

قال الحموي في شرح الأشباه: قوله الأخرس يلزمه تحريك اللسان الصحيح أنه لايجب عليه تحريك اللسان، قال في المحيط: الأخرس والأمي افتتحا بالنية أجزأهما لأنهما أتيا بأمضى ما في وسعهما، وفي شرح منية المصلي: ولايجب عليهما تحريك اللسان عندنا وهو الصحيح. (الأشباه والنظائر، ص: ١٨٥، قديم) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ، ۶/۳/۱۴۳۶ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/۳۴۷)

احرام کس وقت باندھے:

سوال: جہاز کے اڑان بھرنے کے بعد میقات کے قریب جا کر دو رکعت نماز پڑھ کر حج کی نیت سے احرام باندھنا ضروری ہے یا جہاز میں بیٹھنے، یا اڑان کے بھرنے کے بعد نماز پڑھ کر احرام باندھ سکتے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جہاز میں بیٹھنے، یا جہاز کے اڑان بھرنے کے بعد میقات سے پہلے دونوں وقت میں جس وقت چاہیں دو رکعت نماز پڑھ کر حج وعمرہ کی نیت سے احرام باندھ سکتے ہیں، نیت صحیح و درست ہوگی، البتہ اس کے بعد احرام کی پابندی لازمی ہوگی۔

(وأما شرطه فالنية) حتیٰ لا يصير محرماً بالتلبية بدون نية الاحرام كذا في محيط السرخسي ولا يصير شارعاً بمجرد النية ما لم يات بالتلبية... ثم إذا فرغ من صلاته يطلب من الله التيسير و يدعو اللّٰهم إني أريد الحج فيسّره لي وتقبّله مني كذا في المحيط ثم يلبي في دبر الصلاة أوبعد ما استوت به راحلته والتلبية في دبر الصلاة أفضل عندنا، كذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاویٰ الهندية، الباب الثالث في الإحرام: ۱/۲۲۲-۲۲۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۵/محرم الحرام ۱۴۲۳ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴/۲۳۳)

احرام کی چادروں میں سفید رنگ مستحب ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ عام طور پر احرام کی چادریں سفید رنگ کی ہوتی ہیں کیا سفید چادریں ضروری ہیں، یا اور رنگ کے بھی ہو سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: بشیر احمد چترال، ۱۹۸۴ء)

الجواب ــــــــــــــــــــ

سفید رنگ کے احرام کی چادریں مستحب ہیں، واجب نہیں ہیں۔ (ارشاد الساری) (۱) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۴/۲۷۴)

لبس رنگین ومخیط احرام:

سوال احرام باندھنے میں سیاہ کپڑا، یا گیرو سے رنگا ہوا، یا کسی دوسری چیز سے رنگا ہوا پہننا جس میں کوئی خوشبو نہ ہو، جائز ہے، یا نہیں؟ دوسرے کوئی ازار، یا چادر جو کہ کم عرض ہونے کی وجہ سے دو پاٹ کر کے پہن لی جاوے، اسی حالت احرام میں تو اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

---

(۱) قال الملا علی قاری: ويلبس من احسن ثيابه... ثوبين جديدين تشبيها بكفن الميت وهو الافضل أو غسيلين اى للطهارة والنظافة ابيضين وصف لثوبين وهو الافضل من لون آخر كما هو في امر الكفن مقرر ولقوله صلى الله عليه وسلم ألبسوا الثياب البيض فانها اطهر واطيب وكفنوا فيها موتاكم رواه جماعة. (ارشاد الساری، ص: ۸۶، فصل ثم يتجرد عن الملبوس المحرم)

الجواب ـــ

فی الدرالمختار،با ب الاحرام: ولبس إزار ورداء جديدين أوغسيلين طاهرين أبيضين ككفن الكفاية وهذا بيان السنة،الخ.

فـی ردالمختار (قوله:وهذا): أی ليس الإزار والرداء علی هذه الصفة بيان للسنة وإلا فساتر العورة كاف، فيجوز فی ثوب واحد وأكثر من ثوبين وفی السوادين أوقطع خرقة مخيطة: ای المسماة مر قعة والأفضل ان لا يكون فيها خياطة،لباب. (۲/٢٠٤)

اس سے معلوم ہوا کہ سفید ہونا جامہ احرام کا مستحب ہے، ورنہ سیاہ وغیر سیاہ بھی جس میں خوشبو نہ ہو، جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ گو افضل یہی ہے کہ اس میں بالکل سلائی نہ ہو؛ لیکن اگر دو پاٹوں کے جوڑنے کو سلائی کی جاوے، تب بھی جائز ہے۔

۱۶/شوال ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص:۸۹) (امداد الفتاوی:۲/۱۶۴)

گرم کپڑے میں احرام باندھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ احرام گرم کپڑے کا باندھ سکتے ہیں، یانہیں؟

باسمه سبحانه تعالیٰ ، الجوابـــــــــــــــ وبالله التوفيق

احرام میں گرم کپڑے کا استعمال بھی درست ہے، البتہ رنگ سفید ہو تو بہتر ہے۔

عن أبی الدرداء رضی الله عنه قال:قال رسول الله صلی الله عليه وسلم:إن أحسن ما زرتم الله به فی قبوركم ومساجدكم البياض. (سنن ابن ماجة،باب البياض من اللباس: ۲/۱۱۸۱،رقم:۳٥٦٨)

عـن سـمـرة بـن جندب رضی الله عنه قال:قال رسول الله صلی الله عليه وسلم:البسوثياب البيـاض فـإنها أطهر وأطيب. (سـنـن ابـن مـاجة،باب البياض من الثياب: ۲/۱۱۸۱،رقم:۳٥٦٧، اللباس والزينة،ص: ۸٦-۸۷)

وكونه أبيض أفضل من غيره. (شامی: ۲/٤٨١، كراتشی)

أبيـضين ككفن الكفاية فی العدد والصفة غيرمخيطين. (غنية الناسک،ص: ۷۱، شامی: ۲/٤٨٨، زكريا، البحرالرائق: ۲/٥٦٢،زكريا ،تبيين الحقائق: ۲/۲٥۰) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ،۱۲/۱۱/۱۴۱۹ھ۔ (کتاب النوازل:۷/۳۵۰)

احرام کی چادر کا عام استعمال:

سوال: کیا احرام کی چادر جو حج اور عمرہ میں استعمال ہوتی ہے، اس کو عام استعمال میں لایا جاسکتا ہے، یانہیں؟

الجواب ـــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

عام استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری،۱۴۰۳/۱۲/۴ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲۳۶/۳)

ادائیگی حج کے بعد احرام کے کپڑوں کا استعمال:

سوال: احرام کے اندر استعمال شدہ کپڑا عام کپڑوں کی طرح استعمال میں لایا جاسکتا ہے، یا نہیں؟ نیز احرام میں ایک دفعہ کپڑا استعمال کر لینے کے بعد دوبارہ احرام میں استعمال کیا جاسکتا ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــ

حامداً ومصلیاً ومسلماً:

روح البیان میں آب زمزم سے تر شدہ کپڑے میں کفن دینے کو موجب نجات عاصی میں شمار کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ ایسے کپڑے میں کفن دینا جائز ہے، حالاں کہ قبر میں وہ کفن بظاہر جسم سڑنے کے بعد پیپ وغیرہ میں ملوث ہوکر فنا ہوجاتا ہے، حالانکہ آب زمزم کی فضیلت ذاتی ہے تو احرام کے کپڑے کا استعمال بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا کہ اس کی فضیلت ذاتی نہیں؛ بلکہ استعمال فی الاحرام کی وجہ سے آئی ہے اور وہ بھی منصوص نہیں بخلاف آب زمزم کی فضیلت کے کہ وہ منصوص بھی ہے۔ نیز استعمال فی حالۃ الحیاۃ میں اس قدر بے حرمتی بھی نہیں، جتنی استعمال فی حالۃ الممات میں ہے۔ نیز کعبہ کے پردوں کے استر میں کفنانے کی حلت بھی مصرح ہے۔

کما فی تفسیر روح البیان (۵۵۹/۱،مطبوعة مصر، سورة التوبة): ولذا قال فی الأسرار المحمدية:لو وضع شعر رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم أوعصاه أوسوطه علی قبرعاص لنجا ذلک العاصی ببركات تلک الذخيرة من العذاب ومن هٰذا القبيل ماء زمزم والكفن المبلول به وبطانة أستار الكعبة والتكفن بها،انتهی.

روح البیان کی یہ عبارت امداد الفتاویٰ، ادارہ تالیفات (۱۶۷/۱) میں اسی طرح ہے۔

اسی طرح پارچہ احرام کو دوبارہ احرام میں استعمال کرنا اہانت کی وجہ سے تو ناجائز ہو نہیں سکتا اور نہ ہی احرام کے لیے نیا کپڑا شرط ہے؛ بلکہ صرف افضل ہے؛ اس لیے دوبارہ احرام کے لیے استعمال کرنا بھی جائز ہے، خصوصاً اگر نیا پن بھی ختم نہ ہوا ہو تو نئے پن کی فضیلت بھی حاصل ہوجائے گی۔

کما فی ملتقی الأبحر (۲۶۷/۱،مطبوعة بيروت) : وإذا أراد الإحرام إلٰی قوله:ويلبس إزاراً ورداءً جديدين أبيضين وهو أفضل ولو كانا غسيلين أولبس ثوباً واحدا يسترعورته جاز واللّٰه أعلم بالصواب

کتبہ:عبداللہ غفرلہ،۱۴۰۲/۱۱/۶ھ۔الجواب صحیح:بندہ عبدالحلیم عفی عنہ۔الجواب صحیح:محمد حنیف غفرلہ۔(فتاویٰ ریاض العلوم:۳۲۲/۳-۳۲۳)

---

(۱) اس لیے کہ ممانعت کی کوئی وجہ شرعی نہیں ہے۔

حالت احرام میں وضو غسل کے بعد کپڑے سے منہ صاف کرنا:

سوال: کیا فرماتے علما دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حالت احرام میں وضو غسل کے بعد کپڑے سے منہ صاف کرنا کیسا ہے؟

باسمه سبحانه تعالیٰ ، الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

حالتِ احرام میں وضواور غسل کے بعد تولیہ وغیرہ سے منہ پوچھنا مکروہ ہے،اس سے احتراز کرنا چاہیے؟ لیکن اس کی وجہ سے جنایت لازم نہیں آتی۔

وتغطيه ربع الرأس،أوالوجه كالكل. (الدرالمختار، كتاب الحج: ۵۷۹/۳،زكريا)

ولا يعطى المحرم رأسه ولا وجهه. (الفتاویٰ التاتارخانية: ۵۷۷/۳،زكريا)

إذا غطى رأسه، أو وجهه، ولو امرأة ،كلا أو بعضاً بمعتاد، وهو ما يقصد به التغطيه عادة كالقلنسوة، مخيطاً كان أو غيره، ودام عليه زماناً، ولو ناسياً أو عامداً، عالماً أو جاهلاً ،مختاراً أومكروهاً. (غنية الناسک: ۲۵۴،كذا فى الفتاویٰ الهندية: ۲۴۲/۱،البحرالرائق: ۱۳/۳،زكريا) فقط واللہ اعلم

املاء: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۲۴/۱۰/۱۴۳۱ھ۔الجواب صحیح:شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔(کتاب النوازل: ۳۵۳/۷)

احرام کے کپڑے پر مسح:

سوال: احرام باندھنے کے بعد عورتیں وضو کریں تو سر کے مسح کا کیا طریقہ ہے؟ احرام ہٹا کر سر کا مسح کر سکتی ہیں، یا اوپر ہی سے؟ (مہر النساء، چنچل گوڑہ)

الجواب ــــــــــــ

اللہ تعالی نے سر پر مسح کرنے کا حکم دیا ہے، ظاہر ہے کہ سر سے مراد انسان کا جسم ہے؛ اس لیے احرام کے کپڑوں پر مسح کرنا کافی نہیں، سر پر مسح کرنا ضروری ہے، البتہ حالت احتیاط کے ساتھ مسح کریں؛ تاکہ بال ٹوٹنے نہ پائیں، اگر بال ٹوٹ گئے تو صدقہ واجب ہوگا۔(کتاب الفتاویٰ: ۳۵/۴)

احرام کی چادر کو پن سے منسلک کرنا:

سوال: احرام کا اوپری حصہ اکثر کندھوں سے نیچے گرتا رہتا ہے، اسٹیل کا کانٹا لگانا جائز ہے، یا نہیں؟

(حاجی عبد القدیر، بیدر)

الجواب ــــــــــــ

اس طرح پن کا لگانا مناسب نہیں؛ کیوں کہ کپڑے کے سلنے سے ایک گونہ اس کی مماثلت ہے اور سلا ہوا کپڑا پہننا

احرام کے وقت ممنوع ہے۔فقہانے اس سلسلے میں ایک مسئلہ لکھا ہے کہ اگرکوئی شخص چادر کوتہہ بند بنالے تو اس کے دونوں کھلے ہوئے کناروں کو رسی، یاکسی اور چیز سے گرہ لگانا اور باندھنا نہیں چاہیے؛ لیکن ایسا کر ہی گزرے تو اس کی وجہ سے دم، یا صدقہ واجب نہیں، چنانچہ علامہ ابن نجیم مصریؒ فرماتے ہیں:

”بخلاف الرداء فإنه إذا اتزر بها لا ينبغي أن يعقده بحبل أوغيره ومع هٰذا لوفعل لا شيئ عليه“. (۱) (کتاب الفتاویٰ:۴/۳۵-۳۶)

احرام باندھنے کے بعد ایک بار تلبیہ پڑھنا شرط اور زیادہ پڑھنا سنت ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ احرام باندھنے کے بعد کتنی مرتبہ تلبیہ پڑھنا چاہیے؟ کیا تین بار پڑھنا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔ (المستفتی: نامعلوم،۱۹۷۴ء)

الجواب

احرام باندھنے کی نیت کرنے کے بعد ایک مرتبہ تلبیہ پڑھنا شرط ہے اور تین بار پڑھنا مستحب اور مسنون ہے۔(شرح اللباب)(۲) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ:۴/۲۷۲)

احرام باندھنے اور ہر طواف کے بعد دو رکعت نماز کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کتاب الحج مطبوعہ فیروز سنز کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حج کے موقع پر ایک احرام باندھنے کے بعد اور دوسرے ہر طواف کعبہ کے بعد دو رکعت پڑھنا مستحب ہے، اس کے علاوہ کوئی خاص نماز مناسک میں مقرر نہیں ہے، سوائے پنج گانہ کے۔کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: اکرام الحق غفرلہ راولپنڈی)

الجواب

درمختار وغیرہ (کتاب الحج) میں مصرح ہے کہ یہ اول نماز مستحب ہے، (۳) اور دوسری واجب ہے۔(۴) وھوالموفق

(فتاویٰ فریدیہ:۴/۲۷۴)

---

(۱) البحر الرائق، كتاب الحج: ۳/۷

(۲) قال الملا على قاری: والتلبية مرة فرض وهو عند الشروع لا غير وتكرارها سنة اى فى المجلس الأول وكذا فى سائر المجالس إذا ذكرها وعند تغير الحالات كالاصباح والامساء... مستحب مؤكد.... والاكثار مطلقاً مندوب أى مطلوب شرعاً...ويستحب أن يكرر التلبية فى كل مرة أى إذا شرعها ثلاثا وأن يأتى بها أى بالثلاثة على الولاء.(ارشاد السارى: ٧٠،فصل شروط التلبية)

(۳) قال العلامة الحصكفى: وصلى ندبا بعد ذلك شفعا يعنى ركعتين فى غير وقت مكروه قال الشامى: اى بعد اللبس والتطييب.(الدرالمختار مع ردالمحتار: ١٧١/٢،فصل فى الاحرام)

(۴) قال العلامة الحصكفى: وختم الطواف باستلام الحجر استنانا ثم صلى شفعا فى وقت مباح يجب على الصحيح بعد كل اسبوع عند المقام.(الدرالمختار على هامش ردالمحتار: ٤٨١/٢،مطلب فى طواف القدوم)

حالت احرام میں نماز کے وقت کندھوں کو چھپانا اور زندہ آدمی کے لیے طواف وغیرہ کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ان مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) حالت احرام میں نماز پڑھتے وقت کندھوں کو چھپانا ہوگا، یا نہیں؟

(۲) زندہ آدمی کے لیے عمرہ، یا طواف کرنے اور ایصال ثواب کرنے کی حیثیت کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: عبداللہ اکوڑہ خٹک معرفت ناظم صاحب، ۱۳/رجب ۱۴۰۱ھ)

الجواب

(۱) طواف کے علاوہ نماز وغیرہ میں کندھوں کو چھپانا مسنون ہے۔ (ماخوذ از ردالمحتار: ۲/۲۱۵)(۱)

(۲) اس کی مشروعیت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (شامی باب الحج عن الغیر)(۲) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۴/۲۷۵)

صلوٰۃ احرام اور صلوٰۃ طواف بعد العصر اور بعد الفجر پڑھنے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

(۱) صلوٰۃ الاحرام بعد صلوٰۃ العصر اور بعد صلوٰۃ الفجر پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟

(۲) ان اوقات میں بعد از طواف عمرہ صلوٰۃ طواف کی دو رکعت پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: معرفت ناظم اعلیٰ صاحب، ۱۳/۷/۱۴۰۱ھ)

الجواب

(۱) ان اوقات میں نماز احرام پڑھنا جائز نہیں ہے۔ (ہندیہ: ۱/۲۳۷)(۳)

(۲) مختلف فیہ ہے، جمہور ناجائز قرار دیتے ہیں اور طحاوی نے جواز کی طرف میلان کیا ہے۔(۴) وھوالموفق

(فتاویٰ فریدیہ: ۴/۲۷۵-۲۷۶)

---

(۱) قال العلامة ابن عابدين: وفی شرح اللباب واعلم ان الاضطباع سنة فی جمیع اشواط الطواف کما صرح به ابن الضیاء فاذا فرغ من الطواف ترکه حتی اذا صلی رکعتی الطواف مضطبعا یکره لکشفه منکبه. (ردالمحتار هامش الدرالمختار: ۲/۱۸۱، قبیل مطلب فی طواف القدوم)

(۲) قال العلامة ابن عابدين: الأصل إن کل من اتی بعبادة ما ای سواء کانت صلاة او صوما او صدقة او قراءة او ذکرا او طوافا او حجا او عمرة او غیر ذلک ... جمیع انواع البر، کما فی الهندیة. (ردالمحتار هامش الدر المختار: ۲/۲۵۶، مطلب فی اهداء ثواب الاعمال للغیر)

(۳) وفی الهندیة: ولا یصلیهما فی الوقت المکروه وتجزیه المکتوبة، کذا فی البحر. (الفتاویٰ الهندیة: ۱/۲۲۲، الباب الثالث فی الاحرام)

(۴) قال الملا علی قاری: واعلم أنه صرح الطحاوی وغیره بکراهة اداء رکعتی الطواف فی الاوقات الخمسة المنهی عن الصلاة فیها عند ابی حنیفة وابی یوسف ومحمد ونقل عن مجاهد والنخعی وعطاء جواز أدائها بعد==

احرام کی حالت میں اگر چادر علاحدہ ہوجائے تو تہبند کافی ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایام حج میں مثلاً سخت گرمی پڑتی ہو اور اس وجہ سے چادر کو علاحدہ کرکے ہوا خوری کے لیے بیٹھ جائے، یا پسینہ دور کرنے کے لیے چادر علاحدہ کرے، اگر چہ تہبند برحال خود باندھا ہے، کیا اس سے احرام وحج پر کوئی اثر پڑتا ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: محمد جمیل مردان، ۲۲/۲/۱۹۷۹ء)

الجواب

احرام کے لیے دو چادریں ایک تہبند کے لیے اور ایک چادر کے لیے جو کندھوں پر ڈالی جاتی ہے۔ پس ستر عورت کے لیے تہبند باندھنا فرض ہے اور کسی عذر کی وجہ سے صرف چادر اتار کر تہبند پر اکتفا کرے تو جائز ہے۔ (درمختار)(۱) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۷۶/۴)

حالت احرام میں اضطباع کا مسئلہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم بعض لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ احرام باندھتے وقت احرام دائیں کندھے پر نہیں ڈالتے اور بعض لوگ مکہ معظّمہ میں داخل ہوکر طواف کے وقت دائیں کندھے سے احرام ہٹالیتے ہیں اور طواف شروع کرلیتے ہیں۔ اس بارے میں صحیح مسئلہ کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: شفیق الرحمٰن خٹک وادی بن ہیش مشیط سعودیہ، ۶/۷/۱۹۸۶ء)

الجواب

یہ اضطباع صرف حالت طواف میں (جوکہ احرام میں ہو اور اس کے بعد سعی ہو) سنت ہے، نہ کہ نماز اور سعی میں۔ (مناسک قاری وغیرہ)(۲) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۷۳/۴)

== العصر قبل اصفرار الشمس وبعد الصبح قبل طلوع الشمس ای قبل احمرار آثارها قال الطحاوی والیه نذهب، والحاصل انهم فرقوا فی المسئلة حیث جوزوها وقت الكراهة التنزیهیة دون زمان الكراهة التحریمیة الحاقا لصلاة الطواف من حیث انه واجب بالفرائض وسائر الواجبات والمحققون فرقوا بین قضاء الوتر واداء ركعتی الطواف ولوكانا واجبین،الخ.(المسلک المتقسط:۱۰۷،فصل فی واجبات الطواف)

(۱) قال العلامة الحصكفی:ولبس ازار من السرة الی الركبة ورداء علی ظهره ویسن ان یدخله تحت یمینه ویلقیه علی كتفه الایسر فان زرره او خلله او عقده اساء ولا دم علیه ... وهذا بیان السنة والافستر العورة كاف، قال ابن عابدین: ای لبس الازار والرداء علی هذه الصفة بیان للسنة والا فساتر العورة كاف فیجوز فی ثوب واحد او اكثر من ثوبین.(الدرالمختار مع ردالمحتار:۱۷۱/۲،فصل فی الاحرام)

(۲) قال الملا علی قاری: اذا اراد الشروع فی الطواف ای فی طواف بعده سعی فانه حینئذ یسن الاضطباع والرمل له ینبغی ان یضطبع قبل شروعه فیه بقلیل ولیس كما یتوهمه العوام من ان الاضطباع سنة جمیع احوال الاحرام بل الاضطباع سنة مع دخوله فی الطواف علی ما صرح به الطرابلسی وغیره لكن قال ولو اضطبع قبل شروعه فی الطواف بقلیل فلا بأس به. (المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط:۸۸،فصل فی صفة الشروع فی الطواف)

احرام اور پردہ:

سوال: میں پردہ کی بہت پابند ہوں، بلوغ کے بعد ہی سے میرے والدین نے مجھے پردہ کا پابند رکھا، میرے شوہر بھی دین دار ہیں، چنانچہ شادی کے بعد انہوں نے قریبی رشتہ داروں سے بھی پردہ کرایا، اب میں شوہر کے ہمراہ حج کو جانے والی ہوں، بعض لوگوں نے کہا کہ یہیں سے احرام باندھنا لازمی ہے، اگر یہیں سے احرام باندھ لوں تو جن سے میں اب تک پردہ کر رہی ہوں، ان کے سامنے بے پردہ رہوں گی، کیا میں اور میری جیسی خواتین ہوائی جہاز میں بیٹھنے کے بعد احرام نہیں باندھ سکتے؟ (فاطمۃ النساء، مستعد پورہ)

الجواب

اصل میں احرام کی کیفیت اس وقت شروع ہوتی ہے، جس وقت آپ تلبیہ پڑھیں، احرام باندھنا حیدرآباد سے ضروری نہیں؛ بلکہ میقات آنے سے پہلے احرام باندھنا ضروری ہے، آپ ایسا کریں کہ غسل کر کے دو رکعت نمازِ احرام پڑھ لیں، پھر اگر حجِ تمتع کر رہی ہوں تو عمرہ کی نیت کر لیں اور ابھی تلبیہ نہ پڑھیں، جہاز میں بیٹھنے کے بعد میقات آنے سے پہلے تلبیہ پڑھ لیں، اسی وقت آپ کا احرام شروع ہوگا، عام طور پر جدہ سے آدھا گھنٹہ پہلے میقات آتی ہے۔

(کتاب الفتاویٰ: ۳۶/۴-۳۷)

احرام کی حالت میں کیسا جوتا پہننا جائز ہے:

سوال: حالت احرام میں کیسی چپل استعمال کی جائے؟ اس کے متعلق ایک مسئلہ کی تحقیق کے سلسلہ میں یہ عریضہ ارسال کر رہا ہوں امید کہ تفصیلی جواب مرحمت فرما کر مشکور فرمائیں گے۔

(۱) اگر جوتا نہ ہو تو موزہ کو وسط قدم پر سے کاٹ کر پہنے۔ (زبدہ) اس طرح کہ پیر کی پشت کھلی رہے مع اوپر کے دونوں ٹخنوں کے۔ (ناقل)

ضروری انتباہ: اکثر عوام وخواص میں یہ مشہور ہے کہ فقط پیر کی بیچ کی ہڈی کھلی رکھنا ضروری ہے، یہ بالکل غلط ہے؛ مگر وضو میں جو دو کعبین دھونے واجب ہیں، ان کے اوپر سے لے کر پیر کی بیچ کی ہڈی سے بھی کچھ نیچے تک کاٹنا چاہیے کہ اچھی طرح پیر کی ہڈی سے نیچے سے اوپر دونوں ٹخنوں تک مع اطراف پیر اور ایڑی کے موزہ وغیرہ سے خالی رہے، اور مثل جوتی کے رہ جائے۔ (ناقل)

"الذی فی الحدیث ویقطعهما حتّٰی یکونا أسفل من الکعب وهو أفصح مما هٰذا ابن کمال؛ والمراد قطعهما بحیث یصیر الکعبان و ما فوقهما من الساق مکشوفاً لایقطع موضع الکعبین فقط کما لا یخفی" (ردالمحتار، کتاب الحج: ۲۲۴/۳) (۱)

(۱) پوری روایت عبداللہ بن عمرؓ سے ان الفاظ میں مروی ہے: عن ابن عمر عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم أن رجلاً ==

"أیضاً لو کان الکوش الھندی یستر العقب وما فوقه مما یحاذی الکعب ینبغی أن لایجوز لبسه لأنه لم یکن أسفل من الکعبین فی کل جانب وھو الظاھر من النص ولعله محل النص علیٰ قطع الخفین حتیٰ یکونا کالنعلین من جانب المؤخر". (زبدة المناسک، کتاب الحج، ص۱۰٤)

(۲) "وعن ھٰذا فسر الشارح رحمه اللّٰه تعالیٰ المکعب بالکوش الھندی؛ ولم یلتفت إلیٰ أنه یستر العقب؛ فما فی ردالمحتار: والظاھر أنه لایجوز ستر العقب، آہ.

ویتفرع علیٰ عدم جواز لبس الکوش الھندی ونحوہ ممایستر العقب؛ لیس بظاھر؛ نعم لو کان الکوش الھندی یستر العقب وما فوقه مما یحاذی الکعب ینبغی أن لایجوز لبسه؛ لأنه لم یکن أسفل من الکعبین فی کل جانب؛ وھو الظاھر من النص". (غنیة الناسک، باب الاحرام، ص:۸۷)

(۳) احرام کی حالت میں پاؤں میں ہر اس جوتے کا پہننا جائز ہے، جس سے وسط قدم کی ابھری ہوئی ہڈی کھلی رہے، خواہ وہ چپل ہو یا سلیپر، یا ہندوستانی یا پاکستانی دیسی جوتا اور نیوکٹ وغیرہ۔ (البحر الرائق: ۳۲٤/۲، عمدة الفقه: ۱٤۰/٤، عمدة المناسک، ص: ۲۱٤)

(۴) حاصل یہ کہ احرام کی حالت میں دونوں ٹخنے اور پیروں کے اوپر جہاں بال اگتے ہیں، جو ابھرا ہوا حصہ ہے، اس کا کھلا رہنا ضروری ہے، پس احرام کی حالت میں مردوں کو بہتر تو ہوائی چپل پہننا ہے اور اگر جوتا، یا چپل ایسا ہو، جو ٹخنوں اور مذکورہ پیروں کے بالائی حصہ کو نہ چھپاتا ہو تو اس کا پہننا بھی درست ہے، البتہ اگر ایڑی، پنجہ انگلیاں چھپی رہیں تو کوئی حرج نہیں۔ (مسائل حج وعمرہ ص:۲۱۲)

ان عبارات میں سے بعض سے سمجھ میں آتا ہے کہ احرام کی حالت میں جوتے ایسے ہونے چاہیے، جس میں ایڑی وغیرہ چھپی ہوئی ہوں اور دوسرے حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایڑی وغیرہ کا چھپا رہنا ضروری نہیں۔ اب آپ سے درخواست ہے کہ اس مسئلہ کی تفصیلی وضاحت فرمائیں کہ حرام کی حالت میں جوتا کس طرح کا ہونا چاہیے؟ کیا صرف قدم کے اوپر کا حصہ کھلا رکھنا کافی ہے، یا ایڑی اور ٹخنہ اور ٹخنہ کے نیچے تک کا سارا حصہ کھلا رکھنا ضروری ہے؟

بعض سنڈل اس قسم کی بنی ہوئی ہے کہ اوپر کی پشت تو کھلی ہوئی ہے؛ مگر پشت سے اوپر ایک پٹی ہے، جو سنڈل کو پکڑ کر رکھتی ہے اور اس میں ایڑی بھی چھپی رہتی ہے۔ اس کا استعمال احرام کی حالت میں جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پاؤں کی حفاظت کے لیے دو چیزیں استعمال کی جاتی تھیں: ایک کو خُف

== سأله یلبس بالمحرم؟ فقال: لا یلبس القمیص ولا العمامة ولا السراویل ولا الیرنس ولا ثوباً مسه الورش أو الزعفران. فإن لم النعلین فیلبس الخفین ولیقطعھما حتیٰ یکونا تحت الکعبین. (صحیح البخاری، کتاب العلم، باب من أجاب السائل أکثر مما سأله، رقم الحدیث: ۱۳٤، انیس)

سے تعبیر کیا جاتا ہے اور دوسری کو نَعل سے۔ خف چمڑے، یا اسی طرح کی چیز سے اس طرح بنا ہوا ہوتا تھا کہ وہ پاؤں کو دونوں ٹخنوں اور اوپر کے کچھ حصہ سمیت چھپا لیتا تھا اور خف کو وہ حضرات پاؤں میں تنہا بھی پہن کر چلتے پھرتے تھے۔ دوسری کو نَعل سے تعبیر کیا جاتا تھا، ان کے یہاں نَعل کا اطلاق چپل پر ہوتا تھا اور جس کو ہمارے یہاں جوتی سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس کو اہل عرب مدَاس سے تعبیر کرتے ہیں اور عربی زبان کا لفظ حذاء اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے؛ لیکن وہ عرب میں رائج نہیں تھا، متأخرین اسی کو مکعب کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ ''ترمذی'' کی شرح ''معارف السنن'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''الخف في الشرع إسم للمتخذ من الجلد أو نحوه الساتر لكعبين فصاعداً متصلاً بالقدم من غير أن يشف، هٰذا ما يستفاد من مواضع من البحر الرائق وغيره وكان الخف كالنعل يمشون فيه ... والنعل عندهم ما يسميه أهل الهند ''چپلی'' ومايسمونه ''جوتی'' فهو المداس (بالفتح) كما ذكره صاحب القاموس.

وفيه هو إسم لما يلبس في الرجل اه. قال الراقم وفي هٰذا المعنى حذاء عند هم قديماً وحديثاً ولم يكن رائجاً في العرب وقد يسمى عندهم في متأخريهم بالمكعب''. (معارف السنن، كتاب الحج: ۱/۳۳۳-۳۳۴)

حالت احرام میں محرم کے لباس کے سلسلہ میں پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''إلا أن يكون أحد ليست له نعلان فليلبس الخفين وليقطعهما ما أسفل من الكعبين''. (۱)

یعنی حالت احرام میں محرم کو چاہیے کہ خفین کا استعمال نہ کرے، البتہ اگر کسی محرم کے پاس نعلین (چپل) نہ ہوں تو خفین کو کعبین سے نیچے کاٹ کر استعمال کر سکتا ہے۔

عربی زبانی میں لفظ کعب دو معنی میں استعمال ہوتا ہے:

(۱) وہ ابھری ہوئی ہڈی جو پنڈلی اور پاؤں کے جوڑ پر ہے (جس کو اردو میں ٹخنہ کہتے ہیں)۔

(۲) اور وہ ابھری ہوئی ہڈی جو چپل کے تسمہ کے پاس پاؤں کی پشت پر ہے، اس ارشاد میں نبوی میں امام محمدؒ نے لفظ کعب کو اسی دوسرے معنی میں بر بنائے احتیاط لیا ہے۔

حضرت بنوریؒ تحریر فرماتے ہیں:

ونسب إلٰى محمد ابن الحسن أنه فسر الكعب بالعظم الذي في وسط القدم المسمى عند

---

(۱) عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم أن رجلاً سأله يلبس بالمحرم؟ فقال: لا يلبس القميص ولا العمامة ولا السراويل ولا اليرنس ولا ثوباً مسه الورش أو الزعفران. فإن لم النعلين فيلبس الخفين وليقطعهما حتٰى يكونا تحت الكعبين. (صحيح البخاري، كتاب العلم، باب من أجاب السائل أكثر مما سأله، رقم الحديث: ۱۳٤، انیس)

الأطباء با:"العظم الزودقی" وبعضهم جره إلٰی غسل الرجلین أیضاً وهو خطأ،وإنما الکعب عنده بذلک المعنی فی قطع الخفین للمحرم لاغیر،وخلاصة مادار البحث:أن لفظ الکعب عندمحمد والأصمعی فی اللغة یستعمل بالمعنیین:بمعنی العظم الناتی عند مفصل الساق و القدم،وبمعنی العظم عند معقد الشراک فأخذه محمد بهٰذا المعنی فی المحرم لکونه أحوط ومحمد حجة فی اللغة فلاعبرة بقول من لم یعرفه.وراجع العمدة: ۲۱/٤ ٥،والفتح:۳۲۰/۳ ، للتفصیل. (معارف السنن:٦/۳۳۲)

مطلب کہ کعب کا جومشہور مفہوم ہے؛یعنی پنڈلی اور پاؤں کے جوڑ پر دائیں بائیں جو ابھری ہوئی ہڈی ہے،اس کے ساتھ اس کا جو غیر معروف مفہوم اور معنی؛یعنی پاؤں کی پشت کا ابھرا ہوا حصہ،جس کا حاصل یہ ہوا کہ خفین ؛یعنی چمڑے کے موزوں کو اس طرح کاٹ دیا جائے کہ یہ دونوں حصے کھلے رہیں،البتہ ان دونوں حصوں کے کھلے رہنے کے ساتھ ساتھ پاؤں کا پچھلا حصہ جس کو عربی میں لفظ عقب اور اردو میں لفظ ایڑی سے تعبیر کیا جاتا ہے،اس کا بھی کھلا رہنا ضروری ہے، یا نہیں؟ تو کتب فقہ کی عبارتوں سے اتنی بات تو واضح ہوتی ہے کہ قدم کی پشت کا اوپر والا حصہ(جو لفظ کعب کے ایک مفہوم کا مصداق ہے) اور دونوں ٹخنے اور ان کے محاذات کا پورا حصہ اور ان کے اوپر کا حصہ کھلا رہنا ضروری ہے،البتہ ایڑی کے متعلق بعض عبارتوں سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس کا کھلا رہنا ضروری نہیں،یعنی پاؤں کا پچھلا حصہ جو ٹخنوں سے نیچے ہے،اور ہندوستانی دیسی جوتا پہننے کی صورت میں وہ بھی کچھ چھپ جاتا ہے تو اس کی گنجائش ہے،البتہ آپ نے جس سنڈل کے متعلق دریافت کیا ہے کہ اس میں پشت تو کھلی رہتی ہے؛مگر پشت سے اوپر ایک پٹی ہوتی ہے،اس کے متعلق کوئی صراحت نظر سے نہیں گزری۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

أملاہ:العبد احمد عفی عنہ خانپوری،یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح:عباس داؤد بسم اللہ۔الجواب صحیح:عبدالقیوم راجکوٹی۔(محمود الفتاویٰ:۲/ ۳۱۷-۳۲۲)

حالت احرام میں پاؤں میں مہندی لگانا:

سوال: زید دو پہر کے وقت حرم شریف میں گیا اور خانہ کعبہ کی دیوار تک چلا گیا،واپسی میں پتھر گرم ہونے کی وجہ سے ایک پیر میں چھالہ پڑ گیا اور دوسرا اسی طرح درد کرنے لگا زید نے ایک پیر میں حنا لگائی اور زید کو جب کچھ تخفیف معلوم ہوئی تو دوسرے اور تیسرے روز دونوں پیروں میں حنا لگائی اور زید قران کے احرام میں ہے۔اس صورت میں کیا کفارہ ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

تین دن تک ایک پاؤں یا دونوں پاؤں میں حنا لگانے سے تین جنائتیں ہوئیں اور قارن کی ایک جنایت دو جنایتوں کے حکم میں ہوجاتی ہے؛اس لیے چھ جنایتیں ہوگئیں ؛مگر چونکہ عذر کی وجہ سے ہوئی ان جنایتوں کے کفارہ میں یہ اختیار

ہے کہ ہر جنایت کے عوض ایک قربانی بکرے، یا مینڈھے وغیرہ کی حرم میں کرے، یا ساتواں حصہ اونٹ وغیرہ کا اور یا چھ مسکینوں کو ایک ایک فطرہ؛ یعنی پونے دوسیر گندم، یا اس کی قیمت ادا کرے، یا ساتواں حصہ اونٹ وغیرہ کا اور یا چھ مسکینوں کو ایک ایک فطرہ؛ یعنی پونے دوسیر گندم، یا اس کی قیمت ادا کرے اور تین روزے رکھے۔ یہ ایک جنایت کا کفارہ ہوا، اسی طرح چھ جنایتوں کے چھ کفارے ادا کرے۔ (کذا فی الدر المختار: ۲۸۸/۲) واللہ اعلم

۲۸ محرم ۱۳۶۷ ہجری (اضافہ) (امداد المفتیین: ۴۱۸/۲)

حکم استعمال پان در احرام:

سوال: احرام کی حالت میں معتاد شخص کو پان کھانا کیسا ہے، پان سے لبوں کی زینت ہو جاتی ہے اور پان میں ایک قسم کی خوشبو بھی ہے اور اگر پان میں الائچی اور خوشبو دار تمباکو بھی ہو، اس کا کھانا کیسا ہے اور غیر معتاد کو پان کھانا بلحاظ زینت، یا بغیر لحاظ زینت کیسا ہے؟

الجواب

فی العالمگیریة الطیب کل شئی له رائحة مستلذة ویعده العقلاء طیبا کذا فی السراج الوهاج وفیها: ولو کان الطیب فی طعام طبخ وتغیر فلا شئی علی المحرم فی أکله سواء کان یوجد رائحة أولا کذا فی البدائع وإن خلطه بما یؤکل بلا طبخ فإن کان مغلوباً شئی علیه غیر أنه إن وجدت معه الرائحة کره وإن کان غالباً وجب الجزاء وفی الدرالمختار وثوب صبغ بماء له طیب کورس و عصفر إلا بعذر واله بحیث لا یفوح فی الأصح. (۱)

روایت (فقہی) بالا سے معلوم ہوا کہ پان چونکہ داخل طیب نہیں، گو موجب زینت ہے، منافی احرام نہیں اور الائچی اور مثل اس کے طیب ضرور ہیں؛ مگر چونکہ پان وتمباکو مغلوب ہیں، لہذا وہ بھی جنایت نہیں، گو خالی از کراہت بھی نہیں اور جنایات میں عادت وعدم عادت میں حتیٰ کہ تداوی جو ضرورت میں عادت سے بڑھ کر ہے، اگر طیب وغیرہ سے ہو، جنایت ہے، گو معصیت نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم

۱۴/ ذی قعدہ ۱۳۲۰ھ (امداد: ۱۸۴/۱) (امداد الفتاویٰ: ۱۶۲/۲)

محرم کے لیے خوشبودار دوا کا استعمال:

سوال: ۱۰/ ذی الحجہ کو بڑے جمرات کو رمی کے سلسلہ میں، میں بھیڑ میں اس طرح دب گیا کہ معلوم ہوا کہ میرا دم نکل جائے گا اور اسی بھیڑ کی وجہ سے گر پڑا، گھٹنوں میں قدرے چوٹ بھی آئی، خیر دوسرے حاجیوں نے بروقت پانی پلایا، جان بچ گئی، تھوڑا سا خون بھی نکلا، ساتھیوں نے ایک دوا زخم پر لگا دی، جس میں خوشبو تھی، بھیڑ ختم ہونے کے بعد

(۱) الفتاویٰ الهندیة، کتاب الحج، الباب الثانی فی الجنایات: ۲۶۵/۱، انیس

بڑے جمرات کی رمی کیا۔ دریافت طلب یہ ہے کہ زخم پر لوگوں کے دوا لگا دینے سے کوئی صدقہ وغیرہ دینا ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

وہ چیز جس میں بنفسہ خوشبو ہو، جس کا استعمال بطور خوشبو کے ہوتا ہو، اس کے استعمال سے جزاء واجب ہے، خواہ تیل کی طرح اس کا استعمال کریں، یا دوا کے طور پر جیسے مشک، عنبر اور کافور ہے اور اگر جس چیز میں فی نفسہٖ خوشبو نہ ہو؛ لیکن اس کا استعمال دوسری چیز کے لیے ہو اور خوشبو بھی اس سے آتی ہو تو اس کو دواءً استعمال کرنے سے جزاء (دم یا صدقہ) لازم نہیں ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں جب کہ زخم میں دوا لگا دی گئی، جس کا استعمال دوا میں ہوتا ہے تو اس کے لگانے سے آپ پر نہ دم واجب ہوا اور نہ ہی صدقہ، گرچہ اس سے خوشبو آ رہی تھی۔

بخلاف بقية الأدهان (فلو أكله)... (أو داوىٰ به) جراحةً أو (شقوق رجليه أو أقطر في أذنيه لا يجب دم ولا صدقة) اتفاقاً (بخلاف المسك والعنبر والغالية والكافور ونحوها) مما هو طيب بنفسه (فإنه يلزمه الجزاء بالاستعمال) ولو (علىٰ وجه التداوي). (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الجنايات: ۲/ ۲۰۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۱۴۱۶/۲/۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شریعہ: ۳/ ۲۴۶)

احرام میں ازار بدلنا جائز ہے:

سوال: زید کو عارضہ فتق (آنت اتر رہرنیا) کا ہے، کلوخ لینے سے مجبور رہتا ہے اور اکثر خون بواسیر کا کپڑے میں ٹپک جاتا ہے اور دھار پیشاب کی بعد طہارت کے کپڑے پر گر جاتا ہے، جس سے وہ کپڑا ہمیشہ نجس ہو جاتا ہے، چناں چہ اس کے دفعیہ و رفع شک کے لیے اس نے ہمیشہ یہ بات اختیار کی ہے کہ نماز کے وقت دوسرا تہمند باندھ کر نماز پڑھتا ہے اور بعد نماز اس تہمند کو اتار کر سابق تہمند پہن لیتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ حج کا تہمند باندھ چکا ہو، ایسی حالت میں بوقت نماز دوسرا اس تہمند کو باندھ سکتا ہے ہے، یا نہیں؟ یعنی تبدیل کر سکتا ہے، یا اسی نجس تہمند سے نماز پڑھتا رہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

احرام میں یہ ضرور نہیں کہ ایک ہی چادر اور ایک ہی لنگی اول سے اخر تک بدن پڑ رہے؛ بلکہ چادر اور لنگی کو بدلتے رہنا جائز ہے۔ پس صورت مسئولہ میں سائل لنگی کو بدل سکتا ہے۔ (امداد الاحکام: ۳/ ۱۷۷)

محرم ربڑ یا تار کی پیٹی سے تہبند احرام باندھ سکتے ہیں، یا نہیں:

سوال: ربڑ، یا تار کی پیٹی سے تہبند احرام باندھ سکتے ہیں، یا نہیں؟

محرم احرام کی چادر گرمی کی وجہ سے اتار سکتا ہے، یا نہیں:

سوال: حالت احرام میں جو چادر اوڑھی جاتی ہے، بحالت پسینہ اس کو اتار سکتے ہیں، یا نہیں؟

حج کی دعائیں کتاب دیکھ کر پڑھنا کیسا ہے:

سوال: جس شخص کو ادعیہ حج کی زبانی یاد نہ ہوں، وہ کتاب میں دیکھ کر پڑھ سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

(۱) ربڑ وغیرہ سے احرام کا تہبند باندھ سکتے ہیں۔(۱)

(۲) ہر وقت اوڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، پسینہ وغیرہ کی ضرورت سے علاحدہ کی جاسکتی ہے۔(۲)

(۳) کتابیں دیکھ کر پڑھ سکتا ہے، بعد پڑھنے کے رکھ سکتا ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند:۶/۵۵۲-۵۵۳)

احرام میں ہمیانی باندھنے کا حکم:

سوال: ڈوریا یعنی تھیلے سلے ہوئے جو بغرض حفاظت نوٹ روپیہ وغیرہ کمر میں باندھا جاتا ہے، آیا کمر میں باندھ سکتے ہیں، یا نہیں؟ علاوہ اس کے فتق کی کمانی جو عموماً چمڑہ اور تاگے سے بنی ہوتی ہے، حالت احرام میں کمر میں باندھ سکتے ہیں؛ کیوں کہ عارضہ موجود ہے؟

الجواب

نوٹ اور روپیہ کی حفاظت کے لیے کمر سے تھیلی باندھنا اور عارضہ فتق (آنت اتر نا رہرنیا) کی وجہ سے پٹی باندھنا بھی جائز ہے۔ یہ اس مخیط میں داخل نہیں، جس کی احرام میں ممانعت ہے۔ احرام میں وہ مخیط (سلے ہوئے کپڑے) ممنوع ہے، جو جسم کی وضع وتراش پر سلا ہوا ہو۔ فقط

۱۲/شعبان ۱۳۴۵ھ (امداد الاحکام:۳/۱۷۷)

محرم عینک لگا سکتا ہے، یا نہیں:

سوال: محرم چشمہ لگا سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

لگا سکتا ہے۔(امداد الاحکام:۳/۱۸۰)

---

(۱) فإن زرره أو خلله أو عقده أساء ولا دم عليه.(الدر المختار)

وكذا لو شده بحبل ونحوه لشبهه حينئذٍ بالمخيط من جهة أنه لا يحتاج إلٰى حفظه بخلاف شد الهميان في وسطه.(ردالمحتار، كتاب الحج، باب الاحرام: ۲/۲۱۵، ظفير)

(۲) (وكذا يستحب) لمريد الاحرام ... (ولبس ازار ... ورداء) علٰى ظهره ... وهٰذا بيان السنة والا فستر العورة كاف. (الدر المختار علٰى هامش ردالمحتور، كتاب الحج، باب الاحرام:۳/۴۸۷-۴۸۸، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۳) ردالمحتار، باب الجنايات: ۲/۲۹۱

احرام کی حالت میں عورت کا زیور اور چوڑیاں پہننا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علما دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ہمارے یہاں اہل علم کے گھرانے کی عورتوں کا کہنا ہے کہ اور ممکن ہے کہ اہل علم نے عورتوں کو بتایا ہو کہ عورت جب حج کو جائے تو احرام کی حالت میں ناک سے لونگ کانوں سے بالی اور بندے، پاؤں سے پٹی، یا پازیب، ہاتھوں سے کنگن، یا چوڑی وغیرہ اور انگلیوں سے انگوٹھی یہ سب چیزیں احرام کی حالت میں نکال دینا چاہیے اور عورت کو احرام میں ایسا ہونا چاہیے جیسے میت کفن پہنے ہو، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا مذکورہ چیزیں احرام میں ممنوع ہیں اور اہل علم کی گھرانے کی عورتوں کا یہ کہنا صحیح ہے، یا عورت حج کو جاتے وقت، یا احرام کی حالت میں سب چیزیں پہن سکتی ہیں؟

باسمه سبحانه تعالیٰ ، الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

احرام کی حالت میں عورت کے لیے زیوارت اور چوڑیاں وغیرہ پہننے کی اجازت ہے، جن عورتوں نے اس کے خلاف مسئلہ بتایا ہے، وہ غلط ہے۔

عن صفية بنت شيبة أنها قالت: كنت عند عائشة إذ جاء تها امرأة من نساء بني عبد الدار، يقال لها، تملك فقالت لها: يا أمير المؤمنين إن ابنتي فلانة حلفت أن لا تلبس حليها في الموسم، فقالت عائشة: قولي لها إن أم المؤمنين تقسم عليك إلا لبست حليك كله. (السنن الكبرى للبيهقي: ٥/٨٤، رقم: ٩٠٧٨، دار الكتب العلمية بيروت، كذا في المصنف لابن أبي شيبة: ٨/٤٠٧، رقم: ١٤٤١٣)

عن عبيد الله بن عمر بن نافع أن نساء عبد الله بن عمر وبناته كنَّ يلبسن الحلى وهن محرمات. (المصنف لابن أبي شية: ٨/ ٤٠٧، رقم: ١٤٤١٤، المجلس العلمي)

وتلبس الحرير والذهب وتتحلى بالحلى ماشاء ت. (غنية الناسك: ٩٤)

ولا بأس لها أن تلبس الحرير والذهب، وتتحلى بأى حلية شاء ت عند عامة العلماء، وعن عطاء أنه كره ذلك، والصحيح قول العامة لما روى أن ابن عمر رضى الله عنهما كان يلبس نساء ه الذهب والحرير؛ ولأن لبس هٰذه الأشياء من باب التزين والمحرم غير ممنوع من الزينة. (بدائع الصنائع: ٢/ ٤١٠، نعيمية ديوبند)

ويجوز للمحرمة أن تلبس الحرير والحلي، كذا في الكرخي. (الجوهرة النيرة: ١/ ١٥٢) **فقط والله تعالىٰ أعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۵/۱۱/۱۴۲۹ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/۳۵۹)

محرم کا تین، یا زائد بال اکھاڑنا:

سوال: حالت احرام میں ناک سے ایک بار بال کھینچنے سے تین، چار بال اکھڑ گئے، اس سے دم واجب ہوا، یا

نہیں؟ وجوب دم کی صورت میں اس کی ادائیگی کے لیے حرم شریف بھیجنا ہوگا، یا ہندوستان میں ادا ہوسکتا ہے، چونکہ میں ہندوستانی ہوں اور فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد واپسی بھی ہوچکی ہے۔

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

صورت مسئولہ میں اگر ناک سے تین بال اکھڑ گئے تو ایسی صورت میں اکھاڑنے والے پر دم واجب نہیں ہوگا، البتہ ہر ہر بال کے عوض ایک مٹھی کھانا (گیہوں، کھجور وغیرہ) کا تصدق لازم ہوگا اور اگر تین سے زائد بال اکھڑ گئے تو نصف صاع یعنی ایک کیلو چھ سو بانوے گرام گیہوں واجب التصدق ہوگا۔

وإن نتف من رأسه أو أنفه أو لحيته ثلاث شعرات ففي كل شعر كف من الطعام وفي خصلة نصف صاع اهـ. فتبين أن نصف الصاع إنماهو في الزائد على الشعرات الثلاث أما إذا لم يزد تصدق لكل شعرة بكف من طعام. (غنية الناسک، ص: ۱۳۷)

اور اس کا حرم بھیجنا ضروری نہیں؛ بلکہ جس جگہ کا رہنے والا ہو وہیں صدقہ کردینا کافی ہے۔

والهدى لايذبح إلا بمكة لقول تعالٰى هدياً بالغ الكعبة ويجوز الاطعام في غيرها. (الهداية: ۱/ ۲۸۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۶/ ۱۲/ ۱۴۱۶ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۳/ ۲۴۷)

چہرہ سے مراد:

سوال: عورتوں کا احرام سر کا کپڑا ہے، احرام چہرہ کو چھوڑ کر باندھنا ہے۔ چہرہ کی تعریف کیا ہے؟

(مہر النساء، چنچل گوڑہ)

الجواب ـــــــــــــــــــ

یہ صحیح ہے کہ عورتوں کو حالتِ احرام میں چہرہ کو کپڑا لگنے سے بچانا ہے۔ فقہا نے لکھا ہے:

" والمرأة :إحرامها في وجهها بإتفاق الفقهاء". (۱)

اس لیے سر پر کوئی ایسی چیز باندھ لی جائے اور اس پر کپڑا ڈال لیا جائے کہ بے پردگی بھی نہ ہو اور کپڑا چہرہ سے لگنے بھی نہ پائے، چہرہ کا اطلاق اسی حصہ پر ہوگا، جس حصہ کو وضو میں دھونے کا حکم ہے؛ یعنی پیشانی کے بال سے ٹھوری تک اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴/ ۴۷)

حالتِ احرام میں غسل واجب ہوجائے:

سوال: احرام کی حالت میں غسل کی ضرورت پڑ جائے تو کیا طریقہ ہے؟　　(مہر النساء، چنچل گوڑہ)

(۱)　الفقه الإسلامي وأدلته: ۳/ ۱۳۰

الجواب

اگراحرام کے درمیان کسی کو احتلام ہوجائے، یا عورتیں ایام سے پاک ہوں، اور غسل واجب ہوتو اس میں کچھ مضائقہ نہیں، غسل کر سکتے ہیں، صرف یہ احتیاط رکھیں کہ خوشبودار صابون استعمال نہ کریں کہ حالتِ احرام میں خوشبو کا استعمال ممنوع ہے، سراس طرح نہ مَلیں کہ بال ٹوٹ جائے اور چہرہ کو تولیہ سے نہ پونچھیں کہ چہرہ پر کپڑا لگانے میں کراہت ہے، اس احتیاط کے ساتھ غسل کرنے میں کچھ حرج نہیں۔ (۱) (کتاب الفتاویٰ:۴/۳۷-۳۸)

محرم کا دوسرے کے بال کاٹنا:

سوال: آپ نے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ محرم جب حج وعمرہ کے افعال مکمل کرلے تو وہ اپنے بال بھی کاٹ سکتا ہے اور دوسرے ایسے شخص کا بال بھی کاٹ سکتا ہے جو ان افعال کو مکمل کر چکا ہو یہ بات تو بعض کتابوں میں آئی ہے کہ ایسا شخص اپنے بال کاٹ سکتا ہے؛ لیکن یہ بات کہ دوسرے کے بال بھی کاٹ سکتا ہے، کہیں نظر سے نہیں گذری، براہِ کرم اس سلسلہ میں وضاحت فرمائیں۔　　(وحیدالدین قاسمی، عثمان آباد)

الجواب

یہ بات درست ہے کہ محرم افعالِ عمرہ، یا افعالِ حج کو پورا کرنے کے بعد جیسے اپنے بال کاٹ سکتا ہے، ان افعال کے تکمیل کرنے والے دوسرے محرم کے بال بھی اپنے بال کاٹنے سے پہلے کاٹ سکتا ہے، چناں چہ مسائل حج پر ملا علی قاریؒ کی مشہور کتاب ''لباب المناسک'' کی شرح میں ہے:

إذاحلق أى المحرم رأسه أى رأس نفسه أو رأس غيره أى ولو كا ن محرما عند جواز التحلل أى الخروج من الإحرام بأدا ء أفعال النسك لم يلز مه شيئ ،الأو لٰى لم يلزمها شيئ وهٰذا حكم يعم كل محرم فى كل وقت ،فلا مفهوم لتقييدالمصنف فى الكبيربقو له عندجوازالحلق يوم النحر''. (۲) (کتاب الفتاویٰ:۴/۳۸-۳۹)

بے شعور بچوں کا احرام:

سوال: میرا ایک لڑکا اپنی بیوی بچوں کے ساتھ ریاض میں مقیم ہے، اس سال اپنی بیوی بچوں کے ساتھ حج کرنا چاہتا ہے، بچے کی عمر دوسال کے قریب اور بچی کی عمر تین سال کے قریب ہے؛ اس لیے بچوں کو ساتھ لے کر ہی حج کے ارکان ادا کرنا ہوگا تو کیا بچوں کا احرام باندھا جائے گا اور طواف میں ان کی طرف سے نیت کی جائے گی؟

(محمد بدرالدین، رین بازار)

---

(۱)　رد المحتار:۳/۴۹۸

(۲)　شرح لباب المناسک،ص:۱۱۵

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

نابالغ بچہ جس کو ابھی احرام وغیرہ کا شعور بھی نہیں ہے، اگر اس کے والد اس کے احرام کی نیت کرلیں تو وہ محرم ہوجائے گا اور افعال حج میں والد کی نیت اس کی طرف سے کافی ہوجائے گی، لڑکا ہو تو دوسرے محرم مردوں کی طرح اسے بھی چادر اور تہ بند پہنائی جائے گی اور چوں کہ نابالغ ہونے کی وجہ سے وہ احکام کا مکلّف نہیں؛ اس لیے اگر اس سے احکام احرام کی خلاف ورزی بھی ہوجائے تو دم، صدقہ، یا کفارہ واجب نہیں ہوگا۔

"فإن كان لايعقله فأحرم عنه أبوه صار محرماً، فينبغي أن يجرده قبله ويلبسه إزاراً ورداء ولما كان الصبي غير مخاطب كان إحرامه غير لازم". (۱)

نیز نابالغ کا حج حج نفل کے حکم میں ہے، لہٰذا بالغ ہونے کے بعد اگر صاحب استطاعت ہو تو حج فرض اسے ادا کرنا ہوگا۔ (۲) (کتاب الفتاویٰ: ۴/۳۹-۴۰)

عمرہ کے احرام کی چادر کا کفن میں استعمال:

سوال: عمرہ کے لیے جو دو کپڑے استعمال کرتے ہیں، وہ کیا مرنے کے بعد کفن کو استعمال کرسکتے ہیں، یا نہیں؟

(محمد شفیع، الجزب، سعودی عربیہ)

الجواب ــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

عمرہ میں جو دو (۲) کپڑے استعمال ہوتے ہیں، ان کو کفن میں بلا شبہ استعمال کرنا جائز ہے؛ بلکہ ان کا کفن میں استعمال کرنا افضل ہوگا۔

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۲/۵۵-۵۶)

آفاقی کو بغیر احرام حرم میں داخل ہونے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص غیر باشندہ مکہ بغیر احرام کے حرم شریف میں داخل ہوکر احرام باندھے اور اسی احرام سے حج کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

فی الدر المختار، باب الجنایات: آفاقی یرید الحج أو العمرة وجاوز وقته ثم أحرم لزمه دم، إلخ.

اس (فقہی) روایت سے معلوم ہوا کہ اس شخص کا حج ہوجاوے گا؛ مگر دم لازم ہوگا۔ فقط

۲/شوال ۱۳۲۶ھ (امداد الفتاویٰ: ۲/۱۶۲)

---

(۱) البحر الرائق، کتاب الحج: ۲/۵۵۳

(۲) بدائع الصنائع: ۲/۵۲۳

قاصد مدینہ کو بغیر احرام حرم میں داخل ہونے کا حکم:

سوال: یمنی کو جدہ شریف سے ینبوع بندر سے مدینہ منورہ جانے کا قصد ہے، بوقت گزرنے میقات یلملم کے احرام نہیں باندھا، جب جدہ شریف میں پہونچا، پھر مکہ معظّمہ جانے کا ارادہ کیا، اور جدہ شریف سے ہی احرام باندہ لیا، اب اس پر بسبب گزرنے بغیر احرام باندھے، یلملم سے دم لازم ہوگا، یا نہ، یا کیا حکم ہے، یا مکہ معظّمہ کا قصد بوقت گزرنے میقات کے شرط ہے؟

الجواب

فی الدر المختار: وحرم تأخیر الإحرام عنها کلها لمن قصد دخول مکة (إلٰی قوله) أما لو قصد موضعاً من الحل کخلیص وجدة حل له مجاوزته بلا احرام فاذا حل به التحقق باهله فله دخول مکة بلا احرام.

فی رد المختار: (قوله فله دخول مکة بلا إحرام) ای مالم یرد نسکا. (۲۴۹/۲)

اس سے معلوم ہو کہ صورت مسئولہ میں اس کا احرام جدہ سے صحیح ہوا اور اس پر کوئی جنایت لازم نہیں آئی۔

۷/شعبان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ، ص:۶۹) (امداد الفتاویٰ:۱۶۳/۲)

کراچی سے جدہ تک بغیر احرام کے جانے کا مسئلہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں سعودی عربیہ سے چھٹی پر کراچی آیا تھا، اب کراچی سے بغیر احرام کے جدہ گیا، اور جدہ پہنچنے کے بعد اقامہ لگتے ہی جدہ سے برائے عمرہ چلا گیا، اب مجھ پر کوئی دم وغیرہ لازم ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: عبدالحق سعودیہ عربیہ، ۱۳/محرم ۱۴۰۳ھ)

الجواب

اگر آپ کا منزل مقصود جدہ تھا تو آپ پر کوئی دم واجب نہیں ہے۔ (بحر، شامی) (۱) (فتاویٰ فریدیہ: ۲۷۹/۴) ☆

(۱) قال العلامة ابن نجیم: وقیدنا بقصد مکة لان الآفاقی اذا قصد موضعا من الحل کخلیص یجوز له ان یتجاوز المیقات غیر محرم واذا وصل الیه التحق باهله. (البحر الرائق: ۳۱۸/۲، قبیل باب الاحرام)

قال العلامة ابن عابدین: (قوله اما لو قصد موضعا من الحل کخلیص وجدة حل له مجاوزته بلا احرام) ای مما بین المیقات والحرم والمعتبر القصد عند المجاوزة لا عند الخروج من بیته. (ردالمحتار هامش الدر المختار: ۱۶۷/۲، مطلب فی المواقیت)

☆ **عورتوں کے افعالِ حج:**

مسئلہ: اگر عورت حالتِ احرام میں حائض ہو جائے تو غسل کرے، پھر احرام باندھے اور تمام افعالِ حج کرے سوائے طواف۔ ==

کیا طواف زیارت کے لیے مستقل احرام کی ضرورت ہے:

سوال: روز نحر کے جب جمار کو رمی کر لے اور ذبح کیا، پھر احرام سے فارغ ہوا، پس واسطے طواف زیارت کے دیگر بار احرام باندھے، یا نہ؟

== مسئلہ: وقوفِ عرفات سے پہلے اگر عورت حائض ہو جائے تو چاہیے کہ غسل کر کے احرام حج کا باندھے اور تمام افعال حج کے کرے، سوائے طواف کے کہ وہ حیض سے پاک ہونے کے بعد کرے۔

مسئلہ: طواف زیارت کے موقع پر اگر حالتِ حیض یا نفاس کی پیش آجائے یا بیمار ہو جائے تو پاک ہو جانے کے بعد طواف کرے۔

مسئلہ: طوافِ وِداع کے موقع پر اگر عورت حائض ہو جائے اور گھر واپس جانا ضروری ہو تو طوافِ وداع کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

مسئلہ: عورت کو احرام میں سیا ہوا اور رنگا ہوا لباس پہننا جائز ہے مگر خوشبو نہ رنگا ہو، موزے دستانے قمیص، اوڑھنی ،حریراًاور زیور پہننا بھی جائز ہے۔

مسئلہ: عورت احرام میں سر ڈھانکے اور منہ کھلا رکھے۔

مسئلہ: عورت سعی کے وقت صفا ومروہ کے درمیان نہ دوڑے اگر ہجوم ہو تو صفا اور مروہ پر بھی نہ چڑھے۔

مسئلہ: عورت کے واسطے سر منڈانا حرام ہے قصر کرائے۔ (ماخوذ از دین کی باتیں مؤلفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی)

حج کرنے سے رک جانا:

مسئلہ: محرم اگر بیمار ہو جائے یا دشمن کا خوف ہو، یا عورت کا خاوند راستے میں فوت ہو جائے، یا راستے میں خرچ جاتا رہے، یا کرائے کا جانور ہلاک ہو جائے تو وہ شخص محصر ہے۔

مسئلہ: محصر احرام سے اس طرح باہر ہو کہ ایک ہدی کا جانور کسی شخص کے ہاتھ بھیج دے کہ حرم میں ذبح کرے، یا قیمت بھیج دے، وہاں ہدی خرید کر ذبح کی جائے، ذبح کا دن اور وقت مقرر کرے کہ اس کے بعد گھر بیٹھے ہی احرام اتار دے، حلق یا قصر کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ: سال آئندہ محصر کو اس کے بدلے ایک حج اور ایک عمرہ کرنا چاہیے۔

مسئلہ: اگر محرم بقرعید کی صبح تک وقوف عرفات نہ کر سکے تو حج فوت ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: جب حج فوت ہو جائے تو لازم ہے کہ طواف خانہ کعبہ، سعی صفا ومروہ کی کر کے احرام اتار دے اور یہ حج آئندہ سال میں کرے اور قربانی واجب نہیں۔

مسئلہ: ہدی کے تین جانور ہیں سب سے افضل اونٹ ہے، پھر گائے بیل، پھر بھیڑ بکری۔

مسئلہ: ہدی پر سواری نہ کرنی چاہیے، نہ اس کی کوئی چیز کام میں لائی جائے۔

مسئلہ: ہدی کا دودھ نہ نکالنا چاہیے کہ اگر نکالے تو اس کی خیرات کر دے۔

مسئلہ: ہدی کے اگر بچہ پیدا ہو تو اس کو خیرات کر دے یا ساتھ ہی ذبح کر دے۔ ==

الجواب

وحل له كل شيء إلا النساء (إلىٰ قوله) ثم طاف للزيارة.

فی رد المختار: وشرائط صحته الإسلام وتقديم الإحرام. (۲۹۶/۲-۲۹۷)

اس سے معلوم ہوا کہ بار دیگر احرام نہیں ہوتا، جس احرام سے حلال ہوا ہے، وہی اس کے لیے کافی ہے۔

۷/شعبان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولی، ص:۷۰) (امداد الفتاوی:۱۶۴/۲)

مکہ معظّمہ میں داخل ہونے کے لیے احرام باندھے، یا نہیں:

سوال: حج کے بعد مدینہ شریف گئے، وہاں سے وطن جانے کے لئے جدہ آئے؛ لیکن جہاز کی روانگی میں دیر ہے تو دس پندرہ روز جدہ ٹھہرنے کے بجائے مکہ معظّمہ جا کر قیام کرے اور طواف کرے تو کیا احرام باندھنا پڑے گا؟ یا بغیر احرام باندھے جا سکتے ہیں؟

الجواب

احرام باندھنا پڑے گا، عمرہ کا احرام باندھ کر داخل ہوسکتا ہے۔ (قرۃ العینین) (۱) (فتاویٰ رحیمیہ:۷۲/۸)

جدہ میں رہنے والا حج، یا عمرہ کا احرام کہاں سے باندھے:

سوال: جدہ میں رہنے والوں کو حج یا عمرہ کا احرام کہاں سے باندھنا چاہئے؟ بینوا توجروا:

الجواب

جو لوگ میقات کے اندر رہتے ہیں، وہ عمرہ، یا حج کا احرام حرم کے باہر جہاں سے چاہیں باندھ سکتے ہیں۔ حل کی کل زمین ان کے حق میں میقات ہے۔ (۲) فقط واللہ اعلم بالصواب

۲۹/رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ (فتاویٰ رحیمیہ:۷۲/۸)

== مسئلہ: اونٹ کو نحر کرنا افضل ہے اور گائے، بکری کو ذبح کرنا افضل ہے۔

مسئلہ: حج کی قربانی بقرعید کی قربانی سے نہ کرے۔

مسئلہ: ہدی کا گوشت کھانا مالک کو درست ہے، ہدی کے گوشت کو مساکین پر تقسیم کرنا چاہیے، جس طرح قربانی کا گوشت تقسیم کرتے ہیں۔ (ماخوذ از دین کی باتیں، مؤلفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی)

(۱) ويجب على من دخل مكة بلا احرام لكل مرة حجة أو عمرة ... وصح منه أي اجزاه عما لزمه بالدخول. (الدر المختار مع الشامي باب الجنايات: ۳۱۳/۱)

(۲) فهذا ميقاته الحل الذى بين المواميت والحرم قال فى الشامية تحت قوله فهذا الا شارة الىٰ هل داخلها بالمعنى الذى ذكرناه، مالحرم حد فى حقه كالميقات للآفاقى فلا يدخل الحرم ان قصد النسك الا محرماً. شامى قبيل فصل فى الا حرام: ۳۱۲/۲)

اہل جدہ بلا احرام مکہ مکرمہ جاسکتے ہیں، یا نہیں:

سوال: جولوگ بغرض ملازمت جدہ میں مقیم ہیں، وہ اگر نماز جمعہ، یا اپنے کسی کام کے لیے مکہ معظّمہ جائیں تو احرام باندھنا ضروری ہے، یا نہیں؟ یہاں کے مقیم باشندے کہتے ہیں کہ جدہ حل میں داخل ہے۔ فقط والسلام۔ بینوا توجروا۔

الجواب

جولوگ حل میں رہتے ہیں، ان کے لیے دخول مکہ بلا احرام (جبکہ حج وعمرہ کی نیت نہ ہو) جائز ہے، جدہ جب حل میں ہے تو اہل جدہ نماز جمعہ، یا تجارت وغیرہ اپنے کسی کام سے مکہ معظّمہ جائیں تو احرام کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر حج وعمرہ کا ارادہ ہو تو احرام باندھنا ضروری ہے۔ (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۷۲/۸)

دوبارہ حرم میں داخلہ کے وقت احرام کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص مکہ مکرمہ سے عمرہ کی ادائیگی کے بعد حدود حرم سے باہر نکل گیا، پھر کسی کام سے وہ مکہ مکرمہ جانا چاہے تو اسے دوبارہ احرام باندھنا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

عمرہ سے حلال ہوکر حدود میقات سے باہر ہوجائے تو واپسی کے وقت احرام ضروری ہے، میقات کی حد سے باہر نہیں گیا تو احرام کی ضرورت نہیں۔ (۲) فقط واللہ اعلم (فتاویٰ رحیمیہ: ۷۲/۸-۷۳)

بحری وہوائی راستہ سے سفر کرنے والوں کو احرام کب باندھنا چاہیے:

سوال (۱) جو حضرات بحری جہاز سے حج بیت اللہ کے لیے جاتے ہیں، ان کو کب احرام باندھنا چاہیے؟ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ جدہ پہنچ کر احرام باندھ سکتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ اگر ان کا قول صحیح نہیں ہے اور کسی نے کسی وجہ سے جدہ تک احرام مؤخر کردیا تو دم لازم ہوگا، یا نہیں؟

(۲) اور جو حجاج کرام ہوائی جہاز سے سفر کرتے ہیں، ان کو کب احرام باندھنا چاہیے؟ کیا یہ لوگ جدہ پہنچ کر احرام باندھیں تو صحیح ہے، یا نہیں؟ یا دم لازم ہوگا، نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) ہندوستان (یا پاکستان) والوں کا میقات یلملم ہے، لہذا جو حجاج کرام مکہ معظّمہ جانے کا ارادہ رکھتے

---

(۱) وحل لاهل داخلها يعني من وحد في داخل المواقيت دخول ملة غير محرم مالم يرد نسكا للحرج. (جواهر الفقه: ٤٨٧/١)

(۲) والمتمنع اذا فرغ من عمرية ثم خرج من الحرم ... وإن رجع إلى الحرم وأهل منه' قبيل الاحرام فلا شيء عليه بالاتفاق، كذافي غاية السروجي شرح الهداية. (الفتاویٰ الهندية، الباب العاشرة فی فجاوز الميقات بغير احرام: ٢٥٤/١)

ہیں، ان کو یلملم، یا اس کے محاذ سے پہلے پہلے احرام باندھ لینا چاہیے۔(۱)

ہمارے زمانہ میں جو حجاج کرام ہندوستان (یا پاکستان) سے بحری راستہ سے سفر کرتے ہیں، وہ جدہ تک احرام مؤخر کر سکتے ہیں، یا نہیں؟ اس بارے میں ہمارے زمانہ کے اکابرین علماء کی تحقیق میں اختلاف ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ بحری جہاز سے سفر کرنے والے حجاج کرام کے لیے جدہ تک احرام مؤخر کرنا جائز ہے۔ آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بحری جہاز یلملم سے آگے جو جدہ کی طرف تجاوز کرتا ہے، وہ تجاوز آفاق میں ہوتا ہے، جہت حرم میں نہیں ہوتا ہے، لہٰذا اگر جدہ تک احرام مؤخر کریں تو جائز ہے موجب دم نہیں۔ صاحب زبدۃ المناسک حضرت مولانا الحاج شیر محمد صاحب سندھی علیہ الرحمہ اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مدظلہم العالی کی بھی یہی تحقیق ہے۔

اس کے بالمقابل حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ (پاکستانی) اور مولانا مفتی ولی ٹونکی (پاکستانی) کی تحقیق یہ ہے کہ یلملم کی محاذات جدہ سے پہلے آجاتی ہے اور بحری جہاز جدہ پہنچنے سے پہلے ہی محاذات میقات سے تجاوز کر کے حدود حل میں داخل ہو جاتا ہے؛ اس لیے ہندوستان و پاکستان کے حجاج کرام کو سمندر میں یلملم کی محاذات سے ہی احرام باندھ لینا لازمی ہے، اگر اس سے تاخیر کریں گے تو محاذات میقات سے بلا احرام گزرنے کی وجہ سے دم بھی لازم ہوگا اور گناہ بھی ہوگا۔

لہٰذا بہتر یہی ہے کہ جدہ آنے سے پہلے پہلے یلملم کی محاذات پر احرام باندھ لیا جائے، اسی میں احتیاط ہے، چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے بھی یہی تحریر فرمایا ہے۔

فرماتے ہیں:

ایسے حالات میں کہ اس مسئلہ میں علما کا اختلاف رائے ہے، احتیاط اسی میں ہے کہ بحری جہاز میں یلملم ہی سے احرام باندھ لیں، یا ساحل جدہ پر اترنے سے پہلی احرام باندھ لیں؛ کیوں کہ حسب تصریح فقہا محل اختلاف میں احتیاط کا پہلو اختیار کرنا بہتر ہے؛ تاکہ اپنی عبادت کے جواز میں کسی کا اختلاف نہ رہے، اس کے علاوہ احرام کو میقات سے پہلے باندھنا سب ہی کے نزدیک افضل ہے؛ بلکہ بعض روایات حدیث میں اپنے گھر سے ہی احرام باندھ کر چلنے کی فضیلت آئی ہے، شرط یہ ہے کہ محظورات احرام میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو اور جس کو یہ خطرہ ہو کہ محظورات احرام سے بچنا اس تمام عرصہ میں اس کے لیے مشکل ہوگا، اس کے لیے آخری حد تک مؤخر کرنا بہتر ہے، ایسے شخص کو آخری حد میں اتنی احتیاط کر لینا چاہیے کہ اس کا احرام علما کے اختلاف سے نکل جائے۔ (جواہر الفقہ: ۱/۴۸۹)

---

(۱) میقات أهل اليمن والهند يلملم جبل جنوبى كلة على مرجلتين منها. (الفقه الاسلامى وأدلته، المطلب الثانى ميقات الحج والعمرة المكانى: ۷۱/۳۰) ومن حج فى البحر فوفتة إذا حاذى موضعا من البر لا يتجاوز الا محرما. (كذا فى السراج الوهاج، الباب الثانى فى المواقيت: ۲۲۱/۱)

تفصیل ودلائل کے لیے ملاحظہ ہو، جواہر الفقہ :۱/۴۶۱_۴۹۰،مواقیت احرام کا مسئلہ۔(زبدۃ المناسک :۱/۴۴_۴۵، عمدۃ الفقہ :۴/۹۰_۹۲)

اس اختلاف رائے کی بنا پر بہتر صورت وہی ہے، جو اوپر درج ہوئی کہ جدہ سے پہلے ہی یلملم کی محاذات پر احرام باندھ لیا جائے؛لیکن اگر کسی نے غلطی سے، یا کسی مجبوری سے جدہ تک احرام مؤخر کر دیا تو اس پر دم کا لزوم نہ ہوگا؛مگر احتیاطاً دم دے دے تو بہتر ہے۔فقط

(۲) جو حجاج کرام ہندوستان (یا پاکستان) سے مکہ مکرمہ جانے کے لئے ہوائی جہاز سے سفر کرتے ہیں،ان کو ہوائی جہاز میں سوار ہونے سے قبل احرام باندھ لینا چاہیے، جدہ تک احرام مؤخر کرنا جائز نہیں،اگر مؤخر کریں گے تو گناہ بھی ہوگا اور دم بھی لازم ہوگا؛اس لیے کہ ہوائی جہاز حدود میقات سے گزر کر جدہ پہنچتا ہے اور ہوائی جہاز کے مسافروں کو یہ معلوم ہونا مشکل ہے کہ جہاز کس وقت حدود میقات کے اندر داخل ہوگا اور اگر حدود میقات کا علم ہو بھی جائے تو اس سے پہلے پہلے احرام باندھ کر فارغ ہونا مشکل ہے؛اس لیے کہ ہوائی جہاز بہت ہی تیز رفتاری کے ساتھ پرواز کرتا ہے اور ساتھ ساتھ اس وقت احرام باندھنے میں احرام کے سنن ومستحبات کی رعایت بھی مشکل ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

آج کل ان ممالک مشرقیہ سے آنے والے حجاج کے لیے راستے دو ہیں:ایک ہوائی، دوسرا بحری۔ہوائی جہازوں کا راستہ عموماً خشکی کے اوپر سے براہ قرن المنازل ہوتا ہے، ہوائی جہاز قرن منازل اور ذات عرق دونوں میقاتوں کے اوپر سے گزرتے ہوئے اول حل میں داخل ہوجاتے ہیں اور پھر جدہ پہنچتے ہیں؛اس لیے ہوائی سفر میں تو قرن المنازل کے اوپر آنے سے پہلے پہلے احرام باندھنا لازم وواجب ہے اور چونکہ ہوائی جہازوں میں اس کا پتہ چلنا تقریباً ناممکن ہے کہ کس وقت اور کب یہ جہاز قرن المنازل کے اوپر سے گزرے گا؛اس لیے اہل پاکستان وہندوستان کے لیے تو احتیاط اسی میں ہے کہ ہوائی جہاز میں سوار ہونے سے قبل ہی احرام باندھ لیں،اگر بغیر احرام باندھے ہوئے ہوائی جہاز کے ذریعہ جدہ پہنچ گئے تو ان کے ذمہ دم؛یعنی قربانی ایک بکرے کی واجب ہوجائے گی اور گناہ اس کے علاوہ ہوگا،جس کی وجہ سے حج ناقص رہ جاتا ہے، مقبول نہیں ہوتا، بہت سے حجاج اس میں غفلت کرتے ہیں۔(جواہر الفقہ :۱/۴۷۴_۴۷۵)(عمدۃ الفقہ :۴/۹۲)فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ :۲/۷۳_۷۴)

آفاقی بطریقۂ مرور جدہ پہنچ کر مکہ مکرمہ جانا چاہے تو احرام ضروری ہے، یا نہیں:

محترم ومکرم حضرت مفتی صاحب ادام اللہ ظلہم وفیوضہم

بعد سلام مسنون

سوال: آپ کے فتاویٰ رحیمیہ ،ص:۵۳،جلد دوم میں ہے:سوال:حج کے بعد مدینہ شریف گئے ،وہاں سے وطن

جانے کے لیے جدہ آئے؛ لیکن (پانی کے) جہاز کی روانگی میں دیر ہے تو دس پندرہ روز جدہ ٹھہرنے کے بجائے مکہ معظّمہ جا کر قیام کرے اور طواف کرے تو کیا احرام باندھنا پڑے گا؟ یا بغیر احرام باندھے جا سکتے ہیں؟ (الجواب) احرام باندھنا پڑے گا، عمرہ کا احرام باندھ کر داخل ہو سکتا ہے۔ (قرۃ العینین)

مگر معلم الحجاج میں لکھا ہے: مسئلہ: آفاقی (یعنی میقات سے باہر رہنے والا) میقات سے آگے کسی ایسی جگہ جو حرم سے خارج ہے اور حل میں ہے، کسی ضرورت سے جانا چاہتا ہے، مکہ جانے اور حج، یا عمرہ کرنے کی نیت نہیں ہے تو اس پر میقات سے احرام باندھنا واجب نہیں اور اس کے بعد وہ اس جگہ سے مکہ بھی بلا احرام جا سکتا ہے اور اس پر کوئی دم وغیرہ نہیں ہے، اس مقام پر پہنچ کر یہ شخص بھی اس جگہ کے لوگوں کے حکم میں ہو گیا، وہاں سے اگر حج، یا عمرہ کا ارادہ کرے تو ان کی میقات یعنی حل سے احرام باندھنا ہوگا۔ (معلم الحجاج، ص:۱۰۸، میقات سے بلا احرام باندھے گزرنا) فتاویٰ رحیمیہ کے جواب اور معلم الحجاج کی عبارت میں بظاہر تناقض معلوم ہوتا ہے۔ کیا جواب ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

فتاویٰ رحیمیہ، ص:۵۳، جلد دوم کا جواب قرۃ العینین (یعنی زبدۃ المناسک المعروف بہ قرۃ العینین فی زیارۃ الحرمین مؤلفہ مولانا الحاج شیر محمد شاہ صاحبؒ) کے حوالہ سے لکھا گیا ہے، مسائل حج میں یہ کتاب معتبر مانی جاتی ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زبدۃ المناسک کی پوری عبارت نقل کر دی جائے:

''اب کثیرۃ الوقوع یہ مسئلہ ہے کہ حج کے بعد جو حاجی لوگ مدینہ طیبہ سے وطن کو جانے کے ارادہ سے جدہ میں آتے ہیں اس نیت سے کہ براستہ بحری جہاز یا ہوائی جہاز وغیرہ کے وطن کو جائیں گے، پس بوجہ فی الحال جہاز وغیرہ نہ ملنے کے جدہ میں بہت زیادہ قیام کرنے کے یہ خیال کرتے ہیں کہ جدہ تو ہمارا میقات نہیں ہے، احرام کہاں سے باندھیں، پس چونکہ یہ مدینہ طیبہ سے حج وغیرہ کی نیت کے بغیر محض اپنے وطن کو جانے کی غرض سے جدہ میں آئے ہوئے ہیں؛ یعنی جدہ میں نہ تو مکہ مکرمہ کے حاضر ہونے کی نیت سے آئے ہیں اور نہ خود جدہ کسی خاص کام کے ارادہ سے آئے ہیں؛ اس لیے یہ لوگ میقات یا حل والوں کے حکم میں نہیں ہیں کہ ان کا میقات حل ہو؛ مگر چونکہ یہ لوگ آفاق سے آئے ہوئے ہیں اور جدہ میں بطریق مرور پہنچے ہیں؛ کیوں کہ وطن کو جانے کا ارادہ رکھتے ہیں، اب یہاں سے مکہ مکرمہ، یا حد حرم میں جائیں گے تو بغیر احرام نہیں جا سکتے کہ آفاقی ہیں اور ذوالحلیفہ جحفہ رابغ سے بغیر احرام گزرنے کی وجہ سے ان پر دم وغیرہ بھی کچھ لازم نہ ہوگا؛ کیوں کہ مکرمہ اور حرمین جانے کی نیت نہ تھی۔ الخ''۔ (زبدۃ المناسک، ص:۵۴)

معلم الحجاج میں جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے، اس کا محمل یہ معلوم ہوتا ہے کہ آفاقی داخل میقات جس جگہ جانا چاہتا ہے، وہ مقام اس وقت اس کا مقصود ہے، لہٰذا وہ شخص جب وہاں پہنچے گا تو اہل حل کے حکم میں ہو جائے گا اور زبدۃ المناسک میں جو مسئلہ بیان کر رہے ہیں، اس کا محمل یہ معلوم ہوتا ہے کہ آفاقی مکہ مکرمہ پہنچا حج سے فراغت کے بعد مدینہ طیبہ حاضر ہوا،

اب مدینہ منورہ سے اپنے وطن جانے کے ارادہ سے روانہ ہوا، ہوائی جہاز سے سفر کرنا ہو، یا بحری جہاز سے عام طور پر جدہ آنا پڑتا ہے؛ مگر اس سفر میں جدہ اس کا مقصود نہیں ہے، اسے تو آگے روانہ ہونا ہے؛ اس لیے جدہ پہنچنے کے باوجود اسے اہل حل کے حکم میں داخل نہیں کیا اور کسی وجہ سے اسے جدہ میں ٹھہرنا ہوا اور جدہ میں ایام گزارنے کے بجائے مکہ مکرمہ حاضری کا ارادہ کرلیا تو چونکہ وہ حلی نہیں ہے؛ اس لیے مکہ مکرمہ میں داخلہ کے بجائے مکہ مکرمہ حاضری کا ارادہ کرلیا تو چونکہ وہ حلی نہیں ہے؛ اس لیے مکہ مکرمہ میں داخلہ کے لیے احرام ضروری قرار دیا۔ معلم الحجاج اور زبدۃ المناسک میں تطبیق کی یہ صورت ہوسکتی ہے، فتاویٰ رحیمیہ، ص:۵۳، ج۲ میں سوال کی نوعیت وہی ہے، جو زبدۃ المناسک میں ہے، لہذا فتاویٰ رحیمیہ اور معلم الحجاج میں بھی تعارض نہ رہے گا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ:۸/۷۵-۷۶)

ساتویں ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھنا کیسا ہے:

سوال: آج کل معلم حضرات ساتویں ذی الحجہ ہی کو بہت سے حجاج کو منی لے جاتے ہیں تو ساتویں ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھ کر جانا کیسا ہے، اس میں کوئی خرابی تو نہ آوے گی؛ اس لیے کہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ آٹھویں ذی الحجہ کو منی جانا ہے۔ امید ہے کہ جواب مرحمت فرمائیں گے، بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــ

صورت مسئولہ میں ساتویں ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھ کر منی جاسکتے ہیں، کوئی کراہت نہیں ہے بلکہ افضل ہے۔

شرح الوقایہ میں ہے:

”ثم أحرم للحج، كما مر، أي يوم التروية وقبله أفضل“.

عمدۃ الرعایۃ حاشیۃ شرح الوقایۃ، ص:٦ میں ہے:

(قوله: أفضل) لكونه أشق وأنسب بالمسارعة إلى الخير. (شرح الوقاية: ١/ ٣٤٤، كتاب الحج، طواف القدوم والخروج لمنى وعرفات) فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ:۸/۷۶)

ملازمت، یا تجارت کے ارادہ سے مکہ مکرمہ جانے والے کے لیے احرام ضروری ہے، یا نہیں:

سوال: اگر کوئی شخص ہندوستان سے ملازمت، یا تجارت کے ارادہ سے مکہ مکرمہ جارہا ہو تو اس پر احرام باندھنا ضروری ہے، یا نہیں؟ اگر احرام باندھنا ضروری ہو تو کس چیز کا احرام باندھے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــ

آفاقی یعنی جو شخص میقات سے باہر رہتا ہو وہ احرام باندھے بغیر مکہ مکرمہ نہیں جاسکتا چاہے حج وعمرہ کا ارادہ ہو یا تجارت وملازمت کا۔

ہدایہ اولین میں ہے:

ثم الآفاق إذا انتهٰى إليها على قصد دخول مكة عليه أن يحرم قصد الحج أو العمرة أو لم يقصد (بان قصد التجارة) عندنا لقوله عليه الصلاة والسلام: "لا يجاوز أحد الميقات إلا محرماً" لان وجوب الاحرام لتعظيم هذه البقعة الشريفة، فيستوى فيه الحاج والمعتمر وغيرهما. (الهداية الأولين، ص: ۲۱٤، فصل في المواقيت)

حج کا زمانہ ہو اور حج کرنے کا موقعہ ہو تو حج کا احرام باندھے، ورنہ عمرہ کا احرام باندھے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

(فتاویٰ رحیمیہ: ۸/۷۷)

کس صورت میں اضطباع مسنون ہے:

سوال: احرام باندھنے کے بعد عام حالات میں اضطباع کرنا چاہئے، یا صرف طواف میں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

عام حالات میں اضطباع (دائیں بغل سے چادر نکال کر بائیں کندھے پر ڈالنا) نہ کیا جائے، خاص کر نماز میں اضطباع نہ کرے، جس طواف کے بعد سعی کرنا ہو اس طواف میں اضطباع مسنون ہے۔

درمختار میں ہے:

(وأخذ) الطائف (عن يمينه مما يلي الباب) ... (جاعلاً) قبل شروعه (رداء ه تحت ابطه اليمنى ملقياطرفه على كتفه الا يسر) استناناً.

شامی میں ہے:

(قوله: استنانا) أى فى كل طواف بعده سعى كطواف القدوم والعمرة وكطواف الزيارة إن كان اخر السعى ولم يكن لابساً. (ردالمختار: ۲/۲۳۸، ۲۳۹، قبيل مطلب فى طواف القدوم)

معلم الحجاج میں ہے:

''بعضے آدمی احرام کے زمانہ میں نماز میں بھی اضطباع کرتے ہیں نماز میں اضطباع مکروہ ہے، اضطباع صرف طواف میں مسنون ہے، وہ بھی ہر طواف میں نہیں؛ بلکہ جس طواف کے بعد سعی ہو، البتہ طواف زیارت کے بعد اگر سعی کرنی ہو اور احرام کے کپڑے اتار دیئے ہو تو اس میں اضطباع نہ ہوگا''۔ (معلم الحجاج، ص: ۳۷۳-۳۷۴، احرام کی غلطیاں) فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۸/۷۷)

متمتع اور مکی حج کا احرام کہاں سے باندھے:

سوال: ایک شخص حج تمتع کے ارادہ سے روانہ ہوا، عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ پہنچا، وہاں عمرہ کر کے حلال ہو کر مکہ

مکرمہ میں ٹھہرا رہا، حج کے دنوں میں حج کا احرام کہاں سے باندھے؟ اپنے کمرہ میں احرام باندھے تو کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

متمتع عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ پہنچا اور عمرہ کر کے حلال ہو کر مکہ مکرمہ میں ٹھہرا ہوا ہے تو وہ شخص حج کا احرام حدود حرم کے اندر جہاں سے چاہے باندھ سکتا ہے، اپنے کمرہ میں بھی باندھ سکتا ہے، البتہ مسجد حرام میں جا کر احرام باندھنا افضل ہے۔

ہدایہ اولین میں ہے:

فاذا كان يوم التروية احرم بالحج من المسجد والشرط ان يحرم من الحرم اما المسجد فليس بلازم (بل هو أفضل) وهذا لأنه فى معنى المكى وميقات المكى فى الحج الحرم على مابينا. (الهداية: ۲٤۱/۱، باب التمتع)

معلم الحجاج میں ہے:

''مسئلہ: تمتع آٹھویں تاریخ کو حج کا احرام باندھے اور اس سے پہلے باندھنا افضل ہے اور حرم میں جس جگہ سے چاہے احرام باندھ سکتا ہے؛ لیکن مسجد حرام اور مسجد حرام سے بھی حطیم میں باندھنا افضل ہے۔ (معلم الحجاج، ص: ۲۳۸، مسائل تمتع) فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۷۷/۸-۷۸)

بوقت احرام بیوی ساتھ ہو تو صحبت کرنا اور پھر غسل کرنا مسنون ہے:

سوال: گزشتہ سال میں حج کو گیا تھا، اس وقت جہاز میں مولانا نے مجھے بتایا کہ یلملم پہاڑ آنے کے وقت ایک سیٹی بجائی جائے گی کہ احرام باندھ لو، تب اگر اپنے ساتھ اپنی بیوی ہو اور سونے بیٹھنے کا علاحدہ انتظام ہو تو پہلے اپنی بیوی سے صحبت کرے، اس کے بعد غسل کرے، پھر احرام باندھے۔

سوال یہ ہے کہ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب

حامداً ومصلياً ومسلماً:

ہاں اگر احرام کے وقت بیوی ساتھ ہو اور کوئی عذر اور کوئی مانع نہ ہو تو صحبت کرنا مسنون اور مستحب ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ:

ومن المستحب عند إرادة الاحرام جماع زوجته أوجاريته إن كانت معه ولامانع عن الجماع فإنه من السنة، هكذا فى البحر الرائق. (۲۲۰/۱، كتاب الحج، باب الاحرام تحت قوله واردت ان تحرم، الخ) فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۷۸/۸)

احرام کی چادر لنگی کی طرح سینا:

سوال: احرام کی چادر لنگی کی طرح سلی ہوئی ہو تو اس کے استعمال کی گنجائش ہے، یا نہیں؟ بعض لوگوں کو کھلی چادر بطور لنگی استعمال کرنے کی عادت نہیں ہوتی تو ستر کھلنے کا اندیشہ ہوتا ہے، خاص کر سونے کی حالت میں تو کیا یہ صورت اختیار کی جا سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

ستر کھلنے کا اندیشہ ہو تو احرام کی چادر سی لینے کی گنجائش ہے، بلا ضرورت سینا مکروہ ہے۔ غنیۃ الناسک میں ہے:

وعقد الازار والرداء بان يربط طرف أحدهما بطرفه الآخر شرح وان يخل بخلال أو يشده بحبل ونحوه. (غنية الناسک، ص: ۷۶، فصل فی مکروهات الا حرام و محظوراته التی لاجزاء فيها سوی الکراهة)

معلم الحجاج میں ہے: ’’مسئلہ: تہبند کے دونوں پلوں کو آگے سے سینا مکروہ ہے اگر کسی نے ستر عورت کی خاطر حفاظت کی وجہ سے سی لیا تو دم واجب نہ ہوگا‘‘۔ (معلم الحجاج، ص: ۱۲۸، مکروہات احرام) فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۸/۷۴-۷۵)

کیا تلبیہ کے لیے خاص الفاظ منقول ہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ تلبیہ کیلئے کوئی خاص الفاظ منقول نہیں بس جن الفاظ سے اللہ پاک کی کبریائی بیان ہو، ان سب الفاظ سے جائز ہے، اب آپ حضرات سے معلوم یہ کرنا ہے کہ تلبیہ کیلئے خاص الفاظ پڑھنا ضروری ہے یا دوسرے الفاظ سے بھی ادا ہو جاتا ہے؟

الجواب بعون الملك الوهاب

تلبیہ کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے مخصوص الفاظ منقول ہیں اور انہی الفاظ کے ساتھ تلبیہ مسنون ہے، البتہ دیگر الفاظ سے بھی جن سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی کبریائی بیان ہوتی ہو، تلبیہ ادا ہو جائے گا؛ لیکن یہ طریقہ سنت کے خلاف اور مکروہ تنزیہی ہوگا۔

لمافي الهندية(١/٢٢٢): ولو كان مكان التلبية تسبيح أو تحميد أو تهليل أو تمجيد أو ما أشبه ذلک من ذکر اللّٰه تعالیٰ ونوی به الاحرام صار محرما سواء كان يحسن التلبية أولا يحسنها بالإجماع وكذا ﷺ بلسان آخر أجزأه سواء كان يحسن العربية اولا يحسنها.

وفي الشامية(٢/٤٨٤): (قوله تحريما لقولهم إنها مرة شرط)... ولا يخفى مافيه فإنه إن أرادأن الشرط خصوص الصيغة المارة ففيه أن ظاهر المذهب كمافي الفتح أنه يصير محرما بكل ثناء وتسبيح وقد مر وإن أراد بها مطلق الذكر فلا يفيد مدعاه وهو كراهة نقص هذه الصيغة تحريما فالحق مافي البحر من أن خصوص التلبية سنة فإذا تركها أصلا ارتكب كراهة التنزيه. (نجم الفتاویٰ: ۳/۲۱۳)

ممنوعاتِ احرام کے مسائل

کیا محرم کے لیے سلی ہوئی لنگی کا پہننا بلا کراہت جائز ہے:

سوال: انوار مناسک (ص: ۲۱۰) پر لکھا ہے: ''لہٰذا سلی ہوئی لنگی پہننا بلا کراہت جائز اور درست ہے''۔

نیز ص ۲۶۰ پر لکھا ہے:

''لیکن سلی ہوئی لنگی کا پہننا بلا کراہت جائز اور درست ہے، اسی طرح احرام کی دو چادروں میں سے ایک کو لنگی کی طرح سل دیا جائے؛ تا کہ چلتے وقت ران اور ستر نہ کھلے تو بلا کراہت جائز اور درست ہے''

تو کیا احرام کی حالت میں لنگی پہننا بلا کراہت جائز اور درست ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً و مسلماً

احرام کی حالت میں سلا ہوا کپڑا پہننے کی ممانعت کے سلسلہ میں حضرات فقہا ایک ضابطہ اور اصول تحریر فرماتے ہیں۔ چناں چہ شامی میں ہے:

وفی البحر عن مناسک ابن امیرحاج الحلبی: أن ضابطه لبس کل شیء معمول علیٰ قدر البدن أوبعضه بحیث یحیط به بخیاطة أوتلزیق بعضه ببعض أوغیرهما ویستمسک علیه بنفس لبس مثله إلا المکعب، آه. قلت: فخرج ما خیط بعضه ببعض، لابحیث یحیط بالبدن مثل المرقعة فلا بأس بلبسه کما قدمناه. (رد المحتار، کتاب الحج: ۱۷۷/۲)

(ترجمہ: البحر الرائق میں ابن امیر حاج حلبی کی مناسک کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس کا اصول یہ ہے کہ جو لباس انسان کے تمام بدن، یا بدن کے بعض حصے کے موافق بنایا گیا ہو، اس طرح پر کہ وہ سلائی کے ذریعہ، یا بعض حصوں کو بعض کے ساتھ چپکانے سے، یا کسی اور طرح سے (مثلاً بنائی سے) کل بدن، یا بدن کے بعض حصوں کو ڈھانپ لے اور وہ خود بخود جسم پر ٹھہرا رہے، ایسا لباس احرام کی حالت میں پہننا منع ہے سوائے مکعب کے۔ میں کہتا ہوں کہ اس حکم سے وہ کپڑا خارج ہے، جس کا بعض حصہ بعض کے ساتھ اس طرح سلا ہوا ہو کہ وہ بدن، یا اس کے کسی حصہ کی وضع پر نہ ہو، مثلاً پیوند لگا ہوا کپڑا کہ اس کے پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔)

یہی ضابطہ غنیۃ الناسک میں ص: ۴۴ پر موجود ہے۔

چناں چہ اسی اصول کے ماتحت فقہا ایسے آدمی کے لیے جس کے پاس اتنی بڑی چادر موجود نہیں، جس سے وہ اپنے

جسم کو ڈھانپ سکے؛ لیکن دوٹکڑوں کو جوڑ کر اس چادر کو تیار کیا گیا ہے تو اگر چہ یہاں پر کپڑے کے دوٹکڑوں کو جوڑنے کے لیے سلائی کی گئی ہے اور لغوی اعتبار سے یہ سلا ہوا کپڑا کہا جا سکتا ہے؛ لیکن چونکہ یہ سلائی آدمی کے بدن، یا کسی عضو کے موافق نہیں کی گئی ہے؛ اس لیے اگر اس آدمی کے پاس پوری لمبی چادر نہیں ہے، اس کے لیے اس چادر کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ اگر پوری لمبی چادر موجود ہو، جس کے ذریعہ جسم کو ڈھانپا جا سکتا ہے تو اس کا استعمال بہتر ہے، چناں چہ امداد الفتاوی میں ایک سوال کے اندر یہ پوچھا گیا ہے کہ کوئی ازار، یا چادر جو کہ کم عرض ہونے کی وجہ سے احرام کی حالت میں دو پاٹ کر کے پہن لی جاوے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس کے جواب میں حضرت حکیم الامتؒ تحریر فرماتے ہیں:

”گو افضل یہی ہے کہ اس میں بالکل سلائی نہ ہو؛ لیکن اگر دو پاٹوں کو جوڑنے کے لیے سلائی کی جاوے تب بھی جائز ہے“۔ (امداد الفتاوی:۱۴۶/۲)

خلاصہ یہ ہے کہ ایک تو سلا ہوا وہ لباس جس کو احرام کی حالت میں پہننے کی وجہ سے دم واجب ہوتا ہے، اس کے لیے تو وہی ضابطہ ہے جو جواب کے شروع میں بتلایا گیا؛ اس لیے اگر کوئی ایسا لباس جو بدن، یا بدن کے کسی عضو کی ہیئت پر سلایا بنایا نہیں گیا ہے؛ لیکن اس میں سلائی موجود ہے تو اس کے پہننے سے دم تو واجب نہیں ہوگا؛ مگر افضل اور بہتر یہی ہے کہ سلائی کسی شکل میں موجود نہ ہو، جیسا کہ اوپر ”امداد الفتاوی“ کے جواب سے ظاہر ہے۔

رہا سلی ہوئی لنگی کا پہننا، تو اگر کسی آدمی کو ستر کھل جانے کا اندیشہ ہے، اگر وہ اس سے حفاظت کی غرض سے سلی ہوئی لنگی استعمال کرتا ہے تو اس کے لیے اجازت ہے، ورنہ عام حالات میں محرم کا سلی ہوئی لنگی پہننا مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہے، چناں چہ معلم الحجاج میں مسئلہ ہے: ”تہبند کے دونوں پلوں کو آگے سے سینا مکروہ ہے، اگر کسی نے ستر عورت کی حفاظت کی وجہ سے سی لیا تو دم واجب نہ ہوگا“۔ (معلم الحجاج، ص:۱۱۴)

”عمدۃ الفقہ“ میں ہے:

(۷) چادر اور تہبند میں گرہ لگانا؛ یعنی چادر یا تہبند کے ایک سرے کو دوسرے سرے کے ساتھ باندھنا، یا کانٹے وسوئی وپن وغیرہ سے اٹکانا، یا چادر وتہبند کو رسی وکمر بند وغیرہ سے باندھ لینا۔ (عمدۃ الفقہ، مکروہات احرام:۱۴۹/۴)

”غنیۃ الناسک“ میں ”**فصل فی مکروهات الإحرام ومحظورات التی لاجزاء فیها سوی الکراهة**“ کے ماتحت لکھا ہے:

”**وعقد الإزار والرداء بأن یربط طرف أحدهما بطرفه الآخر**“.

(**شرح**)”**وأن یخلله بخلال أو یشدده بحبل ونحوه**“. (ص:۴۷)

صاحبِ ”انوارِ مناسک“ نے معلم الحجاج، ص:۱۰۵، کی عبارت ذیل ”چادر لنگی اگر بیچ میں سے سلی ہوئی ہے تو جائز ہے؛ مگر افضل یہ ہے کہ احرام کا کپڑا بالکل سلا ہوا نہ ہو“ سے جو استدلال کیا ہے، وہ غلط فہمی پر مبنی ہے۔ مسئلۂ بالا کا

مطلب تو یہ ہے کہ اگر کوئی لنگی کپڑے کے دو پاٹ کو جوڑ کر تیار کی ہو تو اس کو پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ لنگی کے دو پلوں کو سیا گیا ہو تو وہ بھی بلا کراہت جائز ہے، اس مسئلہ کو صاحب ''معلم الحجاج'' نے ص:۱۱۴، پر مکروہات احرام کے عنوان کے ماتحت الگ سے بیان کیا ہے، چناں چہ لکھا ہے: مسئلہ: تہبند کے دونوں پلوں کو آگے سے سینا مکروہ ہے، اگر کسی نے ستر عورت کی حفاظت کے لیے سی لیا تو دم واجب نہ ہوگا۔ (ص:۱۱۴) اس لیے سلی ہوئی لنگی کے متعلق علی الاطلاق یہ کہنا کہ اس کا حالتِ احرام میں پہننا بلا کراہت جائز اور درست ہے، صحیح نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احمد خانپوری، ۱۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ۔

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ۔ الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی۔ (محمود الفتاویٰ: ۲/ ۳۰۷-۳۱۰)

احرام کے لیے سلا ہو کپڑا اور ٹیٹرون استعمال کرنے کا حکم:

سوال: احرام کے لیے سلا ہوا کپڑا پہننا درست ہے، یا نہیں؟ دوسری بات یہ کہ احرام کے لیے ٹیٹرون استعمال کر سکتا ہوں، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

آپ کو شاید معلوم نہیں ہے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ۱۰؍ اور ۱۱؍ شوال کی درمیانہ شب واصل بحق ہو چکے ہیں۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) ان کے لیے دعائے مغفرت اور ہمارے لیے صبر و سکون اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی دعا فرمائیں۔

احرام کے لیے سلے ہوئے کپڑے کا استعمال درست نہیں ہے۔ (۱) ٹیٹرون کے احرام میں کچھ حرج نہیں، بشرطیکہ سلا ہوا نہ ہو۔ والسلام

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ ابن حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ، ۲۰/ ۱۱/ ۱۳۹۶ھ۔ (فتاویٰ عثمانی: ۲/ ۲۱۱)

بحالت احرام ٹھنڈک کی وجہ سے سوئیٹر، مفلر، موزہ اور چادر وغیرہ اوڑھنا:

سوال (۱) اس سال حج کے لیے روانگی کے دنوں میں موسم انتہائی سرد ہے، خصوصاً سری نگر، دہلی اور لکھنؤ میں جہاں سے عازمین حج کی فلائٹوں سے روانہ ہوتے ہیں، بے انتہا ٹھنڈک ہے اور درجہ حرارت ۳؍ سے ۶؍ ڈگری، یا اس سے بھی کم ہے، کولکاتا میں بھی موسم حد درجہ سرد ہے۔ کمزور، نحیف اور ضعیف العمر عازمین حج ہی کیا، نوجوان کے لیے بھی ٹھنڈک نا قابل برداشت ہے، لہٰذا استفسار ہے کہ کیا کڑاکے کی ٹھنڈک کے مضر اثرات سے بچنے کے لیے عازمین حج

---

(۱) وفي البحر الرائق (۳۲۳/۲) قوله فاتق الرفث ... قوله ولبس القميص والسراويل ...(وفيه، ص: ۳۲٤) وذكر الحلبي في مناسكه إن ضابطه لبس كل شيء معمول على قدر البدن أو بعضه بحيث يخيط به بخياطه أوتلزيق بعضه ببعض، إلخ.

احرام کی چادریں اوڑھنے کے بعد گرم کمبل، یا رضائی جس میں روئی بھری ہوئی ہے، یا سوئیٹر، گرم شال اور چادر وغیرہ حالت احرام میں استعمال کر سکتے ہیں؟

(۲) سرد موسم میں بعض لوگوں کو سر اور پیر میں ٹھنڈک بہت زیادہ لگتی ہے تو کیا وہ کمبل، یا گرم اونی ٹوپی وغیرہ سے سر کو ڈھانپ سکتا ہے؟

(۳) گلوبند، یا گرم مفلر گلے اور سر میں لپیٹ سکتے ہیں؟ اونی موزے، یا چمڑے کے موزے، یا دونوں استعمال کر سکتے ہیں، یا نہیں؟ تاکہ سردی سے محفوظ رہیں اور ٹھنڈک سے بیمار نہ پڑیں۔

(۴) ٹھنڈک اور سردی کے مضر اثرات سے بچنے کے لیے مندرجہ بالا احتیاط کرنے پر حالت احرام میں کوئی شرعی نقص تو واقع نہیں ہوتا؟

(۵) اگر ہوتا ہے تو اس کا علاج اور تدارک کیا ہے؟

(۶) کیا مندرجہ بالا گرم کپڑے وغیرہ استعمال کرنے پر دم، یا صدقہ وغیرہ واجب ہو جاتا ہے؟ اگر ہاں تو مقدار کی وضاحت فرمائیں؟

(۷) خواتین عازمین حج کیا کمبل، یا رضائی یا موزے وغیرہ استعمال کر سکتی ہیں، ان کے ٹخنے اور پیر کھلے ہونے چاہئیں، یا ڈھکے رہنے چاہئیں؟

الجواب ——————— وباللّٰہ التوفیق

(۱-۶) صورت مسئولہ میں مرد حالت احرام میں سوئیٹر، یا موزہ، یا دوسرا سلا ہوا کپڑا نہیں پہن سکتا ہے اور نہ ہی اونی ٹوپی، یا مفلر وغیرہ سے سر ڈھانپ سکتا ہے، گرچہ ٹھنڈک کی حفاظت ہی کی غرض سے کیوں نہ ہو، اگر مذکورہ چیزوں کا استعمال ایک دن، یا ایک رات مذکورہ عذر کی وجہ سے کیا تو اس پر کفارہ لازم ہے؛ یعنی وہ ایک بکری کی قربانی کرے، یا تین روزے رکھے، یا چھ مسکینوں کو فی کس کے حساب سے نصف صاع گیہوں دے اور اگر ایک دن، یا رات سے کم استعمال کیا تو صدقہ؛ یعنی نصف صاع گیہوں دینا ہوگا، جس کا موجودہ وزن ایک کیلو چھ سو بانوے گرام کے برابر ہے، البتہ محرم مرد حالت احرام میں اونی چادر، شال اور کمبل اوڑھ سکتا ہے؛ لیکن اس سے سر نہیں ڈھانک سکتا ہے، سر سے نیچے تک اوڑھ سکتا ہے، صرف گلے میں مفلر اوڑھ سکتا ہے شرعاً اس کی گنجائش ہے۔

ولایلبس مخیطاً قمیصاً أوقباء أوسراویل أوعمامة أوقلنسوة أوخفاً...ویتقی ستر الرأس والوجه ولایغطی فاه ولاذقنه...ولایلبس الجوربین کما لایلبس الخفین، کذا فی المحیط. (الفتاوی الهندیة، الباب الرابع فیما یفعله المحرم بعد الاحرام: ۱/ ۲۲٤)

إذا لبس المحرم ثوباً مخیطاً یومًا کان علیه الدم وإن کان أقل من یوم کان علیه الصدقة نصف صاع من بر...وإن باشر ما فیه الدم بعذر بأن اضطر إلٰی تغطیة الرأس لخوف الهلاک من البرد

أو المرض أو لبس السلاح لأجل المقاتلة كان عليه ما نص اللّٰه تعالىٰ عليه فى كتابه ففدية من صيام أو صدقة أو نسك أراده بالنسك الشاة وبالصيام ثلاثة أيام وبالاطعام إطعام ستة مساكين لكل مسكين نصف صاع. (فتاوى قاضيخان فصل فيما يجب بلبس المخيط وازالة التفث: ۲۸۸/۱)

(۷) خواتین حالت احرام میں سوئیٹر، موزہ اور دوسرا سلا ہوا کپڑا پہن سکتی ہیں اور چادر، رضائی اوڑھ سکتی ہیں، ان کے لیے سلا ہوا کپڑا پہننا درست ہے اور سر ڈھانک کر رکھیں گی۔

عن عبد اللّٰه بن عمر أنه سمع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم نهى النساء فى إحرامهنّ عن القفازين والنقاب وما مس الورس والزعفران من الثياب ولتلبس بعد ذلک ما أحبت من الوان الثياب معصفراً، أو خزًا، أو حلياً، أو سراويل، أو قميصًا، أو خفاً. (سنن لأبى داؤد باب ما يلبس المحرم: ۲۵٤/۱)

ولا بأس للمرأة المحرمة أن تلبس المخيط من حرير كان أو من غيره وتلبس الحلى والخف وتكشف وجهها. (الفتاوى الخانية علىٰ هامش الفتاوى الهندية: ۲۸٦/۱) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۵/محرم الحرام ۱۴۲۳ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۳۵/۳)

احرام کی حالت میں کوّے کو مارنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علما دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حدیث شریف میں احرام کی حالت میں کوّے کو مارنے کی اجازت ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب سے نوازیں۔

باسمه سبحانه تعالىٰ، الجواب ــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

کوّا چوں کہ شاطر اور موذی قسم کا جانور ہے اور جس زمانہ میں جانوروں پر سفر ہوتا تھا تو کوّے، اونٹنی وغیرہ کے بدن پر جو زخم ہو جاتے تھے، ان کو نوچ کھانے کے لیے جھپٹتے تھے، اس طرح قافلہ والوں کو پریشان کرتے تھے، بریں بنا ان کووں کو مارنے پر کوئی جزاء واجب نہیں کی گئی۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ: ۴۴۷/۷)

قال عبد اللّٰه بن عمر رضى اللّٰه عنهما قالت حفصة: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: خمس من الدواب لا حرج علىٰ من قتلهن: الغراب والحدأة والفارة والعقرب والكلب العقور. (صحيح البخارى: ۲٤٦/۱، رقم: ۱۸۲۹، فتح البارى: ٤۲/٥، دار الكتب العلمية بيروت، الصحيح مسلم: ۳۸۱/۱، سنن الترمذى: ۱۷۱/۱)

فالغراب ينقر ظهر البعير، وينزع عينه إذا كان مسيراً، ويختلس أطعمة الناس. (عمدة القارى: ۱۸۳/۱۰)

ولا شئى بقتل غراب. (الدر المختار، باب الجنايات: ٦۰۷/۳، زكريا)

وليس فى قتل الغراب... جزاء لقوله عليه السلام: خمس من الفواسق يقتلن فى الحل والحرام... وقال: يقتل المحرم الفارة والغراب، الخ. (الهداية: ۲۸۲/۱)

واستثنٰی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الخمس الفواسق ... والغراب فإنها مبتديات رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الخمس الفوا سق ... والغراب فإنها مبتديات بالأذى،والمراد به الغراب الذي يأكل الجيف هو المروى عن أبي يوسف. (الهداية: ۲۷۷/۱،فتح القدير: ۸۲/۳،دار الفكر بيروت)

إنما أمر بقتل الغراب في الحرم لأنه يقع علٰى دبر البعير. (الفتاویٰ التاتارخانية: ۵۵۷/۳،زكريا ديوبند) فقط واللہ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۰/۱۱/۱۴۲۸ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۳۵۵/۷)

محرم آدمی سانپ، بچھو، کوا، گرگٹ وغیرہ کو قتل کرسکتا ہے:

سوال: محرم کو حالت احرام میں کن کن موذی جانوروں کا مارنا جائز ہے اوران موذی جانوروں کو بغیر حملہ کرنے پر بھی مارسکتا ہے، یانہیں؟ زید کی حالت احرام میں گرگٹ پر نظر پڑی، گرگٹ حملہ آور نہیں ہو؛ لیکن زید نے گرگٹ کو مار ڈالا، ایسی حالت میں زید مجرم قرار دیا جائے گا، یانہیں؟ اگر مجرم ہے تو اس کو ایک گرگٹ کا کتنا جرمانہ ادا کرنا چاہیے، اگر زید نے کسی سے امداد لی ہے تو وہ مدد کرنے والا بھی مجرم ہوا، یانہیں؟

(المستفتی: حاجی محمد داؤد صاحب تاجر، باراز بلیماران دہلی)

الجواب

ان جانوروں کو محرم بغیر حملہ کے مارسکتا ہے: سانپ، بچھو، کوا، چیل، کاٹنے والا کتا، چوہا، مچھر، پسو، چیچڑی، گرگٹ۔(۱) پس صورت مسئولہ میں گرگٹ کے مارنے سے اس پر کوئی کفارہ یا جزا لازم نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۳۵۲/۴)

احرام میں شکار اور غیرمحرم کا حدود حرم کے اندر شکار لانے کا حکم اور فقہی عبارتوں میں تعارض کی تحقیق:

سوال: ذیل کے مسئلہ کی تحقیق کی ضرورت ہے؛ اس لیے تحقیق کرکے ارقام فرماویں۔

زبدۃ المناسک غیر حبیبی کے صفحہ ۴۸ میں لکھا ہے کہ جو حل میں احرام باندھے اور اس کی مٹھی میں صید ہو تو واجب ہے کہ اس شکار کو چھوڑ دے، اس طرح کہ ضائع نہ ہو، یا قفص میں رکھے، الخ۔

اور کچھ آگے لکھتے ہیں کہ محرم، یا حلال جب حرم میں داخل ہو اور اس کے پاس شکار ہو، اگر چہ قفص میں ہو تو واجب ہے کہ اس کو چھوڑ دے کہ وہ اب حرم کا شکار ہوگیا، الخ۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ حل میں احرام باندھنے کی صورت میں شکار کا اصل چھوڑ دینا واجب نہیں ہے؛ بلکہ کسی

---

(۱) ولاشئ بقتل غراب العقعق على الظاهر... وحدأة...وذئب،وعقرب وحية،و فارة،وكلب عقور... ووزغ، و ذباب،وقنفذ،وصرصر الخ. (الدر المختار،باب الجنايات: ۵۷۰/۲،ط: سعيد)

پنجرے میں ہو رکھ دینا چاہیے اور حرم میں داخل ہونے کی صورت میں اگر چہ پنجرے میں ہو، اصلاً چھوڑ دینا چاہیے؛ کیوں کہ یہ شکار اب حرم کا ہو گیا۔

اب سوال یہ ہے کہ حل میں حلال نے شکار پکڑا، پھر جب حرم میں داخل ہوا تو یہ شکار اس کی ملک سے خارج ہوا، یا فقط اس کو حرم میں ہلاک نہ کرے؛ یعنی مامون رکھے اور پھر حرم سے باہر نکل کر کام میں لاسکتا ہے؟

زبدۃ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کی ملک سے بھی خارج ہو گیا، اصل حرم کا ہو گیا اور غنیۃ الناسک، صفحہ:۱۶۱، اور دیگر کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل چھوڑ دینا واجب نہیں؛ یعنی حل وحرم میں فرق نہیں ہے۔

”ولو أدخل محرم أو حلال صيد الحل الحرم صار حكمه حكم صيد الحرم ومن دخل الحرم بصيد فعليه أن يرسله فيه إذا كان في يده حقيقة حتى إذا كان في رحله أو في قفصه لايجب إرساله كذا في الهداية والكفاية وغيرهما.(۱)

ولو أخذه في الحل وهو حلال ثم أحرم أو دخل به الحرم ملكه ملكاً محترماً فإن كان الصيد في يده حقيقة وجب إرساله لكن لا أان يسيبه؛ لأن تسييب الدابة حرام؛ لأنه تضييع للملك بل يطلقه علىٰ وجه لايضيع بأن يخليه في بيته أو يودعه عند حلال أو يرسله في قفص معه، إلخ.(۲)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ اگر حرم میں حل کا شکار داخل کیا جاوے تو اطارۃ واجب نہیں ہے؛ بلکہ چھوڑ دینا تضیع مال ہے اور پنجرے میں ساتھ لیے رہنا بھی حرم میں جائز ہے۔ اب زبدہ اور غنیّۃ کی عبارات کا تعارض دفعہ فرمادیں، یا ایک کو ترجیح دیں اس بارے میں شامی کو بھی دیکھا، اس میں شاید لکھا ہے کہ حل میں شکار پکڑ کر باندھے اور حرم میں محرم وحلال اگر شکار داخل کرے اور شکار پنجرے میں ہو؛ یعنی فی ید حکمی ہو تو چھوڑنا واجب نہیں اور اگر فی ید حقیقی ہو تو حرم میں اصل چھوڑ دینا واجب ہے اور حل میں اصل چھوڑنا واجب نہیں، یہ فرق بیان کیا ہے اور غنیّۃ نے دونوں میں فرق نہیں کیا۔ یہ تعارض بھی دفعہ فرمائیں؟

ردالمحتار (ص:۳۰۳): وهي من أحرم في الحل وفي يده صيد وأما الأولىٰ وهي لو دخل الحرم وفي يده صيد فالواجب عليه الإرسال بمعنى الاطارة كقوله في الهداية.(۳)

الجواب

(أقول وبالله التوفيق) اخذ صید کی صورتیں چند ہیں، ہر ایک کا حکم الگ الگ معلوم کرنا چاہیے۔

(۱) احرام کے بعد شکار پکڑے، خواہ حل کا ہی شکار ہو، یا حرم کا شکار پکڑے خواہ یہ حلال ہی ہو، محرم نہ ہو، یہ تو

---

(۱) غنية الناسک، ص:۱۵۷، سطر:۷، انیس

(۲) رد المحتار، كتاب الحج: ۶۱۱/۳، دارعالم الكتب الرياض، انیس

(۳) رد المحتار، كتاب الحج: ۶۱۱/۳، دارعالم الكتب الرياض، انیس

ملک ہی میں داخل نہ ہوگا۔

(۲) یہ کہ احرام حل میں باندھنا چاہتا ہے اور احرام سے پہلے اس کے ہاتھ میں حقیقۃ صید حل ہے۔

(۳) حل میں احرام باندھنا چاہتا ہے اور اس کے ہاتھ میں نہیں؛ بلکہ قفص میں صید حل ہے۔

(۴) حرم میں داخل ہوا اور اس کے ہاتھ میں نہیں؛ بلکہ قفص میں صید حل ہے اور قفص اس کے ہاتھ میں ہے۔

یہ چار صورتیں جن میں دو صورتیں اخیر کی محل نزاع ہیں۔

ودليل الأول ما في غنية الناسک: ولو أخذ الصيد في الحل وهو محرم أو في الحرم وهو حلال لم يملكه ووجب إرساله سواء كان في يده أو في قفص معه أو في بيته، آه. (ص:۱۵٦)(۱)

اور صورت ثانیہ کا حکم یہ ہے کہ یہ شکار محرم کی ملک ہے اور اس کے ذمہ اس کا چھوڑ دینا واجب ہے؛ مگر اس طرح کہ ضائع نہ ہو، مثلاً گھر میں بند کر کے چھوڑ دے، یا کسی حلال خارج حرم کے پاس امانت رکھ دے، یا قفص میں چھوڑ دے۔

قال في اللباب وشرحه: ولو أخذ صيداً في الحل وهو حلال ثم أحرم ملكه أي ملكاً مستمراً حيث لم يخرج بالإحرام من ملكه ثم إن كان الصيد في يده لزمه إرساله علىٰ وجه لا يضيع ملكه أي إن شاء بقاء ه في ملكه بأن يخليه في بيته مغلقاً عليه فإن الاستدامة علىٰ أخذ الصيد (بيده) في حكم ابتداء صيده وإن لم يرسله حتىٰ مات في يده لزمه الجزاء، آه. (ص:۲۰۲)

اور یہ جو کہا گیا ہے کہ اس طرح چھوڑے کہ جانور ضائع نہ ہو، یہ اس وقت واجب ہے، جب کہ اس کو اپنی ملک ہی باقی رکھنا چاہے اور اگر بطور اباحت کے چھوڑ دے کہ جو پکڑے وہی مالک ہے اور اپنی ملک میں باقی نہ رکھنا چاہے تو یہ بھی جائز ہے۔

”قال في الدر :وفي كراهة جمع الفتاویٰ: شری عصافير وأعتقها جاز (إلىٰ أن قال) من أخذ ها فهي له. قلت: وحينئذٍ فتقييد الإطارة بالإباحة قبل، فتأمل، آه.

قال الشامي: لكن ظاهر ما قدمناه عن القهستاني من حكاية القولين في تفسير الإرسال أن من فسره بالإطارة لم يقيد بالإباحة؛ لأنه يقول أن الإرسال واجب فلم يكن في معنى التسييب المحظور ومن فسر الإرسال بالوديعة فكانه يقول حيث أمكنه دفع التعرض للصيد بها فلا حاجة إلى الإطارة المضيعة للملک؛ لاند فاع الضرورة بدونها، آه. (۲)

شامی کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض روایات پر اطلاق واطارۃ (اڑادینا) مطلقاً جائز ہے۔ اباحت کی قید کی ضرورت نہیں؛ لیکن قواعد سے ترجیح اس کو معلوم ہوتی ہے کہ اگر قوم حاضر کو اباحت کر دے، تب تو اطارۃ جائز ہے اور اگر

(۱) رد المحتار، کتاب الحج: ۶۱۱/۳، دار عالم الکتب الریاض، انیس

(۲) الدر المختار مع رد المحتار: ۶۱۲/۳-۶۱۳، دار عالم الکتب الریاض، انیس

اباحت نہ کرے تو جب تک ایداع وغیرہ کے ساتھ تضیع سے احتراز ہو سکے تو ایداع وغیرہ لازم ہے، البتہ اگر ایداع وغیرہ بھی نہ ہو سکے اور نہ اس کے سامنے ایسے آدمی حلال موجود ہوں، جن کو اباحت کر سکے تو پھر اطارۃ مطلقاً جائز ہے۔

قال فی غنية الناسک: فإن كان الصيد فی يده حقيقة وجب إرساله لكن لا بأن يسيبه؛ لأن تسييب الدابة حرام؛ لأنه تضييع للملک بل يطلقه علٰى وجه لايضيع بأن يخليه فی بيته أو يودعه عند حلال أو يرسله فی قفص معه فإن لم يتيسير يسيبه للضرورة؛ لأن إرساله مامور به، آه. (ص: ۱۵۷)

اور صورت ثالثہ کا حکم یہ ہے کہ جب صید ہاتھ میں نہیں؛ بلکہ قفص میں ہے تو صحیح قول میں اس کے ذمہ اس کا چھوڑنا واجب نہیں اور اگر قفص وغیرہ میں مر جائے تو اس کے ضمان نہ ہوگا اور ایک ضعیف قول یہ ہے کہ اس وقت بھی ارسال لازم ہے۔

قال فی اللباب وشرحه: وإن كان الصيد فی بيته وكذا إذا كان فی قفصه حال إحرامه لا فی يده لايجب إرساله حتٰى لو لم يرسله فمات لايضمن أی على الصحيح وقيل لو كان القفص فی يده يجب إرساله، آه. (ص: ۲۰۲)

وكذا فی الدرمع الشامية وزاد الشامی وقيل: إن كان القفص فی يده يلزمه إرساله لكن علٰى وجه لايضيع. هداية وهو ضعيف كما فی النهر، قال ح: والظاهر أن مثله ما إذا كان الحبل المشد ود فی رقبة الصيد فی يده. (۱)

اور صورت رابعہ وخامسہ کا حکم یہ ہے کہ شکار، تو ان دونوں صورتوں میں بھی صاحب ید کی ملک ہے، لیکن صورت رابعہ میں جب کہ شکار حقیقۃً اس کے ہاتھ میں ہو، حرم میں اس کو چھوڑ دینا واجب ہے اور صورت خامسہ میں جب کہ شکار کو قفص میں لے کر داخل حرم ہوا، اس کا ارسال واجب نہیں۔

قال فی البحر: تحت قول الكنز ومن دخل الحرم بصيد أرسله أی فعليه أن يطلقه؛ لأنه لما حصل فی الحرم وجب ترک التعرض لحرمة الحرم إذ هو صار من صيد الحرم فاستحق إلا من أرادبه ما إذا دخل وهو ممسک له بيده الخارجة؛ لانه سيصرح بأنه إذا أحرم وفی بيته أو فی قفصه صيد لايرسله فكذالک إذا دخل الحرم ومعه صيد فی قفصه لا فی يده لايرسله؛ لأنه لافرق بينهما فالحاصل: أن من أحرم وفی يده صيد حقيقة أو دخل الحرم كذلک وجب إرساله وإن كان فی بيته أو قفصه لايجب إرساله فيهما فنبه بمسئلة دخول الحر هنا علٰى مسئلة المحرم ونبه بمسئلة المحرم الاٰتية علٰى مسئلة الحرم وليس المراد من إرساله تسييبه؛ لأن تسييب الدابة حرام بل يطلقه علٰى وجه لايضيع ولا يخرج عن ملكه بهٰذا الإرسال حتٰى لو خرج إلى الحل فله أن يمسكه ولو أخذه إنسان يسترده، آه. (۴۱/۳) (۲)

---

(۱) رد المحتار، كتاب الحج: ۶۱۳/۳، دار عالم الكتب الرياض، انيس

(۲) البحر الرائق، كتاب الحج: ۷۲/۳-۷۳، انيس

اس سے معلوم ہوا کہ جو حکم محرم کے ہاتھ میں حقیقۃً شکار کے ہونے کا ہے، وہی حکم داخل حرم کے ہاتھ میں ہونے کا ہے اور جو حکم محرم کے ہاتھ میں حکماً یعنی قفص میں شکار کے ہونے کا ہے، وہی حکم داخل حرم کے پاس قفص میں شکار کے ہونے کا ہے۔

پس غنیّۃ کی عبارت تحقیق بحر کے موافق ہے اور حضرت گنگوہی قدس سرہ نے زبدہ میں جو فرق کیا ہے کہ حرم میں داخل ہونے والے کے ذمہ مطلقا ارسال کو لازم فرمایا ہے، خواہ حقیقۃ اس کے ہاتھ میں ہو، یا قفص میں ہو، عبارت بحر اس کی نفی کر رہی ہے اور غالباً مولانا کے اس قول کا منشا لباب وشرح لباب وغیرہ کا اطلاق ہے۔(۱)

لباب میں ہے:

ولو أدخل محرم أو حلال صيد الحل الحرم صار حكمه حكم صيد الحرم أى فعليه إرساله،آه.

اور شرح لباب ہے:

وأما إن دخل الصيد فى الحرم من الحل صار حكمه حكم صيد الحرم سواء كان مملوكا أم لا وسواء دخل بنفسه أو أدخله غيره حلال أو محرم ولا يدخل منه شئى فى الحرم حياً إلا وجب إرساله،آه. (ص:۲۰۶-۲۰۷)

لیکن جب بحر سے ان اطلاقات کا اس صورت کے ساتھ مقید (۲) ہونا معلوم ہو گیا، جب صید حقیقۃ داخل کرنے والے کے ہاتھ میں ہو تو اس تصریح کے بعد اطلاق پر حمل نہ ہوگا اور شامی نے حاشیۂ بحر میں اس مقام پر کچھ کلام نہیں کیا، نہ رد المختار میں اس کے خلاف کچھ کہا، البتہ رد المختار کی بعض عبارات سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ داخل حرم کے ذمہ مطلقاً ارسال لازم ہے؛ کیوں کہ اس میں محرم کے متعلق تفصیل کر کے لکھا ہے:

وقد علمت مما قدمناه أن هٰذا كله فيما لو أخذ صيد إثم أحرم أما لو دخل به الحرم فإنه يلزمه إرساله بمعنى إطارته وأن ليس له إيداعه؛لأنه صار من صيد الحرم،آه. (۲/۳٦۱)(۳)

لیکن رد المختار ہی کی دوسری عبارت سے اس حکم کا اس صورت کے ساتھ مقید ہونا معلوم ہوتا ہے، جب کہ شکار حقیقۃ ہاتھ میں ہو، ونصه:

ثم اعلم الذى يظهر من كلامهم أن هٰذين القولين (فى تفسير الإرسال) فى المسئلة الثانية فقط وهى من أحرم فى الحل وفى يده صيد أما الأولىٰ وهى لو دخل الحرم وفى يده صيد

(۱) اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کا منشاء وہ روایت ضعیفہ ہے، جس کو شامی نے ہدایہ سے نقل کیا ہے کیونکہ وہ روایت محرم کے بارے میں ہے، اگر اس کی وجہ سے دخول حرم کی صورت میں ارسال کو مطلقا واجب کہا جائے گا، تو محرم کے مسئلہ میں بھی اطلاق ارسال ماننا پڑے گا۔ حالانکہ مولانا محرم اور داخل حرم کے حکم میں فرق کر رہے ہیں۔

(۲) ويؤيده ما فى الأدب المفرو للبخارى أن الصحابة كانوا يدخلون مكة بصيد فى اقفا صه.

(۳) ردالمحتار، كتاب الحج: ۳/٦۲۱، دار عالم الكتب الرياض، انيس

فالواجب عليه الإرسال بمعنى الإطارة (أى لا بمعنى الإيداع) لقوله فى الهداية عليه أن يرسله فيه أى فى الحرم وصارمن صيد الحرم وتعليله له بأنه لما حصل فى الحرم وجب ترك التعرض له لحرمة الحرم وصارمن صيد الحرم،آه.(٣٦٠/٢)(١)

اس میں صاف تصریح ہے کہ داخل حرم پر ارسال جب واجب ہے کہ شکار اس کے ہاتھ میں ہو،وصرح به فى الغررشرح الدرر،حيث قال:

حلال دخل الحرم بصيد فى يده أى يده الحقيقة التى هى الجارحة حتىٰ إذا كان فى رحله أو قفصه لايجب عليه الإرسال ذكره تاج الشريعة أرسله أى عليه أن يرسله،آه.(٢٥٢/١)

وهٰذا عين ما صرح به صاحب البحر وأما ما فى التحرير المختار علىٰ قول الدر: ولو القفص فى يده بدليل أخذ المصحف،إلخ، نازع الشيخ محمد طاهر بأن قياس القفص على الخلاف قياس مع الفارق؛لأن المامور به فى المصحف عدم المس فإذا أخذه بغلافه لا يكون ماساً والمامور به فى الصيد عدم التعرض ومن أخذه بيده حال كونه فى القفص فهومتعرض للصيد لامحالة و اعتمد أن من دخل الحرم حلالاً أوحراماً وفى يده أوقفص معه أوفى يد خادم معه صيد الآن وجب إرساله الصيد بعد دخوله فى الحرم بأى وجه كان؛لأنه صار صيد الحرم واستند لذلک بكثير من عبارات المؤلفين فانظره،آه.(١٦٧/١)

ففيه أولاً أنه كلام على الدليل ولوتم للزم كون المحرم متعرضاً للصيد أيضاً حال كونه فى القفص فيجب عليه إرساله والمتون قاطبةً علىٰ خلافه فى مسئلة المحرم فإن قال الشيخ طاهر بالفرق فى المحرم وفيه من دخل الحرم فعليه البيان وإن سوىٰ بينهما فقد مرعن النهر تضعيف القول بوجوب الإرسال على المحرم إذا كان الصيد معه فى القفص مع أن الكلام فى الدليل لايستلزم الكلام فى المسئلة لاحتمال بناء ها علىٰ دليل اٰخرفلنا أن نقول أن القفص مثل البيت فكما يجوز المشئى علىٰ بيت فيه المصحف وليس ذلک كالمشئى فوقه بعينه فكذلک الصيد فى القفص ليس اٰخذه متعرضاً بل هوقابض علىٰ بيته كما إذا دخل الحرم وفى بيته صيد.

ہاں ایک فرق البتہ ہے کہ محرم کے ہاتھ میں شکار ہوتو اس کے لیے بعد احرام کے ارسال دونوں طرح جائز ہے،خواہ بطریق اطارۃ،خواہ بطریق ایداع اور داخل حرم کے ہاتھ میں حقیقۃً ہوتو اس کو ایداع جائز نہیں؛ بلکہ ارسال بطریق اطارۃ واجب ہے،پس غنیّۃ کا یہ قول "هٰذا إذا أحرم وأما إذا دخل به الحرم فيرسله فى قفص معه فإن لم يتيسر يسيبه فى الحرم،اه". (ص:١٥٧) تحقیق شامی کے خلاف ہے اور قواعد کے بھی خلاف ہے؛ کیوں کہ جب وہ ہاتھ میں لے کر داخل حرم ہوتو وہ صید حرم ہوگیا،جس سے عدم تعرض واجب ہے اور اس کو قفص میں بند کرنا بھی

(١) رد المحتار،كتاب الحج:٦١١/٣،دارعالم الكتب الرياض،انيس

تعرض ہے۔ ہاں اس کا مطلب لیا جائے کہ دخول حرم سے پہلے اس کو قفص میں بند کردے اور قفص میں لے کر داخل حرم ہوا اور دخل بہ الحرم کو ارادہ دخول پر محمول کیا جائے تو یہ کلام صحیح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (امداد الاحکام: ۱۷۲/۳)

احرام کے بعد میقات سے خارج ہونا:

سوال: ایک آفاقی شخص میقات پر پہونچ کر احرام پہنتا ہے اور نیتِ حج، یا عمرہ کرتا ہے؛ مگر جدہ پہنچ کر احرام کی حالت میں میقاتِ مدینہ ذوالحلیفہ سے بھی باہر ہوکر مدینہ شریف جاتا ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ کیا ایسے محرم کو جس نے میقات پر پہونچ کر احرم پہنا اور نیت کی ہے، قبل حج یا عمرہ دوسری آفاقی میقات سے باہر نکل جانا درست ہے؟ کیا اس پر کوئی کفارہ ہے؟ میقات ہی سے جو اس نے احرام پہنا ہے، اس سے تو بظاہر لازم آتا ہے کہ وہ سوائے مکہ کے کہیں نہ جائے، نہ کہ آفاقی میقات سے گزر جانا؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اس پر بھی کوئی کفارہ نہیں۔ ممنوعات احرام سے بچتا رہے۔ بغیر حج، یا عمرہ کئے احرام سے حلال نہ ہو۔ یہی احرام کا احتراف ہے۔ میقات سے خارج ہوجانا احرام کے منافی نہیں۔ (۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۰/رجب/۱۳۶۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۸۴/۱۰-۳۸۵)

عورت کے لیے احرام میں منھ چھپانے کا طریقہ:

سوال: حالت احرام میں عورت منہ کو کس طرح چھپائے؟

الجواب ــــــــــــــــــ

(حالت) احرام میں عورت کو منھ کھولنا واجب ہے اور پردہ کرنا بھی واجب ہے؛ کیوں کہ جس طرح مرد کو سر کا ڈھکنا (حالت احرام میں) ناجائز ہے، عورت کو منہ کو ڈھکنا ناجائز ہے؛ لیکن پردہ کے لحاظ سے کہ وہ بھی ضروری ہے۔ اس کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ کوئی ایسی چیز بنائی جائے کہ جس کو منہ پر، یا سر پر رکھ لیا جائے، جو منہ سے جدا رہے اور اس کے اوپر برقعہ پڑا رہے، جو منہ سے جدا رہے گا۔ اس صورت میں دونوں باتیں حاصل ہوجائیں گی، مُنہ بھی نہیں ڈھکا جائے گا

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "والثاني أنه إذا أتم الإحرام بحج أوعمرة، لايخرج عنه، إلا بعمل ما أحرم به وإن أفسده. (الدرالمختار) وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "والأصل: لايخرج عنه في حالة من الأحوال بعمل من الأعمال إلا بعمل". (ردالمحتار، كتاب الحج، فصل في الإحرام: ٤٨٠/٢، سعيد)

الأول أنه إذا تم الإحرام للحج أوللعمرة، لايخرج عنه إلا بعمل النسک الذی أحرم به وإن أفسده. إلخ.
(البحر الرائق، كتاب الحج، باب الإحرام: ٥٦٠/٢، رشيدية)

اور پردہ بھی باقی رہے گا۔ میں بھی ۱۳۲۳ھ میں جب اپنے اہل کے ساتھ حج کو گیا تھا (تو اس وقت) اسی قسم کی تدبیر کی تھی کہ ایک لوہے کے تار کا حلقہ بنا کر اور اس میں پیشانی کے آگے ایک چھجہ نکال کر تیار کرایا تھا اور اس سے بڑی راحت رہی تھی، اگر مناسب ہو، آپ اس قسم کا بنوالیں (اور) اپنے اس مبارک سفر میں اور مقامات اجابت میں بندہ کو بھی یاد فرمائیں۔ والسلام

بندہ خلیل احمد عفی عنہ، از مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور (فتاویٰ مظاہر علوم: ۱/۱۵۹)

کیا عورت بحالت احرام مسح رأس کے لیے سر سے کپڑا اُتار سکتی ہے:

سوال: عورت کو حالت احرام میں غسل، یا وضو کے وقت مسح کرنے کے لیے کپڑا سر سے اتارنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

عورت کو احرام کی حالت میں طہارت کے وقت مسح کے لیے مردوں کے سامنے سر سے کپڑا اتارنا نہیں چاہیے؛ بلکہ برقعہ کے اندر ہاتھ سر پر پھیر لے۔

حررہ خلیل احمد عفی عنہ (فتاویٰ مظاہر علوم: ۱/۱۵۹)

محظورات احرام کا بلا عذر ارتکاب اور دم وصدقہ سے عاجز کے لیے روزے رکھنا کافی ہے، یا نہیں:

سوال: محرم اگر محظورات احرام کا ارتکاب بلا عذر عمداً کرے اور دم وصدقہ ادا کرنے سے عاجز ہو تو اس کو دم کے عوض روزہ رکھنا کافی ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

روزہ رکھنا بھی اسی حالت میں کافی ہے، جب کہ وہ اراقۃ دم (بکرا ذبح کرنے) وادا ءصدقہ سے عاجز ہو۔

وقد ذكر العلامة زين الدين ابن نجيم فى البحر والملا السندى رحمة اللّٰه فى منسكه: إن المحرم إذا ارتكب المحظور علٰى وجه الكمال من غير عذر وضرورة فعليه الدم ولا يجزئه الصوم عند عجزه عند الدم، قال فى الأسرار للشيخ الأجل الإمام القاضى أبى زيد الدبوسى: قال علمائنا فى كفارة الحلق واللبس والتطيب والقصر، إذا وجبت عن عذر كان المكفر فيها بالخيار بين النسک والصدقة والصيام وإذا وجبت عن عمد وجبت علٰى ترتيب الهدٰى أولا فإن لم يجد فالصدقة، فإن لم يجد فالصيام، وقال: يتخير المكفر عن الحلق فى الحالين ويترتب عليه الوجوب عن اللبس والطيب فى الحالين، انتهٰى، وفى المحيط للبرهانى فى نوع اللبس من الفصل الخامس: و إن لبس مالا يحل لبسه من غير ضرورة أراق لذلک دماً وإن لم يجد صام

ثـلـٰثة أيـام ثـم ذكـر بعدد فی نوع الحلق وفی الأصل حلق المحرم رأسه بغيرعذرأراق دماً وإن لم يـجـد انتهـى ثـلـٰثة أيـام وإن فـعـل ذلک بـعـذر يتـخيـر بين الكفارات الثلا ثة علىٰ ما مر،انتهىٰ، وذكرفی الذخيرة أيضاً مثل ما ذكره فی نوع اللبس، وذكرفی الظهيرة ومنسک الفارسی مثله: وفـی الـمـلـتـقی: وبلبس مالايحل لبسه بغيرضرورة يلزمه دم و بفقده صوم ثلـٰثة أيام انتهىٰ.فهـٰذه نـصوص صريحة فی أجزاء الصوم عند العجزعن الدم وأما تضعيف ابن نجيم كلام الظهيرية بما نقله عن الإمام الإسبيجابی فليس بصحيح إذليس فی كلامه صريحاً ما يخالفه ما فی الظهيرة بل هـومـوافـق لهـا عـلـىٰ مـا نبينه قال الإسبيجابی فی شرح المختصر للطحاوی فی باب ما يجتنبه الـمـحـرم فـإن لبـس المخيط يوماً كاملاً من غيرضرورة فعليه لذلک دم لايجزيئه غير ه إلىٰ أن قـال وإن فـعـل ذلک لـعـلة أو ضرورة فعليه أی الكفارات شاء ذكرمثله فی الحلق أيضاً.فنقول مثل هـٰذه العبارات موجودة فی غيرها كالكافی للحاكم الشهيد والمبسوط للسرخسی وغاية البيـان شـرح الهداية والبدائع و التجريد الأبی الفضل الكرمانی حيث قالوا:وأما إذا فعل ذلک من غيرضرورة يتعين فيه الدم ولا يجزيه الصوم انتهىٰ.فقول الإسبيجابی وغيره فعليه لذلک دم لايـجـزيـه غيره كلام مطلق قابل للتقييد بما إذا كان قادراً وما فی الظهيرية والأسرار والمحيط وغيـرها صريح وفی جوازالصوم عند العجز وقد تقرر فی كتب الأصول إن المطلق يحمل على الـمـقيـد فـی الأدلة فيما إذا اتحد الحكم والحادثة فكيف فی الروايات ومما يدل أيضاً علىٰ أن الـكـلام للإمام الإسبيجابی ومن وافقه فی الاطلاق محمول علىٰ ما إذا كان قادراً أنهم قالوا وإذا فـعـل ذلک بـعذر فعليه أی الكفارات الثلاث شاء ولا شبهة فی أن التخير بين الكفارات الثلاثة إنـمـا يتـصـورمـن الغنی القادر، أما الفقيرالعاجزفيتعين فی حقه الصوم؛لأنه لا قدرة له علىٰ غيره وجهـد الـمـقـل دمـوعـه، فإن قلت:قدمت عن الأسرارأن الكفارات إذا وجبت عن عمد وجبت علىٰ تر تيت الهدی، ثم الصدقة، ثم الصيام،والذی تقدم عن المحيط والظهيرية وغيرها وجوب الـدم أولا، فـإن لم يجد فصيام ولم يذكروا الصدقة، فكيف التوفيق بين الكلامين؟ قلت:الظاهر أن الـغـالـب أن مـن لـم يـجـد الـدم لايجد الصدقة، فقالوا بجواز الصوم عند عدم الدم بناء على الـغالب والذی فی الأسرار بناء على الإمكان وحقيقة الأمرفلا تدافع،آه، فقلتها من رسالة السيد مـحـمـد أمين بن حسن ميرغنی الحسينی المكی الحنفی من عينه قاله المخدوم هاشم السندی الـفـقيـه فـی بيـاضـه وهومن معاصری العلامة ابن عابدين الشامی وله باع طويل ونظر واسع فی الـفـقه هـٰذا وقال العلامة ابن عابدين فی حاشية البحرعلىٰ قوله وبهـٰذا ظهرضعف ما قد منا ه عن الـظهيرية من أنه إن لم يقدرعلى الدم صام ثلـٰثة أيام ولم أره لغيرها،آه ما نصه وفی حاشية المدنی

بعد ذكره كلام المؤلف و نقل المنلا رحمة اللّٰه في منسكه الكبير نحوه ونقل عن الفارسي والبحر العميق نحوما ذكره في الظهيرية علٰى وجه الاعتراض عليهما، قال شيخنا مولانا السيد محمد أمين ميرغني بعد نقل عبارتهما في رسالة له، قلت: بل المقرر المنصوص عليه في كثير من كتب المذهب المعتبرة أجزاء الصوم عن العجز عن الدم كما نمليه عليك وسرد الأقوال المويدة لكلامه فراجعها إن شئت، آه. (۱۳/۲)(۱)

۷/شوال ۱۳۴۶ھ (امداد الاحکام: ۱۷۹/۳)

عورت حالت احرام میں چہرہ کسی چیز سے ڈھانپے:

سوال: عورت حالت احرام میں چہرہ کس چیز سے ڈھانپے؟ بمبئی میں جو کھجور کا پنکھا چہرہ ڈھانپنے کے لیے فروخت ہوتا ہے، اس کو مولانا موصوف نے ناکافی لکھا ہے؟

الجواب

ہاں وہ پنکھا تو ناکافی ہے، بہتر صورت یہ ہے کہ چھجے دار ٹوپی سر پر رکھ کر اوپر سے برقعہ اوڑھ لے، اس صورت میں چہرہ پر کپڑا نہ پڑے گا۔ (امداد الاحکام: ۱۷۹/۳)

بحالت احرام عورت کو مردانہ جوتا پہننا کیسا ہے:

سوال: سفر حج کے زمانہ میں عورت کو جہاز چڑھنے اترنے کی حالت میں اس اندیشہ سے کہ زنانہ جوتا ازدہام کی وجہ سے کسی کے پیر سے دب کر عورت گر جائے گی۔ مردانہ جوتا پہننا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

یہ اندیشہ محض وہم ہے، ہزارہا مستورات زنانہ جوتا پہن کر حج کر چکی ہیں، کوئی بھی نہیں گری۔ (امداد الاحکام: ۱۸۰/۳)

بحالت احرام بنیان، یا سلی ہوئی چادر پہننے کا حکم:

سوال (۱) کیا بنیان پہن سکتا ہے؟ تہ بند، یا احرام کی چادر کہیں پھٹی ہو تو کیا سل کر باندھ سکتا ہے، یا کہ نہیں؟

ارکان چھوٹنے، یا ترتیب میں تقدیم وتاخیر کا حکم:

(۲) کوئی نسک چھوٹ گیا، یا ترتیب میں تقدیم وتاخیر ہوگئی تو کیا (حج) قران کی حالت میں دو قربانی کرے، یا ایک کرے؟

(۱) منحة الخالق على البحر الرائق: ۲٤/۳، اس پوری بحث کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: بدائع الصنائع: ۱۱/۳ ـ ۱۲، البحر الرائق: ۲۳/۳ ـ ۲۵، انیس

بحالت احرام خون نکلنے سے کیا دم واجب ہوگا:

(۳) احرام کی حالت میں مرض کی وجہ سے ڈاکٹر نے سوئی لگائی، جس سے قدرے خون نکلا تو کیا دم واجب ہوگا، ایسے ہی اگر مسواک کیا، جس سے دانتوں سے خون نکلا تو کیا واجب ہوگا۔

قران کے حج کا احرام باندھنے والے کے لیے عمرہ کرنا:

(۴) قران کے حج کا احرام باندھنے والا مکہ میں جا کر عمرہ کرے گا، پھر احرام کے ساتھ مکہ میں مقیم رہے گا، پھر نفلی طواف کرتا رہے، اس کے بعد آٹھ ذی الحجہ کو منیٰ جائے، پھر وہاں سے عرفات جائے، پھر مزدلفہ آکر رات گزارے، پھر ذی الحجہ کو آکر کنکری مارے اور قربانی کرے اور حجامت بنوا کر زیارت کرے اور سعی صفا و مروہ کرے، پھر منیٰ جائے اور ۱۱۔۱۲؍ ذی الحجہ کو قیام کر کے کنکریاں مار کر واپس آئے اور طواف الوداع کر کے مکان ہندوستان آوے تو کیا اس صورت میں مکمل ہو گیا؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۱) بنیان پہننا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ اس میں آستین ہوتی ہیں اور آستین میں ہاتھ ڈال کر پہننا منع ہے، جس پر جزا لازم ہوگی، احرام کی سلی ہوئی چادر پہنا جائز ہے؛ لیکن ترک اولیٰ ہے۔

(۲) قران کی حالت میں بھی ایک جنایت پر ایک ہی دم واجب ہوگا۔

(۳) دونوں صورتوں میں کوئی جزا لازم نہیں، خون کا نکالنا محظور احرام نہیں، جیسے: فصد لینا، مسواک کرنا ہر حالت میں سنت ہے۔

(۴) یہ ترتیب صحیح ہے، اس سے حج مکمل ہو گیا، کوئی نسک نہیں چھوٹا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور۔

الجواب صحیح: محمد جمیل الرحمٰن، سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۵/۸/۲۶ھ۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۲/۵۴-۵۵)

میقات سے مکہ جانے کا ارادہ نہ ہو تو میقات سے احرام باندھنا ضروری نہیں:

سوال: زید بارادہ حج جا رہا ہے اور قصد اس کا یہ ہے کہ میں اول جدہ سے مدینہ شریف جاؤں تو اس حالت میں اس کو میقات یلملم پر احرام باندھنا لازم ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

نہیں۔ میقات سے احرام باندھنا جب واجب ہے کہ میقات سے مکہ جانے کا ارادہ ہو۔ (امداد الاحکام: ۳/۱۸۰)

عورت کا حالتِ احرام میں میک اَپ کر کے اِدھر اُدھر گھومنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ بہت افسوس کے ساتھ لکھ رہی ہوں کہ میری بعض بہنیں احرام کی حالت میں بھی میک اَپ کرتی ہیں اور غیر مردوں سے چہرہ چھپائے بغیر ادھر اُدھر گھومتی ہیں۔شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

باسمه سبحانه تعالیٰ، الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

عورتوں پر احرام کی حالت میں پردہ اسی طرح لازم ہوتا ہے، جیسا کہ غیر احرام میں لازم ہے؛ اس لیے احرام میں بے پردہ رہنا جائز نہیں۔ نیز عورت کا احرام میں میک اَپ کرنا بھی درست نہیں ہے، میک اَپ میں عموماً خوشبودار اشیا استعمال ہوتی ہیں، مثلاً: کریم، پاؤڈر وغیرہ، اس سے جنایت لازم آتی ہے اور بہت سی صورتوں میں دم واجب ہوجاتا ہے؛ اس لیے خواتین کو بحالت احرام ایسی چیزوں سے بچنا لازم ہے۔

أخرج الطبرانی عن عائشة رضی الله عنها حديثاً طويلاً طرفه: وما من امرأة تنزع خمارها فی غير بيت زوجها إلا كشفت الستر فيما بينها وبين ربها. (المعجم الأوسط: ۲۷۹/۲، رقم: ۳۲۸۶)

عن أبی الأحوص قال: قال عبد الله: المرأة عورة وإقرب ما تكون من ربها إذا كانت فی قعر بيتها، فإذا خرجت استشرفها الشيطان. (المصنف لابن أبی شيبة: ۳۸٤/۲، رقم: ۷٦۹۸، سنن الترمذی، رقم: ۱۱۷۳، مسند البزار: ٤۲۷/٥، رقم: ۲۰٦۱، صحيح ابن خزيمة: ۹۳/۳، رقم: ۱٥۸٥، صحيح ابن حبان: ٤۱۲/۱۲، رقم: ٥٥۹۸، الشاملة)

عن أم سلمة رضی الله عنها قالت: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: لا تطيبی وأنت محرمة ولا تمسی الحناء فإنه طيب. (المعجم الكبير للطبرانی: ٤۱۸/۲۳، رقم: ۱۰۱۲، معرفة السنن والآثار: ۲٦/٤، رقم: ۲۸٦۱، نصب الراية، الحج، باب الجنايات: ۱۲٤/۳)

والإسلام قد حرم علی المرأة أن تكشف شيئاً من عروتها أمام الأ جانب خشية الفتنة. (روائع البيان: ۱٦۲/۲، بحوالہ: فتاویٰ محمودیہ ۹۵، میرٹھ)

ثم اعلم أن المحرم رجلاً كان أو امرأة ممنوع عن استعمال الطيب، فإن طيب محرم بالغ عضواً كاملاً فعليه دم، فإن طيب أقل من عضو تجب الصدقة هو الصحيح. (البحر العميق: ۲۲۸/۲)

والمحرم رجلاً كان أو امرأة ممنوع من استعمال الطيب، فإذا طيب عضواً كاملاً فعليه دم، وفی أقله صدقة أی فی الصحيح. (مناسک ملا علی القاری: ۳۱۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۹/۱۱/۱۴۳۲ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۳۵۸/۷)

میقات سے بلا احرام گزرنا:

سوال: ایک شخص ہندوستان سے حج کا ارادہ کر کے چلتا ہے، اس کے لیے میقات سے بغیر احرام کے گزرنا جائز ہے، یا نہیں؟ اگر وہ پہلے مدینے طیبہ جانا چاہیے، یا ایک شخص مکہ کے قصد سے یہاں سے چلتا ہے اور اس کا ارادہ ہے کہ کچھ روز جدہ ٹھہر کر تجارت کرے، اس کے بعد مکہ مکرمہ حاضر ہو تو اس کے لیے بغیر احرام کے میقات سے گزرنے کا کیا حکم ہے؟ اہل ہند کی میقات کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

جو آفاقی مکہ، یا حرم کا ارادہ رکھتا ہے، اس کے لیے میقات سے بغیر احرام کے گزرنا جائز نہیں؟ خواہ اس کا حج عمرہ کا ارادہ ہو، خواہ سیر، تجارت وغیرہ کا ارادہ ہو، (۱) اگر گزر جائے تو اس کے ذمہ لازم ہے کہ کسی میقات پر جا کر احرام باندھے، ورنہ اس پر دم واجب ہوگا۔ (۲) اگر کسی کا قصد گاہ اول یہ ہو کہ حل میں کسی جگہ تجارت کے لیے جائے تو اس کے لیے احرام لازم نہیں، بلا احرام حل میں جا سکتا ہے، پھر اپنی تجارت وغیرہ سے فارغ ہو کر مکہ معظّمہ میں بھی بغیر احرام کے داخل ہوسکتا ہے، بشرطیکہ ادائے نسک کا ارادہ نہ ہو، اگر ادائے نسک کا ارادہ ہو تو حل سے احرام باندھ کر داخل ہو۔ اگر میقات پر معذرت وقت قصدِ اولی تو ادائے نسک ہو، یا دخولِ مکہ ہو؛ لیکن مرور فی الحل کی مجبوری کی وجہ سے حل میں تجارت وغیرہ کی نیت کرے تو اس کے لیے میقات سے بلا احرام گزرنا جائز نہیں، یہ تمام جزئیات کتب فقہ میں صراحۃً مذکور ہیں:

(وحرم تأخير الإحرام عنها) كلها (لمن): أى للآفاقى (قصد دخول مكة)، يعنى الحرم (ولو لحاجة) غير الحج، أما لو قصد موضعاً من الحل كخليص وجدة، حل له مجاوزته بلا إحرام، فإذا

---

(۱) اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، لايجاوز أحد الميقات إلا محرماً. (نصب الرأية، كتاب الحج: ۱۵/۳) المصنف لإبن أبى شيبة، كتاب الحج: ۴۱۱/۳، امام ابن ابی شیبہ نے اس حدیث کو مرفوعاً نقل کیا ہے؛ لیکن اس کی سند ضعیف ہے، جب کہ امام شافعی نے اس کی تخریج اسحاق بن راہویہ کی سند سے موقوفاً کی ہے اور اس طرح کی سند قوی ہے۔ انیس)

وكذلك لو أراد بمجاوزة هٰذه المواقيت دخول مكة، لايجوز له أن يجاوزها إلا محرماً، سواءٌ أراد بدخول مكة النسك من الحج أو العمرة أو التجارة أو حاجة أخرىٰ، إلخ. (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل: وأما بيان مكان الاحرام: ۱۶۰/۳، دارالكتب العلميه بيروت، انيس)

ولا يجوز للآفاقى أن يدخل مكة بغير إحرام نوى النسك أو لا، ولو دخلها فعليه حجة أو عمرة، كذا فى محيط السرخسى. (الفتاوىٰ الهندية: الباب الثانى فى المواقيت: ۲۲۱/۱، رشيدية)

(۲) فإن دخل مكة قبل أن يحرم فأحرم منها، فعليه أن يخرج من الحرم فيلبى، فإن لم يفعل حتىٰ يطوف بالبيت فعليه دم؛ لأنه ترك الميقات المعهود فى حقه للإحرام، إلخ". (المبسوط للسرخسى، كتاب المناسك، باب المواقيت: ۱۵۳/۲، حبيبية كوئٹة)

"فإن أحرم بالحج أو العمرة من غير أن يرجع الى الميقات، فعليه دم لترك حق الميقات". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الحج، باب ما يلزم لمجاوزة الميقات بغير احرام: ۵۵۱/۳-۵۵۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

حل بـه الـتـحق بـأهـلـه، فـلـه دخـول مكة بلا إحرام، وهوالحيلة لمريد ذلك ... (وحل لأهل داخلها)يعنى كل من وجد فى داخل المواقيت (دخول مكة"الخ). (الدرالمختار)

"(قوله: وحرم الخ) فعليه العود الىٰ ميقات منها وان لم يكن ميقاته". (۱)

غنیۃ الناسک،ص:۲۷/میں یہ حیلہ لکھاہےاورمسئلہ کوزیادہ واضح کردیا،چنانچہ عبارات متعددہ نقل کرکےلکھاہے:

"وفـي الـطـوالع:وذكرالسيد متيرغني في حاشيته على التبيين: أن من كان في خاطره أنه إذا فـرغ من بيعه وشرائه دخل مكة، وجب عليه الإحرام عند الميقات لكونه قاصداً مع دخول جدة الحرم،وإن كا قصد دخول جدة سابقاً علىٰ قصد دخول الحرم، آه" (۲)

جس شخص کے راستہ میں میقات واقع نہ ہو،اس کومیقات کی محاذات سےاحرام باندھنا چاہیے،جس کےراستہ میں دومیقات واقع ہوں،اس کومیقاتِ اَبعدعن الحرم سے باندھنا افضل ہے،اقرب سےبھی درست ہے۔(۳) اہلِ ہند کے لیے یلملم کی محاذات سےاحرام باندھنا چاہیے۔(۴)حرم میں داخل ہونے کے لیے احرام کی ضرورت ہوتی ہے، جدہ حرم سے خارج ہے، لہٰذا جوشخص پہلے مدینہ طیبہ کا قصد کرے، اس کے لیے یلملم سے احرام ضروری نہیں؛ بلکہ وہ مدینہ طیبہ سے واپسی پرذوالحلیفہ سےاحرام باندھے۔(۵)فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ عالم

حررہ العبدمحمودگنگوہی عفااللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور۔الجواب صحیح:سعیداحمدغفرلہ،۵/رجب۱۳۶۶ھ۔ صحیح:عبداللطیف،مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور،۶/رجب/۱۳۶۶ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۳۸۱-۳۸۴)

---

(۱) ردالمحتار،كتاب الحج،مطلب فى المواقيت: ۲/٤٧٧،دار الفكر بيروت،انيس

(۲) غنية المناسک،باب المواقيت، الفصل الثالث،ص: ٥٥،إدارة القرآن كراتشي

(۳) ومـن سـلـك ميقاتاً من هٰذه المواقيت،أحرم منه،لمارويناءوإن سلك بين ميقاتين فى البحر أوالبر اجتهد، وأحرم إذا حاذىٰ ميقاتاً منهما،واستبعدهما أولىٰ بالإحرام منه.(تبيين الحقائق،كتاب الحج: ۲/٢٤٦، دار الكتب العلمية بيروت،انيس)

(۴) الـمـواقيـت التى لايجوزأن يجاوزها الإنسان إلامحرماً خمسة:لأهل المدينة ذوالحليفة،ولأهل العراق ذات عرق، ولأهـل الـشـام جـحـفـة،ولأهـل نـجد قرن،ولأهل اليمن يلملم ... وكل من قصد مكة من طريق غيرمسلوك،أحرم إذا حاذىٰ ميقاتاً من هٰذه المواقيت،كذا فى محيط السرحسى.(الفتاوى الهندية،الباب الثانى فى المواقيت: ۱/٢٢١،زكريا ديوبند،انيس)

(۵) قرۃ العینین کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ"جوآدمی میقات سے باہر کا رہنے والا ہو،اگر وہ پہلے مدینہ طیبہ جائے، پھر واپسی کے وقت وہاں کے میقات ذوالحلیفہ سے حج کا احرام باندھ کرحج کرے گا تو جائز ہے کہ وہ آدمی اپنے میقات یلملم سے احرام نہ باندھے؛ کیوں کہ اس کو اپنے میقات سے گزرنے کے وقت فی الحال حدحرم میں جانے کا ارادہ نہیں ہے،الخ"۔(قرۃ العینین فی زیارۃ الحرمین،فصل:مواقیت احرام حج وعمرہ کے بیان،ص:۴۹،۵۰،شہزادہ ٹرسٹ)

معلم الحجاج میں ہے:"جوآفاقی شخص مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ آرہاہو،اسے ذوالحلیفہ یعنی بئرعلی سے احرام باندھنا چاہیے"۔(معلم الحجاج،ص:۱۰۴،ادارہ القرآن کراچی)

(قـولـه: كـمـكـي يـريـد الـحـج،الـخ) أمـا لـوخـرج إلى الـحل لحاجة فأحرم منـه ووقف بعرفة، فلا شيء عـلـيـه،كالآفاقى إذا جاوزالميقات قاصداً البستان ثم أحرم منه،الخ.(ردالمحتار،كتاب الحج،مطلب:لايجب الضمان بكسرآلات اللهو: ۲/ ٥٨١،مكتبة زكرياديوبند،انيس)

مدینہ منورہ سے جانے والا ذوالحلیفہ سے بغیر احرام کے تجاوز کرے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ گزشتہ جمعہ ہم مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ عمرہ کی غرض سے گئے تھے، ہمیں مدینہ منورہ سے صبح روانہ ہونا تھا چاہیے تھا کہ ہم بیر علی، یا ذوالحلیفہ سے احرام باندھتے؛ مگر راستہ بھول جانے کی وجہ سے مدینہ منورہ سے مکہ کی جانب کوئی اسی (۸۰) کلومیٹر باہر ہم نے احرام باندھ لیا۔ اب ہم پر دم واجب ہوگا، یا نہیں؟ اور یہ قربانی حرم میں کرنی ہوگی، یا اپنے مقام پر اور ہماری طرف سے کوئی اور یہ قربانی کرسکتا ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: سلیم صدیقی اکاؤنٹس ڈیپارٹمنٹ ریاض سعودیہ، ۱۴۰۱/۵/۳۰ھ)

الجواب

اگر آپ نے جحفہ رابغ سے متجاوز ہونے سے پہلے احرام باندھا ہے، (۱) تو آپ پر دم واجب نہیں ہے۔

كما في شرح التنوير: وقالوا: لو مر بميقاتين فاحرامه من الأبعد أفضل ولو أخره إلى الثاني لا شيء عليه على المذهب. وفي ردالمحتار (۱۱۲/۲): كالمدني يمر بذي الحليفة ثم بالجحفة (رابغ). (۲)

اور اگر جحفہ سے متجاوز ہوکر احرام باندھا ہو، (۳) تو حرم میں (منیٰ میں مثلا) ایک ایک دنبہ اصالۃً، یا وکالۃً ذبح کریں۔ (۴) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۸۰/۴)

---

(۱) ذوالحلیفہ اسم تصغیر کے صیغہ سے ہے اور یہ مکہ معظّمہ سے تمام مواقیت سے زیادہ فاصلہ والا میقات ہے اور اس جگہ کو عوام میں آبار علی یا بیر علی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، ذوالحلیفہ مدینہ منورہ سے علی اختلاف الروایات چھ یا سات یا چار میل کے فاصلہ پر ہے سید نورالدین سمہودی نے اپنی تاریخ مدینہ میں لکھا ہے کہ میں نے مسجد نبوی سے مسجد شجرہ تک ہاتھ سے پیائش کی تو مسجد نبوی کے دروازے باب السلام سے مسجد شجرہ تک (۱۹۷۴۳) ہاتھ پایا اور یہ پانچ میل سے کم ہوتا ہے کیونکہ ہمارے نزدیک میل لوہے کے آج کل کے مستعمل ذراع کے ساتھ چار ہزار ذراع کا ہوتا ہے اور مکہ مکرمہ سے ذوالحلیفہ کا فاصلہ نو یا دس مرحلے ہے اور فتح الباری میں ہے کہ ذوالحلیفہ سے مکہ معظّمہ تک (۱۹۸) میل ہے، وفی تعلیق البلوغ المرام للبسام السّلفی کہ مسجد نبوی سے یہ تیرہ کلومیٹر پر واقع ہے اور اس سے مکہ مکرمہ تک (۴۲۰) کلومیٹر فاصلہ ہے اور وہبۃ الزحیلی نے (۴۶۰) کلومیٹر لکھا ہے۔
جحفہ مکہ معظّمہ سے شمال مغرب کی جانب تبوک کے راستہ پر واقع تھا، ایک دفعہ یہاں سیلاب آیا، جس نے اس گاؤں کو بہالے گیا؛ اس لیے اس کا نام جحفہ؛ یعنی سیلاب کا تباہ کیا ہوا ہوگیا؛ اس لیے اس کی جگہ کو یقین کے ساتھ متعین نہیں کرسکے؛ اس لیے علما نے احتیاطاً رابغ سے احرام باندھنا اختیار کرلیا ہے، رابغ جحفہ سے پہلے آتا ہے اور جحفہ رابغ سے نصف منزل، یا اس کے قریب فاصلہ پر مکہ معظّمہ کی طرف واقع ہے اور اس کے فاصلہ میں شدید اختلاف ہے۔ امام نوویؒ نے کہا ہے کہ جحفہ اور مکہ کے درمیان تین منزل کا فاصلہ ہے، وفیہ نظر کما فی فتح الباری اور شیخ عبداللہ بن سالم بصری نے شرح بخاری میں کہا ہے کہ جحفہ سے مکہ معظّمہ تک پانچ منزل کا فاصلہ ہے اور جحفہ سے مدینہ منورہ تک سات منزل ہے اور شرح منسک المتوسط میں ہے کہ جحفہ اور مکہ کے درمیان بیاسی میل کا فاصلہ ہے اور ملاعلی قاری نے بتیس میل کہا ہے؛ لکنہ غیر صحیح، غالباً اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ جحفہ سے مکہ مکرمہ کے لیے مختلف راستے ہیں؛ اس لیے اس مسافت میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ شیخ بسام السّلفی نے تعلیق بلوغ المرام میں رابغ اور مکہ مکرمہ کے درمیان (۱۸۶) کلومیٹر لکھا ہے اور وہبۃ الزحیلی نے الفقہ الاسلامی وادلتہ میں (۱۸۷) کلومیٹر لکھا ہے۔

(۲) ردالمحتار هامش الدرالمختار: ۱٦٦/۲، مطلب في المواقيت

(۳) وفي الهندية: اذا دخل الآفاقي مكة بغير احرام وهو لا يريد الحج والعمرة فعليه لدخول مكة اما حجة او عمرة فان احرم بالحج او العمرة من غير ان يرجع الى الميقات فعليه دم لترك حق الميقات. (۲۵۳/۱، باب مجاوزة الميقات بغير إحرام)

(۴) وفي الهندية: ويجوز ذبح بقية الهدايا (اى هدى المتعة والقران) في اى وقت شاء ولا يجوز ذبح الهدايا الا في الحرم، كذا في الهداية. (الفتاویٰ الهندية: ۲٦۲/۱، باب في الهدى)

ایک محرم کا دوسرے محرم کو کپڑا پہنا دینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متیں مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اگر کسی محرم نے دوسرے محرم کے کپڑوں پر مذاق میں، یا زبردستی خوشبو لگا دی، یا اس کے سر پر ٹوپی لگا دی، یا اس کو جوتا، یا خفین پہنایا، جس سے اس کے ٹخنے ڈھک گئے تو ایسی صورت میں جزا لازم ہوگی، یا نہیں؟ اگر ہوگی تو کس پر ہوگی؟

باسمه سبحانه تعالیٰ، الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

اگر ایک محرم شخص نے دوسرے محرم، یا غیر محرم شخص کو سلا ہوا کپڑا پہنایا، یا خوشبو لگائی، یا اس کے سر اور چہرے کو ڈھانک دیا تو ڈھانکنے والے محرم پر کوئی جزا واجب نہیں، البتہ جس کو کپڑا پہنایا ہے اور خوشبو لگائی ہے، اس پر جزا واجب ہوگی۔

عن عبد الله بن عمر رضی الله عنهما قال: قام رجل فقال يارسول الله صلى الله عليه وسلم ماذا تأمرون أن نلبس من الثياب فی الإحرام، فقال النبی صلى الله عليه وسلم: لا تلبسوا القميص والسراويلات ولا العمائم ولا البرانس، إلخ. (صحيح البخاری: ۲٤۸/۱، رقم: ۱۸۳۸، صحيح مسلم: ۱۷۲/۱، رقم: ۱۱۷۷)

وليس على الفاعل المحرم فی ذلک شیءٌ. (مناسک ملا علی القاری: ۳۳٤، غنية الناسک: ۲٤۱، منحة الخالق: ۱٦/۳، البحر الرائق: ۷/۳، زكريا، الفتاوىٰ الهندية: ۲٤۳/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۶/۳/۶ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۳۶۹/۷)

احرام کی حالت میں خفین پہننا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کیا محرم احرام کی حالت میں خفین پہن سکتا ہے، یا نہیں؟

باسمه سبحانه تعالیٰ، الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

حالتِ احرام میں خفین پہننا منع ہے، لہٰذا اگر کوئی محرم حالت احرام میں ایک دن اس طرح خفین پہنے رہا کہ اس کو قدم کی ابھری ہوئی ہڈی کے نیچے سے کاٹا نہیں تھا تو دم واجب ہوگا اور اگر ابھری ہوئی ہڈی کے نیچے سے کاٹ کر چپل نما بنا کر پہنا ہے تو اس پر کوئی جزا واجب نہیں ہوگی۔

عن عبد الله بن عمر رضی الله عنهما قال: قام رجل فقال يا رسول الله صلى الله عليه وسلم ماذا تأمرون أن نلبس من الثياب فی الإحرام، فقال النبی صلى الله عليه وسلم: لا تلبسوا القميص... إلا أن يكون أحد ليست له نعلان فليلبس الخفين وليقطع أسفل من الكعبين، الخ". (صحيح البخاری: ۲٤۸/۱، رقم: ۱۸۳۸، الصحيح لمسلم: ۱۷۲/۱، رقم: ۱۱۷۷)

ولبس الخفين قبل القطع يوماً فعليه دم. (غنية الناسک: ۲۵٤،شامی:۵۰۰/۳،زکریا،الفتاویٰ التاتارخانیة:۵۷٦/۳، بدائع الصنائع:٤۱۰/۲،زکریا)

وإن لبسهما بعد القطع اسفل من موضع الشراک فلا شی عليه. (غنية الناسک: ۲۵٤،الفتاویٰ الخانية: ۲۸۵/۱،بدائع الصنائع: ٤۰٦/۲،زکریا، شامی:۵۰۰/۳،زکریا ،الفتاویٰ التاتارخانية: ۵۷٤/۳) فقط واللہ تعالی اعلم

املاہ:احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۳/۶ھ۔الجواب صحیح:شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔(کتاب النوازل:۳۷۳/۷)

حالت احرام میں چہرہ پر''ماسک''لگانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ احرام کی حالت میں جراثیم سے بچنے کے لیے''ماسک''لگانے کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

آج کل جراثیم سے بچنے کے فیشن میں بحالتِ احرام چہرے پر''ماسک''لگانا عام ہوگیا ہے تو اس بارے میں شرعی حکم اچھی طرح یادرکھنے کی ضرورت ہے کہ احرام میں اس طرح''ماسک''پہننا مردوں اور عورتوں سب کے لیے بلا شبہ ممنوع ہے اور جزا کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر''ماسک''اتنا چوڑا ہے کہ اس سے چوتھائی چہرہ ڈھک جاتا ہے اور یہ''ماسک''،مسلسل بارہ گھنٹے لگائے رکھا تو دم واجب ہے اور اگر''ماسک'' کی چوڑائی چوتھائی چہرے سے کم ہو، یا اسے ۱۲/گھنٹے سے کم لگایا تو صدقۂ فطر واجب ہوگا؛اس لیے بہرحال احرام کی حالت میں''ماسک''نہیں لگانا چاہیے۔

عن عائشة رضی اللّٰہ عنها قالت: کان الرکبان یمرون بنا ونحن مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ عليه وسلم محرمات،فإذا حاذوابنا سدلت إحدانا جلبا بها من رأسها علی وجهها،فإذا جاوزانا کشفناه. (سنن أبی داؤد: ۲۵٤/۱،رقم :۱۸۳۳)

عن أبی عمررضی اللّٰہ عنهما قال:لایعصب المحرم رأسه بسیر ولا خرفة . (المصنف لابن أبی شیبة:۱٦٦/۸،رقم: ۱۳٤۵۱)

ولوعصب رأسه أو وجهه یوماً أولیلة فعليه صدقة إلا أن یأ خذ قدرالربع فدم. (غنية الناسک: ۲۵٤،الفتاویٰ الهندیة: ۲٤۲/۱،شامی:٤۹۸/۳،زکریا)

ولا یغطی المحرم رأسه ولا وجهه،والمحرمة لا تغطی وجهها،وإن فعلت ذلک،إن کان یوماً إلی اللیل فعليها دم،وإن کان أقل من ذٰلک فعليها صدقة. (الفتاویٰ التاتارخانية :۵۷۸/۳،الفتاویٰ الخانية علی الفتاویٰ الهندیة: ۲۸۹/۱،بدائع الصنائع: ٤۱۱/۲،زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ:احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۱۴۳۶/۳/۶ھ۔الجواب صحیح:شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔(کتاب النوازل:۳۷۴/۷)

احرام کی حالت میں سوتے ہوئے چہرہ ڈھنکنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ احرام کی حالت میں اگر چہرہ ڈھک جائے تو کیا حکم ہے؟ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ سوتے ہوئے بےخبری میں چہرہ ڈھک گیا، مثلاً چہرے پر کپڑا اگر گیا، یا اپنا ہاتھ ہی عادت کے مطابق چہرے پر رکھا گیا تو بےاختیار چہرا ڈھک جانے کی وجہ سے بھی دم واجب ہوگا، یا نہیں؟

باسمه سبحانه تعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

اگر حالتِ احرام میں سوتے ہوئے ہاتھ سے چہرہ ڈھک لیا تو اس سے کوئی جنایت لازم نہیں آتی؛ لیکن اگر کپڑے، یا رومال وغیرہ سے چہرہ، یا سر یا ان دونوں کا چوتھائی حصہ بارہ گھنٹے تک مسلسل ڈھکا رہا، تو دم جنایت واجب ہے، اور اگر اس سے کم ڈھکا رہا تو صدقہ واجب ہوگا۔

عن ابن عمر رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما قال: لا يعصب المحرم رأسه بيسر ولا خرقة. (المصنف لابن أبي شيبة: ۱۶۶/۸، رقم: ۱۳۴۵۱)

نعم لو وضع يديه بلا ثوب علیٰ رأسه أو وجهه كالأنف وغيره إلخ، لا بأس به ولو غطى كل رأسه. (غنية الناسک: ۱۱۱، سهارنفور)

إذا غطى رأسه وجهه ... أو نائماً الخ فعليه الجزاء، فإذا غطى جميع رأسه أو وجهه والربع منهما كالكل إلخ، يوماً أوليلة، والمراد مقدار أحدهما فعليه دم، وفي الأقل من يوم أومن الربع صدقة. (غنية الناسک: ۲۵۴، مناسک ملا علی القاری: ۳۰۸، انوار مناسک: ۲۱۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاء: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۶/۳/۶ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۳۷۵/۷)

بلا احرام میقات میں دخول:

سوال: ہم بمبئی جا رہے تھے، اتفاق سے جدہ کے راستہ میں ایک رات رُکے، ہمارا ارادہ ہوا کہ اس وقت میں کیا ہی اچھا ہو کہ ہم مکہ مکرمہ جا کر کم از کم طوافِ کعبہ ہی کر آئیں، جدہ واپس رات ہی میں پہونچے؛ کیوں کہ ہمیں صبح کو بمبئی کے لیے روانہ ہونا تھا اور ہمیں صرف رات ہی تک کے لیے اجازت ملی تھی، جواب دیجیے کہ اس طرح ہم نے صحیح کیا، یا نہیں؟ اگر نہیں تو اب ہمیں کیا کفارہ دینا ہوگا؟ مہربانی کر کے تفصیل سے جلد از جلد مندرجہ ذیل پتہ پر خط کے ذریعہ جواب دینے کی کوشش کریں۔ (شکیل احمد، سعودی عربیہ)

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ جب میقات سے باہر آفاق میں ہے اور وہیں سے جدہ آئے اور بغیر احرام باندھے طواف کر آئے، یہ غلط ہو گیا، احرام باندھ کر جانا ضروری تھا، پھر عمرہ وطواف وغیرہ کرنا چاہیے تھا، ایک دم جنایت دینا

واجب ہوگیا؛ یعنی ایک بھیڑ، یا بکری، یا دنبہ خرید کر حرم میں ذبح کرانا اور اس کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔ نیز ایک عمرہ بھی احرام باندھ کر کرنا ضروری ہوگیا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور (منتخبات نظام الفتاویٰ:۳۴/۲)

حالت احرام میں بیماری کی وجہ سے بال ٹوٹ گئے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید عمرہ یا حج کا احرام باندھا اور وضو کرتے وقت داڑھی کے بال بہت کثرت سے ٹوٹتے ہیں، اس میں ارادہ کو کوئی دخل نہیں؛ بلکہ زید کو یہ پہلے ہی سے عارضہ اور عذر ہے تو اب احرم کی حالت میں جب جب وضو کرے گا تو بے شمار ٹوٹیں گے تو ان کا فدیہ، یا دم کیا ہوگا؟ اور اتنا بار بار فدیہ یا دم زید کیسے ادا کرے گا، جو شرعی حکم ہو بیان فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ، الجواب ———— وباللہ التوفیق

مرض کی وجہ سے جو بال ٹوٹیں گے، ان پر کوئی فدیہ وغیرہ واجب نہیں ہے۔

بخلاف ما ذا تناثرشعر بالمرض أو النار. (شامی: ۵۴۹/۲، کراتشی، شامی: ۵۷۹/۳، زکریا)

لایخفی أن الشعر إذا سقط بنفسه لا محظور فیه لا حتمال قلعه قبل إحرامه، وسقوطه بغیر قلعه ... بخلاف ما إذا تناثر شعره بالمرض أو النار فلا شیء علیه. (غنیة الناسک، باب الجنایات: ۲۵۸، إدارۃ القرآن کراتشی)

وفی البحر: إذا تناثر شعره بالمرض أو النار فلا شی علیه؛ لأنه لیس للزینة ... وإنما هو شین، کذا فی المحیط. (البحر الرائق: ۹/۳، مناسک ملا علی القاری، باب الجنایات: ۳۲۸، کراتشی، انوار مناسک: ۵۳۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۳/۹/۱۴۱۶ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۳۷۸/۷)

حالت احرام میں اعذار متعددہ کی وجہ سے مختلف سلے ہوئے کپڑے پہننے سے کفارہ واحدہ واجب ہوگا، یا متعدد:

سوال: (تنبیہ) ایک سوال وجواب طویل الذیل مولوی شیر محمد صاحب ساکن گھوٹکی ضلع سکھر ملک سندھ نے یہاں بھیجا، جس میں جنایت فی الحج کے ایک مسئلہ میں بعض اہل فتاوی سے ان کو اختلاف تھا، یہاں سے انہوں نے محاکمہ چاہا؛ اس لیے صورت مسئولہ کو منقح کر کے اور طرفین کے دلائل بیان کر کے اخیر میں محاکمہ لکھا جائے گا۔ فقط

تحریر محل نزاع

محل نزاع یہ ہے کہ اگر ایک شخص کو ایک وقت میں دو، یا زیادہ اعضا میں لبس مخیط (سلے ہوئے کپڑے) کی ضرورت لاحق ہو اور نوع ضرورت مختلف ہو، مثلاً عمامہ دردسر کی وجہ سے باندھے اور قمیص بوجہ سردی کے پہنے تو اس

ضرورت میں کفارہ مخیّرہ واحد ہوگا، یا متعدد ایک صاحب اتحاد کفارہ (ایک کفارہ) کے قائل ہیں اوران کی دلیل یہ ہے کہ تعدد سبب جوفقہا کے نزدیک موجب تعدد کفارہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ تعدد ضرورت وعدم ضرورت کی وجہ سے ہو، یا ایک ضرورت سے زائل ہوجانے کے بعد دوسری ضرورت پیدا ہوا ور اگر تعدد ضرورت وعدم ضرورت سے ناشی نہ ہو؛ بلکہ ضرورت ہی سے تعدد ہو، گونوع ضرورت ہر فرد میں جدا ہوتو یہ سب فعل واجب شمار ہوگا اور جزا واحد لازم ہوگی۔

كما فى المناسك: فإن تعدد السبب كما إذا اضطر إلىٰ لبس ثوب فلبس ثوبين فإن لبسهما علىٰ موضع الضرورة أى بعينها نحو أن يحتاج إلىٰ قميص فلبس قميصين أو قميصاً وجبة أو يحتاج إلىٰ قلنسوة فلبسها مع العمامة فعليه كفارة واحدة؛ لأن محل الجناية متحد فلا نظر إلىٰ فعل المتعدد (يتخير فيها (أى فى الكفارة) لوقوع أثر الجناية للضرورة ماصرح به فى المحيط وكذا إذا لبسهما علىٰ موضعين لضرورة بهما فى مجلس واحد بأن لبس عمامة وخفاً بعذر فيها فعليه كفارة واحدة وهو كفارة الضرورة؛ لأن اللبس علىٰ وجه واحد فيجب كفارة واحدة وإن لبسهما علىٰ موضعين مختلفين موضع الضرورة وغير الضرورة كما إذا اضطر إلىٰ لبس العمامة فلبسهما مع قميص مثلاً أو لبس قميصا للضرورة وخفين من غير ضرورة فعليه كفارتان كفارة الضرورة يتخير فيها وكفارة الاختيار لايتخير فيها أى بل يتحتم الكفارة فيها، آه (إلىٰ أن قال) ناقلاً عن الكرمانى؛ لأن هٰذا اللبس غير اللبس الأول أى لاختلاف الوصفين كو نهما بعذر وبغيره فكانا كشيئين متغائرين سواء فى مجلس أو مجلس، آه. (ص: ١٦٥)(١)

ويؤيده أيضاً ما فى البدائع إذا كان به جرح أو قرح اضطر إلىٰ مداواته بالطبيب أنه ما دام باقياً فعليه كفارة واحدة فتم تكرر عليه الدواء؛ لأن الضرورة باقية فوقع الكل علىٰ وجه وحدة ولو برأ ذلك القرح أو الجرح وحدث قرح اٰخر أو جراحة أخرىٰ فداواها بالطبيب يلزمه كفارة أخرىٰ ؛لأن الضرورة قد زالت فوقع الثانى علىٰ غير الوجه الأول ... ولو جرح له قرح أو أصابه قرح وهو يداويه بالطبيب فخرجت قرحة أخرىٰ أو أصابه جرح اٰخر والأول علىٰ حاله لم يبرأ فداوى الثانى فعليه كفارة واحدة؛ لأن الأول لم يبرأ فالضرورة باقية فالمداواة الثانية حصلت على الجهة التى حصلت عليه الأولىٰ فيكفيه كفارة واحدة، آه. (٢)

---

(١) "ستة مساكين لكل مسكين نصف صاع من بر" ہے۔(صحيح البخارى، باب قول الله تعالىٰ: أو صدقة، رقم الحديث: ١٨١٥، مسلم، باب جواز حلق الرأس، رقم الحديث: ٨٠، ١٢٠١، نیز دیکھئے: بدائع الصنائع: ٣١٥/٣، انیس)

(٢) بدائع الصنائع، كتاب الصوم: ٢١٦/٣، انیس

اس سلسلے میں اصل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿فمن كان منكم مريضاً أو به أذا من رأسه ففدية من صيام أو صدقة أو نسك﴾ اور حضرت کعب بن عجرہ کی روایت "أيؤذيك هوام رأسك قال: نعم: احلق أو اذبح شاة أو صم ثلاثة أيام أو أطعم ستة مساكين لكل مسكين نصف صاع من بر" ہے۔(صحيح البخارى، باب قول الله تعالىٰ أو صدقة، رقم الحديث: ١٨١٥، الصحيح لمسلم، كتاب الحج، باب جواز حلق الرأس، رقم الحديث: ١٢٠١، نیز دیکھئے، بدائع الصنائع: ٢١٥/٣، انیس)

اس میں ایک زخم کے اچھا ہونے کے بعد دوسرا زخم، یا دمل ہونے کے تو سبب آخر شمار کیا ہے اور ایک زخم، یا دمل کے ساتھ دوسرا زخم، یا دمل دوسرے موقع پر ہو جائے تو اس کو سبب آخر شمار نہیں کیا؛ بلکہ سب کو جہت واحد میں داخل کیا ہے اور علت یہ بیان کی ہے: "**لأن الأول لم يبرأ فالضرورة باقية**". اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بقاء عذر اول کے ساتھ دوسرے اعضا میں عذر کا پیدا ہونا اور اس کی وجہ سے عضو ثانی میں محظور کا ارتکاب (جن چیزوں سے روکا جائے) کرنا جنایت اخری نہیں؛ بلکہ جنایت اولی ہی میں متداخل (داخل) ہے، لبقاء الضرورۃ۔ ہاں عضو ثانی میں ارتکاب محظور بلا ضرورت ہو، یا بعد زوال ضرورۃ اولی ہو تو کفارہ ثانیہ لازم ہوگا۔

یہ تو ایک فریق کے دلائل تھے۔ دوسرا فریق صورت مذکورہ میں تعدد کفارہ کا قائل ہے اور وہ مناسک کی اس عبارت سے استدلال کرتے ہیں:

"**قد يتعدد الجزاء أى كفارة المحظور فى لبس واحد بأمور أى خمسة: الأول التكفير بين اللبسين والثانى تعدد السبب أى بأن لبس فى موضعين أحد هما لعذر والآخر لغير عذر أو لعذر اٰخر، آه**". (ص: ١٦٧)(۱)

فریق اول کہتا ہے کہ اس عبارت میں اور لعذر آخر کا مطلب "**أو لحدوث عذر آخر بعد زوال الأول**" ہے، نہ یہ کہ وقت واحد میں الگ الگ عذر ہو تو ہر عضو میں لبس مخیط (سلے ہوئے کپڑے) سے کفارہ متعدد ہو؛ کیوں کہ یہ خلاف تصریحات سابقہ ہے اور دلیل اس تاویل کی یہ ہے کہ صاحب لباب نے جو آگے چل کر کہا ہے: "**والرابع حدوث**

---

(۱) عطف علٰی قوله فى موضعين تحت قوله ومعناه بأن لبس فى موضعين أو لبس لعذر اٰخر بعد زوال الأول سواء كان اللبس فى موضع واحد أو موضعين. (منه)

تَنبِيهٌ: قَدْ يَتَعَدَّدُ الْجَزَاءُ فِي لُبْسٍ وَاحِدٍ بِأُمُورٍ: الْأَوَّلُ التَّكْفِيرُ بَيْنَ اللُّبْسَيْنِ بِأَنْ لَبِسَ ثُمَّ كَفَّرَ وَدَامَ عَلَى لُبْسِهِ، وَلَمْ يَنْزِعْهُ وَالثَّانِي تَعَدُّدُ السَّبَبِ وَالثَّالِثُ الِاسْتِمْرَارُ عَلَى اللُّبْسِ بَعْدَ زَوَالِ الْعُذْرِ وَالرَّابِعُ حُدُوثُ عُذْرٍ آخَرَ وَالْخَامِسُ لُبْسُ الْمَخِيطِ الْمَصْبُوغِ بِطِيبٍ لِلرَّجُلِ وَيَتَّحِدُ الْجَزَاءُ مَعَ تَعَدُّدِ اللُّبْسِ بِأُمُورٍ مِنْهَا اتِّحَادُ السَّبَبِ، وَعَدَمُ الْعَزْمِ عَلَى التَّرْكِ عِنْدَ النَّزْعِ وَجَمْعُ اللِّبَاسِ كُلِّهِ فِي مَجْلِسٍ أَوْ يَوْمٍ، آه. قَالَ شَارِحُهُ أَيْ مَعَ اتِّحَادِ السَّبَبِ ثُمَّ قَالَ: وَاعْلَمْ أَنَّهُ ذَكَرَ بَعْضُهُمْ مَا يُفِيدُ أَنَّ الْيَوْمَ فِي اتِّحَادِ الْجَزَاءِ فِي حُكْمِ اللُّبْسِ كَالْمَجْلِسِ فِي غَيْرِهِ مِنْ الطِّيبِ وَالْحَلْقِ وَالْقَصِّ وَالْجِمَاعِ كَمَا سَيَأْتِي؛ لِأَنَّهُ ذَكَرَ الْفَارِسِيُّ وَالطَّرَابُلُسِيّ أَنَّهُ إنْ لَبِسَ الثِّيَابَ كُلَّهَا مَعًا، وَلَبِسَ خُفَّيْنِ فَعَلَيْهِ دَمٌ وَاحِدٌ، وَإِنْ لَبِسَ قَمِيصًا بَعْدَ يَوْمِهِ ثُمَّ لَبِسَ فِي يَوْمِهِ سَرَاوِيلَ ثُمَّ لَبِسَ خُفَّيْنِ، وَقَلَنْسُوَةً عَلَيْهِ كَفَّارَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَيَّدَ بِالْيَوْمِ لا بِالْمَجْلِسِ، وَفِي الْكَرْمَانِيِّ، وَلَوْ جَمَعَ اللِّبَاسَ كُلَّهُ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ فَعَلَيْهِ دَمٌ وَاحِدٌ لِوُقُوعِهِ عَلَى جِهَةٍ وَاحِدَةٍ وَسَبَبٍ وَاحِدٍ فَصَارَ كَجِنَايَةٍ وَاحِدَةٍ، وَمِثْلُهُ مَا ذَكَرَهُ بَعْضُهُمْ فِي حَلْقِ الرَّأْسِ إذَا حَلَقَ فِي أَرْبَعِ مَجَالِسَ عَلَيْهِ دَمٌ وَاحِدٌ، وَقِيلَ عَلَيْهِ أَرْبَعُ دِمَاءٍ، وَقَدْ صَرَّحَ فِي مُنْيَةِ النَّاسِكِ بِتَعَدُّدِ الْجَزَاءِ فِي تَعَدُّدِ الْأَيَّامِ حَيْثُ قَالَ: وَإِنْ لَبِسَ الْعِمَامَةَ يَوْمًا ثُمَّ لَبِسَ الْقَمِيصَ يَوْمًا آخَرَ ثُمَّ الْخُفَّيْنِ يَوْمًا آخَرَ ثُمَّ السَّرَاوِيلَ يَوْمًا آخَرَ فَعَلَيْهِ لِكُلِّ لُبْسٍ دَمٌ، آه. (منحة الخالق شرح البحر الرائق، باب الجنايات فى الحج: ۳/۷، ۸، دار الكتاب الإسلامى بيروت، انيس)

عذر آخر"، تو شارح نے اس کی شرح میں کہا ہے: "**قد شمله ما تقدم فتدبر**" اور ماتقدم اگر اس کو شامل ہے تو اس کی یہی صورت ہے کہ سبب ثانی میں "**أو لعذر آخر**" کو حدوث عذر آخر بعد زوال اول پر محمول کیا جاوے۔

احقر کہتا ہے کہ میرے نزدیک فریق اول کے دلائل قوی ہیں اور وہی قول صحیح ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ ۲۶ / رمضان ۱۳۴۴ھ۔

هذا التحقيق كاف شاف: اشرف علی، ۲۷ / رمضان ۱۳۴۴ھ۔ (امداد الاحکام: ۱۷/۴/۳)

رفض احرام حج سے ایک دم اور ایک حج لازم ہوگا یا دو دم اور دو حج:

سوال: یلملم سے احرام حج کا باندھا پھر جب جدۃ میں آیا تو احرام توڑ کر کپڑے وغیرہ پہن کر مدینہ طیبہ چلا گیا، پھر جب مدینہ طیبہ سے واپس ہوا تو پھر ذوالحلیفہ سے دوبارہ حج کا احرام باندھا تو آیا اس صورت میں کتنے حج اور کتنے دم لازم آتے ہیں، یہاں کے بعض علما فرماتے ہیں کہ اس پر دو حج اور دو دم اور ایک عمرہ لازم ہوگا۔ دو دم لازم ہونے میں وہ فرماتے ہیں کہ ایک دم تو اس وقت لازم ہوا جب اس نے رفض کر کے کپڑے پہنے اور دوسرا دم اس وقت لازم ہوا جب دوسرے حج کا احرام باندھ کر اس کے افعال شروع کئے؛ کیوں کہ پہلے رفض کے وقت فقط کپڑے پہننے سے وہ اچھی طرح احرام سے باہر نہیں آیا تھا۔ اب جب اس ثانی احرام سے حج کے افعال شروع کئے تو اب اس کا رفض متحقق ہوا دوسرا دم لازم ہوا۔ اس میں جو تحقیق ہو، ارقام فرماویں؟

الجواب

أقول وبالله التوفيق: صورت مسئولہ میں اس شخص پر، جس نے جدہ میں رفض احرام حج کیا اور مدینہ چلا گیا اور واپسی میں پھر احرام حج باندھا، دو حج اور دو دم لازم نہ آئیں گے؛ بلکہ احرام ثانی عین احرام اول ہے؛ کیوں کہ اس شخص نے احرام ثانی سے حج آخر کی نیت نہیں کی؛ بلکہ اسی حج کی نیت کر رہا ہے، جو احرام اول سے اس پر لازم ہوا تھا؛ اس لیے احرام ثانی سے اس پر دم آخر بھی لازم نہ آئے گا؛ بلکہ صرف ایک دم لازم آئے گا۔

قال في اللباب مع شرحه للقاري: ولو أهل الفائت بحجة أخرىٰ قبل الفراغ من الأولىٰ فإن كان ينوي به قضاء الفائتة نهي بعينها ولايلزم بهٰذا إلا هلال شيء أي سوى التي هو فيها فيتحلل بالطواف والسعي كما لو لم يهل به ونيته بالثانية لغو لا اعتبار لها وعليه قضاء الأولىٰ لا غير لكون الثانية لغواً وإن نوىٰ به أي بإهلاله حجة أخرىٰ يرفضها أي الحجة ويحل بأفعال العمرة لما تقدم مع ما فيه من الخلاف (۱) وعليه قضاء حجتين وعمرة ودم أي عند أبي حنيفة خلافاً لهما لما تقدم عنهما، آه. (ص: ۲٤٥)

---

(۱) **أي بين الشيخين ومحمد فإنه إذا أهل بحجتين معاً أو بحجة ثم حجة مقترنتين لزمه جميع ذلك غير أنه يرتفض احداهما في المعية والثانية في التعاقب عندهما وعند محمد يلزمه احداهما في المعية** ==

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ احرام ثانی سے اگر قضاء اولی، یا عود الی الاولی (پہلے کو ادا کرنے کی نیت ہو) کی نیت ہوتو اس سے بالاتفاق حج ثانی لازم نہیں آتا؛ بلکہ حج ثانی صرف امام صاحب کے نزدیک جب لازم آتا ہے کہ احرام اول کو باقی سمجھ کر اس کے علاوہ حج آخر کی نیت سے احرام باندھے اور صورت مسئولہ میں ایسا نہیں ہے؛ کیوں کہ جو جاہل جدہ سے رفض احرام کر کے واپسی از مدینہ کے وقت احرام ثانی کی نیت کرتا ہے، وہ یہ سمجھتا ہے کہ احرام اول رفض سے مرتقض ہوگیا، پھر اسی کی قضا کی نیت سے دوسرا احرام باندھتا ہے، کما ھو ظاہر۔ پس اس پر دو حج کا لازم کرنا صحیح نہیں؛ بلکہ یہ کہا جائے گا کہ احرام ثانی عین احرام اول ہے۔ رہا دم سو ہمارے نزدیک اس پر ایک دم لازم آئے گا۔

قال الشامی عن اللباب: واعلم أن المحرم إذا نوىٰ رفض الإحرام فجعل يصنع ما يصنعه الحلال من لبس الثياب والطيب والحلق والجماع وقتل الصيد فإنه لايخرج بذلک من الإحرام وعليه أن يعود كما كان محرماً ويجب دم واحد لجميع ما ارتكب ولو كل المحظورات وإنما يتعدد الجزاء بتعدد الجنايات إذا لم ينو الرفض، آه. (۱)

اور بعض علماء نے جو وجوب دمین (دوم) کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ احرام ثانی سے رفض متحقق ہوگیا، لہذا دوسرا دم تحقق رفض کی وجہ سے لازم آئے گا، الخ۔ یہ بناء الفاسد علی الفاسد ہے، یہاں احرام ثانی سے تحقق رفض ہی نہیں ہوا، **کما تقدم**؛ بلکہ ثانی عین اول ہے۔

دوسرے تحقق رفض سے دم ثانی کا واجب کرنا یہ نہ معلوم کہاں سے لکھا گیا ہے، ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ نیت رفض سے ایک دم ہوا اور تحقق رفض سے دم آخر، **فإن قام دليل صريح ووجه صحيح فالأمر مسلم وإلا فلا.** ہاں اگر یہاں تحقق رفض ہو جاتا تو وجوب دمین (دودم) کی یہ علت ہوسکتی تھی کہ ایک دم رفض کی وجہ سے ہے، دوسرا جمع النسکین کی وجہ سے، **كما صرح به في اللباب مع شرحه عن البحر** (ص: ۱۱۲) **وفيه اختلاف الروايتين كما فصله فيه هٰذا والله أعلم**

۱۰ رشوال ۱۳۴۴ھ (امداد الاحکام: ۱۷۶/۳)

☆ ☆ ☆

== **والأولىٰ فقط في التعاقب وثمرة الخلاف تظهر فيما إذا جنى حبل السير أوالشروع في الأعمال فعليه دمان عند أبي حنيفة للجناية على الأخرين ودم واحدعند محمد لعدم انعقاد احداهما وكذا عند أبي يوسف؛لأن الثاني وإن انعقد ولكنه ارتفض بلا مكث كمافرغ من قوله لبيک بحجتين كما في المناسک أيضاً(ص: ۱۵۸)مؤلف**

(۱) رد المحتار: ۵۸۵/۳، انیس

میقات کے احکام ومسائل

میقات ☆ کی حکمت:

شاہی دربار میں حاضری کے کچھ آداب اور ضوابط ہوتے ہیں، اسی اعتبار سے احکم الحاکمین رب العالمین کے دربار میں حاضری کے آداب بھی مقرر ہیں۔ میقات کی پابندیاں اسی قبیل سے ہیں کہ جو شخص باہر سے دربارِ خداوندی میں حاضری کے ارادہ سے اندر آئے، اس کے لیے میقات پر پہنچتے ہی احرام کی پابندی لازم ہے اور احرام کی حالت کمال عاجزی کی حالت ہے، جس میں آدمی اپنی سب شان وشوکت کو اتار کر ایک عاجز بندے کی شکل میں ننگے سر اور کھلے پاؤں حاضر ہوتا ہے، اس حکم میں امیر غریب، بادشاہ، یا رعایا میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس عالی دربار میں سب کو یکساں انداز میں حاضر ہونے کا حکم ہے۔

ولأن هٰذه بقعة شريفة لها قدر وخطر عند الله تعالٰى فالدخول فيها يقتضى التزام عبادة إظهاراً لشرفها علٰى سائر البقاع. (بدائع الصنائع: ۲/۳۷۱، زکریا)

املاء: احقر محمد سلمان منصور پوری، ۱۴۳۶/۳/۶ھ۔ (کتاب النوازل: ۷/۳۴۵)

☆ عن ابن عباس قال: وقّت رسول الله صلى الله عليه وسلم لأهل المدينة ذا الحليفة، ولأهل الشام الجحفة، ولأهل نجد قرن المنازل، ولأهل اليمن يلملم هن لهن ولمن أتٰى عليهن من غيرهن ممن أراد الحج و العمرة ومن كان دون ذلك فمن حيث إنشاء حتٰى أهل مكة من مكة. (صحيح البخاري، باب محصل أهل مكة للحج والعمرة، ص: ۲۰۶، رقم الحديث: ۱۵۲۴/الصحيح لمسلم، باب مواقيت الحج، ص: ۳۷۴، رقم الحديث: ۱۱۸۱/۲۸۰۳)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ یہ مقامات میقات ہیں، بغیر احرام کے ان سے آگے گزرنا جائز نہیں۔

عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم وقت لأهل العراق ذات عرق. (أبو داؤد، باب في المواقيت، ص: ۲۵۰، رقم الحديث: ۱۷۳۹/صحيح البخاري، باب ذات عرق لأهل العراق، ص: ۲۰۷، رقم الحديث: ۱۵۳۱)

میقات ایک نظر میں:

ذوالحلیفہ	یہ مقام اہل مدینہ کی میقات ہے	مکہ مکرمہ سے 410 کلومیٹر دور شمال کی جانب ہے
ذات عرق	یہ مقام اہل عراق کی میقات ہے	مکہ مکرمہ سے 90 کلومیٹر دور مشرق کی جانب ہے
جحفہ	یہ مقام اہل شام کی میقات ہے	مکہ مکرمہ سے 182 کلومیٹر دور شمال، مغرب کی جانب ہے
قرن المنازل	یہ مقام اہل نجد کی میقات ہے	مکہ مکرمہ سے 80 کلومیٹر دور مشرق کی جانب ہے
یلملم	یہ مقام اہل یمن کی میقات ہے	مکہ مکرمہ سے 130 کلومیٹر دور جنوب کی جانب ہے
تنعیم	اہل مکہ عمرے کا احرام تنعیم سے باندھتے ہیں	مکہ مکرمہ سے 7.5 کلومیٹر دور شمال، مغرب کی جانب ہے

میقات سے متعلق ایک اہم تحقیق:

میقاتِ زمانی:

حج کے مناسک کی ادائیگی کے لیے شرعاً ایک وقت مقرر ہے، جس کو ''میقات زمانی'' کہا جاتا ہے۔ یہ شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن ہیں۔ اس وقت سے پہلے حج کا کوئی عمل مثلاً طوافِ زیارت، یا سعی وغیرہ ادا کرنا معتبر نہیں ہے اور حج کا احرام باندھنا بھی ان مہینوں سے پہلے مکروہ تحریمی ہے؛ اس لیے شوال کا مہینہ شروع ہونے کے بعد ہی حج کے اعمال آغاز کرنا چاہیے۔

وأما الميقات الزماني فأشهر الحج، وهي: شوال وذوالقعدة وعشر من ذي الحجة، كما روي عن العبادلة الثلاثة. (غنية الناسک: ٤٩، الدر المختار، کتاب الحج: ٤٧٤/٣، زکریا)

وفائدة التوقيت بها ابتداء أنه لوفعل شيئاً من أفعال الحج قبلها لا جزية. (غنية الناسک: ٤٩، الدر المختار: ٤٧٤/٣، ومثله في الفتاویٰ الهندية: ٢١٦/١، الفتاویٰ التاتارخانية: ٤٧٤/٣)

وحتیٰ لو أحرم به قبلها يكره تحريماً مطلقاً. (غنية الناسک: ٤٩، الدر المختار: ٤٧٤/٣، زکریا)

میقات مکانی:

جس طرح مناسک حج کی ادائیگی کے لیے وقت متعین ہے، اسی طرح جگہیں بھی متعین ہیں، جن کو ''میقاتِ مکانی'' کہا جاتا ہے، اس اعتبار سے ساری دنیا درج ذیل تین حصوں میں بٹی ہوئی ہے۔

وأما الميقات المكاني فيختلف باختلاف الناس فإنهم في حق المواقيت أصناف ثلاثة: أهل الأفاق وأهل الحل الحرم. (غنیةالناسک: ٥٠، الفتاویٰ التاتارخانية: ٥٥٠/٣، شامي: ٤٧٨/٣، زکریا، بدائع الصنائع: ٣٧١/٢)

(۱) حرم: یہ بیت اللہ شریف کے اردگرد کا مخصوص علاقہ ہے، جس کی تعیین سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی نشان دہی پر کی تھی اور اس کے نشانات حکومت کی طرف سے نصب ہیں، اسی کی مشہور حدود درج ذیل ہیں:

(۱) تنعیم: یہ طریق المدینۃ المنورہ پر واقع ہے، یہاں اس وقت شاندار ''مسجد عائشہ'' بنی ہوئی ہے، یہ جگہ حرم مکی سے ساڑھے سات کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔

(۲) نخلہ: یہ طائف اور مکہ کے درمیان حرم مکی سے ۱۳ر کلومیٹر دور ہے۔

(۳) اضاۃ لبن: اسے ''عکیشیہ'' بھی کہا جاتا ہے اور اس کا فاصلہ مسجد حرام سے ۱۶ر کلومیٹر پر ہے۔

(۴) جعرانہ: یہ بھی طائف کی جانب واقع ہے، اور مسجد حرام سے ۲۲ر کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔

(۵) حدیبیہ: جسے ''شمیسیہ'' بھی کہا جاتا ہے، اس کا فاصلہ بھی ۲۲ر کلومیٹر ہے۔

(۶) جبل عرفات: اس کو''ذات السلیم'' بھی کہتے ہیں، اس جانب کا فاصلہ بھی ۲۲/کلومیٹر ہے۔ (اطلس السیر ۃ النبویہ،شوقی ابوالخلیل:۲۵۳) ان حدود کے اندر رہنے والے کو اہل حرم کہا جاتا ہے۔

وعلى الحرم علامات منصوبة في جميع جوانبه نصبها إبراهيم الخليل عليه الصلاة والسلام، وكان جبرئيل عليه السلام يريه مواضعها. (شامي: ۴۸۵/۳،زکریا،غنیة الناسک:۵۹)

(۲) حلّ: یہ حرم اور خارجی میقات کا درمیانی حصہ ہے، یہاں کے رہنے والوں کو اہل حل، یا حلی کہا جاتا ہے اوران کے لیے بلا احرام حدود حرم میں جانے کی فی الجملہ اجازت ہے، (جب کہ حج، یا عمرہ کا قصد نہ ہو)۔

وهم أهل داخل المواقيت إلى الحرم، والمراد بالداخل غير الخارج الخ، وحل لهم دخول مكة بلا إحرام ما لم يردوا نسكاً. (غنية الناسک: ۵۵،ومثله في الدر المختار مع الشامي: ۴۸۳/۳،زکریا، الفتاویٰ التاتارخانية: ۵۵/۳،الفتاویٰ الهندية: ۲۲۱/۱)

(۳) آفاق: یہ دنیا کا وہ تمام علاقہ ہے، جو میقات سے باہر ہے، یہاں کے رہنے والوں کو''آفاقی'' کہا جاتا ہے اوران کے لیے احرام کے بغیر میقات سے گزرنا ممنوع ہے، (جب کہ ان کا حدود حرم میں جانے کا ارادہ ہو)۔

ولا يجوز للآفاقي أن يدخل مكة بغير إحرام نوى النسك أولا. (الفتاویٰ الهندية: ۲۲۱/۱،ومثله في الدرالمختار مع الشامي: ۴۸۲/۳،زکریا ،الفتاویٰ التاتارخانية: ۵۵۱/۳)

اہلِ آفاق کی میقات:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ میقاتوں کا تعین ثابت ہے۔

(۱) ذوالحلیفہ: یہ اہل مدینہ اور وہاں سے گزرنے والوں کے لیے میقات، یہ مدینہ منورہ سے طریق ہجرت پر چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، یہاں ایک شاندار''مسجد میقات'' بنی ہوئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں یہیں سے احرام باندھا تھا۔ اس مقام سے مکہ معظّمہ کا فاصلہ ۴۱۰/کلومیٹر ہے۔

(۲) جحفہ: جو لوگ مصر وشام سے تبوک ہوتے ہوئے مکہ کا سفر کریں، ان کے لیے''جحفہ'' میقات ہے۔ آج کل یہ جگہ متعین نہیں ہے؛ اس لیے کہ اس کے قریب''رابغ'' نامی ساحلی قصبہ سے احرام باندھا جاتا ہے، جو طریق بدر پر واقع ہے، اس جگہ سے مکہ معظّمہ کی مسافت ۱۸۷/کلومیٹر ہے۔

(۳) قرن المنازل: نجد سے آنے والے لوگوں کے لیے''قرن المنازل'' میقات ہے، اس مقام کو آج کل''السیل'' کہا جاتا ہے، یہاں سے مکہ معظّمہ کا فاصلہ تقریباً ۸۰/کلومیٹر ہے۔

(۴) یلملم: یہ اہل یمن کے لیے میقات ہے، اس کو آج کل''سعدیہ'' کہا جاتا ہے، یہاں سے مکہ معظّمہ کا فاصلہ ۱۲۰/کلومیٹر، یا اس سے کچھ زائد ہے۔

(۵) ذات العرق: یہ عراق کی طرف سے آنے والوں کے لیے میقات ہے، امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اہل عراق کے سوال کے جواب میں اس کے میقات ہونے کی صراحت فرمائی تھی، یہاں سے مکہ معظّمہ کی مسافت ۹۰ رکلومیٹر ہے۔

نیز بعض روایات میں ''وادی عقیق'' نام کی میقات کا بھی ذکر ہے، جو مدائن کی طرف سے آنے والوں کے لیے میقات قرار دی گئی، یہ جگہ ''ذاتِ عرق'' کے قریب ہے۔

اس کے علاوہ جو لوگ جس جانب سے بھی حرم کے لیے آئیں گے، ان کو مذکورہ مواقیت کی سیدھ سے گزرنے سے پہلے احرام باندھنا لازم ہوگا، خواہ وہ خشکی پر سفر کررہے ہوں، یا ہوائی جہاز سے سفر ہورہا ہو۔

عن ابن عباس رضی اللّٰه عنهما قال: وقت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لأهل المدينة ذا الحليفة ولأهل الشام الحجفة ولأهل نجد قرن المنازل ولأهل اليمن يلملم، فهن لهن ولمن أتى عليهن من غيرهن لمن كان يريد الحج والعمرة، فمن كان دونهن فمهله من أهله، وكذلك حتىٰ أهل مكة يهلون منها. (صحيح البخاری: ۲۰۶/۱ وغيره)

أخبرنی أبو الزبير أنه سمع جابر بن عبد اللّٰه رضی اللّٰه تعالیٰ عنه يسئل عن المهل فقال: أحسبه رفع إلى النبی صلی اللّٰه عليه وسلم، فقال: مهل أهل المدينة من ذی الحليفة والطريق الأخر الجحفة، ومهل أهل العراق من ذات عرق، ومهل أهل نجد من قرن، ومهل أهل اليمن من يلملم. (الصحيح لمسلم: ۳۷۵/۱، نخب الأفكار: ۳۶/۶)

عن ابن عباس رضی اللّٰه عنهما أن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم وقّت لأهل الشرق العقيق. (سنن الترمذی: ۱۷۱/۱، انوار مناسک، حاشیۃ: ۲۴۱)

عن أنس بن مالک رضی اللّٰه عنه أنه سمع النبی صلی اللّٰه عليه وسلم وقت لأهل المدائن العقيق، ولأهل البصرة ذات عرق، ولأهل المدينة ذا الحليفة، ولأهل الشام الجحفة. (الطبرانی فی المعجم الكبير، رقم: ۷۲۱، نخب الأفكار: ۳۸، حاشیۃ، انوار مناسک: ۲۴۱)

قال العينی فی نخب الأفكار: فإن الأٰثار اختلف فيمن وقت لأهل العراق ذات عرق، ففی بعضها أن عمر بن الخطاب رضی اللّٰه عنه هو الذی وقت ذلک إذا العراق فتح فی زمانه، الصحيح الذی عليه الإثبات أن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم هو الذی وقته، وفی صحيح البخاری: أن عمر رضی اللّٰه عنه وقته ورجحه بعض أهل العلم بماذكرناه من أنها فتحت فی زمانه، وأنها كانت فی حياة النبی صلی اللّٰه عليه وسلم ذات كفر، وهٰذا الاحتجاج باطل؛ لأن الشام كانت حينئذ دار كفر، أيضاً بإجماع النقلة. (نخب الأفكار، طبع: الوقف الخيری المدنی ديوبند: ۳۰/۶، وأنظر: الدر المختار: ۴۷۸/۳، زكريا، الفتاویٰ الهندية: ۲۲۱/۱، الفتاویٰ التاتارخانية: ۵۵۹/۳)

اہل حل کی میقات:

جولوگ حل میں رہتے ہیں وہ اگر حج وعمرہ کا ارادہ کریں تو ان کے لیے پورا علاقہ حل میقات ہے؛ البتہ اپنی جائے سکونت سے احرام باندھنا ان کے لیے افضل ہے۔

وأما ميقات أهل الحل، إلخ، فالحل للحج والعمرة وإحرامهم من دويرة أهلهم أفضل. (غنية الناسک: ۵۵، ومثله في الدر المختار مع الشامي: ۴۸۴/۳، زكريا، البحر الرائق: ۵۵۹/۲، تبيين الحقائق: ۲۴۸/۲)

اہل حرم کی میقات:

اہل حرم اگر حج کا ارادہ کریں تو پورا دائرۂ حرم ان کے لیے میقات ہے اور اگر عمرہ کا ارادہ کریں تو حدودِ حل مثلاً تنعیم وغیرہ میں جا کر احرام باندھنا ضروری ہوگا۔

وأما ميقات أهل الحرم ... فالحرم للحج فيحرمون من دورهم ومن المسجد أفضل، وجاز تاخيره إلٰى اٰخر الحرم والحل للعمرة، والأفضل إحرامهما من التنعيم من معتمر عائشة رضى الله تعالىٰ عنها. (غنية الناسک: ۵۷-۵۸، الدر المختار: ۴۸۴/۳، زكريا، البحر الرائق: ۵۶۰/۲، زكريا، تبيين الحقائق: ۲۴۸/۲)

نوٹ: جو حجاج حج تمتع کا عمرہ کرنے کے بعد مکہ معظّمہ میں مقیم رہتے ہیں، وہ اہل حرم کے حکم میں ہیں، لہٰذا وہ حج کا احرام اپنے کمروں سے باندھیں گے اور مسجد حرام میں جا کر احرام کی نیت کریں تو فضیلت زیادہ ہوگی۔

وكذٰلک أى مثل حكم أهل الحرم كل من دخل الحرم من غيره العلة، وإن لم ينوا الإقامة به كالمفرد بالعمرة والمتمتع أى من أهل الأفاق. (مناسک كبير: ۸۳، شامي: ۴۸۴/۳، زكريا، البحر الرائق: ۳۱۹/۲، زكريا) (کتاب النوازل: ۳۴۷/۷-۳۴۶)

اہل طائف کے لیے احرام باندھنے کا مسئلہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں طائف میں ملازم ہوں، اگر میں جمعہ کے دن حرم شریف کو نماز جمعہ کے لیے جاؤں تو کیا میں احرام کے بغیر مکہ معظّمہ داخل ہوسکتا ہوں اور اگر طائف سے جدہ براستہ مکہ مکرمہ کسی کام کے لیے جانا چاہوں تو اس کی کیا صورت ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: حاجی عزیز خان جنوبی وزیرستان، ۱۹/۷/۱۹۷۹ء)

الجواب

اگر طائف قرن (۱) سے مکہ کی طرف ہو تو اہل طائف بغیر احرام کے مکہ جاسکتے ہیں، ورنہ احرام ضروری ہے۔

وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۷۷/۴-۲۷۸)

(۱) قرن قاف کے زبر اور راء کے جزم کے ساتھ اس کو قرن المنازل، قرن الثعالب اور وادی محرم بھی کہتے ہیں۔ ==

میقاتی کو احرام باندھنے کا حکم:

سوال (۱) اگر کوئی میقاتی حج کے دو چار دن پہلے حرم جائے اور اس کا ارادہ ہو کہ ہم واپس آکر اپنے مقام یعنی میقات سے احرام باندھ کر حج کے لیے جائیں گے، مثلاً میرے والدین، یا اور کوئی عزیز مکہ مکرمہ میں ہیں، ان کی خدمت کی غرض سے حج کے دو چار دن پہلے مکہ جانا چاہتا ہوں اور میرا ارادہ یہ ہے کہ میں واپس آکر پھر جدہ سے احرام باندھ کر تب حج کے لیے یعنی منیٰ، عرفات وغیرہ جاؤں گا، تو ایسی صورت میں پہلی بار بلا احرام مکہ جانا جائز ہوگا، یا کہ احرام باندھنا واجب ہوگا؟ جب کہ جدہ، یا کسی بھی میقات، یا محاذئ میقات جانے کی غرض سوائے احرام باندھنے کے اور کچھ نہیں ہے، جیسا کہ بعض کتابوں کی بعض عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ میقات پر واپس آنے کی نیت ہونے کی وجہ سے داخلہ بلا احرام جائز ہوگا تو اگر جائز ہے، یا کسی نے اس کو صحیح سمجھا؛ اس لیے وہ حرم میں بلا احرام گیا اور واپسی کے وقت یعنی جب اس نے احرام کے لیے میقات کی طرف جانا چاہا تو کسی وجہ سے نہ جا سکا، مثلاً وقت نہ مل سکا، یا کسی نے وجہ اضطراری نہیں؛ بلکہ غیر اضطراری کی وجہ سے یہ بتایا کہ یہاں سے احرام باندھ سکتے ہیں اور اس پر اس نے احرام مکہ کے اندر ہی سے باندھ لیا تو آیا احرام باندھنے میں کوئی مضائقہ ہے، یا نہیں؟ اور اگر ہے تو آیا دم واجب ہوگا، یا صدقہ؟

(۲) کوئی شخص میقات کے باہر سے چلا اور راستہ بھول جانے، یا کسی اور وجہ سے؛ مگر قصداً نہیں؛ بلکہ سہواً حدودِ حرم میں داخل ہوگیا؛ لیکن پھر بھی وہ حرم نہیں جاتا؛ بلکہ شہر مکہ کے کنارے کنارے وہ حدود حرم سے خارج ہو جاتا ہے اور میقات میں آکر مقیم ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں داخل ہونے والے پر دم واجب ہوگا، یا حج، یا عمرہ، یا کچھ نہیں؟ اور اس کے بعد جب پھر وہ حرم جائے گا تو احرام کے ساتھ جانا ہوگا، یا بلا احرام جا سکتا ہے اور اگر بلا احرام چلا جائے اور طواف کرلے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) میقاتی کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ حج، یا عمرہ کے سوا کسی دوسرے کام کے لیے مکہ مکرمہ جانا چاہے تو اس پر احرام باندھنے اور حج، یا عمرہ کرنے کی کوئی پابندی نہیں ہے، وہ بلا احرام مکہ مکرمہ جا سکتا ہے۔

== لغت فقہ المغرب میں ہے کہ یہ ایک پہاڑ کا نام ہے، جو میدان عرفات کے اوپر ہے اور شرح مصابیح میں ہے: بیضہ کی مانند ایک چکنا صاف اور مدور پہاڑ ہے عرفات کے اوپر آیا ہوا ہے، اہل مکہ اور ان کے اطراف کے لوگ اس پہاڑ کو "کرا" کاف کے زبر کے ساتھ کہتے ہیں اور قاموس میں ہے کہ قرن اس پہاڑ کا نام بھی ہے اور اس کے متصل وادی کو بھی قرن کہتے ہیں اور اس وادی کے اندر ایک گاؤں جو طائف کے قریب ہے، اس کو بھی قرن کہا جاتا ہے، اس کے اور مکہ مکرمہ کے درمیان تقریبا دو منزل کا فاصلہ ہے اور باقانی نے شرح ملتقی الابحر میں کہا ہے کہ مکہ مکرمہ سے قرن تک پچاس میل ہے، یہ نجد کے راستہ سے آنے والوں یعنی یمامہ سے عراق تک کے تمام مقامات والوں کے لیے میقات ہے اور بلوغ المرام کی تعلیق میں شیخ عبداللہ البسام السّلفی نے لکھا ہے کہ قرن المنازل کو اب السیل الکبیر کہتے ہیں اور بطن وادی سے مکہ مکرمہ تک اس کا فاصلہ ۷۸ رکلومیٹر ہے اور الفقہ الاسلامی وادلتہ میں وہبۃ الزحیلی نے لکھا ہے کہ قرن المنازل مقام سیل کے قریب ہے اور ۹۴ رکلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

كما فى الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار: وحل لأهل داخلها يعنى لكل من وجد فى داخل المواقيت دخول مكة غير محرم ما لم يرد نسكا. (۱۵۵/۲)

اورمیقاتی جب حدود حرم میں داخل ہوجائے تو اس کا بھی حکم وہی ہے، جو اہل مکہ کا ہے؛ یعنی اگر وہ عمرہ کرنا چاہے تو حدود حرم سے باہر تنعیم، یا جعرانہ جاکر احرام باندھے اور حج کا احرام حرم ہی سے باندھے۔

كما فى الدر الختار (۱۵۵/۲): والميقات لمن بمكة يعنى من بداخل الحرم للحج الحرم وللعمرة الحل.

وفى الشامى: (قوله: يعنى، الخ) أشار إلىٰ مافى البحر من قوله: والمراد بالمكى من كان داخل الحرم سواء كان بمكة أولا وسواء كان من أهلها أولا إلخ فيشمل الآفاقى المفرد بالعمرة والمتمتع والحلال من أهل الحل إذا دخل الحرم لحاجة كمافى اللباب.

لہٰذا اس شخص کا حج صحیح ہوگیا اور اس پر کوئی جنایت نہیں، نہ دم واجب ہوا اور نہ صدقہ۔

(۲) اگر کوئی حدود میقات کے اندر رہتا ہے اور کسی ضرورت سے آفاق یعنی حدود میقات سے باہر گیا تو وہ بھی آفاقی کے حکم میں ہوگا؛ یعنی اگر وہ بھی بقصد دخول مکہ مکرمہ حرم کے اندر آجائے گا تو اس پر بھی احرام حج، یا عمرہ کا لازم ہوجائے گا، اب بغیر احرام کے اس کو مکہ مکرمہ، یا حرم میں داخل ہونا جائز نہیں ہوگا اور جب آفاق سے واپس اپنے گھر آنے کا قصد ہو، مکہ مکرمہ، یا حرم کا اس وقت ارادہ نہ ہو تو بلا احرام آسکتا ہے اور جب حل میں پہونچ گیا تو وہاں سے حدود حرم میں بغیر احرام کے داخل ہوسکتا ہے، شرط یہ ہے کہ بقصد حج وعمرہ نہ ہو کسی اور ضرورت کے لیے ہو۔

كما فى الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار (۱۵٤/۲): وحرم تأخير الإحرام عنها كلها لمن أى لآفاقى.

وفى الشامى: (قوله: اى لآفاقى) أى ومن ألحق به كالحرمى والحلى إذا خرجا إلى الميقات.

قصد دخول مكة يعنى الحرم ولولحاجة غير الحج أما لو قصد موضعا من الحل كخليص وجدة حل له مجاوزته بلا إحرام فإذا حل به التحق بأهله فله دخول مكة بلا إحرام.

وفى الشامى: (قوله: فله دخول مكة بلا إحرام) أى ما لم يرد نسكا.

لہٰذا صورت مسئولہ میں اس شخص پر پہلی مرتبہ حدود حرم میں داخل ہونے کی وجہ سے کچھ بھی واجب نہیں ہوا؛ کیونکہ میقات سے تجاوز کے وقت دخول حرم کا قصد نہیں تھا، پھر دوسری مرتبہ بھی جب حج یا عمرہ کے سوا کسی دوسرے کام سے مکہ مکرمہ گیا اور طواف بھی کرلیا تو کچھ حرج نہیں، جیسا کہ عبارات مذکورہ بالا سے معلوم ہوا، فقط۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: محمد اسرائیل عفی عنہ، ۲۲/۷/۱۴۹۴ھ۔

الجواب صحیح: عبدالحلیم عفی عنہ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۳۳۱/۳-۳۳۳)

مدینہ منورہ سے جدہ جانے جانے والا پھر مکہ مکرمہ میں آنے کے لیے احرام کہاں سے باندھے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم مکہ معظّمہ سے ایک ہزار کلومیٹر دور رہتے ہیں ہمارا میقات طائف ہے اب مثلا ہم عمرہ سے فارغ ہوکر مدینہ منورہ چلے گئے اور پھر جدہ آ گئے اب سوال یہ ہے کہ میرا دوست مکہ میں رہتا ہے کیا میں اب جدہ شہر سے احرام برائے مکہ باندھوں گا یا بغیر احرام کے جاسکتا ہوں؟ یا واپس مدینہ منورہ جا کر احرام باندھوں گا؟ بینوا توجروا۔ (المستفتی: حضرت شیر محطۃ الفلاح خمیس مشیط، ۶/۷/۱۹۸۶ء)

الجواب ______________

مدینہ منورہ سے روانگی کے وقت اگر آپ مکہ معظّمہ کے قاصد تھے تو آپ بیر علی وغیرہ میقات سے احرام عقد کریں گے، (۱) اور اگر آپ جدہ کے قاصد تھے اور مکہ مکرمہ کو اتفاقاً روانگی ہوئی تو آپ جدہ سے احرام عقد کریں گے۔ (۲) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۴/۲۷۸)

یلملم سے احرام:

سوال: زید نے جہاز میں یلملم پر احرام نہیں باندھا، حالاں کہ دوسرے عوام اور اہل علم نے وہیں احرام باندھا اور زید کو بھی کہا؛ لیکن زید نے جدہ پہنچ کر احرام باندھا تو کیا ایسی حالت میں احرام کے میقات سے مؤخر ہونے کی وجہ سے زید پر دم یا فدیہ لازم آئے گا، یا نہیں؟ اگر ہوگا تو کیا لازم ہوگا اور اس کو ہندوستان ہی میں ادا کرنا کافی ہوگا، یا حرم میں بھیجنا ضروری ہوگا؟

الجواب ______________ حامداً و مصلیاً

عامۃ علمائے اہلِ ہند یلملم پر احرام باندھنے کو لازم فرماتے ہیں۔ میقات سے بغیر احرام گزر جانا حاجی کے حق میں جنایت ہے، جس کی وجہ سے دم لازم ہوگا؛ (۳) یعنی ایک بکری کی قربانی کی جائے گی اور یہ قربانی ہندوستان میں کافی

---

(۱) قال العلامة الحصكفي: والمواقيت ذوالحليفة مكان على ستة اميال من المدينة وعشر مراحل من مكة تسميها العوام آبيار على رضى الله عنه. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار: ۱٦٦/۲، ملطب فى المواقيت)

(۲) وفى الهندية: ومن جاوز وقته غير محرم ثم أتى وقتا آخر اقرب منه واحرم جاز ولا شيىء عليه ولو جاوز الميقات ويريد بستان بنى عامر دون مكة فلا شيىء عليه. (۲٥۳/۱، الباب العاشر فى مجاوزة الميقات بغير احرام)

(۳) (من جاوز الميقات) الذى يجب عليه الاحرام منه (غيرمحرم ثم أحرم،لزمه دم). (الدرالمنتقٰى فى شرح الملتقى عليه هامش مجمع الأنهر، كتاب الحج، باب مجاوزة الميقات بلا إحرام: ۳۰۲/۱، ۳۰۳، دارإحياء التراث العربى، بيروت)

فإن أحرم بالحج أوبالعمرة قضاء لما عليه من ذلك لمجاوزته الميقات، ولم يرجع إلى الميقات، فعليه دم؛ لأنه جنى على الميقات، لمجاوزته إياه من غير إحرام، ولم يتداركه، فيلزمه الدم جبراً، إلخ. (بدائع الصنائع، فصل: وأما بيان مكان الإحرام: ۱٦٤/۳، دارالكتب العلمية، بيروت)

نہیں؛ بلکہ روپیہ دے کر کسی کو ذمہ دار بنادیا جائے کہ وہ حرم میں قربانی کردے، یہی احوط ہے۔(۱) اگرچہ بعض حضرات اس کے بھی قائل ہیں کہ جدہ پہونچ کر احرام باندھنے کی بھی گنجائش ہے؛ اس لیے کہ ہندوستان سے جاتے وقت نہ یلملم درمیان میں آتا ہے، نہ یلملم کی محاذات ہوتی ہے۔(۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/ ۳۷۵-۳۷۶)

---

(۱) ولایجوز ذبح الهدایا إلا فی الحرم؛ لأن الهدی إسم لما یهدی إلٰی مکان، ومکانه الحرم. (الفقه الإسلامی وأدلته خامساً: مکان ذبح الهدی وزمانه: ۳/ ۲۳۶۸، رشیدیة)

قال: (والکل بالحرم): أی کل دم یجب علی الحاج یختص بالحرم، لقوله تعالیٰ: ﴿هدیاً بالغ الکعبة﴾ إلخ. (تبیین الحقائق، باب الهدی: ۲/ ٤٣٤، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس)

(۲) اور یہ ظاہر ہے کہ اہلِ ہند کے لیے یلملم کی محاذات کسی بہتر طریقہ سے نہیں معلوم ہوتی، لہٰذا جدہ بھی ان کے لیے میقات ہے... پرانی کتابوں میں اسی کو اہلِ ہند کی میقات لکھا چلا آتا ہے؛ لیکن حال کے بعض ممتاز فاضلوں نے، جن کی نظر فقہ کے ساتھ جغرافیہ پر بھی ہے، صاف صاف لکھا ہے کہ ہندی حاجیوں کے لیے بجائے یلملم کے مفروضہ میقات کے جدہ؛ بلکہ چند میل بعد سے احرام باندھنا جائز ہے۔ (زبدۃ المناسک، مواقیت الاحرام، حج اور عمرے کا بیان، ص: ۶۲، سعید) (ومعلم الحجاج، ص: ۱۰۳، ادارۃ القرآن کراچی) (وقرۃ العینین فی زیارۃ الحرمین، ص: ۴۹، ۵۰، شہزادہ ٹرسٹ)

حضرت مولانا مفتی عبد الرحیم لاجپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے پاک وہند کے حجاجِ کرام کے میقات ''یلملم'' میں اسی قسم کا اختلاف نقل کیا ہے اور جن حضرات کی عبارات نقل کی ہیں، ان سے احتیاطی پہلو یہی نکل آتا ہے کہ یلملم کے محاذات سے پہلے ہی احرام باندھا جائے، البتہ اگر بغیر احرام ہی کے گذر جائے تو اس صورت میں بھی اس پر دم لازم نہیں ہے، لیکن ہوائی جہاز پر سفر کرنے والے کو بہر حال پہلے ہی سے احرام باندھنا لازم ہے۔ فرماتے ہیں:

سوال (۱) ''جو حضرات بحری جہاز سے حج بیت اللہ کے لیے جاتے ہیں، ان کو کب احرام باندھنا چاہیے؟ ان لوگوں کا خیال یہ ہے کہ جدہ پہنچ کر احرام باندھ سکتے ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟ اگر ان کا قول صحیح نہیں ہے اور کسی نے کسی وجہ سے جدہ تک احرام مؤخر کردیا تو لازم ہوگا، یا نہیں؟

سوال (۲) اور جو حجاج کرام ہوائی جہاز سے سفر کرتے ہیں ان کو کب احرام باندھنا چاہیے؟ کیا یہ لوگ جدہ پہنچ کر احرام باندھیں تو صحیح ہے، یا نہیں؟ یا دم لازم ہوگا، یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب (۱) ''ہندوستان (یا پاکستان) والوں کا مقیات یلملم ہے، لہٰذا جو حجاجِ کرام مکہ معظّمہ جانے کا ارادہ رکھتے ہیں، ان کو یلملم، یا اس کے محاذ سے پہلے پہلے احرام باندھ لینا چاہیے۔

ہمارے زمانہ میں جو حجاج کرام ہندوستان (یا پاکستان) سے بحری راستہ سے سفر کرتے ہیں، وہ جدہ تک احرام مؤخر کرسکتے ہیں، یا نہیں؟ اس بارے میں ہمارے زمانہ کے اکابرین علما کی تحقیق میں اختلاف ہے: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ ''بحری جہاز سے سفر کرنے والے حجاج کرام کے لیے جدہ تک احرام مؤخر کرنا جائز ہے''۔ آپ فرماتے ہیں کہ ''بحری جہاز یلملم سے آگے جو جدہ کی طرف تجاوز کرتا ہے، وہ تجاوز آفاق میں ہوتا ہے، جہتِ حرم میں نہیں ہے''۔

لہٰذا اگر جدہ تک احرام مؤخر کریں تو جائز ہے، موجبِ دم نہیں۔ صاحب زبدۃ المناسک حضرت مولانا الحاج شیر محمد صاحب سندھیؒ اور حضرت مولانا محمود منظور نعمانی صاحب مدظلہم العالی کی بھی یہی تحقیق ہے۔ ==

ہندوستانیوں کے لیے میقات یلملم ہے، یا جدہ:

سوال: یلملم پہاڑی جو ہندوستان کے لیے میقات ہے، وہاں کے بجائے جدہ پہونچ کر احرام باندھنے میں کوئی

== اس کے بالمقابل حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ (پاکستانی) اور مولانا مفتی ولی ٹونکی (پاکستانی) کی تحقیق یہ ہے کہ یلملم کی محاذات جدہ سے پہلے آجاتی ہے اور بحری جہاز جدہ پہنچنے سے پہلے ہی محاذات میقات سے تجاوز کر کے حدودِ حل میں داخل ہوجاتا ہے؛ اس لیے ہندوستان وپاکستان کے حجاج کرام کو سمندر میں یلملم کی محاذات سے ہی احرام باندھ لینا ضروری ہے، اگر اس سے تاخیر کریں گے تو محاذاتِ میقات سے بلا احرام گزرنے کی وجہ سے دم بھی لازم ہوگا اور گناہ بھی ہوگا۔

لہٰذا بہتر یہی ہے کہ جدہ آنے سے پہلے پہلے یلملم کی محاذات پر احرام باندھ لیا جائے، اسی میں احتیاط ہے، چنانچہ حضرت محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے بھی یہی تحریر فرمایا ہے، فرماتے ہیں:

''ایسے حالات میں کہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف رائے ہے، احتیاط اسی میں ہے کہ بحری جہاز میں یلملم ہی سے احرام باندھ لیں، یا ساحلِ جدہ پر اترنے سے پہلے احرام باندھ لیں، کیونکہ حسبِ تصریحِ فقہاء محلِ اختلاف میں احتیاط کا پہلو اختیار کرنا بہتر ہے تاکہ اپنی عبادت کے جواز میں کسی کا اختلاف نہ رہے۔

اس کے علاوہ احرام کو میقات سے پہلے باندھنا سب ہی کے نزدیک افضل ہے؛ بلکہ بعض روایات حدیث میں اپنے گھر سے ہی احرام باندھ کر چلنے کی فضیلت آئی ہے، شرط یہ ہے کہ محظوراتِ احرام میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو اور جس کو یہ خطرہ ہو کہ محظوراتِ احرام سے بچنا اس تمام عرصہ میں اس کے لیے مشکل ہوگا، اس کے لیے آخری حد تک مؤخر کرنا بہتر ہے، ایسے شخص کو آخری حد میں اتنی احتیاط کر لینا چاہیے کہ اس کا احرام علما کے اختلاف سے نکل جائے''۔ (جواہر الفقہ: ۱/۴۸۹)

اس اختلاف رائے کی بنا پر بہتر صورت وہی ہے جو اوپر درج ہوئی کہ جدہ سے پہلے ہی یلملم کی محاذات پر احرام باندھ لیا جائے؛ لیکن اگر کسی نے غلطی سے، یا کسی مجبوری سے جدہ تک احرام مؤخر کر دیا تو اس پر دم کا لزوم نہ ہوگا؛ مگر احتیاطاً دم دے دے تو بہتر ہے۔ فقط

الجواب (۲) جو حجاج کرام ہندوستان (یا پاکستان) سے مکہ مکرمہ جانے کے لیے ہوائی جہاز سے سفر کرتے ہیں، ان کو ہوائی جہاز میں سوار ہونے سے قبل احرام باندھ لینا چاہیے، جدہ تک مؤخر کرنا جائز نہیں، اگر مؤخر کریں گے تو گناہ بھی ہوگا اور دم بھی لازم ہوگا؛ اس لیے کہ ہوائی جہاز حدود میقات سے گذر کر جدہ پہنچتا ہے اور ہوائی جہاز کے مسافروں کو یہ معلوم ہونا مشکل ہے کہ جہاز کس وقت حدودِ میقات کے اندر داخل ہوگا اور اگر حدود میقات کا علم ہو بھی جائے تو اس سے پہلے پہلے احرام باندھ کر فارغ ہونا مشکل ہے؛ اس لیے کہ ہوائی جہاز بہت ہی تیز رفتاری کے ساتھ پرواز کرتا ہے اور ساتھ ساتھ اس وقت احرام باندھنے میں احرام کے سنن ومستحبات کی رعایت بھی مشکل ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''آج کل ان ممالکِ مشرقیہ سے آنے والے حجاج کے لیے راستے دو ہیں: ایک ہوائی، دوسرا بحری۔ ہوائی جہازوں کا راستہ عموماً خشکی کے اوپر سے براہِ ''قرن المنازل'' ہوتا ہے، ہوائی جہاز ''قرن المنازل'' اور ''ذات عرق'' دونوں میقاتوں کے اوپر سے گزرتے ہوئے اول حل میں داخل ہوجاتے ہیں اور پھر جدہ پہنچتے ہیں؛ اس لیے ہوائی سفر میں تو قرن المنازل کے اوپر آنے سے پہلے پہلے احرام باندھنا لازم وواجب ہے اور چونکہ ہوائی جہازوں میں اس کا پتہ چلنا تقریباً ناممکن ہے کہ کس وقت اور کب یہ جہاز قرن المنازل کے اوپر سے گزرے گا؛ اس لیے اہل پاکستان وہندوستان کے لیے تو احتیاط اسی میں ہے کہ ہوائی جہاز میں سوار ہونے سے قبل ہی احرام باندھ لیں، اگر بغیر احرام باندھے ہوئے ہوائی جہاز کے ذریعہ جدہ پہنچ گئے تو ان کے ذمہ دم یعنی قربانی ایک بکرے کی واجب ہوجائے گی اور گناہ اس کے علاوہ ہوگا، جس کی وجہ سے حج ناقص رہ جاتا ہے، مقبول ہوتا، بہت سے حجاج اس میں غفلت کرتے ہیں''۔ (جواہر الفقہ: ۱/۴۶۷، ۴۷۵، عمدۃ الفقہ: ۴/۹۲) فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الحج، باب: احرام سے متعلق احکامات: ۶/۳۷۶، ۴۷، دارالاشاعت کراچی)

حرج تو نہیں؟ کہتے ہیں: ''جدہ بھی حرم سے باہر ہے''، لہٰذا وہاں سے احرام باندھنے میں بھی کوئی حرج نہیں؛ مگر افضل واحسن کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

افضل واحوط یہی ہے کہ یلملم سے احرام باندھا جائے۔ اسلاف کا معمول بھی یہی آرہا ہے، گو اب جغرافیہ کی رو سے بعض حضرات نقشے دیکھ کر یہ بتلاتے ہیں کہ جہاز میں یلملم کی محاذات بھی نہیں آتی، لہٰذا جدہ سے قبل احرام باندھنا لازم نہیں۔(۱) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۱۰/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۱۰/۲۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۸۱/۱۰)

پانی کے جہاز سے جانے والا ہندوستانی کہاں سے احرام باندھے:

سوال: ہندوستان سے پانی کے جہاز سے جانے والے حجاج کو بمطابقِ شرح احناف احرام کہاں سے باندھنا چاہیے؟ کس جگہ سے واجب ہے اور کس جگہ سے فرض؟ احناف کا فتویٰ کس پر ہے؟ بندہ حج کا ارادہ رکھتا ہے، حرم کہاں سے شروع ہوتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

پانی کے جہاز سے جانے کے لیے جو قدیم ایام سے راستہ تھا تو یلملم کی محاذات پر پہونچ کر احرام باندھا جاتا تھا، یہی ہندوستان کے اکابر علما وفقہا کا معمول رہا، اب بھی احوط یہی ہے، اگرچہ موجودہ اہلِ جغفرافیہ کا قول یہ ہے کہ اب راستہ میں نہ یلملم آتا ہے اور نہ اس کی محاذات آتی ہے؛ بلکہ جدہ سے احرام باندھنا لازم ہے؛ مگر احتیاط کا تقاضا وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا، وہاں جہاز سیٹی دیتا ہے اور عامۃ حج کو جانے والے احرام باندھتے ہیں، حدود حرم جدہ سے آگے چل کر شروع ہوتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ ''معلم الحجاج'' ساتھ رکھیں، اس میں مسائلِ حج اور مواقیت کی پوری تفصیل مذکور ہے۔(۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود یہ غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۲/۲۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۸۰-۳۷۹/۱۰)

---

(۱) ''اور یہ ظاہر ہے کہ اہلِ ہند کے لیے یلملم کی محاذات کسی بہتر طریقہ سے نہیں معلوم ہوتی، لہٰذا جدہ بھی ان کے لیے میقات ہے۔۔۔ پرانی کتابوں میں اسی کو اہلِ ہند کی میقات لکھا چلا آتا ہے، لیکن حال کے بعض ممتاز فاضلوں نے جن کی نظر فقہ کے ساتھ جغرافیہ پر بھی ہے، صاف صاف لکھ رہا ہے کہ ہندی حاجیوں کے لیے بجائے یلملم کے مفروضہ میقات کے جدہ بلکہ چند میل بعد سے احرام باندھا جائز ہے''۔ (زبدۃ المناسک، مواقیت الاحرام، حج اور عمرے کا بیان، ص: ۶۲، سعید) (ومعلم الحجاج، ص: ۱۰۳، ادارۃ القرآن کراچی) (وقرۃ العینین فی زیارۃ الحرمین، ص: ۴۹، ۵۰، شہزادہ ٹرسٹ، نیز دیکھئے: فتاوی رحیمیہ، کتاب الحج، باب: احرام سے متعلق احکامات: ۶/ ۴۳، ۴۷، دارالاشاعت کراچی)

(۲) المواقیت التی لا یجوز أن یجاوزها الإنسان إلا محرماً خمسة: لأهل المدینة ذو الحلیفة، ولأهل العراق ==

سمندری جہاز سے حج کے لیے جانے پر احرام کہاں سے باندھا جائے:

سوال: اب تک حجاج کرام جو سمندری جہاز سے جاتے ہیں، وہ یلملم کے محاذات (جو سمندر کے اندر ہیں، اب تک ذی النور کے موافق پڑتا ہے) احرام باندھ لیتے ہیں؛ لیکن اب چند سال سے اچھے لوگ یعنی علما کا طبقہ جو سمجھدار ہے، وہ جدہ سے احرام ہر دو صورت میں جائز بتلاتے ہیں اور خود بھی اس پر عمل کرتے ہیں، جیسا کہ مشاہدہ ہوا ہے تو کیا جدہ سے احرام باندھ سکتے ہیں؟ جدہ سے احرام ہر دو صورت یعنی بذریعہ طیارہ اور بذریعہ سمندری جہاز جائز ہے، یا نہیں؟

(ولی اللہ خان، نشان پاڑا روڈ، بمبئی)

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

ابتدائی دور میں جب تک یہ بڑے بڑے جہاز جاری نہ ہوئے تھے، اس وقت ہندوستان سے جانے والے عموماً

== ذات عرق، ولأهل الشام جحفة، ولأهل نجد قرن، ولأهل يمن يلملم ... وكل من قصد مكة من طريق غير مسلوك أحرم إذا حاذى ميقاتا من هٰذه المواقيت، كذا في محيط السرخسي. (الفتاوٰى الهندية، الباب الثاني في المواقيت: ۲۲۱/۱، رشيدية)

كذا روى في الحديث: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم وقت لأهل المدينة ذا الحليفة، ولأهل الشام الجحفة، ولأهل نجد قرن، ولأهل اليمن يلملم، ولأهل العراق ذات عرق هن لأهلهن، ولمن مربهن من غير أهلهن ممن أراد الحج أو العمرة. (صحيح البخاري، كتاب الحج، باب ميقات أهل المدينة، رقم الحديث: ۱۵۲۵)/(الصحيح لمسلم، كتاب الحج، باب مواقيت الحج والعمرة، رقم الحديث: ۱۱۸۲، سنن النسائي، كتاب مناسك الحج، باب ميقات أهل نجد، رقم الحديث: ۲۶۵۵، انيس)

فأما إذا قصدها من طريق غير مسلوك، فإنه يحرم إذا بلغ موضعاً يحاذي ميقاتاً من هٰذه المواقيت؛ لأنه إذا حاذٰى ذلك الموضع ميقاتاً من المواقيت، صار في حكم الذي يحاذ به في القرب من مكة ولو كان في البحر. (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل. وأما بيان مكان الإحرام: ۳/ ۱۵۹، ۱۶۲، دار الكتب العلمية بيروت)/وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۵۵، ۵۵۶، رشيدية)

''جب بحری راستہ سے کوئی جدہ میں آئے تو چوں کہ جدہ مکہ مکرمہ سے دو منزل دور ہے اور اس سے آگے محاذ معلوم نہیں ہے۔ حضرت مولانا خلیل احمدؒ نے بھی یہی فرمایا ہے۔ امداد الفتاوی کے خامسہ حصہ کے، ص:۱۵۱، پر حضرت مہاجر مدنی کی تحریر درج ہے، مناسک ملا علی قاری میں عبارت موجود ہے: ''وأن يعلم المحاذاة فعلى مرحلتين'' اور یہ ظاہر ہے کہ اہل ہند کے لیے یلملم کی محاذات کسی معتبر طریقہ سے نہیں معلوم ہوئی، لہٰذا جدہ بھی ان کے لیے میقات ہے۔۔۔۔ پھر اس سے آگے وہ محاذ بحر اور جدہ سے اوپر جدہ کی طرف مائل ہو کر جحفہ (رابغ تک چلا جاتا ہے) پرانی کتابوں میں اسی کو اہل ہند کی میقات لکھا چلا آتا ہے؛ لیکن حال کے بعض ممتاز فاضلوں نے جن کی نظر فقہ کے ساتھ جغرافیہ پر بھی ہے، صاف صاف لکھ دیا ہے کہ ہندی حاجیوں کے لیے بجائے یلملم کے مفروضہ میقات کے جدہ؛ بلکہ چند میل بعد سے احرام باندھنا جائز ہے۔ (زبدۃ المناسک، ص:۶۲، سعید) لیکن مفتی عبدالرحیم لاجپوری رحمہ اللہ علیہ کی تحقیق علی حسب النقول اس سے مختلف ہے۔ دیکھئے: (فتاوی رحیمیہ، کتاب الحج، باب: احرام سے متعلق احکامات: ۴۳/۶، ۴۷، دار الاشاعت کراچی) نیز دیکھئے: وقرۃ العینین فی زیارۃ الحرمین، فصل: مواقیت احرام حج وعمرہ کے بیان، ص:۴۹، ۵۰ شہزادہ ٹرسٹ)

حجاج سورت کی بندرگاہ سے چھوٹے جہازوں، یا بادبانی کشتیوں کے ذریعہ سمندر پار کر کے عدن کے آس پاس پہونچ جاتے تھے، پھر وہاں سے سمندر کے کنارے کنارے آگے بڑھتے ہوئے پہنچ جاتے تھے۔

اس درمیان میں بعض جگہ اس خطِ میقاتی کو عبور کرنا پڑتا تھا، یا یلملم اور قرنِ منازل کے درمیان واقع اسی خطہ سے جب تجاوز کرنے کا وقت آجاتا تھا تو جہاز والا اعلان کردیتا تھا اور لوگ احرام باندھ لیتے تھے اور اب ایسا نہیں ہے، اب یہ بڑے بڑے جہاز میقات سے باہر ہی آفاق میں گزرتے ہوئے جدہ پہنچ جاتے ہیں اور جحفہ اور جدہ کے درمیان جو خطِ میقاتی ہے، وہ جدہ سے آدھ میل آگے مقامِ شمشیہ پر سے گزرتا ہے، وہاں چوں کہ کوئی نشان، یا علامت نہیں ہے کہ وہاں پہونچ کر ٹھہرے اور بغیر احرام باندھے آگے نہ بڑھے۔

اور مسئلہ یہ ہے کہ جب کوئی آفاقی آفاق میں گزرتا ہوا بغیر کسی میقات سے آگے گزرتے ہوئے مکہ مکرمہ کے قریب پہنچنے لگے تو جب مکہ مکرمہ صرف دو منزل باقی رہ جائے تو احرام باندھ کر آگے بڑھے، بغیر احرام باندھے آگے نہ بڑھے، یہ مسئلہ عالمگیری اور البحرالرائق وغیرہ میں مصرح ہے۔(۱)

البتہ عوام میں ایک پرانا ڈھرا پڑا ہوا ہے کہ اب بھی سمندر کے اندر آفاق ہی میں بغیر شرعی محاذات کے پیدا ہوئے احرام باندھ لیتے ہیں اور چوں کہ میقات سے قبل بلکہ اپنے گھر سے احرام باندھ کر جانا منع، یا مکروہ نہیں ہے؛ اس لیے علما اس پر نکیر نہیں فرماتے۔

پانی کے جہازوں کے ذریعہ آج کل جانے والوں کے لیے یہی حکم ہے، اس کو احقر نے ایک طویل جواب میں جو کہ حج رسالہ جیسا ہوگیا ہے اور وہ مواقیت خمسہ کے نام سے ہے، رسالہ دارالعلوم میں شائع ہوچکا ہے، اگر وہ مل جائے تو وہ رسالہ دارالعلوم سے طلب فرما کر ملاحظہ فرمالیجئے۔

باقی ہوائی جہاز سے جانے والوں کو یہ شبہ ہو کہ یہ جہاز کسی خطِ میقاتی سے تجاوز کر کے اور خطِ میقاتی کے اوپر سے گزرے گا تو انہیں چاہیے کہ بمبئی ہی سے احرام باندھ کر احتیاطاً سوار ہوں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور، ۱۴/۱۱/۱۴۰۱ھ۔(منتخبات نظام الفتاویٰ:۲/۲۵-۲۷)

ہوائی جہاز سے سفر کرنے والا احرام کہاں سے باندھے:

سوال: ایک شخص حج کی غرض سے حرمین شریفین کا ارادہ کرتا ہے ہوائی جہاز سے جانا چاہتا ہے تو احرام کہاں سے باندھے خلاصہ تحریر فرماویں؟

---

(۱) ثم الآفاقي إذ انتهٰى علٰى قصد دخول مكة عليه أن يحرم قصد الحج أو العمرة عندنا،أولم يقصد لقوله صلى اللّٰه عليه وسلم:لايجاوزأحد الميقات إلا محرماً ولولتجارة،ولأن وجوب الإحرام لتعظيم هٰذه البقعة الشريفة،فيستوي فيه التاجروالمعتمروغيرهما.(رد المحتار، كتاب الحج: ۹۳۱/۲)

الجواب ـــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

ہندستان کی اصل میقات یلملم ہے، محاذات سے آگے بڑھنا بلا احرام کے ناجائز ہے اور اس کے قبل احرام باندھ لینا جائز ہے؛(۱) اس لیے بہتر یہ ہے کہ بمبئی ہی سے احرام باندھ لیں، ورنہ پھر یلملم، یا جو بھی میقات آئے اور اس کے محاذات پر پہنچے تو احرام ضرور باندھ لے، اس سے آگے بلا احرام نہ بڑھیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور، ۱۸/۱۰/۱۳۸۵ھ۔ الجواب صحیح محمود عفی عنہ۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ:۲/۲۵)

بذریعہ جہاز سفر ہو تو احرام کہاں باندھا جائے:

سوال: کلکتہ سے بذریعہ ہوائی جہاز سفر ہے، ایسی حالت میں احرام کلکتہ سے ہی باندھوں، یا پھر وہاں جاکر احرام باندھ سکتا ہوں اور نیت کرسکتا ہوں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

صورت مسئولہ میں اگر آپ کلکتہ ہی سے احرام باندھ لیں تو اچھا ہے، ورنہ یلملم جو جدہ سے پہلے ایک مقام ہے وہاں پہنچ کر آپ کے لیے احرام باندھنا ضروری ہے، اس سے آگے بغیر احرام باندھے جانا شرعاً درست نہیں ہے۔

والمواقيت التي لايجوزأن يجاوزها الإنسان إلا محرماً خمسة لأهل المدينة ذوالحليفة ولأهل العراق ذات عرق ولأهل الشام جحفة ولأهل نجد قرن ولأهل اليمن يلملم. (الهداية، فصل فی المواقيت: ۲۳٤/۱)**فقط واللّٰہ تعالٰی أعلم**

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۴/۱۲/۱۴۱۶ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۳/۲۳۲)

یلملم سے تمتع کا احرام باندھ کر مدینہ جائے پھر حج کرے تو متمتع ہوگا، یا نہیں:

سوال: اگر یلملم سے تمتع کا احرام باندھ کر جدہ سے براہ ینبوع یا رابغ مدینہ منورہ بقصد زیارت جائے، پھر بعد زیارت جب مکہ معظّمہ آئے تو اس صورت میں بسبب تاخیر عمرہ یا حالت احرام میں باہر جانے کی وجہ سے تمتع میں تو کچھ حرج نہ ہوگا؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ

یلملم سے تمتع کا احرام بشرطیکہ اشہر حج سے باندھا ہو اور جدہ سے براہ ینبوع، یا رابغ مدینہ منورہ جائے اور واپس آکر عمرہ اور حج ادا کرے (تو اس صورت میں) متمتع ہوگا اور خروج وتاخیر سے کچھ حرج نہیں ہوگا؛ کیوں کہ شرائط تمتع کے کوئی امر منافی نہیں پایا گیا۔ فقط

حررہ خلیل احمد عفی عنہ (فتاویٰ مظاہر علوم:۱/۱۵۹-۱۶۰)

---

(۱) **وحرم تأخيرالإحرام عنها كلها لمن أی لآفاقی وقصددخول مكة يعنی الحرم ... ولايحرم التقديم للإحرام عليهابل هوالأفضل أن فی أشهر الحج وأمن علٰی نفسه.** (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳/۳۸٤)

''جدہ'' کی حیثیت کیا ہے:

اس وقت سعودی عرب میں عازمین حج کی آمد کا سب سے بڑا مرکز شہر ''جدہ'' ہے جو بحر احمر کے ساحل پر آباد ہے، یہاں نہایت عظیم الشان وسیع وعریض ایئرپورٹ ہے اور دنیا کی اہم ترین بندرگاہ ہے۔ جدہ سے مکہ معظّمہ کا فاصلہ تقریباً ۸۰/کلومیٹر ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ جدہ حج وعمرہ کے مسائل میں ''حل'' میں ہے، یا ''آفاق'' میں؟ اگر ''حل'' میں ہے تو یہ میقات کے اندر ہے، یا بجائے خود میقات ہے؟ چوں کہ اس موضوع پر علما نے بہت زیادہ بحثیں کی ہیں، اس لیے تمام مباحث وجزئیات سامنے رکھ کر راقم الحروف نے جو سمجھا ہے، وہ یہ ہے کہ جو شخص آفاق سے ایسے راستہ سے جدہ پہنچے کہ اس کا گزر کسی عین میقات سے نہ ہو، مثلاً مصر اور سوڈان سے بحری راستہ سے آنے والے لوگ، یا افریقہ اور مغرب وغیرہ سے ہوائی راستہ سے آنے والے حجاج تو ان کے لیے جدہ اکثر علما کے نزدیک میقات کے حکم میں ہے، لہذا وہ جدہ آ کر احرام باندھ سکتے ہیں، پہلے سے احرام باندھنا ان پر لازم نہیں ہے؛ لیکن جو حضرات مذکورہ پانچ متعینہ مواقیت میں سے کسی عین میقات سے گزر کر آئیں، مثلاً مدینہ منورہ سے طریق الہجرۃ سے مکہ معظّمہ جانے والا شخص یقیناً ''ذوالحلیفہ'' سے گذرے گا، جو متعین میقات ہے، اب اگر وہ ذوالحلیفہ سے احرام نہ باندھے؛ بلکہ جدہ آ کر احرام باندھے تو اس کے لیے جدہ میقات نہیں ہے؛ کیوں کہ فقہا کا اصول ہے کہ عین میقات سے گزرنے والے کے لیے بعد میں محاذات سے گزرنے کا کوئی اعتبار نہیں'' اور جدہ عین میقات نہیں؛ بلکہ محاذات یا مسافت کے اعتبار سے میقات کے حکم میں ہے؛ اس لیے مدینہ سے خشکی کے راستہ سے آنے والے شخص کے لیے جدہ تک احرام کو مؤخر کرنا جائز نہیں ہوگا، لہذا اگر وہ جدہ سے احرام باندھے گا تو مذکور اصول کے مطابق اس پر دم جنایت واجب ہونا چاہیے، البتہ مدینہ منورہ سے بذریعہ ہوائی جہاز جدہ آنے والے شخص کا گذر عین میقات ذوالحلیفہ سے نہیں ہوتا؛ بلکہ وہ ''ذوالحلیفہ'' کی محاذات سے گزر کر جدہ پہنچتا ہے، لہذا ایسی صورت میں اگرچہ اولیٰ یہی ہے کہ پہلی محاذات سے قبل احرام باندھ لیا جائے؛ لیکن دوسری محاذات تک مؤخر کرنے کی بھی گنجائش ہے، لہذا مدینہ منورہ سے ہوائی سفر کر کے جدہ آ کر احرام باندھنے کی گنجائش ہوگی۔

ہندو پاک اور دیگر مشرقی علاقوں سے جو ہوائی جہاز جدہ جاتے ہیں، ان کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ''قرن المنازل'' کی عین میقات سے گزرتے ہیں، لہذا مذکورہ اصول کے تحت ہوائی سفر کرنے والے حجاج کے لیے ''قرن المنازل'' کی میقات سے قبل احرام باندھنا لازم ہے اور جدہ تک احرام کو مؤخر کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر یہ تحقیق ہو جائے کہ جہاز کا گذر عین ''قرن المنازل'' سے نہیں ہوا؛ بلکہ اس کی محاذات سے ہوا ہے تو ایسے لوگوں کے لیے جدہ جا کر بھی احرام باندھنے کی گنجائش ہو سکتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جدہ کلی طور پر مطلق میقات نہیں ہے؛ بلکہ اسے محاذات یا مسافت کے اعتبار سے ہی میقات کے حکم میں رکھا گیا ہے۔(۱) واللہ تعالیٰ اعلم

ولولم یمربها تحری وأحرم إذا حاذی أحدها وأبعدها أفضل. (الدرالمختار) **وقال الشامی: كذا فی الفتح ،ومفاده أن وجوب الإحرام بالمحاذاة إنما يعتبر عند عدم المرور علی المواقيت،أما لو مر عليها فلا يجوز له مجاوزة آخر ما يمر عليه منها، وإن كان يحاذی بعده ميقاتاً آخر.** (رد المحتار: ٤٢٦/٣،بيروت،ومثله فی الفتاویٰ الهندية: ٢٢١/١،البحر الرائق: ٥٥٧/٢،زكريا)

تنبيه : فلو مر بميقات ومحاذاة الثانی لا تعتبر المحاذاة. (غنية الناسک:٥٣)

تنبيه : فلو كان يمر بواحد منها عيناً فلا تعتبر المحاذاة بعده. (غنية الناسک: ٥٤)

وإن لم يعلم الحاذاة فعلى مرحلتين عرفيتين من مكة كجدة من طرف البحر، فإنها على مرحلتين عرفيتين من مكة وثلاث مراحل شرعية. (غنية الناسک: ٥٤،ومثله فی الفتاویٰ الهندية: ٢٢١/١،فتح القدير: ٤٢٦/٢،البحر الرائق: ٥٥٧/٢،زكريا)(۲)

أما لو قصد موضعاً من الحل كخليص وجدة حل له مجاوزنة بلا إحرام. (الدرالمختار: ٤٢٧/٣، بيروت،الدر المنتقی: ٣٩٣/١)

ومما يجب التيقظ له سكان جدة الخ، وأهل الأ ودية القريبة من مكة غالباً يأتون فی سادس أوسابع ذی الحجة بلا إحرام ،ويحرمون للحج من مكة فعليهم دم المجاوزة لكن بعد توجههم إلی عرفات ينبغی سقوطه عنهم بوصولهم إلی أول الحل ملبيين. (غنية الناسک: ٥٧،ومثله فی منحة الخالق: ٥٥٩/٢،زكريا،شامی: ۳/ ۴۸۴،زكريا) (۳) (کتاب النوازل: ۳۴۱/۷)

---

(۱) راقم الحروف نے اس موضوع پر مفتی مدینہ منورہ حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلندشہری مہاجر مدنی نوراللہ مرقدہ سے ایک طویل گفتگو کی تھی،موصوف کی رائے بھی یہی تھی کہ جو شخص کسی عین میقات سے گزر کر آیا ہو،اس کے لیے کوئی بھی محاذاتی جگہ بشمول جدہ میقات نہیں بن سکتی،اسے کسی نہ کسی عین میقات پر واپس جانا پڑے گا۔

(۲) نوٹ: شہر ''جدہ'' جحفہ (رابغ) اور ''یلملم'' کے درمیان واقع ہے،اب اگر نقشہ کے اعتبار سے جحفہ سے یلملم تک لکیر کھینچی جائے تو یہ لکیر مقام ''بحرہ'' سے گزرتی ہے، جو جدہ سے کچھ فاصلہ پر مکہ معظمہ کے راستہ پر واقع ہے،اس اعتبار سے جدہ ''حل'' سے باہر ہو جاتا ہے،جیسا کہ ''زبدۃ المناسک'' میں حضرت مولانا شیر محمد صاحب سندھیؒ نے ایک نقشہ بنا کر اس کی وضاحت فرمائی ہے؛لیکن بہت سے جزئیات سے یہ واضح ہے کہ فقہا نے جدہ کو ''حل'' کے اندر شمار فرمایا ہے اور آج تک لوگوں کا عمل بھی اسی پر ہے کہ جدہ کو حل میں داخل سمجھتے ہیں اور جدہ کے لوگ بے تکلف احرام کے بغیر مکہ معظّمہ آتے جاتے ہیں؛اس لیے جدہ کو اقرب المواقیت یعنی ''قرن النازل'' کے بقدر مسافت (۸۰ کلومیٹر) پر واقع ہونے کے اعتبار سے حل میں داخل ماننا چاہیے، جو آفاق والوں کے لیے بحکم میقات ہے۔

(۳) اہل علم حضرات ''جدہ'' کے متعلق مزید بحث کے لیے درج ذیل کتابوں کا مطالعہ فرما سکتے ہیں:

(۱) زبدۃ المناسک،مؤلفہ: مولانا شیر محمد سندھی ۵۵-۶۴۔ (۲) احسن الفتاویٰ،مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ ۵۶۶-۵۷۴ (۳) انوار مناسک،مؤلفہ: مولانا مفتی شبیر احمد صاحب،۲۴۴-۲۴۷۔ (۴) فتاویٰ محمودیہ جدید مطبوعہ ڈابھیل،فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ ۳۷۵-۳۷۹۔اس کے حاشیہ میں بھی اچھی بحث ہے۔

کیا جدہ میقات ہے:

سوال (۱) جدہ کے متعلق علمائے کرام کیا فرماتے ہیں کہ آیا اس کا میقات میں شمار ہے، یا نہیں؟

میقات کا علم نہ ہو تو تحری کرے:

(۲) آفاقی اگر حرم مکہ کا قصد کرے، دخول کے وقت وہ مواقیتِ خمسہ سے داخل نہیں ہوتا؛ بلکہ مواقیت کے مابین جو محاذاۃ ہے، وہاں سے داخل ہوتا ہے تو ایسا شخص احرام کہاں سے باندھے؟ اور ایسے شخص کے لیے محاذات شرط ہے، یا نہیں؟ اگر شرط ہے تو آدمی کس طرح کرے گا؛ کیوں کہ اس کے لیے تو کوئی علامت موجود نہیں، جس پر وہ اعتماد کرسکے؛؟ نیز یہ بھی تحریر فرمائیں کہ محاذات کی تعریف شرعا کیا ہے؟

مکی اگر جدہ جائے تو واپسی پر احرام لازم ہے، یا نہیں:

(۳) مکی، یا وہ شخص جو مکی کے حکم میں ہے، ایسا شخص اگر جدہ چلا جائے تو مکہ عود کرتے وقت اس کے لیے احرام باندھنا واجب ہے، یا نہیں؟ (سائل: ابراہیم میاں، جوہانسبرگ، ساؤتھ افریقہ)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

(۱) جس کے راستہ میں مواقیت مخصوصہ واقع نہ ہوں، یا ان کی محاذات کا علم نہ ہو اور بحری راستہ سے آرہا ہو تو اس کے حق میں جدہ میقات ہے۔

”من سلک: أی طریقاً لیس فیه میقات معین براً أو بحراً، اجتهد إذا حاذیٰ میقات منها): أی من المواقیت المعروفة ... (وإن لم یعلم المحاذاة) ... فعلیٰ رحلتین من مکة) کجدة المحروسة من طرف البحر، آہ“. (شرح المنسک المتوسط)(۱)

(۲) جو میقات مکہ مکہ سے ابعد ہے اس کی محاذات سے احرام افضل ہے، اقرب کی محاذات بھی درست ہے، اگر کوئی بتانے والا نہ ہو تو تحری کرلے۔

کما مراً آنفا من قوله: (اجتهد ومن حذو الأبعد أولیٰ) فإن الأفضل أن یحرم من أول المیقات، وهو الطرف الأبعد من مکة حتیٰ لایمر بشیء مما یسمی میقاتاً غیر محرم ولو أحرم من الطرف الأقرب إلیٰ مکة، جاز باتفاق الأربعة. (۲)

---

(۱) مناسک الملا علی القاری المسمی المنسک المتوسط، فصل فی المواقیت، ص: ۸۰، ۸۱، ادارة القرآن کراتشی

(۲) شرح المنسک المتوسط) (مناسک الملا علی القاری المسی بالمنسک المتوسط، فصل فی مواقیت الصنف الأول، ص: ۸۰، ۸۱، ادارة القرآن کراتشی

وإن سلک بین میقاتین فی البحر أو البر، اجتهد وأحرم إذا حاذیٰ میقات منهما، وأبعدهما أولیٰ بالإحرام منه. (تبیین الحقائق، کتاب الحج: ۲/ ۲۴۶، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۳)　جدہ کو بعض احوال میں ضرورت میقات تسلیم کیا گیا ہے، جیسا کہ جواب نمبر: ا میں ہے، ورنہ وہ درحقیقت حل میں ہے۔مکی آدمی اگر حل میں جائے تو اس کو مکۃ المکرّمہ جانے کے لیے احرام کی ضرورت نہیں۔

”أما لو قصد موضعاً من الحل کخلیص وجدة،حل له مجاوزته بلا إحرام،فإذا حل به،التحق بأهله،فله دخول مكة بلا إحرام“. (ردالمحتار)(۱)

البتہ اگر حج، یا عمرہ کی نیت ہو تو اہلِ حل کو بھی بلا احرام دخولِ مکہ ممنوع ہے۔

”من أراده من أهل الحل لایدخل مکة بلا إحرام،آه“. (الدرالمختار)

”والمراد بالمکی من کان داخل الحرم،سواء کان بمکة أو لا،وسواء کان من أهلها أو لا، فیشمل الآفاقی المفرد بالعمرة والمتمتع والحلال من أهل الحل،آه“. (ردالمحتار)(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲۲/۱۳۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۲۲/۴/۱۳۹۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۳۸۵-۳۸۷)

کسی ضرورت کے لیے مکہ سے جدہ آئے، پھر مکہ جانے کے لیے کیا احرام ضروری ہے:

سوال:　اگر جدہ کو میقات مانا جائے تو مکہ سے جو لوگ کام کاج کے لیے جدہ آتے ہیں، جدہ سے مکہ واپس ہوتے وقت احرام لازم نہ ہونا جواب تحریر فرمایا گیا ہے، اس کی وجہ کیا یہ ہے کہ میقات میں رہنے والا اور جو ان کے حکم میں ہو، کسی ضرورت کے لیے مکہ جائے تو احرام ضروری نہیں ہوتا؟

بعض لوگوں کا خیال یہ تھا کہ جب میقات پر واپس آ گیا ہے تو پھر سے احکام دخول مکہ کے لیے دوسرا احرام ضروری ہوگا؟ مہربانی فرما کر دونوں مسئلوں کا جواب روانہ فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

جس مقام سے بغیر احرام کے آگے حرم کی طرف جانا نہیں، اس مقام سے خروج کے بعد بغیر احرام دوبارہ مکہ معظّمہ جانا درست نہیں، اگر جدہ کو بالفرض میقات تسلیم کیا بھی جائے تو جب جدہ سے نکل جائے گا، پھر دوبارہ داخل ہونا

---

(۱)　ردالمحتار، کتاب الحج،مطلب فی المواقیت: ۲/ ٤٧٨،سعید

”وقیدنا بقصد مکة؛لأن الآفاقی إذا قصد موضعاً من الحل کخلیص،یجوزله أن یتجاوز المیقات غیرمحرم،وإذا وصل إلیه،التحق بأهله“. (البحرالرائق، کتاب الحج: ٥٥٧/٢،رشیدیة)

(۲)　رد المحتار، کتاب الحج،مطلب فی المواقیت: ٤٧٨/٢،مکتبة دار الفکر بیروت ،انیس

(ولداخلها الحل) ... وإنما کان الحل میقاته؛لأن خارج الحرم کله کمکان واحد فی حقه والحرم حد فی حقه کالمیقات للآفاقی،فلا یدخل الحرم عند قصد النسک إلا محرماً.وأما عند عدم هٰذا القصد،فله الدخول بغیرإحرام للحاجة والضرورة. (البحرالرائق، کتاب الحج: ٥٥٩/٢،رشیدیة)

پایا جائے گا تو دوبارہ احرام باندھنا لازم ہوگا، محض جدہ میں داخل ہونے کی وجہ سے دوبارہ احرام لازم نہیں ہوگا، میقات سے تجاوز جب ہوگا کہ جدہ سے دوسری طرف نکل جائے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۷/۱۳۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۷/۱۳۸۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۳۷۸-۳۷۹)

اہل ہند کے لیے جدّہ بھی میقات ہے:

حضرت اقدس حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے تتمہ خامسہ امداد الفتاویٰ ص: ۱۵۱ میں یہ مسئلہ تحریر فرمایا ہے، جس کا عنوان ہے: ''فائدۃ تتعلق بالمسئلۃ السابقۃ'' از خط حافظ عبدالمجید صاحب تھانوی نزیل بمبئی لسفر الحج، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے عرض کیا کہ مدینہ طیبہ کا راستہ بند ہونے کی صورت میں حج بدل کا احرام کہاں سے بندھے گا تو اس کے جواب میں فرمایا کہ حج بدل کا احرام جدّہ سے ہوگا۔ مناسک علی قاری میں عبارت موجود ہے: ''**وإن لم يعلم المحاذات فعلى المرحلتين من مكة كجدة المحروسة من طرف البحر**'' اور یہ ظاہر ہے کہ اہل ہند کے لیے یلملم کی محاذات کسی معتبر طریقہ سے نہیں ہوتی، لہٰذا جدّہ بھی ان کے لیے میقات ہے، آہ۔

۱۷/شعبان ۱۳۳۸ھ (فتاویٰ مظاہر علوم: ۱/۱۶۶)

جدہ تک بغیر احرام کے جانے والا مسافر اگر کسی دوسری میقات سے احرام باندھ لے تو اس پر دَم نہیں:

سوال: ''جواہر الفقہ'' کے ذیل کی عبارت: ''اس لیے اہل پاکستان اور ہندوستان کے لیے تو احتیاط اسی میں ہے کہ ہوائی جہاز میں سوار ہونے کے وقت ہی احرام باندھ لیں، اگر بغیر احرام باندھے ہوئے ہوائی جہاز کے ذریعے جدہ پہنچ گئے تو ان کے ذمہ دم یعنی قربانی ایک بکرے کی واجب ہوجائے گی''۔ میں اشکال ہے کہ میقات سے بغیر احرام گزرنے پر جو دم لازم ہوتا ہے، وہ عود الی المیقات سے ساقط ہوجاتا ہے تو ہوائی جہاز میں مسافر پر اگر دم واجب ہوا؛ لیکن جب وہ جدہ پہنچ گیا اور احرام وہاں سے باندھا تو چاہیے کہ وہ دم ساقط ہوجائے؛ کیوں کہ درمختار میں ہے:

''وحرم تاخير الاحرام عنها. (الدرالمختار) **وقال عليه المحشي: فعليه العود إلى ميقات منها و إن لم يكن ميقاته ليحرم منه وإلا فعليه دم كما سيأتي بيانه في الجنايات.** (تحت مطلب في المواقيت، ج: ۲)

(فإن عاد) إلىٰ ميقات ما (ثم أحرم أو عاد (إلى قوله) سقط دمه. (الدرالمختار، باب الجنايات)

---

(۱) فإن جاوزه، فليس له أن يدخل مكة من غير إحرام؛ لأنه صار آفاقيا. (البحر الرائق، باب الاحرام: ۲/۵٦۰، رشيدية)

(والمكي إذا خرج من مكة لحاجة له، فلم يجاوز الميقات، فله أن يدخل مكة بغير إحرام، وإن جاوز، لم يكن له أن يدخل مكة إلا بإحرام) لما بينا أن من قصد إلىٰ موضع فحاله في حكم الإحرام كحال أهل ذٰلك الموضع. (المبسوط للسرخسي، كتاب المناسك، باب المواقيت: ۲/۱۵۵، حبيبية كوئٹة)

''ونظيره المكي إذا خرج منها أو جاوز الميقات، لا يحل له العود بلا إحرام''. (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في المواقيت: ۲/ ۴۷۸، سعيد)

لیکن اس میں اب یہ بات ذہن میں آئی کہ دم جو بغیر احرام کے میقات سے گزرنے پر لازم ہوتا ہے، وہ تب ساقط ہوتا ہے، جب یہ شخص کسی ایک میقات کو رجوع کرے اور جدہ میقات نہیں، لہٰذا اس سے احرام باندھنے پر وہ دم واجب ساقط نہیں ہوتا ہے، لہٰذا ''جواہر الفقہ'' کی عبارت بظاہر صحیح ہے، اگر چہ جدہ سے احرام باندھنا اس وجہ سے صحیح ہے کہ وہ میقات کا محاذی ہے۔سو حاصل یہ نکلا کہ میقات اور محاذی میقات ان دونوں سے احرام باندھنا صحیح ہے؛ لیکن اگر میقات پر بغیر احرام کے گزرنے سے دم واجب ہو تو وہ عود الی المیقات سے ساقط ہو جائے گا؛ لیکن عود الی محاذی المیقات سے ساقط نہیں ہوگا۔مودبانہ گزارش ہے کہ میری اس رائے کی تصحیح، یا تردید سے مطلع فرمائیں؟

الجواب

عزیز گرامی قدر مولانا محمد سردار صاحب سلمہ

بہت عرصہ قبل آپ نے ایک سوال بھیجا تھا، جو احرام کے بغیر جدہ تک پہنچنے سے متعلق تھا، چوں کہ معاملہ قدرے غور وفکر اور مراجعت کا محتاج تھا؛ اس لیے فوراً جواب نہ دے سکا۔اب کچھ غور کرنے کا موقع ملا تو جواب عرض ہے۔

جواہر الفقہ (۱) میں ہوائی جہاز کے مسافروں کے لیے جدہ تک بغیر احرام چلے جانے پر جو دم کا وجوب لکھا ہے، غور وفکر اور علما سے مشورے کے بعد ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تسامح ہوا ہے، شاید اس وقت ذہن اس طرف گیا ہو کہ مجاوزات قرن المنازل کے میقات کی بغیر احرام ہوئی، لہٰذا پھر عود اس کی طرف نہیں ہوا؛ بلکہ دوسرے میقات کی محاذات کی طرف عود ہوا ہے؛ اس لیے دم ساقط نہیں ہوا؛ لیکن تحقیق سے معلوم ہوا کہ اگر عود کسی اور میقات کی طرف سے ہو، تب بھی دم ساقط ہو جاتا ہے، چناں چہ بدائع میں ہے:

''ولو عاد إلٰی میقات اٰخر غیر الذی جاوزه قبل أن یفعل شیئاً من أفعال الحج سقط عنه الدم، وعوده إلٰی هٰذا المیقات وإلٰی میقات اٰخر سواء''.(۲)

اور آپ نے جو احتمال فرمایا ہے کہ سقوط دم میقات پر عود کرنے سے ہوتا ہے، محض محاذات کی طرف عود کرنے سے نہیں، سو یہ احتمال احقر کی نظر میں، نیز دوسرے علما جن سے مشورہ ہوا، ان کی نظر میں بھی صحیح نہیں؛ کیوں کہ محاذات جمیع احکام میں میقات کے قائم مقام ہے، اگر کوئی فرق ہوتا تو فقہائے کرام ضرور تصریح فرماتے۔(۳)

---

(۱) جواہر الفقہ: ۱/۴۷۵، طبع دار العلوم کراچی

(۲) بدائع الصنائع: ۲/۱۶۵، مطبع رشیدیه کوئٹه

(۳) بلکہ حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ نے محاذات میقات پر عود کرنے پر بھی سقوط دم کی تصریح فرمائی ہے، چناں چہ غنیة الناسک اب مجاوزة المیقات بغیر إحرام، فصل مجاوزة الآفاقی وقته، ص: ٦٠ (طبع إدارة القرآن کراچی) میں۔وعن أبی یوسف رحمه الله إن کان الذی یرجع الیه محاذیا لمیقاته الذی جاوزه أو بعد منه سقط الدم وإلا فلا، فإن لم یعد ولا عذر له اثم أخری لترکه العود الواجب....إلخ. اسی طرح مناسک ملا علی قاری، باب المواقیت، ص: ٨٤ (طبع ادارة القرآن کراچی) کے حاشیہ پر فتح القدیر کے حوالے سے ہے: قال فی فتح القدیر وعن ابی یوسف رحمه الله إن کان الذی رجع الیه محاذیا لمیقاته أو أبعد منه، فکمیقاته، الخ. (محمد زبیر)

لہٰذا اب مسئلہ صحیح یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہوائی جہاز سے جانے والا اگر قرن المنازل کی محاذات سے بغیر احرام گزر گیا اور پھر جدہ پہنچ کر احرام باندھا تو مجاوزت میقات بغیر احرام کا گناہ اسے ضرور ہوگا؛ لیکن دم واجب نہیں ہوگا؛ کیوں کہ وہ دوسرے میقات کی طرف نکل گیا ہے اور وہاں سے احرام باندھ رہا ہے۔ **هٰذا ما ظهر لي و الله أعلم**

اگر کوئی اور بات آپ کے ذہن میں آئے تو احقر کو مطلع فرمائیے گا۔ والسلام

محمد تقی عثمانی، ۱۷/۸/۱۴۰۳ھ۔ (فتاویٰ عثمانی: ۲/۲۰۹-۲۱۰)

اگر کوئی شخص آفاق میں چلتا ہوا جدہ پہنچ جائے تو احرام کہاں سے باندھے:

مکہ مکرمہ کے مشہور ومعروف روزنامہ ''الندوۃ'' (۲۰/ذی قعدہ ۱۳۹۹ھ، مطابق ۱۱/اکتوبر ۱۹۷۹ء) کے آخری صفحہ پر مملکت سعودیہ عربیہ کے بڑے بڑے علماء کرام کی مجلس نے میقات احرام اور رمی جمرات پر ایک فتویٰ صادر کیا ہے اور یہ بات واضح کی ہے کہ ''جواً، بحراً و براً'' میں داخلہ کے لیے حدود میقات کو تجاوز کر کے جدہ وغیرہ میں احرام باندھنا جائز نہیں ہے اور مجلس نے دوسرا فتویٰ یہ صادر کیا ہے کہ گیارہویں، بارہویں، تیرہویں تاریخ کو ایام تشریق میں قبل الزوال رمی جمرات جائز نہیں ہے، صرف دسویں ذی الحجہ؛ یعنی یوم النحر کو قبل الزوال رمی جمرہ عقبہ (بڑا شیطان) کی درست ہے، عورتیں اور بوڑھے وضعیف اور عاجزین کے لیے رمی جمرہ عقبہ کی دسویں تاریخ کی آدھی رات کے بعد درست ہے۔ علماء کرام سے استدعا ہے کہ وہ اس سلسلہ میں اپنی رائے دے کر حجاج کرام کی رہبری فرمائیں؟

(ممتاز احد جاوید شافعی، بھٹکل، کرناٹک)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

۲/نومبر ۱۹۹۷ء کے صدق جدید میں علماء سعودیہ کا دو مسئلوں پر ایک فتویٰ شائع کر کے علماء کرام سے یہ استدعا کی ہے کہ وہ اس سلسلہ میں اپنی رائے دے کر حجاج کی رہبری فرمائیں۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کو اس فتویٰ سے کچھ خلجان، یا اشتباہ پیدا ہو گیا ہے؛ اس لیے ان کے اشتباہ وخلجان کو رفع کرنے کی غرض سے بطور وضاحت وتشریح کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

مسئلہ (۱) یہ جواً، بحراً، براً حرم میں داخلہ کے لیے حدود میقات کو تجاوز کر کے جدہ وغیرہ میں احرام باندھنا جائز نہیں ہے؟

اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ یہ تو صحیح ہے کہ حرم میں جانے کے لیے حدود میقات سے کسی کو بغیر احرام باندھے ہوئے تجاوز کرنا اور آگے بڑھ جانا جائز نہیں؛ اس لیے جو لوگ حدود میقات تجاوز کر کے جدہ وغیرہ میں احرام باندھیں گے تو یہ فعل ان کے لیے جائز نہ ہوگا۔

باقی آج کل ہندوستان وپاکستان سے بحری جہاز سے جدہ جانے والے حجاج؛ بلکہ مشرق کے کسی خطہ سے بحر ہند میں ہوتے ہوئے بحری جہاز سے جدہ جانے والے حجاج، خواہ ملیشیا وانڈونیشیا کے ہوں، یا کسی اور خطہ کے ہوں، وہ حدود

میقات کوتجاوز کر کے جدہ نہیں پہنچتے؛ بلکہ حدود میقات وخطوط میقات سے بالکل باہر باہر حل کبیر وآفاق ہی میں گزرتے ہوئے جدہ پہنچ جاتے ہیں اور خود جدہ بھی مکہ مکرمہ سے دومنزل سے کچھ زائد فاصلہ (تقریباً ٦٣ رمیل انگریزی میل سے) پرحل کبیر اور آفاق میں واقع ہے اور حدود میقات وخط میقاتی جدہ سے تقریباً ایک منزل مکہ مکرمہ کی جانب آگے بڑھ کر اس خط مستقیم پر واقع ہے، جو یلملم سے چل کر سیدھا رابغ و جحفہ کو پہنچتا ہے اور وہی خط مستقیم خط میقاتی ہے اور محاذاۃ میقات اسی خط پر واقع ہوتی ہے؛ کیوں کہ اس خط کا مقام اور جگہ معلوم ومتعین نہیں ہے اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حدود میقات سے تجاوز کئے بغیر مکہ مکرمہ کے قریب پہنچ جائے اور میقات ومحاذات میقات کا علم ویقین نہ ہوتو کعبۃ اللہ کی تشریف وتکریم کے پیش نظر مکہ مکرمہ سے دومنزل کی دوری پر ہی احرام باندھ لے اور بغیر احرام باندھے ہوئے آگے نہ بڑھے۔

كما في الدر المختار على هامش الشامي: "وإن لم يكن بحيث يحاذى فعلى مرحلتين وحرم تأخير الإحرام عنها". (١) وهكذا في الهندية والبحر وغيرها من الكتب المعتبرة للفتاوى عند الأحناف.

اور اسی وجہ سے حجاج کرام کو جو مشرق سے، بحری جہاز سے، بحر ہند میں سفر کرتے ہوئے آج کل جدہ پہنچتے ہیں تو ان پر جدہ سے احرام باندھنا واجب وضروری ہوجاتا ہے اور بغیر احرام باندھے ہوئے آگے بڑھنا جائز نہیں رہتا اور جدہ سے قبل چوں کہ کسی میقات سے، یا کسی میقات کی محاذات سے تجاوز نہیں ہوتا اور نہ دومنزل سے کم کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے کہیں ہوتا ہے؛ اس لیے جدہ پہنچنے سے قبل احرام باندھنا واجب ولازم نہیں ہوتا، جدہ سے قبل کی جگہ کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے دومنزل سے کم نہ ہونا تو ظاہر ہے؛ اس لیے کہ جدہ سے قبل تقریباً تمام جگہوں کا سمندری کنارہ مکہ مکرمہ سے دومنزل سے بہت زیادہ ہوتا ہے؛ اس لیے کم کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور حدود میقات سے کسی جگہ تجاوز نہ ہونا اس لیے صحیح ہے کہ تجاوز کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ جانے والا کسی میقات سے، یا کسی میقات کے محاذاۃ سے؛ یعنی دومیقاتوں کے درمیان خط میقاتی سے آگے بڑھ کر حل صغیر میں داخل ہوجائے۔

كما دلت عليه هذه العبارة من الهندية: "وإن سلك بين الميقاتين في البحر والبر، اجتهد وأحرم إذا حاذى ميقاتا منها (إلى قوله) فإن لم يكن بحيث يحاذى فعلى مرحلتين إلى مكة الخ". (٢)

جہاز کے اس پورے سفر میں آج کل ایسا کہیں نہیں ہوتا۔ حل صغیر کے معنی تو ظاہر ہے کہ حدود حرم سے باہر اور میقات آفاقی کے اندر کا علاقہ حل صغیر کہلاتا ہے اور محاذات میقات کا مفہوم مزید وضاحت کے ساتھ سمجھنے کے لیے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ عین میقات کل پانچ ہیں: یلملم، جحفہ، رابغ، ذو الحلیفہ، ذات عرق، فرق المنازل۔ انہیں کو مواقیت خمسہ کہتے ہیں اور ان میقاتوں میں سے ہر ایک میقات سے جو خط مستقیم چل کر سیدھا دوسری میقات تک پہنچتا ہے، وہ خط میقاتی کہا جاتا ہے اور انہیں خطوط میقاتی کا مجموعہ حرم شریف کو ہر طرف سے محیط ہے اور گھرے ہوئے ہے۔ باہر سے کوئی آنے والا جب حدود حرم میں جانا چاہے تو اس کو عین میقات پر سے، یا کسی خط میقاتی پر سے گزرنا

(١)　الدر المختار، كتاب الحج: ٢٨٤/٣

(٢)　الفتاوى الهندية، كتاب الفتاوى: ١٢٢/١

ضروری ہوتا ہے، بغیراس کے حدود حرم میں داخل ہونا ممکن نہیں۔ پس جب اس خط میقاتی پر کوئی جانے والا پہنچ جائے تو کہا جاتا ہے کہ محاذاۃ میقات پر پہنچ گیا اور اسی وجہ سے اس خط میقاتی کو خط محاذاتی بھی کہا جاتا ہے اور اب اگر اس جانے والے کا ارادہ مکہ مکرمہ جانے کا ہے تو بغیر احرام باندھے اس خط میقاتی سے آگے بڑھ گیا اور اس پر جنایت لازم آ گئی۔ پس یلملم سے دائیں جانب یلملم سے جو خط مستقیم چل کر سیدھا دوسری مقیات (جحفہ ورابغ) تک پہنچتا ہے، وہ خط سمندر کے کچھ حصہ سے نہیں گزرتا؛ تاکہ شبہ بھی کیا جاسکے کہ جدہ جانے والا جہاز اس خط سے متجاوز ہو گیا، بخلاف یلملم کے بائیں جانب جو خط مستقیم یلملم سے چل کر سیدھا قرن منازل تک پہنچتا ہے، وہ خط سمندر کے کچھ حصہ پر گزرتا ہے اور اسی وجہ سے قدیم زمانہ میں جب کہ مشرقی ممالک وہندوستان وغیرہ سے کشتی، یا چھوٹے جہاز کے ذریعہ سمندر کو پار کر کے مسقط وغیرہ پر آجاتے تھے، پھر سمندر کے کنارے آگے بڑھتے تھے تو خط میقاتی کا وہ حصہ سمندر ہی میں آجاتا تھا اور بغیر احرام باندھے کوئی حاجی آگے نہیں بڑھتا تھا، اسی مسئلہ ہندیہ (۱۲۲/۱، وبحر) وغیرہ میں بایں عبارت: ''**ومن حج فی البحر فوقته إذا حاذی موضعاً من البر لا یتجاوز إلا محرماً**'' (۱) بیان کیا ہے اور اسی مرحلہ پر پہنچ کر جہاز راں محاذاۃ میقات پر پہنچ جانے کا اور احرام بندھوا دینے کا اعلان کر دیتا تھا؛ مگر اب مشرقی ممالک (ہندوستان وغیرہ) سے آنے والا حاجیوں کا جہاز مسقط وعمان وغیرہ کہیں نہیں جاتا اور نہ سمندر کے اس حصہ سے گزرتا ہے، جو خط میقاتی کے اندر واقع ہے؛ بلکہ اس خط سے باہر باہر حل کبیر میں چلتا رہتا ہے۔

(قولہ: حل کبیر) حل کبیر وآفاق ایک ہی چیز ہے، مواقیت خمسہ سے باہر کا کل علاقہ اقصائے عالم تک سب آفاق اور حل کبیر ہے۔

حل کبیر اور آفاق میں ہی گزرتا ہوا سیدھا جدہ پہنچ جاتا ہے، جس کی وجہ سے محاذاۃ میقات کا اور اس کے اعلان وغیرہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے؛ مگر اب بھی وہی قدیم ڈھرہ چلا آرہا ہے اور اسی قدیم ڈھرہ وطریقہ پر اب بھی ایک مقام پر پہنچ کر اگر چہ وہ مقام حل کبیر اور آفاق ہی میں ہو محاذات میقات پر آجانے کا اعلان ہو جاتا ہے، حالاں کہ محاذات میقات پر آجانے کا احتمال بھی نہیں رہتا اور چوں کہ عوام میں بھی وہی سابق حالات ومعاملات معروف ومشہور ہیں؛ اس لیے عوام اس اعلان پر عمل بھی کر لیتے ہیں، اگر بات یہیں تک رہتی تو چوں کہ میقات سے قبل بھی احرام باندھ لینا درست ہے؛ اس لیے انگیز کر لیا جاتا ہے؛ مگر اس اعلان پر عمل نہ کرنے والے پر لعن طعن بھی کرنے لگتے ہیں، یہ غلط ہے اور اس کے اصلاح کی ضرورت ہے، اصلاح کی جو بہتر تدبیر ہو اختیار کرنا چاہیے۔

مندرجہ ذیل نظری نقشہ سے میقات وحدود میقات وحل صغیر وحل کبیر وآفاق وغیرہ سب باوضاحت طریقے سے ان شاء اللہ ذہن میں آجائیں گے اور حدود میقات سے تجاوز نہ کرنے کا مفہوم بھی واضح ہو جائے گا۔ نیچے دیئے ہوئے نقشے میں دو میقاتوں کے درمیان میں جو خطوط ہیں انہیں خطوط میں سے کسی خط پر پہنچنے سے میقات کی محاذاۃ صادق

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الفتاویٰ: ۱۲۲/۱

آتی ہے اور دائیں، یا بائیں جو میقات قریب ہوتی ہے، اسی میقات کا وہ شخص میقاتی کہا جاتا ہے اور اسی خط سے بغیر احرام کے آگے جانا ممنوع ہے؛ بلکہ اگر جانا ہے تو احرام باندھ کر آگے جانا جائز ہوتا ہے، بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ کوئی جہاز، یا قافلہ کسی میقات کے سامنے خواہ حل کبیر ہی میں ہو، اس طرح پہنچ جائے کہ اگر بیت اللہ شریف سے کوئی خط مستقیم چل کر اس میقات سے گزرتا ہوا اس جہاز، یا قافلہ تک پہونچ جائے تو وہ محاذات میقات پر آجائیں گے اور ان کو وہیں سے بغیر احرام باندھے آگے بڑھنا جائز نہ ہوگا، یہ شبہ غلط ہوگا، اس پر تفصیلی گفتگو اگلے صفحات پر ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

حدود میقات، یا محاذات میقات کا اگر کوئی شخص یہ مفہوم لے کہ بیت اللہ شریف سے کوئی خط مستقیم چل کر کسی میقات پر سے گزرتا ہوا سیدھا آگے بڑھتا ہوا حل کبیر وآفاق میں سمندری علاقہ میں گزرتا ہوا چلا جائے تو وہ سب خط میقاتی ہے اور اس خط پر بغیر احرام باندھے ہوئے آگے بڑھنا اور تجاوز کرنا حدود میقات سے تجاوز کرنا شمار ہوگا تو یہ مفہوم بچند وجوہ غلط ہے۔

جوابات شبہ:

(اولاً) ایں کہ اس تقدیر پر یہ خط اقصائے عالم تک جاسکتا ہے، اور درمیان میں کسی متعین حد پر ختم کر دینا، یا ختم مان لینا نہ منصوص ہے، نہ معقول ہے۔ پس اس مفہوم کی بنیاد پر اقصائے عالم تک حل کبیر وآفاق میں لاکھوں مقامات ومکانات ایسے آجائیں گے، جو خط میقاتی پر واقع ہوں گے اور محاذات میقات پر آجائیں گے اور اس خط کے آگے بغیر احرام باندھے ہوئے آگے جانا جائز نہ ہوگا، ورنہ تجاوز عن حدود المیقات لازم آجائے گا، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ بہت سے لوگوں کا جب ارادہ مکہ مکرمہ جانے کا ہو تو اپنی آبادی؛ بلکہ اپنے گھر سے ہی اور آفاق میں ہی احرام باندھ کر نکلنا واجب ہوجائے گا اور بغیر احرام باندھے ہوئے آفاق کے اندر بھی اپنے گھر، یا آبادی سے باہر نکلنا جائز نہ ہوگا، حالاں کہ اس کا کوئی قائل نہیں ہے۔

(ثانیاً) اسی طرح اس خط کے اطراف منزل دو منزل کے فاصلے سے مکہ مکرمہ کی سمت سے چل کر جب کوئی اس خط پر آجائے تو اس کو بغیر احرام باندھے آگے بڑھنا جائز نہ رہے گا، حالاں کہ وہ بھی آفاق ہی میں ہے اور شریعت کا مسئلہ ہے کہ مکہ مکرمہ آنے کے باوجود بغیر احرام کے جہاں تک چاہے جاسکتا ہے اور یہ اس کے خلاف ہے۔ (کمافی الہندیۃ: ۱۲۲/۱)

(ثالثاً) اس لیے کہ اس تقدیر پر میقاتی اور آفاقی کا فرق ہی ختم ہوجائے گا، جو منشاء شرع سے متضاد اور خلاف ہی نہیں؛ بلکہ ایسے احکام شرعیہ کو منہدم کر دینے والا بھی ہے۔

(رابعاً) اس لیے کہ شریعت مقدسہ نے حدود حرم کے ہر چہار طرف کچھ فاصلہ پر پانچ سمتوں میں ایک ایک مقام نامزد کر کے میقات حرم قرار دیا ہے؛ اس لیے کہ بتقاضائے: ﴿ومن دخله كان آمناً﴾ (۱) پورا خطہ حرم دربار محبوب حقیقی کا محل سرائے شاہی ہے اور اس کے ہر طرف ان میقاتوں تک اس محل سرائے شاہی کا جلو ہے، جو بمنزلہ پائیں باغ اور پورا

(۱) سورۃ آل عمران: ۷۹

حجاز بلدۂ امین کے لیے بمنزلہ فنائے مصر ہے؛ اس لیے منشاء شرع یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب تم فنائے بلد میں آجاؤ اور محل سرا میں داخلہ کی نیت کرو تو دربار کے آداب شاہی بجالا کر داخل ہوا کرو اپنے محبوب حقیقی کے عشق و محبت کی کیفیت طاری کرو؛ بلکہ محبت میں فنا کی کیفیت طاری کر کے کفن کے کپڑے (احرام) پہن کر آؤ اور جب دربار شاہی میں داخل ہو جاؤ، آداب سلامی بجالاؤ اور وفور عشق و محبت میں سرشار ہو کر محبوب حقیقی کے گھر کا چکر (طواف قدوم) لگاؤ۔

مناسک حج کے تمام ہی احکام دیکھ جائیے، تقریباً سب ہی اسی عشق و محبت کی سرشاری کے ترجمان و مظہر نظر آتے ہیں، ان سب باتوں کا بھی تقاضا یہ ہے کہ کم از کم محل سرائے شاہی کا پائیں باغ (حدود میقات) ہر طرف سے مثل بستان کے احاطہ بند اور گھرا ہوا ہو؛ تاکہ کوئی داخل ہونے والا دربار شاہی کے آداب کے ادا کئے بغیر محل سرا میں داخل ہی نہ ہو سکے؛ مگر محبوب حقیقی کی شانِ کریمی و رحیمی ہے کہ دیواروں سے احاطہ بندی کے بجائے محض خطوط بین المواقیت سے احاطہ بندی قرار دے کر حدود میقات کی تعیین و تحدید کر دی اور آداب شاہی کے بجالانے کے طریقے بھی خود ہی بتلا دیئے حدود میقات کی اور محاذ میقات کی اس ترجمانی اور مفہوم میں جو ایک شبہ اور اس کا ازالہ کے تحت بیان کیا گیا ہے، اس میں ان فوائد اور حکم کا کہیں دور دور تک بھی پتہ و نشان نہیں ہے؛ بلکہ ان مذکورہ خرابیوں کے علاوہ اور بھی وجوہ ہیں، جو اس ترجمانی کی تردید کرتی ہیں، بغرض اختصار ذکر نہیں کیا جاتا۔

غرض حدود میقات و محاذات میقات کی مذکورہ بالا ترجمانی جن کو صاحب اشکال و شبہ نے بیان ہے وہ اصول شرع، اصول فقہ اور ضوابط عقل و نقل سب کے ہی خلاف ہے اور غلط ہے۔

خشکی و بحر کے راستے سے جانے والے حجاج کے لیے یہ سب تفصیل ہے اگر کوئی ہوائی جہاز سے جانا چاہے تو اس کے لیے مزید تفصیل بھی ہوگی کہ اگر کوئی ہوائی جہاز محض اتنی بلندی پر پرواز کرتا ہے کہ زمین سے بغیر کسی دوربین وغیرہ آلہ کے مدد کے وہ نظر آتا ہے تو وہ زمین کے تابع قرار دیا جائے گا اور اس کے حجاج کو کسی میقات اور خط میقاتی سے بغیر احرام کے آگے بڑھنا اور تجاوز کرنا جائز نہ رہے گا اور اس پر جانے والے حجاج کو اگر یہ ظن غالب ہو کہ صرف تھوڑے ہی وقفہ میں کسی میقات، یا کسی خط میقات سے آگے بڑھ جائیں گے تو ان کے لیے ضروری ہے کہ سوار ہونے سے قبل ہی احرام باندھ کر سوار ہوں، یا سوار ہوتے ہی فوراً احرام باندھ کر تیار ہو جائیں، مثلاً ہندو پاک سے جانے والا ہوائی جہاز اگر قرن منازل و یلملم کے درمیان سے گزرتا ہوا جدہ، یا حدود عرب میں کسی جگہ جاتا ہے تو وہ قرن منازل یلملم کے درمیان خط میقاتی سے یقیناً گزرے گا اور اس حال میں اس خط (خط میقاتی بین قرن و یلملم) سے بغیر احرام باندھے ہوئے اس کے کسی مسافر کو آگے بڑھنا جائز نہ ہوگا اور جو ہوائی جہاز اتنی بلندی سے پرواز کرتا ہے کہ زمین سے بغیر دوربین وغیرہ آلہ کی مدد کے نظر نہیں آتا ہو، جیسا کہ اکثر دور دراز مقامات (لندن، امریکہ، کنیڈا، افریقہ وغیرہ) سے آنے والے ہوائی جہازوں کا عموماً یہ حال ہوتا ہے تو وہ زمین کے تابع نہیں قرار دیئے جائیں گے؛ بلکہ جس وقت وہ

زمین سے قریب آکر نظر آئے گا تو اس وقت زمین کے تابع نہیں قرار دیئے جائیں گے اور صرف اسی وقت سے احرام وغیرہ کے مذکورہ بالا احکامات اس میں آنے والے مسافروں پر لاگو ہوں گے، یا یہ کہ اس مسافر کو اس جہاز کا روٹ (راستہ) معلوم ہو، راستہ کے اور مقامات کا نقشہ بھی معلوم ہو اور جانتا ہو کہ فلاں میقات سے، یا اس کی محاذات سے فلاں وقت گزرے گا تو اس وقت کے آنے سے کچھ قبل احرام باندھ لینا ضروری ہو جائے گا۔

لہٰذا ان کو ان امور کا مزید لحاظ رکھ کر اپنے احرام وغیرہ کا نظم رکھنا ضروری ہوگا، مثلاً چھ گھنٹہ مسلسل پرواز میں رہے گا اور جب اترے گا تو میقات کے اندر اترے گا تو اترنے سے محض گھنٹہ دو گھنٹہ پہلے احرام باندھ لینا کافی ہوگا اور اگر یہ معلوم ہے کہ وہ میقات سے باہر ہو جائے گا اور میقات کے باہر اترے گا، جب تو کوئی اس کا اشکال ہی نہیں، اتر کر پھر خشکی کے مسافروں کی طرح احرام باندھنے کا اہتمام وانتظام کرے گا۔

(نوٹ) حضرت مولانا شیر محمد صاحب نے جو ان مسائل میں امام مانے جاتے تھے، ان کی بھی اپنی مشہور تصنیف عمدۃ المناسک فی شرح زبدۃ المناسک میں بھی اس انداز کی تحقیق کی ہے، جو احقر نے پیش کی ہے۔

مسئلہ (۲) حنفیہ کے نزدیک بھی ۱۱،۱۲،۱۳ (ذی الحجہ) کو رمی جمرات قبل الزوال جائز نہیں اور دس ذی الحجہ کو قبل الزوال رمی کرنا محض درست اور مباح ہی نہیں ہے؛ بلکہ افضل اور بہتر ہے اور بعد الزوال غروب تک مباح ہے اور غروب آفتاب سے صبح صادق کے طلوع ہونے تک مکروہ ہے اور اس تفصیل کا ثمرہ محض یہ نکلے گا کہ ۱۱ر کی صبح صادق سے پہلے اگر کوئی رمی جمرہ کرے گا تو تارک نہ قرار پائے گا، باقی افضل یہی ہے کہ دسویں تاریخ کو زوال سے قبل قبل کرلے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور، ۱۳۹۹/۱۲/۲۵ھ۔

نقشہ نظری میقات خمسہ

جحفہ ورابغ　　　　خط میقاتی حل کبیر وآفاق

خط میقاتی حل کبیر وآفاق　　تنعیم　　یلملم

ذوالحلیفہ　　حدود حرم　　کعبہ　　مسجد حرام　　خط میقاتی حل کبیر وآفاق

خط میقاتی حل کبیر وآفاق　　حل صغیر　　حل صغیر　　قرن منازل

کراچی بمبئی.........سمندر راستہ جہاز..

(خط میقاتی حل کبیر وآفاق ہندوستان وپاکستان)　　سمندر راستہ جہاز...........

سمندر راستہ جہاز............

جدہ

(منتخبات نظام الفتاویٰ: ۲/۲۷-۳۳)

حج قران، تمتع اور افراد کا بیان

کون سا حج افضل ہے:

سوال: آج کل اکثر حضرات حج تمتع کرتے ہیں، ہندوستان، پاکستان سے جانے والے اکثر حضرات بہت کم افراد، یا قران کرتے ہیں تو حج کی کون سی صورت افضل ہے؟ (نظام الدین، نل گنڈہ)

الجواب

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سب سے افضل طریقہ حج قران ہے، جس میں میقات ہی سے عمرہ اور حج دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھا جاتا ہے، اس کے بعد حج تمتع کا درجہ ہے، جس میں میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھا جاتا ہے اور ایام حج میں مکہ ہی سے حج کا احرام؛ کیوں کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج قران فرمایا ہے، (۱) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے حج تمتع کیا ہے؛ (۲) لیکن آج کل چوں کہ سفر حج کا نظام الاوقات حاجی کے قابو میں نہیں رہتا اور بعض اوقات وقت سے بہت پہلے حاجی کو مکہ پہنچنا ہوتا ہے، اتنے طویل عرصہ تک احرام کی حالت میں رہنا اور احرام کی ممنوعات سے احتیاط کرنا دشوار ہوتا ہے اور مستحب عمل کے لیے حرام کا ارتکاب کرنا، یا اس کے ارتکاب کا خطرہ مول لینا مناسب نہیں؛ اسی لیے فی زمانہ علما نے دور دراز سے مکہ مکرمہ جانے والوں کے لیے حج تمتع کو افضل قرار دیا ہے۔ علامہ شامیؒ رقمطراز ہیں:

”اختار العلامة الشيخ عبد الرحمن العمادی في منسكه التمتع؛ لأنه أفضل من الافراد وأسهل من القران لما على القارن من المشقة في أداء النسكين، لما يلزمه من الجناية من الدمين، وهو أحرى لأمثالنا لامكان المحافظة علىٰ صيانة إحرام الحج من الرفث ونحوه“. (۳) (کتاب الفتاویٰ: ۴/۱۱۹-۱۲۰)

حج کی افضل صورت:

سوال: حرم سے باہر رہنے والوں کے لیے حج کی کون سی صورت افضل ہے؟

(۱) الصحيح لمسلم، رقم الحديث: ۲۹۵۰، باب حجة النبي صلى الله عليه وسلم

(۲) إعلاء السنن، كتاب الحج: ۱۰/۳۰۶-۳۰۵، رقم الحديث: ۲۸۷۶

(۳) رد المحتار، كتاب الحج: ۲/۲۰۶

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

قران افضل ہے۔(بحر)(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۳۸۸/۱۰)

آفاقی جدہ سے احرام باندھ کر عمرہ کر کے مدینہ چلا جائے، واپسی میں قران، یا تمتع کر سکتا ہے، یا نہیں:

سوال: بخدمت جناب مولانا الحاج مولوی محمد ظفر احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

اب ذیل مسئلہ کثرت الوقوع درپیش ہے، ان کو اچھی طرح واضح کر کے ارقام فرمادیں تو درج کیا جاوے۔

مسئلہ: آفاقی اپنے وطن سے اس سال کے حج کرنے کی غرض سے اشہر الحج میں نکلا اور وطن سے چلتے وقت، یا میقات سے یہ قصد کیا کہ حد حرم سے باہر باہر مثلاً جدہ سے رابغ، یا ینبوع سے ہوتے ہوئے پہلے مدینہ طیبہ کی زیارۃ سے مشرف ہو کر بعد میں آ کر حج کریں گے؛ اس لیے میقات سے احرام نہ باندھا، پس جب حل میں پہنچا، جیسے جدہ میں آیا تو وہاں سے مدینہ طیبہ کا راستہ بند ہو گیا؛ اس لیے مکہ مکرمہ کو جانا پڑا۔ اب جدہ سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ میں عمرہ بجالایا، یا پھر مدینہ چلا گیا، اب جو مدینہ سے واپسی ہوگی تو یہ شخص ذوالحلیفہ سے قران کر سکتا ہے، یا نہ؟ کیوں کہ جب یہ جدہ یعنی حل سے اشہر حج میں عمرہ کا احرام باندھ کر آیا تو یہ حلت کے حکم میں ہے، گویا اب یہ مکی ہے، اب اشہر حج میں باہر میقات سے گیا تو اب وہ قارن نہیں کر سکتا، اگر کرے گا تو دم اساءت لازم ہوگا اور اگر وہاں سے فقط حج کرے تو متمتع بھی نہ ہوگا؛ کیوں کہ عمرہ اس کا آفاقی نہیں ہے اور وہاں سے پھر تمتع کرے؛ یعنی عمرہ کا احرام باندھے تو بھی منع

---

(۱) قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالىٰ: ”هو (أى القرآن) أفضل، ثم التمتع، ثم الافراد. (البحر الرائق، كتاب الحج، باب القرآن: ۲/ ۶۲۵، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

القران فى حق الآفاقى أفضل من التمتع والافراد، والتمتع فى حقه أفضل من الافراد، وهٰذا هو المذكور فى ظاهر الرواية، هٰكذا فى المحيط. (الفتاوىٰ الهندية، الباب السابق فى القرآن والتمتع: ۱/ ۲۳۹، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

اس سلسلے میں اصل اور بنیاد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حج افراد تھا تمتع تھا یا قران، امام شافعی فرماتے ہیں کہ افراد افضل ہے؛ کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حج افراد کیا تھا، امام مالک اور امام احمد تمتع کے افضلیت کے قائل ہیں، احناف کہتے ہیں کہ قران افضل ہے؛ کیوں کہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت جابرؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج قران فرمایا۔ (دیکھئے: سنن ابن ماجة: ۹۹۰/۳، رقم الحديث: ۱۹۷۱، كتاب المناسك، باب من قرن الحج والعمرة) لیکن اس روایت کی سند میں ایک راوی حجاج بن ارطاۃ ہیں، جو ضعیف اور مدلس ہیں۔ (نصب الرایۃ: ۱۱۱/۳) تاہم حضرت انسؓ کی یہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: أتانى آت من ربى وأنا بالعقيق، فقال: قم فصل فى هند الوادى المبارك ركعتين، وقل: لبيك بعمرة فى حجة. (صحيح البخارى، رقم الحديث: ۴۳۵۴، باب بعث على بن أبى طالب وخالد بن وليد إلى اليمن قبل حجة الوداع، مسلم، رقم الحديث: ۱۲۳۳، كتاب الحج. باب فى الإفراد والقران بالحج والعمرة) حضرت انس ہی سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بآواز بلند فرمایا ”لبيك بعمرة فى حجة، نیز حضرت انس ہی کی روایت، تابعوا بين الحج والعمرة فإن المتابعة بينهما تزيد فى العمر وتنقى الفقير. (سنن النسائى، باب فضل المتابعة بين الحج والعمرة: ۱۱۵/۵. سنن الترمذى، باب ماجاء فى ثواب الحج والعمرة) یہ روایتیں بتلاتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج قران فرمایا تھا، اس لیے حج قران افضل ہے، سند کے اعتبار سے بھی یہ روایتیں صحیح ہیں۔ (انیس)

ہے؛ کیوں کہ عمرہ اس کا آفاقی نہیں ہے اور وہاں سے پھر تمتع کرے؛ یعنی عمرہ کا احرام باندھے تو بھی منع ہے؛ کیوں کہ مکی کے حکم میں ہے، اس مسئلہ کو میں تو یہی سمجھا ہوں۔ مناسک متوسط اور غنیۃ الناسک میں یہ قواعد ہیں، یہ مسئلہ تو غنیۃ الناسک میں صریح ہے کہ جو حاجی آفاقی اشہر الحج میں آکر عمرہ بجالاوے، مدینہ طیبہ کو گیا اور وہاں سے قران کر کے آوے تو دم اساءت لازم ہے، سابق صورت بھی ایسی ہی ہے، تحقیق سے جواب عنایت ہو، اکثر حاجی ایسا کرتے ہیں؟

الجواب

أقو ل وبالله التوفيق:

قال في شرح اللباب في باب المواقيت: وإن لم يعلم المحاذات فعلٰى مرحلتين من مكة كجدة المحروسة من طرف البحر، آه. (ص: ۳۰)

وفي غنية الناسک: فشرائط صحته (أي التمتع) أن يكون من أهل الآفاق والعبرة للتوطن. (ص: ۱۱۳)

وفيه أيضاً: ولايشترط أن يكون إحرام العمرة من الميقات ولا إحرام الحج من الحرم بل هو من الواجبات، آه.

وفيه أيضاً: الخامس عدم الإلمام الصحيح وهو أن يرجع إلٰى أهله بعد العمرة حلالاً ولو عاد إلٰى غير أهله إلٰى موضع لأهله التمتع والقران إتخذها داراً أولا توطن لها أولاثم حج من عامه يكون متمتعاً عنده لاعند هما ولو خرج من الإحرام ولم يجاوز الميقات وحج من عامه يكون متمتعاً بالاتفاق، آه. (ص: ۱۱٤)

وفيه أيضاً: وهو متمع إن حج من عامه وكذا لوخرج إلى الآفاق لحاجة فقرن لايكون قارناً عند أبي حنيفة وعليه رفض أحد هما ولايبطل تمتعه؛ لأن الأصل عنده أن الخروج في أشهر الحج إلٰى غير أهله كالاقامة بمكة فكأنه لم يخرج وقرن من مكة وأما عندهما فكا الرجوع إلٰى أهله فإذا بطل تمتعه ثم إذا قرن من الميقات كان قارنا، آه. (ص: ۱۱۵)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں صاحبین کے نزدیک جب یہ شخص مکہ سے مدینہ چلا گیا اور میقات سے تجاوز کر گیا، اب یہ آفاقی ہوگیا اور واپسی میں اس کو قران وتمتع دونوں جائز ہیں؛ کیوں کہ خروج إلی الآفاق وتجاوز عن المیقات سے تمتع اول باطل ہوگیا اور امام صاحب کے نزدیک تمتع باطل نہیں ہوا؛ اس لیے اس کو مدینہ سے واپسی میں قران وتمتع نہ کرنا چاہیے اور امام صاحب کے قول پر عمرۂ اولی کی وجہ سے تمتع اس طرح صحیح ہوگیا کہ تمتع کے لیے عمرہ کا آفاقیہ ہونا شرط صحت نہیں؛ بلکہ واجبات سے ہے، بدون عمرہ آفاقیہ کے بھی تمتع ہوسکتا ہے، گو دمِ اساءت لازم آئے گا؛ مگر میرے نزدیک صورت مسئولہ میں دم اساءت بھی لازم نہیں؛ کیوں کہ آفاقی ہندی کا جدہ سے احرام باندھنا بھی احرام من المیقات ہی ہے؛ کیوں کہ میقات اور محاذات میقات کا جہاز میں ہم کو علم نہیں ہوسکتا، سوائے قول

کافر پر اعتماد کرنے کے اور وہ معتبر نہیں، پس جہاز میں احرام باندھنا صرف افضل ہے، واجب نہیں؛ بلکہ جدہ سے احرام واجب ہے اور وہی آفاقی ہندی کی اصل میقات ہے، پس عمرہ آفاقیہ ہوا اور دم اساءت لازم نہ ہوا، نہ قول امام میں، نہ قول صاحبین میں اور اگر قول امام پر اسقاط دم اساءت میں تکلف ہو تو قول صاحبین پر اس کا سقوط ظاہر ہے اور جب ابتلاء عام ہے تو اس مسئلہ میں قول صاحبین پر فتویٰ دینا چاہیے۔ واللہ اعلم

۱۳ر محرم ۱۳۴۶ھ (امداد الاحکام: ۱۸۲/۳)

مفرد اور قارن کے لیے سعی:

سوال (۱) مفرد اور قارن کو طوافِ قدوم میں سعی کرنا چاہیے، یا نہیں؟

(۲) طواف میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے، یا خلفائے راشدین سے کون دعائیں منقول ہیں؟ طواف کرنے والا اپنی زبان میں جو دعا چاہے پڑھے، جائز ہے، یا نہیں؟　　(سید شاکر علی)

الجواب ______________ حامداً ومصلیاً

(۱) طوافِ قدوم میں سعی کرنے کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا؛ کیوں کہ طواف کیا جاتا ہے مسجد حرام میں اور سعی کی جاتی ہے خارجِ مسجد، صفا ومروہ کے درمیان۔

(۲) بہت سی دعائیں ایسے موقعہ پر پڑھنے کے لیے علما نے لکھی ہیں۔ مستقل رسائل بھی تصنیف کئے ہیں۔ ایک دعا جو حدیث شریف میں آئی ہے، یہ ہے: "**أللهم إني أسألک العفو، والعافية في الدنيا والآخرة، ربنا آتنا في الدنيا حسنة، وفي الآخرة حسنة، وقنا عذاب النار**". (۱)

یہ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان پڑھی جاتی ہے، دعا اپنی زبان میں بھی درست ہے؛ (۲) لیکن جس شخص کو عربی کی دعا یاد نہ ہو، اس کے لیے "**سبحان الله، والحمد لله، ولا إله إلا الله، والله أكبر، ولاحول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم**" پڑھنا بہتر ہے، اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ (وكذا في شرح سفر السعادة، ص: ۳۴۱) (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۸۸/۱۰-۳۸۹)

---

(۱) نيل الأوطار، كتاب المناسک، باب ذكر الله في الطواف: ۱۲۰/۵، مكتبة عباس أحمد الباز مكة المكرمة

(۲) والدعاء يجوز بالعربية وبغير العربية والله سبحانه يعلم قصد الداعي ومراده وإن لم يقوم لسانه، فإنه يعلم ضجيج الأصوات باختلاف اللغات على تنوع الحاجات. (مجموعة الفتاوى لابن تيمية، باب صفة الصلاة: ۲۸۷/۲۲، مكتبة العبيكان سعودية)

وظاهر التعليل أن الدعاء بغير العربية بخلاف الأولى، وإن الكراهة فيه تنزيهية. (رد المحتار، مطلب في الدعاء بغير العربية: ۵۲۱/۱، سعيد)

(۳) شرح سفر السعادة للشيخ عبد الحق الدهلوي، فصل در حج، پيغمبر صلى الله عليه وسلم الخ، ص: ۳۴۱، مطبع نامي منشي نول كشور)

==

مفرداورقارن طواف میں سعی کرے گا، یانہیں:

جناب مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی　　　　عم فیضہ

سلام مسنون

میرے استفتاء کا جواب ملا؛ مگر تشفی نہیں ہوئی، میں نے عرض کیا تھا کہ ''مفرداورقارن طواف کے بعد سعی کرے، یا نہیں''؟ آپ نے لکھا ہے کہ ''میری سمجھ میں نہیں آیا'' حالاں کہ موٹی بات ہے،عرض یہ ہے کہ جس طرح تمتع والا طواف کر کے صفا ومروہ جا کر سعی کرتا ہے، ان دونوں کو بھی سعی کرنا چاہیے، یانہیں؟ یا کب سعی کرے؟ اب یہ عرض بھی ہے کہ مفرداورقارن طوافِ قدوم میں عمرہ کی نیت کرے، یا طوافِ قدوم کی اور مفرد وقارن سعی کب کرے گا؟

(سید شاکر علی، از شاہ پور، ضلع فتح پور)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

آپ دوبارہ اپنے خط کو دیکھیے، اس میں لکھا ہے: ''مفرداورقارن طواف میں سعی کرے گا، یانہیں''؟ موٹی سی بات ہے کہ طواف مسجدِ حرام میں ہوتا ہے اور سعی بین الصفا والمروۃ ہوتی ہے، پھر طواف میں سعی کرنے کا مطلب کیسے سمجھ میں آئے۔ اب آپ نے مطلب کی وضاحت کی ہے، جواب یہ ہے کہ ان دونوں کو بھی طواف کرنے کے بعد صفا ومروہ جا کر سعی کرنا چاہیے، قارن والا عمرہ کے لیے طواف کرتا ہے، پھر عمرہ ہی کے لیے سعی کرتا ہے، اس کے بعد حج کے لیے طوافِ قدوم کرتا ہے، پھر سعی بھی اسی کے لیے کرتا ہے، درمیان میں حلال نہیں ہوتا، پھر بقیہ ارکانِ حج ادا کرتا ہے اور یوم النحر میں ذبح کے بعد ممنوعاتِ احرام حلال ہوجاتے ہیں۔

کذا في مجمع الأنهر: (فإذا دخل مكة،إبتدأ) بالعمرة (فطاف للعمرة) سبعة أشواط،يرمل للثلاثة الأول،ويصلي بعد الطواف ركعتين، (وسعٰى) بين الصفا والمروة،ويهرول بين الميلين الأخضرين،ولايتحلل،ولوتحلل بأن حلق أو قصر،كان جناية علٰى إحرام الحج وإحرام العمرة؛لأن تحلل القارن من العمرة إنما هويوم النحر. (۱) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/محرم/۱۳۷۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۳۹۰)

== وعن أبي هريرة رضي الله تعالٰى عنه،أنه سمع النبي صلى الله تعالٰى عليه وسلم،يقول:من طاف بالبيت سبعاً، ولا يتكلم إلا بسبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر،ولاحول ولا قوه إلابالله،محيت عنه عشر سيئات، وكتبت له عشرحسنات، ورفع له بها عشر درجات.(رواهما ابن ماجة)(نيل الأوطار،كتاب المناسك، باب ذكر الله في الطواف:۵/۱۲۰-۱۲۱،مكتبة عباس أحمد البازمكة المكرمة)

(۱) مجمع الأنهر،كتاب الحج،باب القران والتمتع:۱/۲۸۷-۲۸۸،داراحياء التراث العربي،بيروت

متمتع کا مدینہ طیبہ جانا، پھر عمرہ کرنا:

سوال (۱) ایک شخص آفاقی اَشہرِ حج میں مکہ مکرمہ گیا اور عمرہ ادا کیا، عمرہ کی ادائیگی کے بعد مدینہ منورہ چلا گیا، مدینہ منورہ سے واپسی پر دوسرا عمرہ کیا، پھر حج کا احرام مکہ سے باندھا۔ کیا اس کا تمتع صحیح ہے، یا نہیں؟

(۲) اس پر دمِ تمتع ہے، یا نہیں؟

(۳) کیا اس پر کوئی دمِ جبر ہے، یا نہیں؟

(۴) تمتع پہلے عمرہ، یا دوسرے عمرہ سے ادا ہوا؟

(۵) آفاقی کے لیے ایک عمرہ سے زائد کرنا اَشہرِ حج میں صحیح ہے، یا نہیں؟

(۶) مدینہ منورہ سے واپسی پر اگر فقط حج کا احرام باندھا تو اس کا تمتع ادا ہوگا، یا نہیں؟

(۷) کیا اس پر دمِ جبر ہے، یا نہیں؟

(۸) آفاقی حاجی کا اَشہرِ حج میں میقات سے باہر نکلنا کیسا ہے؟

(۹) ان صورتوں میں بہتر کون سی صورت ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

''اَشہرِ حج میں اگر کوئی شخص عمرہ کر کے مدینہ طیبہ چلا گیا، پھر وہاں سے واپسی کے بعد صرف حج کا احرام باندھ کر آیا تو تمتع صحیح ہوگا، یہ امام صاحب کے نزدیک ہے، بخلافِ صاحبین رحمہما اللہ کے، ان کے نزدیک پہلا تمتع باطل ہو گیا۔ ہاں اگر پھر مدینہ منورہ سے عمرہ کا احرام باندھ کر آئے اور پھر حج کرے تو ان کے نزدیک تمتع ہو جائے گا؛ مگر امام صاحب کے نزدیک ایسا نہ کرے''۔ معلم الحجاج، ص: ۲۱۸، میں مولانا شیر محمد کے حاشیہ کے حاشیہ نمبر: ۱، سے یہ عبارت لی گئی ہے۔(۱) اس عبارت سے آپ کے تمام سوالات کے جوابات صراحۃً، یا اشارۃً نکل آئے۔ اب نمبر وار جوابات لیجئے:

(۱) صاحبین کے نزدیک اس کا تمتع صحیح ہے۔

---

(۱) معلم الحجاج: ۲۵۲، ادارۃ القرآن، کراچی/ وقرۃ العینین فی زیارۃ الحرمین، ص: ۲۶۰-۲۶۳، شہزادہ ٹرسٹ/ وزبدة المناسک مع عمده المناسک، ص: ۳۰۹-۳۱۸، سعید

''(قوله: لبقاء سفره) أما إذا أقام بمكة أو داخل المواقيت، فلأنه ترفق بُنسكين في سفر واحد في أشهر الحج، وهو علامة التمتع. وأما إذا أقام خارجها، فذكر الطحاوي أن هٰذا قول الإمام، وعندهما لايكون متمتعا؛ لأن المتمتع من كانت عمرته ميقاتية، وحجته مكية، وله أن حكم السفر الأول قائم مالم يعد إلٰى وطنه، وأثر الخلاف يظهر في لزوم الدم. وغلطه الجصاص في نقل الخلاف، بل يكون متمتعاً إتفاقا؛ لأن محمداً ذكر المسئلة، ولم يحك فيها خلافاً. قال أبو اليسر: وهو الصواب. وفي المعراج: أنه الأصح، إلخ''. (رد المحتار، كتاب الحج، باب التمتع: ۵۴۲/۲، مكتبة دار الفكر بيروت، انيس)

(۲) ان کے نزدیک دمِ تمتع واجب ہے۔

(۳) میقات سے باہر چلے جانے کی وجہ سے اس کا پہلا تمتع باطل ہوگیا، اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر دمِ جبر واجب ہو۔

(۴) دوسرے عمرہ سے تمتع منعقد ہوا۔

(۵) اس میں اختلاف ہے، معلم الحجاج، ص:۲۲۱، پر یہ مسئلہ مذکور ہے اور حاشیہ نمبر:۱، پر اختلاف نقل کیا ہے۔(۱)

(۶) امام صاحبن کے نزدیک اس کا تمتع ادا ہو جائے گا۔

(۷) اس پر دمِ جبر واجب نہیں۔

(۸) نامناسب ہے۔

(۹) بہتر صورت امام صاحب کے نزدیک یہی ہے کہ مدینہ طیبہ سے فقط حج کا احرام باندھ کر آئے، عبادات میں بروقتِ اختلاف امام صاحب کے قول پر فتویٰ ہوتا ہے۔(۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۳۹۱-۳۹۳)

ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ کرنے سے کیا تمتع باقی رہے گا:

سوال: ایک شخص جو رمضان سے پہلے مکہ معظّمہ جا کر عمرہ کر کے حلال ہو کر مقیم رہا اور اُشہرِ حج وہیں شروع ہو گئے، پھر شوال میں مدینہ منورہ گیا، مدینہ سے واپسی کے وقت بہتر بات یہ ہے کہ حج کا احرام باندھ کر آئے؛ لیکن عمرہ کا احرام باندھ کر آنے کی گنجائش ہے، یہ گنجائش مذکورہ دونوں صورتوں والوں کے لیے ہے۔ یا فرض ہے؟ اور اجازت کی وجہ کیا یہی ہے کہ یہ حاجی آفاقی ہے اور حقیقی طور پر مکی نہیں ہے؟ دوسرا وہ جو اُشہرِ حج میں عمرہ کے احرام سے مکہ معظّمہ جا کر حلال ہوا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

جس شخص نے اُشہرِ حج میں عمرہ کرلیا ہے، اس کے بعد مدینہ طیبہ میں حاضر ہوا، پھر اس سال حج کر کے وطن واپس ہوگا، امام صاحب کے نزدیک وہ شخص متمتع ہے، اس کو ایک عمرہ کر لینے کے بعد حج سے پہلے مدینہ سے چل کر عمرہ کرنے سے امام صاحب منع فرماتے ہیں اور صاحبین کے نزدیک مدینہ طیبہ چلے جانے کی وجہ سے اس کا تمتع باطل ہوگیا، اب اگر دوبارہ وہ عمرہ کرے گا تو تمتع صحیح ہو جائے گا، جس شخص نے اشہر حج میں عمرہ نہیں کیا، اگر چہ اس سے پہلے کیا ہو، وہ

(۱) متمتع ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ حج سے پہلے کرسکتا ہے۔

"قال في اللباب: ولا يعتمر قبل الحج. وقال القاری في الشرح: وهذا بناءٌ علىٰ أن المتمتع آفاقی غیر ممنوع من العمرة، فجازله تکرارها؛ لأنها عبادة مستقلة کالطواف" (لباب المناسک مع المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط لملا علي القاری، ص:۳۱۹، دار الکتب العلمية بیروت، انیس)

(۲) سوالات کو تفصیلی جوابات کے ساتھ دیکھیے: فتاوی رحیمیہ:۶/۳۹۶، دارالاشاعت کراچی

مدینہ طیبہ کی زیارت سے فارغ ہوکر جب حج کے لیے آئے اور احرام باندھ کر عمرہ کرے تو اس میں کوئی اشکال ہی نہیں۔ (۱) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۷/۱۳۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۷/۱۳۸۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۹۳/۱۰)

اشہر حج سے پہلے عمرہ کرنے سے تمتع نہیں ہوتا:

سوال: حج میں اگر حاجی ایامِ حج سے پہلے حِج تمتع میں عمرہ کا احرام باندھ کر حرم میں داخل ہوا اور عمرہ کے سب کام کرے، تو اس کا حِج تمتع ہوجائے گا، یا اس کو پھر ایامِ حج میں عمرہ کرنا پڑے گا، تب حج تمتع درست ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اَشہرِ حج شروع ہونے سے پہلے یعنی شوال شروع ہونے سے پہلے اگر عمرہ کیا اور پھر حج کیا تو وہ تمتع نہیں ہوگا۔ (۲) اشہر حج میں عمرہ کر کے حلال ہوکر پھر حج کے لیے احرام باندھ کر حج کرنے سے تمتع ہوگا۔ (۳) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۸/۱۳۸۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۹۴/۱۰-۳۹۵)

---

(۱) فأما إذا عاد إلٰی غیر أهله، بأن خرج من المیقات، ولحق بموضع لأهله القران والتمتع کالبصرة مثلا أونحوها، واتخذ، أولم یتخذ هناک داراً، توطن بها أولم یتطوطن، ثم عاد إلٰی مکة، وحج من عامه ذالک، فهل یکون متمتعا؟ ذکرفی الجامع الصغیر أنه یکون متمتعاً، ولم یذکر الخلاف. وذکر القاضی أیضاً أنه یکون متمتعاً، فی قولهم. وذکر الطحاوی: أنه یکون متمتعاً فی قول أبی حنیفة رحمه اللّٰه تعالٰی: وهٰذا وما إذا أقام بمکة، ولم یبرح منها سواء. وأما فی قول أبی یوسف ومحمد رحمهما اللّٰه تعالٰی: فلا یکون متمتعاً، ولحوقه بموضع لأهله التمتع والقرآن، ولحوقه بأهله سواءٌ. وجه قولهما: أنه لما جاوز المیقات، ووصل إلٰی موضع لأهل التمتع والقران، فقد بطل حکم السفر الأول، وخرج من أن یکون من أهل مکة؛ لوجود إنشاء سفر آخر، فلا یکون متمتعاً کما لورجع الٰی أهله. ولأبی حنیفة رحمه اللّٰه تعالٰی: أن وصوله إلٰی موضع لأهله القران والتمتع لایُبطل السفر الأول ما لم یُعد إلٰی منزله؛ لأن المسافر ما دام یتردد فی سفره، یعد ذلک کله منه سفراً واحداً، ما لم یعد إلٰی منزله، ولم یعد ههنا، فکان السفر الأول قائماً، فصار کأنه لم یبرح من مکة، فیکون متمتعاً، ویلزمه هدی المتعة". (بدائع الصنائع، کتاب الحج، فصل: وأما بیان مایحرم به: ۱۷۵/۲، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس)

(۲) لا یسمی تمتعا إذا کان أحدهما فی غیر أشهر الحج، والآخر فی أشهر الحج. (تبیین الحقائق، باب التمتع: ۳۳۸/۲، دارالکتب العلمیة بیروت، انیس)

وعلم من هٰذا أن الاعتمار فی سنة قبل أشهر الحج مانع من التمتع فی سننه. (البحر الرائق، باب التمتع: ٦٤٥/٢، رشیدیة)

الثامنة: واختلفوا فیمن إنشا عمرة فی غیر أشهر الحج، ثم عمل لها فی أشهر الحج، فقال، مالک: عمرته فی الشهر الذی حل فیه، یرید إن کان حل منها فی غیر أشهر الحج، فلیس بمتمتع، وإن کان حل منها فی أشهر الحج، فهو متمتع، إن حج من عامه. (تفسیر القرطبی (سورة البقرة: ١٩٦): ٢٦٤/٢، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۳) أما المتمتع فالمعروف أنه الاعتمار فی أشهر الحج، ثم التحلل من تلک العمرة، والإهلال بالحج فی تلک السنة". (فتح الباری، باب التمتع والقران و الافراد بالحج، وفسخ الحج لمن لم یکن معه هدی: ٥٣٩/٣، قدیمی)

قارن کے لیے وطن کے اعتبار سے حرم میں قربانی افضل ہے:

سوال: قارن قران کے شکر میں قربانی دینے کے بعد وہ اور بھی قربانی جو اپنے وطن میں کرتا تھا وہاں کرے، یا اپنی اولاد کو وطن میں قربانی کرنے کو کہہ دے۔کون افضل ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اس کی طرف سے اس کی اولاد قربانی کردے گی، اس کے کہنے کے مطابق تو اس کی قربانی درست ہو جائے گی؛(۱) لیکن حرم محترم میں قربانی کا اجر بہت زیادہ ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۳۹۵)

عمرہ کے بعد کیا بال منڈوانا لازم ہے:

سوال(۱) زید جدہ میں ملازم ہے، تقریباً ہر ہفتہ عمرہ کرتا ہے، عمرہ کے بعد باریک مشین سے بال کٹوادیتا ہے، استرہ سے نہیں مونڈتا ہے؛ کیوں کہ اس نے معلم الحجاج میں پڑھا ہے کہ بال کتروانے کی اجازت ہے، اگرچہ مونڈوانا افضل ہے۔ ہر ہفتہ عمرے کے بعد بال رگڑ کر مشین سے کٹوادیتا ہے، اسی طرح بہت سے عمرہ کر چکا ہے، اس دفعہ عمرہ کے بعد کسی شخص نے بتایا کہ اس طرح جائز نہیں، بال منڈوانا لازم ہے۔ برائے مہربانی مجھے مطلع فرمائیں کہ یہ شخص تو اب تک اسی طرح بیسیوں عمرے کر چکا ہے، اب وہ کیا کرے؟ اس کا کیا علاج کرے، جو کہ وہ کر چکا ہے؟

حج کے مہینوں میں بار بار عمرہ:

(۲) کیا حج کے مہینوں میں عمرہ جائز ہے؟ معلم الحجاج والے بزرگ کہتے ہیں کہ جائز ہے؛ لیکن کئی دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ ناجائز ہے۔صحیح جواب کا انتظار ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

(۱) اگر مشین ایسی ہے کہ چھوٹے سے چھوٹا بال بھی کاٹ دیتی ہے تو اب کسی تدارک کی ضرورت نہیں، سب عمرہ درست ہو گئے، البتہ ایسی حالت میں احتیاط یہ ہے کہ استرہ پھیر دیا کریں۔(۳)

---

(۱) وکذالک لولم یوص وأمر رجلاً أن یضحی عنه ولم یسم شیئاً، فهو جائز. (الفتاویٰ الهندیة: ۵/۳۰۶، کتاب الأضحیة، الباب التاسع فی المتفرقات، رشیدیة)

(۲) وجائت أحادیث تدل علی تفضیل ثواب الصوم وغیره من القربات بمکة إلا أنها فی الثبوت لیست کأحادیث الصلاة فیها. (رد المحتار، کتاب الحج، مطلب فی مضاعفة الصلاة بمکة: ۲/۵۲۵، سعید)

(۳) فإن حلق رأسه بالنورة أجزأه، والموسی أفضل، أما الجواز فلحصول المقصود، وهو ازالة الشعر، وأما أفضلیة الحلق بالموسیٰ. (بدائع الصنائع، کتاب الحج، فصل أما الحق والتقصیر: ۳/۹۹-۱۰۰، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس)

(۲) عمرہ صرف ایام حج میں نہیں، بقیہ تمام سال جائز ہے۔(۱) البتہ جو شخص تمتع کرے یعنی اشہر حج میں عمرہ کر کے حلال ہو جائے، پھر اسی سال حج کرے تو بعض فقہا نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ اشہر حج میں عمرہ کرنے کے بعد حج سے پہلے اگر عمرہ کرے گا تو تمتع باطل ہو جائے گا؛ مگر دوسرے فقہا نے فرمایا ہے کہ جب دوسراہ عمرہ کیا تو اس کے ذریعہ سے تمتع ہو جائے گا، علی ہذا القیاس جتنے عمرے کرے گا، اخیر عمرہ کے ذریعہ تمتع ہو جائے گا۔(۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند،۳/۳/۱۳۹۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۳۹۶/۱۰-۳۹۷)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تمتع سے منع کرنے کی وجہ:

سوال: حج کی اقسام ثلاثہ سے تمتع کے اندر آدمی افعالِ عمرہ سے فارغ ہو کر مکہ معظّمہ میں ایامِ حج تک حلال ہو کر اپنے علاقائی لباس، وضع قطع، ہیئت، نیز خاندانی اور قومی خصوصیات وامتیازات کے ساتھ رہتا ہے، چوں کہ اس صورت میں حجاج کرام میں باہمی علاقائیت کے جذبات ابھرنے، تخریب، گروہ بندی، نیز قومی خاندانی، ملکی عصبیت کے جذبات پیدا ہونے کا قوی امکان؛ بلکہ یقین ہے، جو مقصدِ حج یعنی اتحاد بین المسلمین، باہمی یگانگت مساوات وغیرہ کے منافی ہے؛ اس لیے دورِ خلافت راشدہ میں حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے خلافت کے زمانہ میں تمتع پر بالکلیہ پابندی لگا رکھی تھی اور قطعاً کسی کو تمتع کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی؛ لیکن پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں تیسیراً علی الناس (لوگوں کی سہولت کی غرض سے) تمتع کی اجازت دے دی اور لوگوں نے تمتع کیا، چناں چہ مذکورہ بالا مفاسد (علاقائیت کے جذبات تخریب، گروہ بندی وغیرہ وغیرہ) امکان سے فعل میں آ گئے، لوگوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف میٹنگیں کیں اور ان کے خلاف محاذ قائم کیا، جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر منتج ہوا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ حضراتِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے اپنے دورِ خلافت میں خود، یا صحابہ، یا تابعین

---

(۱) اتفق العلماء علٰی أن العمرة تجوز فی أی وقت من أوقات السنة فی أشهر الحج وغیرها،الخ.(الفقه الإسلامی وأدلته،باب وقت العمرة:۶۶/۲،المکتبة الحقانیه پشاور)

وقت العمرة (السنة) : أی أیامها(کلها وقت لها): أی لجوازها، (إلا أنه) :أی الشان (یکره تحریماً): أی کراهة تحریم ... (إنشاء إحرامها فی الأیام الخمسة): أی المذکورة سابقاً،إلخ". (مناسک الملا علی القاری،باب العمرة،فصل فی وقتها،ص:۴۶۶، إدارة القرآن والعلوم الإسلامیة، کراتشی)

(۲) لوم أحرم لعمرة قبل أشهر الحج فقضاها وتحلل وأقام بمكة،فأحرم بعمرة،ثم حج من عامه ذلک،لم یکن متمتعاً،فإن کان حین فرغ من الأولٰی خرج،فجاوز المیقات قبل أشهر الحج،فأهل منه لعمرة فی أشهر الحج،وحج من عامه فهو متمتع،وإن کان جاوز المیقات فی أشهر الحج،لم یکن متمتعاً،إلا إذا خرج إلٰی أهله،ثم اعتمر،ثم حج من عامه عند أبی حنیفة رحمه اللّٰه تعالٰی.وعندهما:هو متمتع جاوم المیقات قبل أشهر الحج أو بعدها،کذا فی محیط السرخسی.(الفتاوٰی الهندیة، الباب السابع فی القران والتمتع:۲۳۹/۱،۲۴۰،مکتبة زکریا دیوبند،انیس)

میں سے کسی نے ان کے علم اور اجازت سے کبھی تمتع نہیں کیا؟ مذکورہ بالا خیال تاریخ، اقوال وآثار اور عملِ صحابہ ان کی روشنی میں صحیح ہے؟ اگر صحیح ہو تو اس کی تائید کی روایات اقوال وا ثار صحابہ میں سے کچھ بطورِ مثال تحریر فرما کر ممنون فرمائیں؟

(۲)　اگر یہ خیال صحیح نہیں نہ ہو؛ بلکہ حضرات شیخین کے دور میں تمتع معمول بہ ہو اور اس پر عام پابندی ونکیر نہ ہو، تو اقوال وآثارِ صحابہ میں سے کچھ اس کی تائید میں حوالہ کے ساتھ نقل فرما کر صحیح رہنمائی فرمائیں؟

(۳)　حضرات شیخین کے دور میں قران، یا اِفراد کی شکل میں حج ہوتا تھا اور طوافِ زیارت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جبراً وکرھاً (حتی کہ دُرے سے پٹائی کرکے) آفاقی حجاج کرام کو اپنے اپنے وطن واپس کردیتے تھے اور مکہ معظّمہ میں قیام نہیں کرنے دیتے تھے؛ کیوں کہ اب وہ احرام سے حلال ہوکر اپنے اصلی وضع قطع اور لباس وغیرہ میں آگئے ہیں؛ اس لیے کہ کہیں مذکورہ بالا مفاسد پیدا نہ ہوجائیں۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

جن بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حج وعمرہ ایک ساتھ کرنے کو منع فرمایا ہے، اس کی تین وجوہ حافظ ابوبکر جصاص ؒ نے احکام القرآن میں لکھی ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ حج کی طرح عمرہ بھی مستقل عبادت ہے، اس کے لیے بھی مستقل سفر کیا جائے، جیسا حج کے لیے کیا جاتا ہے، اس کو حج کے ضمن میں ادا کرنے سے اس کی استقلالی شان نہیں رہے گی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جس طرح اوقاتِ حج میں زائرین وطائفین سے بیت اللہ معمور رہتا ہے، اسی طرح غیر اوقاتِ حج میں بھی معتمرین سے معمور رہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ حجاج ومعتمرین سب ہی ایک وقت میں جمع ہوں تو ازدحام زیادہ ہوکر سب کو ضیق ہوتی ہے، اس سے حفاظت رہے اور مناسک بہ آسانی ادا ہوں، لہٰذا جو کچھ اختلاف ہے، وہ حظر واباحت کا اختلاف نہیں؛ بلکہ افضلیت کا اختلاف ہے۔

”وقد روى عن أصحاب النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى هٰذه المتعه رواياتٌ ظاهرها يقتضى الاختلاف فى إباحتها، وإذا حصلت، كان الاختلاف فى الأفضل، لا فى الحظر والاباحة“. (كذا فى أحكام القرآن: ۱/ ۲۸۲)(۱)

”وذلک لمعان: أحدها: الفضيلة، ليكون الحج فى الأشهر المعلومة له، وتكون العمرة فى غيرها من الشهور، والثانى أنه أحب عمارة البيت ويكثر زواره فى غيرها من الشهور، والثالث: أنه رأى إدخال الرفق علىٰ أهل الحرم بدخول الناس إليهم، فقد جائت بهذه الوجوه أخبار مفسرة عنه، آه“. (أحكام القرآن)(۲)

”وزعم من صحح نهى عمر عن التمتع، أنه إنما نهى عنه، لينجع البيت مرتين أو أكثر فى العام، حتىٰ تكثر عمارته بكثرة الزوار له فى غير الموسم، وأراد إدخال الرفق علىٰ أهل الحرم بدخول الناس تحقيقا لدعوة إبراهيم“. (تفسير القرطبى)(۳)

(۱،۲)　أحكام القرآن للجصاص، سورة البقرة، باب التمتع بالمعرة إلى الحج: ۱/ ۳۹۰، قديمى

(۳)　تفسير سورة البقرة، الآية: ۱۹۶، ۲/ ۲۵۶، داراحياء التراث العربى بيروت

پھر وہ اخبار بھی سند کے ساتھ نقل کی ہیں، جن سے ان وجوہ پر استدلال مقصود ہے، اس کے بعد اپنی سند حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تک پہنچا کر لکھا ہے۔

”عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: سمعت عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه يقول: ”لو اعتمرت، ثم اعتمرت، ثم اعتمرت، ثم حججت لتمتعت“. ففی هٰذا الخبر اختياره للمتعة، فثبت بذلک أنه لم يكن ما كان منه فی أمر المتعة علٰی وجه النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ عليه وسلم، وإنما كان علٰی وجه اختيار المصلحة لأهل البدل تارة ولعمارة البيت أخرٰی“. (۱)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق سنئے:

”عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما: لأن اعتمر فی شوال، أو فی ذی القعدة، أو فی ذی الحجة فی شهر يجب علٰی فيه الهدی أحب إلٰی من أن اعتمر فی شهر لا يجب عليه فيه، آه“. (أحكام القرآن: ۱/ ۲۸۵) (۲)

بخاری شریف، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیۃ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا زمانۂ حصار ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں عمرہ کے لیے جانا اور جب فتنہ کی وجہ سے بعض اولاد نہ جانے کا مشورہ دیا تو یہ فرمانا منقول ہے:

”عن نافع أن بعض بنی عبد اللّٰہ قال له: لو أقمت العام، فإنی أخاف أن لا تصل إلی البيت، قال: خرجنا مع النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ عليه وسلم، فحال كفار قريش دون البيت، فنحر النبی صلی اللّٰہ عليه وسلم هداياه، وحلق، وقصر أصحابه، أشهدُكم أنی أوجبت عمرةً، فإن خلی بينی وبين البيت، طفتُ، وإن حيل بينی وبين البيت، صنعت كما صنع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ عليه وسلم، فسار ساعةً، ثم قال: ما أری شانهما إلا واحدة، أشهدُكم أنی قد أوجبت حجة مع عمرتی، آه“. (صحيح البخاری، ص: ۱ ۶۰)(۳)

امید ہے کہ اس تفصیل کے بعد اشکال باقی نہیں رہے گا۔

تنبیہ: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمتع سے منع فرمایا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اجازت دی ہے، (كما فی أحكام القرآن: ۱/ ۲۸۵)(۴) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۶/۱۱/۱۳۸۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/ ۳۹۷-۴۰۰)

---

(۱) أحكام القرآن للجصاص، سورة البقرة، باب التمتع بالعمرة إلی الحج: ۱/ ۳۹۰، قديمی/ ومصنف ابن ابی شيبة، باب فی المتعة من كان يراها أو يرحص فيها: ۳/ ۲۲۰، دار الكتب العلميه بيروت، انيس

(۲) أحكام القرآن للجصاص، سورة البقرة، باب التمتع بالعمرة الی الحج: ۱/ ۳۹۰، قديمی

(۳) صحيح البخاری، باب غزوة الحديبية، لقول اللّٰہ تعالیٰ: ﴿لقد رضی اللّٰہ عن المؤمنين اذ يبايعونک تحت الشجرة﴾ (الآية): ۲/ ۶۰۱، قديمی

(۴) عن قتادة قال: سمعت جری بن كليب يقول: رأيت عثمان ينهی عن المتعة وعلی يأمر بها، إلخ“. (أحكام القرآن للجصاص، سورة البقرة، باب التمتع بالعمرة إلی الحج: ۱/ ۳۴۵، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

حج تمتع کرنے والوں کے لیے عمرہ:

سوال: جو لوگ محض تمتع کر رہے ہوں، کیا ان کے لیے یہ بات درست ہے کہ مکہ مکرمہ پہونچنے کے بعد حج سے پہلے مزید عمرہ کر لیں؟ (عبد الرحمٰن، ورنگل)

الجواب ـــــــــــــــــــــــ

حج تمتع کرنے والا آفاقی بھی عمرے کر سکتا ہے، اس میں کچھ حرج نہیں، چناں چہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: "**والظاهر أن المتمتع بعد فراغه من العمرة لا يكون متمتعا من إتيان العمرة، فإنه زيادة عبادة، إلخ**". (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۴/۴۷)

حج تمتع میں عمرہ کے بعد بیوی سے قربت:

سوال: حاجی حج تمتع میں احرام عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد کیا اپنی بیوی سے قربت کر سکتا ہے، یا نہیں؟ بہ تقاضائے بشریت اگر ایسا ہو گیا تو اس کے لیے شریعت نے کیا حکم دیا ہے؟ (محمد نعیم قادری، نظام آباد)

الجواب ـــــــــــــــــــــــ

حج تمتع کا طریقہ یہ ہے کہ میقات سے عمرہ کا احرام باندھا جائے اور حرم شریف پہونچ کر عمرہ کر کے احرام کھول دیا جائے، پھر جب ایامِ حج شروع ہوں تو حج کا احرام باندھا جائے، عمرہ کا احرام کھولنے کے بعد احرام باندھنے والا حلال ہو جاتا ہے اور جیسے دوسری ممنوعاتِ احرام اس کے لیے حلال ہو جاتی ہیں، اسی طرح میاں بیوی کے درمیان تعلق بھی جائز ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں اور نہ اس کی وجہ سے کچھ واجب ہوتا ہے۔ (۲) (کتاب الفتاویٰ: ۴/۴۷)

حکم تبدیل احرام حج بعمرہ:

سوال: حجۃ الوداع میں آپ نے محرمین حج کو حکم دیا کہ جس نے سوق ہدی نہ کی، وہ عمرہ کر کے حلال ہو جائے، چناں چہ ایسا کیا گیا، آیا اب بھی احرام حج مبدل بعمرہ ہو سکتا ہے، اگر نہیں تو کیوں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ

مسئلہ مختلف فیہ ہے، امام احمد اب بھی اس فسخ الحج بالعمرہ کے جواز کے قائل ہیں اور جمہور مانع ہیں۔ دلیل جمہور کی

---

(۱) منحة الخالق على البحر الرائق: ۲/۳٦۸

(۲) (قَوْلُهُ وَأَقَامَ بِمَكَّةَ حَلَالًا) هَذَا لَيْسَ بِلَازِمٍ فِي التَّمَتُّعِ، بَلْ إنْ أَقَامَ بِهَا حَجَّ كَأَهْلِهَا فَمِيقَاتُهُ الْحَرَمُ، وَإِنْ أَقَامَ بِالْمَوَاقِيتِ أَوْ دَاخِلِهَا حَجَّ كَأَهْلِهَا فَمِيقَاتُهُ الْحِلُّ، وَإِنْ أَقَامَ خَارِجَ الْمَوَاقِيتِ أَحْرَمَ فِيهَا كَذَا فِي الْقُهُسْتَانِيِّ، فَقَوْلُهُ ثُمَّ يُحْرِمُ بِالْحَجِّ يَجْرِي عَلَى هَذَا التَّفْصِيلِ ط، تَنْبِيهٌ: أَفَادَ أَنَّهُ يَفْعَلُ مَا يَفْعَلُهُ الْحَلَالُ، فَيَطُوفُ بِالْبَيْتِ مَا بَدَا لَهُ وَيَعْتَمِرُ قَبْلَ الْحَجِّ، وَصُرِّحَ فِي اللُّبَابِ بِأَنَّهُ لَا يَعْتَمِرُ: أَيْ بِنَاءً عَلَى أَنَّهُ صَارَ فِي حُكْمِ الْمَكِّيِّ وَأَنَّ الْمَكِّيَّ مَمْنُوعٌ مِنْ الْعُمْرَةِ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ وَإِنْ لَمْ يَحُجَّ، وَهُوَ الَّذِي حُطَّ عَلَيْهِ كَلَامُ الْفَتْحِ وَخَالَفَهُ فِي الْبَحْرِ وَغَيْرِهِ بِأَنَّهُ مَمْنُوعٌ مِنْهَا إنْ حَجَّ مِنْ عَامِهِ وَسَيَأْتِي تَمَامُهُ. (ردالمحتار، باب التمتع: ۲/۵۳۷، دار الفكر بيروت، انيس)

حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے:

’’قال: قلت: یارسول اللّٰہ ! فسخ الحج، لنا خاصة، أم للناس عامة، قال: بل لنا خاصة‘‘. (رواه أبوداؤد والنسائی)(۱)

اور اس حدیث کو گو ضعیف کہا گیا ہے؛ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فتوی:’’إن نأخذ بكتاب اللّٰه فإن اللّٰه تعالٰی أمر بالاتمام، قال اللّٰه تعالٰی:﴿أتموا الحج والعمرة للّٰه﴾ وأن نأخذ بسنة النبی صلی اللّٰه عليه وسلم فإنه لم يحل حتٰی نحر الهدی. (رواه الشيخان)(۲)

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فتوی’’لما سئل عن متعة الحج؟ قال:كان لنا، ليست لكم‘‘.(رواه أبوداؤد وبإسناد صحيح)(۳)

اور ظاہر ہے کہ اس متعۃ الحج سے فسخ الحج بالعمرۃ ہے، نہ کہ تمتع بالعمرۃ الی الحج؛ کیوں کہ اس کا عموم منصوص ومجمع علیہ ہے اور اسی طرح ابوذر کا فتوی’’أنه كان يقول فيمن حج ثم فسخها بعمرة: لم يكن ذلك إلا للركب الذين كانوا مع رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم‘‘.(رواه أبوداؤد)(۴)

اور ایک روایت میں ان کے یہ الفاظ ہیں:’’إنما كانت المتعة لنا خاصة‘‘.(۵)

اور گو یہ اثر ابوذر کا مرسل ہے؛ لیکن مرسل ہمارے نزدیک حجت ہے۔غرض یہ تینوں فتوی اس حدیث کے ضعف کے رافع اور اس کی صحت معنویہ کے موجب ہیں اور اگر حضرت عمرؓ کے اس قول سے کہ ’’متعتان كانتا علٰی عهدی رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم وأنا أحرمهما‘‘. (۶) شبہ ہو کہ یہ منع ’’فسخ الحج بالعمرة‘‘ حضرت عمرؓ کی رائے ہے؛ اس لیے حدیث ضعیف مرفوع کی تقویت وصحت کی دلیل نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ’’أحرمهما‘‘ کے معنی میں ’’أظهر حرمتها التی ثبت عندی عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم‘‘. اس کا واضح قرینہ یہ ہے کہ دوسرے متعہ کی حرمت یقیناً حدیث مرفوع صحیح سے ثابت ہے، پس جس طرح وہ حضرت عمرؓ کی رائے نہیں، اسی طرح یہ بھی ان کی رائے نہیں، وابسطه فی التفسير المظهری وفيما الخصنا كفاية إن شاء اللّٰه تعالٰی.

۲۷/رجب ۱۳۵۱ھ (النور، ص:۹، ربیع الاول ۱۳۵۲ھ)(امداد الفتاوی:۱۶۵/۲)

(۱) سنن ابن ماجة،باب من قال كان فسخ الحج لهم خاصة،رقم الحديث: ۲۹۸۴/سنن أبی داؤد،باب الرجل يهل بالحج ثم يجعلها عمرة،رقم الحديث:۱۸۰۸،انیس

(۲) صحيح البخاری،باب من أهل فی زمن النبی صلی الله عليه وسلم،رقم الحديث:۱۵۵۹/صحيح لمسلم، باب فی نسخ التحلل من الإحرام،رقم الحديث:۱۲۲۱،انیس

(۳) زاد المعاد:۲۱۳/۱، بحواله إعلاء السنن:۲۷۳/۱۰،رقم الحديث:۱۸۵۷،انیس

(۴) سنن أبی داؤد،باب الرجل يهدی بالحج ثم يجعلها عمرة،رقم الحديث:۱۸۰۷،انیس

(۵) مسند البزار،قول أبی ذر،رقم الحديث:۴۰۰۶،انیس

(۶) سنن سعيد بن منصور،باب ماجاء فی المتعة،رقم الحديث:۸۵۲،انیس

اہل جدہ کے لیے تمتع اور قران کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ جدہ میں رہنے والے جب حج کے لیے مکہ مکرمہ جانا چاہے تو جدہ سے احرام باندھے، یا بغیر احرام کے جائے؛ یعنی جدہ میقات کے اندر ہے، یا باہر؟ اور جدہ کے لوگ قران اور تمتع کر سکتے ہیں، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: شائستہ خان بلوچ، جدہ، ۱۴۰۱/۵/۱۸ھ)

الجواب

جن علما نے جدہ کو میقات سے باہر شمار کیا ہے، وہو الظاہر الراجح، (۱) توان علماء کے نزدیک اہل جدہ تمتع اور قران کر سکتے ہیں، (۲) اور بغیر احرام کے (بغیر نیت عمرہ کے) مکہ معظّمہ داخل نہیں ہو سکتے۔ (شامی) (۳) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ:۲۸۴/۴)

اشہر حج میں جدی حاجی عمرہ کے بعد حج کی نیت کرے تو؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید جدہ میں ہے، اس نے اشہر حج میں عمرہ بھی ادا کیا ہے، بعد عمرہ کے حلال ہو کر دوبارہ قران کا احرام باندھا۔ کیا زید پر دم واجب ہوگا، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: عمر دراز، ٹنڈو محمد خان، سندھ)

---

(۱) مفتی نظام الدین اعظمی دیوبندی نے کہا ہے کہ: خود جدہ بھی مکہ مکرمہ سے دو منزل سے کچھ زائد فاصلہ (تقریباً ۳۶ میل انگریزی سے) پر حل کبیر اور آفاق میں واقع ہے اور حد میقات وخط میقاتی جدہ سے تقریباً ایک منزل مکہ مکرمہ کی جانب آگے بڑھ کر اس خط مستقیم پر واقع ہے، جو یلملم سے چل کر سیدھا رابغ و جحفہ کو پہنچتا ہے اور وہی خط مستقیم خط میقاتی ہے اور محاذاۃ میقات اسی خط پر واقع ہوتی ہے؛ کیوں کہ اس خط کا مقام اور جگہ معلوم ومتعین نہیں ہے اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حدود میقات سے تجاوز کئے بغیر مکہ مکرمہ کے قریب پہنچ جائے اور میقات ومحاذات میقات کا علم ویقین نہ ہو تو کعبۃ اللہ سے دو منزل کی دوری پر ہی احرام باندھ لے۔ (کما فی الدر المختار) اور جدہ سے قبل چوں کہ کسی میقات سے، یا کسی میقات کی محاذات سے تجاوز نہیں ہوتا اور نہ دو منزل سے کم کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے کہیں ہوتا ہے؛ اس لیے جدہ پہنچنے سے قبل احرام باندھنا واجب ولازم نہیں ہوتا۔۔۔۔حدود میقات، یا محاذات میقات کا اگر کوئی شخص یہ مفہوم لے کہ بیت اللہ شریف سے کوئی خط مستقیم چل کر کسی میقات پر سے گزرتا ہوا سیدھا آگے بڑھتا ہوا حل کبیر وآفاق میں سمندری علاقہ میں گزرتا ہوا چلا جائے تو وہ سب خط میقاتی ہے اور اس خط پر بغیر احرام باندھے ہوئے آگے بڑھنا اور تجاوز کرنا حدود میقات سے تجاوز کرنا شمار ہوگا تو یہ مفہوم بچند وجوہ غلط ہے الخ۔ (نظام الفتاویٰ ۲: ۱۸۰، کتاب الحج) / (ومثلہ فی جواہر الفقہ للشیخ المفتی محمد شفیع الدیوبندی)

(۲) قال العلامة الحصكفي: والمكي ومن في حكمه (اى من اهل داخل المواقيت) يفرد فقط ولو قرن او تمتع جاز واساء وعليه دم جبر. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار: ۲/ ۲۱٤، باب التمتع)

(۳) قال العلامة الحصكفي: وحرم تأخير الاحرام عنها لمن اى لآفاقى قصد دخول مكة يعنى الحرم ولو لحاجة غير الحج. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار: ۲/ ۱٦۷، فصل فى المواقيت)

الجواب

اگر جدہ زمین حل سے باہر ہو، کما ہورأی بعض الاکابر، (۱) تو اس شخص پر دم شکر واجب ہوگا، اور اگر زمین حل؛ یعنی مواقیت کی محاذات سے باہر نہ ہو؛ بلکہ داخل ہو، (۲) تو اس شخص پر دم صورت میں حج بدل کا احرام جدہ سے ہوگا اور یہ ظاہر ہے اہل ہند کے لیے یلملم کے محاذات کسی معتبر طریقے سے نہیں ہوتی، لہٰذا جدہ ان کے لیے میقات ہے۔ جبر واجب ہوگا۔ (۳) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ:۲۸۵/۴)

حج تمتع کی صورت میں دم شکر واجب اور عمرہ کے بعد احرام کھولنے کا مسئلہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ چند حجاج کرام حج تمتع کے لیے ذی الحجہ سے کوئی چار ماہ قبل مکہ مکرمہ پہنچے اور عمرہ کے بعد احرام کھول لیا، شوال میں ایک مہینہ مدینہ منورہ میں گزارنے کے لیے وہاں چلے

---

(۱) مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں: احقر نے جہاں تک غور وفکر کیا ترجیح اسی کی معلوم ہوئی کہ بحری مسافروں کے لیے جدہ تک احرام کو مؤخر کرنا اور جدہ سے باندھنا نہ کوئی گناہ ہے، نہ اس سے دم لازم آتا ہے۔

مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری اہل ہند کے لیے بحری جہاز سے آنے کی صورت میں جدہ ہی کو ان کا میقات قرار دیتے تھے اور امداد الفتاویٰ تتمہ خامسہ طبع قدیم میں ہے کہ حضرت سہارنپوری صاحب نے عرض کیا کہ مدینہ کا راستہ بند ہونے کی مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صرف اتنی بات تجاوز عن المیقات کے لیے کہ مسافت جدہ اور یلملم برابر ہے، جدہ سے احرام باندھنے کے لیے کافی نہیں ۔۔۔ میرے نزدیک فقہی مسئلہ یہی ہے کہ بحری مسافر کو یلملم کی محاذات ہی سے احرام باندھنا ضروری ہے، ورنہ دم لازم آئے گا اور توبہ بھی کرنا پڑے گی۔ (جواہر الفقہ :۴۸۲/۱، حضرت بنوری کی رائے)

(۲) (ملخص جواہر الفقہ :۴۷۸/۱۔۴۸۴، مواقیت احرام)

مولانا مفتی نظام الدین اعظمی (دارالعلوم دیوبند) فرماتے ہیں: کہ خود جدہ بھی مکہ مکرمہ سے دو منزل سے کچھ زائد فاصلہ (تقریباً:۳۶رمیل انگریزی میل سے) پر حل کبیر اور آفاق میں واقع ہے۔ (نظام الفتاویٰ:۱۸۰/۲، کتاب الحج)

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نتیجہ یہ کہ محاذات یلملم کا علم ہوتے ہوئے جدہ تک تجاوز بدون احرام ناجائز ہے۔ (جواہر الفقہ :۴۸۶/۱، مفتی رشید احمد صاحب کی رائے)

حضرت سیدی وشیخی واستادی واستاد العلماء حضرت مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتہم کے نزدیک ان دو رائے میں سے راجح رائے یہ ہے کہ جدہ میقات سے باہر ہے، کما صرح بہ فی بعض الفتاویٰ، اسی طرح منہاج السنن شرح جامع السنن للترمذی:۱۰۴/۴، باب فی مواقیت الاحرام لاہل الآفاق' میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے کہ مواقیت کے درمیان خطوط مستقیمہ کی صورت میں جدہ آفاق اور حل کبیر میں آتا ہے؛ لیکن اس میں اس قید کا اضافہ کیا ہے کہ "**بأن لاتكون المسافة من هذا لخط إلى مكة أقل من مرحلتين تقديما لتصريحات الفقهاء على تحقيقات العلماء**"، اور دوسری رائے جو دائرہ کی صورت میں ہے، اس پر فقہی اشکال کو وجہ ضعف بنایا ہے کہ **الوصول إلى محيط الدائرة المارة على الميقات يكون مركزها مكه وهو تحقيق بعض الشيوخ ... ويرد عليه ان الذى يمر بعيدا من الميقات ولم يدر المحاذاة يلزم ان لا يصح احرامه من مرحلتين وهو خلاف تصريحات الفهقاء۔**

(۳) **قال العلامة الحصكفي: (المتمتع) ذبح كالقارن ... والمكي ومن في حكمه يفرد ولوقرن او تمتع جاز واساء وعليه دم جبر. (الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۲۱۳/۲۔۲۱۴، باب التمتع)**

گئے اور ذی قعدہ میں واپسی پر ذوالحلیفہ میں عمرہ کی نیت سے احرام باندھا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ لوگ عمرہ کے بعد احرام کھول سکتے ہیں، یا حج کی ادائیگی تک احرام میں رہ سکتے ہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ سے واپسی پر عمرہ کے بعد قبل از حج احرام کھول لینے سے دم واجب ہوتا ہے اور بعض لا بأس بہ کہتے ہیں کہ سات ذی الحجہ یعنی یوم ترویہ، یا آٹھویں ذی الحجہ کو حج کی نیت سے احرام باندھنا چاہیے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: محمد شفیع، ۱۹۷۴/۳/۵ء)

الجواب

اگر یہ شخص تمتع کا ارادہ رکھتا ہو تو ذوالحلیفہ والے عمرہ سے طواف اور سعی کے بعد احرام کھولے گا اور اس کے بعد حج کا احرام باندھے گا اور ایک دم شکر دے گا، جو کہ واجب ہے۔ (صرح بہ فی القرآن وصرح بہ فی الهداية والفتح والبحر ورد المحتار وغیرہ)(۱) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۸۷/۴)

مکہ مکرمہ میں مقیم کا شوال میں عمرہ ادا کرنے کی صورت میں حج افراد، یا تمتع کا مسئلہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اٹھارہ رمضان المبارک سے مکہ مکرمہ میں بہ نیت حج مقیم ہوں شوال کے مہینہ میں میں نے عمرہ ادا کیا۔ اب میرے لیے شرعا کیا حکم ہے؟ کیا میں دم ادا کروں اور حج افراد کی نیت کروں، یا میں حج تمتع کی نیت کروں اور قربانی کروں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: عبد الحفیظ، بقالۃ الفضل الزاہر، شارع الحج، مکہ مکرمۃ، ۱۹۸۹/۶/۱۷ء)

الجواب

اگر آپ اس عمرہ کے بعد (جو کہ شوال میں آپ نے ادا کیا ہے) قبل از حج مدینہ منورہ نہیں گئے ہوں تو آپ مفرد ہیں، متمتع نہیں ہیں اور اگر آپ اس عمرہ کے بعد قبل از حج مدینہ منورہ گئے ہوں اور وہاں سے واپسی پر عمرہ کا احرام کیا اور

---

(۱) قال اللّٰه تبارک وتعالیٰ: ﴿فاذا امنتم فمن تمتع بالعمرة الى الحج فمااستيسر من الهدى، فمن لم يجد فصيام ثلثة ايام فى الحج وسبعة اذا رجعتم﴾ (سورة البقرة: ۱۹۶)

قال العلامة المرغيناني: وصفة التمتع ان يبتدى من الميقات فى اشهر الحج فيحرم بالعمرة ويدخل مكة فيطوف لها ويسعى ويحلق او يقصر وقد حل من عمرته وهذا هو تفسير العمرة، قال ابن الهمام: فتحرير الضابط للمتمتع ان يفعل العمرة او اكثر طوافها فى اشهر الحج عن احرام بها قبلها او فيها ثم حج من عامه بوصف الصحة من غير ان يلم باهله بينهما الماما صحيحا. (الهداية مع فتح القدير: ۴۲۲/۲، باب التمتع)

قال العلامة ابن نجيم: (قوله وهو ان يحرم بعمرة من الميقات... ثم يحرم بالحج من الحرم ويحج ويذبح) فقوله من الميقات للاحتراز عن مكة فانه ليس لاهلها تمتع ولاقران الخ. (البحر الرائق: ۳۶۲/۲، باب التمتع)

قال العلامة الحصكفي: هو ان يفعل العمرة او اكثر اشواطها فى اشهر الحج... واقام بمكة حلالا ثم يحرم للحج فى سفر واحد...وذبح كالقارن. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار: ۲۱۱/۲-۲۱۲، باب التمتع)

اس کے بعد حج کیا تو عند الامام (حضرت امام ابوحنیفہؒ) آپ مفرد ہیں، اور اگر مدینہ منورہ سے واپسی کے وقت حج کا احرام کیا تو آپ متمتع ہیں۔ (ہندیہ از محیط) (۱) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۸۸/۴)

تمتع کے تین روزے دسویں ذی الحجہ سے پہلے ایام حج میں رکھے جائیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید حج کے لیے گیا۔ پندرہ ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ پہنچا اور چھ ذی الحجہ کو سب نقدی وغیرہ گم ہوگئی، پھر ذاتی استعمال کے کپڑے گھی وغیرہ فروخت کر کے سوڈیڑھ سو ریال حاصل کئے، موجودہ رقم میں ایک یا دو قربانیاں کی جا سکتی تھی؛ لیکن اس صورت میں جیب خالی ہوجاتی اور واپسی پر باقی ایام میں خرچہ نہ ہوتا، سات ذی الحجہ کو صبح مسئلہ معلوم ہوا کہ روزے رکھے جائیں، چوں کہ ساتویں ذی الحجہ کو روزہ ممکن نہیں تھا، البتہ آٹھویں کو روزہ رکھا، پھر نویں اور دسویں ذی الحجہ کو پیدل حج کی وجہ سے روزہ نہیں رکھا؛ اس لیے دو روزے تیرہ اور چودہ ذی الحجہ کو رکھ لیے اور سات پاکستان میں رکھ لیے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس حج تمتع کی قربانی جو واجب تھی، کیا ان روزوں سے یہ واجب ادا ہوا، اگر ادا نہیں ہوا تو اب اس قربانی کا کیا کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: محمد حمزہ گورنمنٹ کالج گوجرہ، ۱۹۷۴/۳/۲ء)

الجواب

واضح رہے کہ اس شخص پر ذبح متعین ہوا ہے، صوم سے اس کا ذمہ فارغ نہیں ہوا ہے، پس یہ شخص دو قربانیاں کرے گا۔ (بحر: ۳۶۰/۲) (۲) اور یہ دو قربانیاں حرم میں کرنے ہوں گے اصالۃً، یا وکالۃً اگرچہ ایام ذبح میں نہ ہو۔ (شامی: ۳۴۴/۲) (۳) اور گائے میں دو حصے بھی کافی ہے۔ (بحر: ۳۵۹/۲) (۴) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۸۹/۴)

---

(۱) وفی الهندية: لو احرم لعمرة قبل اشهر الحج فقضاها وتحلل واقام بمكة فاحرم بعمرة ثم حج من عامه ذلك لم يكن متمتعا فان كان حين فرغ من الاولى خرج فجاوز الميقات قبل اشهر الحج فاهل منه لعمرة فى اشهر الحج وحج من عامه فهو متمتع وان كان جاوز الميقات فى اشهر الحج لم يكن متمتعا الا اذا خرج الى اهله ثم اعتمر ثم حج من عامه عند ابى حنيفه رحمه الله وعندهما هو متمتع جاوز الميقات قبل اشهر الحج او بعدها كذا فى محيط السرخسى. (الفتاوىٰ الهندية: ۲٤۰/۱، الباب السابع فى القران والتمتع)

(۲) قال العلامة ابن نجيم: والعبرة لايام النحر فى العجز والقدرة وكذا لو قدرعلى الهدى قبل ان يكمل صوم الثلاثة ايام او بعد ما اكمل قبل ان يحلق ويحل وهو فى ايام الذبح بطل صومه ولا يحل الا بالهدى ... ان لم يصم الثلاثة حتى دخل يوم النحر لم يجزه الصوم اصلا وصار الدم متعينا لان الصوم بدل والابدال لا تنصب الا شرعا والنص خصه بوقت الحج وجواز الدم على الاصل وعن ابن عمر انه امر فى مثله بذبح الشاة فلو لم يقدر على الهدى تحلل وعليه دمان دم التمتع ودم التحلل قبل الهدى. (البحر الرائق: ۳٦۱/۲، قبيل باب التمتع)

(۳) قال العلامة ابن عابدين: (ويتعين الحرم لامنى) اى بل يسن لما فى المبسوط من ان السنة فى الهدايا ايام النحرمنى وفى غير ايام النحر فمكة هى الاولىٰ شرح اللباب. (ردالمحتار هامش الدرالمختار: ۲۷۲/۲، باب الهدى)

(۴) قال العلامة ابن نجيم: (ذبح شاة او بدنة او سبعها) واطلق البدنة فشملت البعير والبقرة والسبع جزء من سبعة اجزاء وانما كان مجزئا لحديث الصحيحين. (البحر الرائق: ۳٥۹/۲، باب القران)

سعودی عرب میں مقیم شخص کے لیے حج قران کا حکم:

سوال: میرا لڑکا سعودی عرب میں مقیم ہے، اس نے آخری عمرہ گزشتہ رمضان المبارک میں جمعۃ المبارک پر کیا تھا، کیا اب وہ حج قران کر سکتا ہے، یا تمتع کرنا پڑے گا؟ اس کے شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں۔

الجواب

صورت مسئولہ میں اگر آپ کے صاحبزادے حدود میقات میں مقیم نہیں ہیں تو وہ قران کر سکتے ہیں، (۱) رمضان المبارک میں عمرہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ واللہ اعلم

محمد تقی عثمانی، ۲۹/۱۱/۱۳۹۶ھ۔ (فتاویٰ عثمانی: ۲۱۲/۲)

حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے والے جدہ میں مقیم شخص کے لیے حج قران کا حکم:

سوال: زید جدہ میں مقیم ہے، اشہر حج میں عمرہ بھی کیا ہے، قران کا احرام بھی باندھ سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

جو شخص اشہر حج میں عمرہ کے افعال بجا لاکر وقوف عرفہ سے پہلے پہلے حلال ہو چکا ہو، اس کے لیے قران جائز نہیں۔ (کذا فی زبدۃ المناسک، ص: ۴۸۲) (۲) اور جدہ کا مقیم حلی میقاتی کے حکم میں ہے؛ اس لیے بھی اس کے لیے قران اور تمتع جائز نہیں، لہٰذا صورت مسئولہ میں جدہ کے اس مقیم کے لیے قران کا احرام باندھنا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ اعلم

محمد تقی عثمانی، ۲۰/۷/۱۳۹۷ھ۔ (فتاویٰ عثمانی: ۲۱۲/۲-۲۱۳)

---

(۱) (وهو)أى القران (أن يجمع الآفاقى) أى لا المكى والميقاتى ليكون قرانه مسنونا بين الحج والعمرة. (مناسك ملا على قارى،ص: ٢٥٦ (طبع إدارة القرآن). وكذا فى غنية الناسك،ص: ١٠٩ (طبع ادارة القرآن كراتشى)

(۲) زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک، قران کا بیان مسئلہ نمبر: ۲، ص: ۲۹۳

وفى الدر المختار (٥٣٩/٢،طبع سعيد): والمكى ومن فى حكمه يفرد فقط، ولو قران أو تمتع جاز واساء، وعليه دم جبر، وفى رد المختار: ومن فى حكمه أى من أحل داخل المواقيت، (قوله يفرد فقط) هذا ما دام مقيما....قال المحبوبى هذا إذا خرج إلى الكوفة قل أشهر الحج واما اذا خرج بعدها فقد منع من القران فلا يتغير بخروجه من الميقات كذا فى العناية و قول المحبوبى هو الصحيح.

وفى الهداية (٢٦٣/١): ليس لاهل مكة ولا قران وإنما لهم الافراد خاصة خلافا للشافعى والحجة عليه قوله تعالىٰ:''ذلك لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام''ولان شرعهما للترفة باسقاط احدى السفرتين وهذا فى حق الآفاقى، ومن كان داخل المواقيت فهو بنزلة المكى حتى لا يكون له متعه ولا قران، وفى فتح القدير نقلا عن البدائع ... أن العمرة دخلت فيها رخصة للآفاقى ضرورة تعذر انشاء سفر للعمرة نظرا له وهذا لمعنى لا يوجد فى حق اهل مكة ومن بمعناهم فلم تكن العمرة مشروعة فى أشهر الحج فى حقهم. ==

متمتع عمرہ سے حلال ہوکر مدینہ جائے پھر آکر حج کرے تو متمتع ہوگا، یا نہیں:

سوال: یہ جو لکھتے ہیں کہ متمتع ایک ہی سفر میں تمتع کرے گا تو اگر متمتع احرام عمرہ سے حلال ہوکر مدینہ منورہ جائے اور پھر واپس آکر حج کرے تو اس صورت میں یہ ایک ہی سفر شمار ہوگا، یا دوسرا؛ یعنی اس صورت میں یہ شخص متمتع کہلائے گا، یا نہیں؟ اور مدینہ منورہ سے واپسی کے وقت کیسا احرام باندھے؟

الجواب

متمتع عمرہ سے حلال ہوکر مدینہ منورہ جائے اور واپس ہوکر حج کرے (تو) اس کے متمتع ہونے میں اختلاف ہے۔

والرجوع إلٰی داخل المیقات بمنزلة مکة وإلٰی خارجه غیر بلدة، قیل:هو کمکة، وقیل: هو کبصرة. (۱)

ردالمحتار میں ہے:

فلو عاد إلٰی غیرہ لا یبطل تمتعه عند الإمام وسوّیا بینهما،نهر. (۲) فقط

حررہ خلیل احمد عفی عنہ (فتاویٰ مظاہر علوم: ۱/۱۶۰)

== وفی غنیة الناسک (ص:۲۱۹): لاتمتع ولا قران، ولا جمع بینهما فی غیر اشهر الحج لأهل مکة واهل المواقیت الضمسة،ومن دونها إلٰی مکة سواء کان بینه وبین مکة مسیرة سفر أو لا،إلخ.

اور ''زبدۃ المناسک'' (ص:۵۰۳،طبع سعید) میں ہے: مکہ مکرمہ کے رہنے والوں اور میقات پر، یا میقات کے اندر حل میں رہنے والوں کو قران اور تمتع کرنا جائز نہیں۔(محمد زبیر حق نواز عفا اللہ عنہ)

(۱) (قَوْلُهُ أَیْ آفَاقِیٌّ) أَشَارَ بِهِ إلَی أَنَّ ذِکْرَ الْکُوفِیِّ مِثَالٌ وَأَنَّ الْمُرَادَ بِهِ مَنْ کَانَ خَارِجَ الْمِیقَاتِ لِأَنَّ الْمَکِّیَّ لَا تَمَتُّعَ لَهُ کَمَا مَرَّ (قَوْلُهُ حَلَّ مِنْ عُمْرَتِهِ فِیهَا) لِأَنَّهُ لَوْ اعْتَمَرَ قَبْلَهَا لَا یَکُونُ مُتَمَتِّعًا اتِّفَاقًا نَهْرٌ (قَوْلُهُ أَیْ دَاخِلَ الْمَوَاقِیتِ) أَشَارَ إلَی أَنَّ ذِکْرَ مَکَّةَ غَیْرُ قَیْدٍ، بَلْ الْمُرَادُ هِیَ أَوْ مَا فِی حُکْمِهَا (قَوْلُهُ أَیْ غَیْرِ بَلَدِهِ) أَفَادَ أَنَّ الْمُرَادَ مَکَانٌ لَا أَهْلَ لَهُ فِیهِ سَوَاءٌ اتَّخَذَهُ دَارًا بِأَنْ نَوَی الْإِقَامَةَ فِیهِ خَمْسَةَ عَشَرَ یَوْمًا أَوْ لَا کَمَا فِی الْبَدَائِعِ وَغَیْرِهَا، وَقُیِّدَ بِهِ لِأَنَّهُ لَوْ رَجَعَ إلَی وَطَنِهِ لَا یَکُونُ مُتَمَتِّعًا اتِّفَاقًا أَیْضًا إنْ لَمْ یَکُنْ سَاقَ الْهَدْیَ نَهْرٌ (قَوْلُهُ لِبَقَاءِ سَفَرِهِ) أَمَّا إذَا أَقَامَ بِمَکَّةَ أَوْ دَاخِلَ الْمَوَاقِیتِ فَلِأَنَّهُ تَرَفَّقَ بِنُسُکَیْنِ فِی سَفَرٍ وَاحِدٍ فِی أَشْهُرِ الْحَجِّ وَهُوَ عَلَامَةُ التَّمَتُّعِ وَأَمَّا إذَا أَقَامَ خَارِجَهَا فَذَکَرَ الطَّحَاوِیُّ أَنَّ هَذَا قَوْلُ الْإِمَامِ. عِنْدَهُمَا لَا یَکُونُ مُتَمَتِّعًا لِأَنَّ الْمُتَمَتِّعَ مَنْ کَانَتْ عُمْرَتُهُ مِیقَاتِیَّةً وَحَجَّتُهُ مَکِّیَّةً وَلَهُ أَنَّ حُکْمَ السَّفَرِ الْأَوَّلِ قَائِمٌ مَا لَمْ یَعُدْ إلَی وَطَنِهِ، وَأَثَرُ الْخِلَافِ یَظْهَرُ فِی لُزُومِ الدَّمِ، وَغَلَّطَهُ الْجَصَّاصُ فِی نَقْلِ الْخِلَافِ بَلْ یَکُونُ مُتَمَتِّعًا اتِّفَاقًا .لِأَنَّ مُحَمَّدًا ذَکَرَ الْمَسْأَلَةَ وَلَمْ یَحْکِ فِیهَا خِلَافًا .قَالَ أَبُو الْیُسْرِ وَهُوَ الصَّوَابُ .وَفِی الْمِعْرَاجِ أَنَّهُ الْأَصَحُّ، لَکِنْ قَالَ فِی الْحَقَائِقِ: کَثِیرٌ مِنْ مَشَایِخِنَا قَالُوا الصَّوَابُ مَا قَالَهُ الطَّحَاوِیُّ وَقَالَ الصَّفَّارُ: کَثِیرًا مَا جَرَّبْنَا الطَّحَاوِیَّ فَلَمْ نَجِدْهُ غَالِطًا .وَکَثِیرًا مَا جَرَّبْنَا الْجَصَّاصَ فَوَجَدْنَاهُ غَالِطًا .قَالَ الزَّیْلَعِیُّ: وَالْمَسْأَلَةُ الْآتِیَةُ تُؤَیِّدُ مَا حَکَاهُ الطَّحَاوِیُّ نَهْرٌ.(ردالمحتار،باب الجنایات فی الحج:۲/۵۴۱ـ۵۴۲،دار الفکر بیروت،انیس)

(۲) ردالمحتار،باب التمتع:۲/۵۴۱،دارالفکر بیروت،انیس

حاجی کے پاس دم قران وتمتع کے پیسے نہ ہوں تو وہ کیا کرے:

سوال: ہمارے والد محترم حج کے لیے تشریف لے گئے ہیں اوران کے ہمراہ گاؤں کے پانچ آدمی بھی ہیں، وہ سب عمرہ کرکے حلال ہوگئے ہیں، انہوں نے یہاں ہندوستان ہم پر خط لکھا ہے کہ ہم سب پر قربانی واجب ہے؛ لیکن پیسوں کی تنگی اور یہاں کی سخت گرانی کی وجہ سے ہم یہاں قربانی نہیں کرسکتے ہیں؛ اس لیے ہم سب کی طرف سے ایک بڑا جانور ذبح کردیا جائے، اس میں ہمارے چھ حصے ہوں گے اور ایک حصہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوگا تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہاں ہم ان کی قربانی کرسکتے ہیں؟ اور کیا ایک بڑا جانور کافی ہے، یا ہر ایک کی طرف سے ایک بکرے کی قربانی ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ

ہر حاجی پر قربانی واجب نہیں ہے، قارن اور متمتع پر دم شکر واجب ہے، مفرد پر واجب نہیں، صرف مستحب ہے اور یہ قربانی وہیں حرم کے حدود میں ہوسکتی ہے، حدود حرم سے باہر جائز نہیں۔ جس حاجی کے پاس اتنے پیسے نہ ہوں کہ قربانی کا جانور خرید کر گھر تک پہنچنے کے لیے پیسے بچ رہیں اور اتنا سامان ہو کہ جس کو بیچ کر قربانی کا جانور خریدے، ایسا حاجی حج قران، یا تمتع کرے تو قربانی کے بدلے دس روزے رکھنا واجب ہیں، تین روزے اشہر حج (یکم شوال سے نویں ذی الحجہ تک) میں رکھنا ضروری ہیں۔ ان کو متفرق طور سے رکھنا جائز ہے اور پے در پے رکھنا افضل ہے، اگر ضعف ونقاہت کا اندیشہ نہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ ۷، ۸، ۹/ ذی الحجہ کے روزی پے در پے رکھے اور بقیہ سات روزے ایام تشریق گزرنے (یعنی تیرہویں ذی الحجہ) کے بعد جہاں چاہے رکھے، خواہ مکہ میں، یا اور کسی جگہ؛ لیکن گھر آ کر رکھنا افضل ہے، ان کو بھی متفرقاً رکھ سکتا ہے اور پے در پے رکھنا افضل ہے؛ لیکن ایام تشریق میں رکھنا جائز نہیں۔ اگر حج سے پہلے (اشہر حج میں) تین روز نہیں رکھے تو اب قربانی ہی کرنی ہوگی (روزے کافی نہ ہوں گے)، اگر دم دینے؛ یعنی قربانی کرنے کی وقت بالکل قدرت نہیں ہے تو حجامت کرا کے حلال ہوجائے اور اس کے ذمہ دو دم واجب رہیں گے: ایک قران، یا تمتع کا اور دوسرا ذبح سے پہلے حلال ہونے کا۔ قارن اور متمتع پر دم شکر واجب ہے، اس میں اونٹ، یا گائے کا ساتواں حصہ، یا ایک بکرا کافی ہے، بڑا جانور پورا واجب نہیں۔

درمختار میں ہے:

(وذبح للقران) وهو دم شكر فيأكل منه (بعد رمي يوم النحر) لوجوب الترتيب (وإن عجز صام ثلاثة أيام) ولو متفرقةً (آخرها يوم عرفة) ندباً (وسبعة بعد) تمام أيام (حجه اين شاء) فإن فاتت الثلاثة تعين الدم، الخ. (الدر المختار)

وفى الشامي: (قوله: وإن عجز) أى بأن لم يكن في ملكه فضل عن كفاف قدر ما يشترى الدم،

الخ(قوله:لوجوب الترتيب)أى ترتيب الثلاثة الرمى ثم الذبح ثم الحلق ... والمفرد لادم عليه، فيجب عليه الترتيب بين الرمى والحلق (قوله:آخر ها يوم عرفة) أن يصوم السابع والثامن والتاسع،قال فى شرح اللباب:لكن إن كان يضعفه ذلک عن الخروج إلى عرفات والوقوف والدعوات فالمستحب تقديمه على هذه الا يام،الخ.(الدرالمختار والشامى:٢/٢٦٤-٢٦٥)(١)

ہدایہ اولین میں ہے:

وإذا رمى الجمرة يوم النحر ذبح شاةً أوبقرةً أوسبع بدنة فإذا لم يكن له ما يذبح صام ثلثة أيام فى الحج آخرها يوم عرفة وسبعة أيام إذا رجع إلى أهله وإن صامها بمكة بعد فراغه من الحج جاز وإن فاته الصوم حتى أتى يوم النحر لم يجزه إلا الدم.(الهداية:١/٢٣٩،أيضاً: حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح،ص:٤٢٨) فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ:۸/۹۴-۹۵)

میقات کے اندر رہنے والوں کے لیے تمتع کا حکم، والد کی جانب سے کون سا حج کیا جائے:

دم کہاں ذبح کیا جائے اور مسجد نبوی میں چالیس نمازیں نہ پڑھ سکا:

سوال: چند سوالوں کے جوابات مطلوب ہیں:

(۱) ہم چند آدمی بغرض ملازمت جدہ میں مقیم ہیں، اللہ نے ہم کو حج کرنے کا موقع عنایت فرمایا، ہم مسائل حج سے ناواقف تھے، کون سا حج کرنا چاہیے، وہ بھی معلوم نہ تھا، اتفاق سے آپ کا فتاویٰ رحیمیہ ہمارے پاس تھا، اس میں ہم نے دیکھا کہ تمتع کرنا افضل ہے؛ اس لیے ہم نے حج تمتع کرلیا، اس سال ہمیں معلوم ہوا کہ ہم حل ہیں اس بنا پر ہم تمتع نہیں کر سکتے، ہم کو تو حج افراد ہی کرنا چاہیے، یہ معلوم ہوا تو بہت افسوس ہو رہا ہے اور رہ رہ کر دل میں یہ بات آتی ہے کہ ہمارا سال گزشتہ والا حج قبول ہوا، یا نہیں؟ آپ ہمیں صحیح مسئلہ بتائیں کہ جس سے ہمارا خلجان دور ہو۔

(۲) اس سال بھی حج کرنے کا ارادہ ہے، والد صاحب کے ایصال ثواب کے لیے تو کون سے حج کی نیت کرنی چاہیے؟

(۳) اور قربانی اپنے وطن کروانے کا ارادہ ہے تو وطن میں قربانی کرا سکتا ہوں، یا یہاں کرانا ضروری ہے؟

(۴) ایک بات یہ بھی ہے کہ ملازم ہونے کی وجہ سے ہم کو مدینہ منورہ کی مسجد نبوی (علی صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام) میں چالیس نمازیں ادا کرنے کا وقت نہیں ملتا تو اس سے حج میں کوئی نقص تو نہیں آتا؟ فقط والسلام، بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــ

(۱) ہمارا ملک (ہندوستان، انڈیا) میقات کی حد سے خارج ہے اور ہم آفاقی کہلاتے ہیں، لہٰذا ہمارے لیے

(١) الدرالمختارمع ردالمحتار:٢/٢٦٩،باب القران

تمتع اور قران افضل ہے، اسی اعتبار سے فتاویٰ رحیمیہ میں تحریر کیا گیا ہے، مکی اور جو مکہ والوں کے حکم میں ہیں؛ یعنی داخل میقات رہنے والے، یا عین میقات پر رہنے والے، ان کے لیے یہ حکم نہیں ہے، ان کے لیے افراد (صرف حج کرنا) ہے، تمتع اور قران ممنوع ہے۔ ہدایہ میں ہے:

ولیس لاھل مکة تمتع ولا قران وانما لھم الا فراد خاصةً ومن کان داخل المواقیت فھو بمنزلة المکی حتی لا یکون لہ متعة ولا قران. (الھدایة: ۲۴۳/۱، باب التمتع)

اگر تمتع کر لیا تو حج میں خرابی نہ آئے گی (یعنی فاسد نہ ہوگا)، البتہ دم دینا پڑے گا، لہذا اگر آپ لوگ میقات کی حد میں رہتے ہوں تو ایک بکرا حرم میں ذبح کر دیا جائے، حرم کے باہر درست نہیں۔

درمختار میں ہے:

(والمکی ومن فی حکمة یفرد فقط)ولو قرن او تمتع جازو ا ساء وعلیه دم جبر. (الدر المختار مع الشامی: ۲۷۰/۲، باب التمتع) فقط واللہ اعلم بالصواب

(۲) امسال والد صاحب کے لیے حج کرنا چاہتے ہو تو اگر والد صاحب نے حج نہ کیا ہو تو حج بدل کی نیت کیجئے اور حج افراد کیجئے، حق تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین فقط واللہ اعلم

(۳) اگر صاحب نصاب ہونے کی وجہ سے قربانی کرنی ہے تو وطن میں قربانی کرانا جائز ہے، البتہ حج کے سلسلہ کی قربانی کا حرم میں ہونا ضروری ہے۔

والھدی لا یذبح إلا بمکة. (الھدایة: ۲۶۰/۱، باب الھدی)

(۴) مسجد نبوی (علی صاحبہا الف الاتحیۃ وسلام) میں چالیس نمازیں با جماعت ادا کرنا افضل ہے،(۱) ملازمت کی وجہ سے نہ ہو سکے تو کوئی قباحت نہیں، حج میں کوئی خلل نہیں آئے گا۔ فقط واللہ اعلم بالصلواب

۳۰ر شوال المکرّم ۱۳۹۹ھ (فتاویٰ رحیمیہ: ۹۵/۸-۹۶)

متمتع حج سے پہلے مدینہ منورہ جاسکتا ہے، یا نہیں:

سوال: ایک شخص حج تمتع کا احرام باندھ کر مکہ معظّمہ پہنچا اور عمرہ کے افعال ادا کر کے حلال ہو گیا، اس کے بعد وہ متمتع مدینہ منورہ جائے تو شرعی اعتبار سے گنجائش ہے، یا نہیں؟ اور اگر مدینہ منورہ چلا گیا تو وہاں سے واپسی کے وقت کون سا احرام باندھ کر آئے؟ اور ایسے متمتع کے لیے پہلے مکہ معظّمہ جانا افضل ہے، یا مدینہ منورہ؟ اس بارے میں تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: " مَنْ صَلَّى فِي مَسْجِدِي أَرْبَعِينَ صَلَاةً، لَا يَفُوتُهُ صَلَاةٌ، كُتِبَتْ لَهُ بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ، وَنَجَاةٌ مِنَ الْعَذَابِ، وَبَرِءَ مِنَ النِّفَاقِ. (مسند الإمام أحمد، مسند أنس بن مالک، رقم الحدیث: ۱۲۵۸۳، المعجم الأوسط، رقم الحدیث: ۵۴۴۴، انیس)

الجواب

اگر حج فرض ہو تو اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ پہلے مکہ معظّمہ جائے اور حج کے بعد زیارت کے لیے مدینہ منورہ کا سفر کرے اور اگر پہلے مکہ معظّمہ چلا گیا اور عمرہ کے احرام سے فارغ ہو گیا تو اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ مکہ مکرمہ ہی میں مقیم رہے؛ تاکہ اس کا تمتع بالاتفاق صحیح ہو جائے اور اگر مدینہ منور چلا گیا تو بھی اس سفر کی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کا تمتع باطل نہ ہوگا (کہ وہ وطن اصلی نہیں گیا) اور جب مدینہ منورہ سے واپس لوٹے تو بہتر یہ ہے کہ حج افراد کا احرام باندھ کر آئے اور اگر عمرہ کا احرام باندھ کر آئے اور عمرہ کر کے حلال ہو جائے اور ایام حج آنے پر حج کا احرام باندھ کر حج کرے تو بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کا تمتع صحیح ہے اور تمتع کا انعقاد پہلے عمرہ سے ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک اس کا تمتع صحیح ہے اور تمتع کا انعقاد پہلے عمرہ سے ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک پہلا عمرہ مفرد ہو گیا اور ثانی عمرہ سے تمتع منعقد ہوگا، البتہ قران کا احرام باندھ کر آنا ممنوع ہے؛ اس لیے کہ یہ حکماً مکی ہے۔ اگر قران کا احرام باندھ کر آئے گا تو دم لازم ہوگا۔

معلم الحجاج میں ہے:

"مسئلہ: جس پر حج فرض ہو اس کو حج سے پہلے زیارت کرنا جائز ہے، بشرط یہ کہ حج فوت ہونے کا خوف نہ ہو؛ مگر بہتر اس کے لیے پہلے حج کرنا ہے اور حج نفل کرنے والوں کو اختیار ہے کہ چاہے پہلے حج کرے، یا زیارت کرے اور جس شخص کے راستہ میں حج کے لیے آتے ہوئے مدینہ پڑتا ہو، جیسے شام کی طرف سے آنے والے ان کو پہلے ہی زیارت کرنی چاہیے"۔ (معلم الحجاج، ص:۳۴۲)

اس کے حاشیہ میں ہے:

"البتہ وہ متمتع جو عمرہ کے احرام سے فارغ ہو چکا ہے، اس کو بہتر ہے کہ حج کرنے سے پہلے مکہ سے باہر آفاق میں نہ جائے؛ تاکہ اس کا تمتع بالاتفاق صحیح ہو جائے گا۔ **(لایخرج المتمتع) أی الفارغ من احرام العمرة کما یفهم من سوق کلام فی الکبیر (إلی الآفاق) لئلا یبطل تمتعه علی قول بعض"**. (معلم الحجاج:۳۴۲، حاشیہ)

زبدۃ المناسک میں ہے: "کثیر الوقوع ضروری مسئلہ: اکثر حاجی اشہر حج میں آکر عمرہ کرتے ہیں، پھر اشہر حج میں حج کرنے سے پہلے مدینہ طیبہ، روضۂ مقدسہ اور حجرۂ معطرہ مطہرہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے چلے جاتے ہیں، پس ان کو چاہیے کہ وہاں سے جب واپس ہوں تو فقط حج مفرد ہی کا احرام باندھ کر آئیں تو امام صاحب کے نزدیک ان کا تمتع صحیح ہے، اس سفر کرنے سے تمتع باطل نہ ہوگا؛ کیوں کہ وہ اشہر حج میں عمرہ کر چکے ہیں اور عمرہ کرنے کے بعد وہ حکماً مکیوں کے حکم میں داخل ہیں، اگرچہ اشہر حج میں میقات سے بھی باہر نکل گئے ہوں؛ کیوں کہ وہ اپنی اصلی وطن نہیں گئے ہیں تو ان کا سفر باعتبار حکم کے واحد ہے، اس کو المام فاسد کہتے ہیں، جو کہ مبطل تمتع نہیں، اب ان کو مدینہ طیبہ سے قران کا احرام باندھنا ممنوع ہے کہ وہ مکیوں کے حکم میں ہیں، اگر قران کا احرام باندھیں گے تو دم جنایت لازم ہوگا۔ {شرح اللباب وغنیۃ} (زبدۃ المناسک:۲/۱۴-۱۵) فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ:۸/۹۶-۹۷)

متمتع عمرہ کر کے مدینہ منورہ چلا گیا واپسی پر حج یا عمرہ کا احرام باندھا تو کیا حکم ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص آفاقی اشہر حج میں مکہ مکرمہ گیا اور عمرہ ادا کیا، عمرہ کی ادائے گی کے بعد مدینہ منورہ چلا گیا، مدینہ منورہ سے واپسی پر دوسرا عمرہ ادا کیا اور پھر حج کا احرام مکہ مکرمہ سے باندھا تو:

(۱) کیا اس کا تمتع صحیح ہے، یا نہیں؟

(۲) اس پر دم تمتع ہے، یا نہیں؟

(۳) کیا اس پر دم جبر ہے یا نہیں؟

(۴) تمتع پہلے عمرہ سے، یا دوسرے عمرہ سے منعقد ہوا؟

(۵) آفاقی کے لیے ایک عمرہ سے زائد کرنا اشہر حج میں جائز ہے، یا نہیں؟

مدینہ منورہ سے واپسی پر اگر فقط حج کا احرام کا باندھا تو کیا:

(۶) اس کا تمتع ادا ہوگا، یا نہیں؟

(۷) کیا اس پر کوئی دم جبر ہے، یا نہیں؟

(۸) آفاقی حاجی کا اشہر حج میں میقات سے باہر نکلنا کیسا ہے؟

ان دونوں صورتوں میں سے بہتر کون سی صورت ہے؟ مہربانی فرما کر جواب عنایت فرمائیں؟ مفتی بہ اقوال بیان فرمائیں؟ بینوا توجروا۔ (ازافریقہ)

الجواب

(۱) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر آفاقی نے اشہر حج میں عمرہ کیا اور مدینہ منورہ چلا گیا اور وہاں سے واپسی کے وقت عمرہ کا احرام باندھ کر آیا اور عمرہ کیا اور حج کے ایام آنے پر حج احرام باندھا تو اس کا تمتع صحیح ہے اور تمتع کا انعقاد پہلے عمرہ سے ہوگا اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک پہلا عمرہ مفردہ ہو گیا اور ثانی عمرہ سے تمتع منعقد ہوگا۔ بہر حال صورت مسئولہ میں امام صاحبؒ کے نزدیک بھی اس کا تمتع صحیح ہے اور صاحبین کے نزدیک بھی۔ (زبدۃ المناسک:۲/۱۴۔۱۵)

(۲) جب تمتع صحیح ہے تو دم شکر بھی لازم ہوگا۔ فقط

(۳) دم جبر لازم نہیں ہے۔ (زبدۃ المناسک:۲/۱۵) فقط

(۴) امام صاحبؒ کے نزدیک پہلے عمرہ سے اور صاحبینؒ کے نزدیک دوسرے عمرہ سے۔ فقط

(۵) جائز ہے۔ معلم الحجاج میں ہے: ''مسئلہ: متمتع ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ حج سے پہلے کر سکتا ہے''۔ (معلم الحجاج، ص:۲۳۸) (۱) فقط

(۱) مسئلہ اختلافی ہے، دونوں طرف دلائل ہیں؛ مگر معلم الحجاج میں جس قول کو اختیار کیا ہے، وہ راجح معلوم ہوتا ہے، لہٰذا اگر اس پر عمل کرے تو قابل مواخذہ نہ ہونا چاہیے، خصوصاً اس زمانہ میں۔ ==

(۶) ادا ہو جائے گا۔ (زبدۃ المناسک: ۱۴/۲) (معلم الحجاج، ص: ۲۳۵ حاشیہ) فقط

(۷) کوئی دم جبر نہیں ہے۔ فقط

(۸) امام ابوحنیفہ کے نزدیک میقات سے باہر نکلنے سے تمتع باطل نہیں ہوتا؛ مگر ان کے نزدیک نکلنا بہتر نہیں ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک تمتع باطل ہو جاتا ہے؛ اس لیے احتیاط اس میں ہے کہ میقات سے باہر نہ نکلے۔ (زبدۃ المناسک: ۱۵/۲) اور اگر نکلے تو حج افراد کا احرام باندھ کر آنا بہتر ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۹۷/۸-۹۸)

== معلم الحجاج میں جہاں یہ مسئلہ لکھا ہے، نیچے اس پر مفتی سعید احمد صاحب نے حاشیہ میں لکھا ہے: قال فی الباب: ولا یعتمر قبل الحج وقال القاری فی الشرح وهذا بناءً علی أن المکی ممنوع من العمرة المفردة أیضا قد سبق أنه غیر صحیح بل انه ممنوع من التمتع والقران وهذا التمتع آفاقی غیر ممنوع من العمرة فجاز لة تکرارها لأنها عبادة مستقلة کالطواف،آه. (ص: ۱۵۶)

فتاویٰ رحیمیہ، جلد دوم، ص: ۲۷ پر ایک فتویٰ ہے، جس کا عنوان ہے: ''ایام حج میں نفل عمرہ''، وہ فتویٰ بھی ضرور ملاحظہ فرمائیں: اس فتویٰ میں غنیۃ الناسک کے حوالہ سے لکھا ہے کہ راجح یہ ہے کہ اَشہر حج میں متمتع آفاقی۔۔۔الخ۔

وہاں غنیۃ الناسک کا حوالہ ہے، عبارت نہیں ہے۔ عبارت یہ ہے: ویستحب أن یؤخرها حتی یمضی هذه الأیام ثم یفعلها وأفادوا بالاقتصار علی الخمسةانها لا تکره فی أشهر الحج وهو الصحیح ولا فرق فی ذلک بین المکی والآفاقی،بحر و شرنبلالیة وإنما کره فعلها فیها لأهل مکة ومن بمعناهم لأن الغالب علیهم أن یحجرا فی نسنتهم فیکونون متمتعین وهم عن التمتع ممنوعون وإلا فلا منع للمکی عن المفروة فی اشهر الحج إذا لم یحج فی تلک السنةومن خالف فعلیه البیان،شرح، وهو رد علی ما اختاره ابن الهمام من کراهتها للمکی فی أشهر الحج وإن لم یحج من عامه، قال العلامة قاسم إنه لیس بمذهب لعلمائنا ولا للائمة الأربعة،الخ. (ص: ۱۰۶)

غنیۃ الناسک میں دوسری جگہ ہے: (فصل فی کیفیة اداء التمتع المسنون ویعتمر قبل الحج ماشاء وما فی اللباب والا یعتمر قبل الحج فغیرصحیحة لانه بناء علی ان المکی ممنوع من العمرة المفروة وهو خلاف مذهب اصحابنا جمیعا لان العمرة جائزة فی جمیع السنة بلا کراهة الا فی خمسة أیام لا فرق فی ذلک بین المکی والآفاقی صرح به فی النهایة والمبسوط والبحر وأخی زاده والعلامة قاسم وغیرهم رحمهم اللّٰه تعالٰی،کذا فی المنحة بل المکی ممنوع من التمتع والقران وهذه عمرة مفروة لا اثر لها فی تکرار تمتعه،شرح،الخ. (غنیة الناسک: ۱۱۵،لمولا نا الحاج حسن شاه پشاوری مها جرمکی)

عمدۃ الفقہ مؤلفہ حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب نقشبندی مجددی پاکستانی جلد چہارم کتاب الحج میں ہے، تمتع کا مسنون طریقہ۔۔۔اور حلال ہو کر مکہ معظّمہ میں قیام کرے اور اس عرصہ میں نفلی طواف عمرے اور دیگر عبادات کرتا رہے۔ (عمدۃ الفقہ، کتاب الحج: ۴۶۰، مطبوعہ ادارہ مجددیہ ناظم آباد کراچی، نمبر: ۱۸) عمدۃ الفقہ میں دوسری جگہ ہے: تنبیہ: اگر آفاقی متمتع حج کے مہینوں میں مکہ مکرمہ آ کر عمرہ کرے اور عمرہ کے احرام سے حلال ہو کر حج سے پہلے مدینہ منورہ چلا جائے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق اس کو مدینہ منورہ سے مکہ واپس آتے وقت حج افراد کا احرام باندھ کر آنا چاہیے اور اس کا حج تمتع ہو جائے گا، اس کو قرآن یا عمرہ کا احرام نہیں باندھنا چاہیے؛ کیوں کہ وہ سفر ہونے کی وجہ سے مکی کے حکم میں ہے، اگر وہ قران کا احرام باندھ کر آئے گا تو اس پر دم جنایت لازم ہو جائے گا۔ (زبدہ حج وعمرہ تصرفاً) (اور دوسرے عمرہ کا احرام اس لیے نہیں باندھ سکتا کہ اس کے کئے ہوئے پہلے عمرہ سے تمتع منعقد ہو چکا ہے؛ تاہم دوسرے عمرہ کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ آفاق سے آرہا ہے؛ اس لیے اگر دوسرے عمرہ کا احرام باندھ کر آئے تو امام صاحب کے نزدیک چنداں حرج نہ ہوگا اور جب کہ اکثر فقہاء کے نزدیک عمرہ کر کے حلال ہونے کے بعد مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے بھی آفاقی کو اور مزید عمرے کرنا جائز ہے تو اس صورت میں بدرجۂ اولی اس کے لئے عمرہ جائز ہونا چاہیے؛ کیوں کہ مکی کے حکم میں ہونے کے باوجود آفاق سے آرہا ہے واللہ اعلم بالصواب (مؤلف) لیکن صاحبین کے نزدیک وہ مدینہ منورہ سے واپسی کے وقت عمرہ کا احرام باندھ کر آئے؛ کیوں کہ میقات سے باہر جانے کی وجہ سے اس کا تمتع باطل ہو گیا اور پہلا کیا ہوا عمرہ دو سفروں کی وجہ سے مفرد عمرہ ہو جائے گا اور اب اس دوسرے عمرہ سے تمتع از سر نو منعقد ہو جائے گا۔ (حج وعمرہ وغیرہ) (عمدۃ الفقہ: ۲۸۶/۴، کتاب الحج)

دورانِ سفرحج کے احکام

مدینہ طیبہ میں حاجی قصر کرے گا، یا اتمام:

سوال: مدینہ طیبہ کے قیام میں مسافر رہے گا، یا مقیم؟ کیوں کہ سنا جاتا ہے کہ وہاں آٹھ یوم سے زیادہ قیام کی اجازت نہیں ہے، یا پندرہ یوم کی نیت کر لینے سے مقیم ہو جائے گا؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

پندرہ یوم قیام کی نیت سے مقیم ہو جائے گا۔(۱) دس روز تو ضابطہ میں قیام ہوتا ہے، اس کے بعد ایک روپیہ روزانہ دینا پڑتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۳۶۹/۱۰)

کیا عرفات میں حاجی قصر کرے:

سوال: عرفات میں جو نماز پڑھی جاتی ہے، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس میں قصر کر سکتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ پوری نماز ادا کی جائے؛ کیوں کہ وہاں سے مکہ کا فاصلہ چھ میل ہے، جو قصر کرنے کے فاصلہ سے کم ہے۔ صحیح کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

جو لوگ کم از کم پندرہ روز مکہ معظّمہ میں مقیم رہے، پھر منیٰ گئے اور عرفات گئے، وہ وہاں پوری نماز پڑھیں گے اور جو لوگ اس سے کم مکہ شریف میں رہے، وہ نماز قصر کریں گے۔(۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۷/۱۳۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۶۹/۱۰-۳۷۰)

---

(۱) ولایزال علٰی حکم السفر حتٰی ینوی الاقامة فی بلدة أوقریة خمسة عشر یوماً أو أکثر، کذا فی الهداية. (الفتاوٰی الهندية، الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر: ۱۳۹/۱، رشیدية)

ثم لا یزال المسافر علٰی حکم السفر حتٰی یدخل وطنه أوینوی اقامه خمسة عشر یوما بموضع واحد من مصر، إلخ. (الحلبی الکبیر، فصل فی صلاة المسافر، ص: ۵۳۵، سهیل اکادمی لاهور)

(۲) فلو دخل الحاج مکة أیام العشر لم تصح نیته؛ لأنه یخرج إلٰی منٰی وعرفة، فصار کنیة الاقامة فی غیر موضعها وبعد عوده من منی تصح. (الدر المختار)

(قوله: فلو دخل، إلخ) هو ضد مسألة دخول الحاج الشام، فإنه یصیر مقیماً حکماً وإن لم نوٰی الاقامة، وهٰذا مسافر حکماً وإن نوی الاقامة، لعدم انقضاء سفره ما دام عازماً علی الخروج قبل خمسة عشر یوماً. (رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۶۰۵/۲، سعید)

==

اہل جدہ عرفات جاتے ہوئے نماز میں قصر کریں گے، یا اتمام:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جدہ کی آبادی ''حی الامیر فواز'' کے نزدیک واقع پولیس چوکی سے آگے ڈھائی کلومیٹر تک پھیل چکی ہے، جدہ کی آبادی ختم ہونے کے بعد سے منیٰ کے راستہ عرفات کی مسافت ۸۱/کلومیٹر اور ۶۰۰/میٹر بنتی ہے؛ لیکن اگر ''کدیٰ'' اور ''عوالی'' کے راستہ سے عرفات کا سفر کیا جائے تو یہ مسافت صرف ۷۳/کلومیٹر بنتی ہے، مکہ مکرمہ کی آبادی کا منیٰ کے راستہ عرفات سے اتصال تو بالکل مفقود ہے، البتہ دوسرے راستہ یعنی عوالی سے ''جمعية الأطفال المعوقعين'' تک آبادی کا تسلسل ہے، پھر ۳/کلومیٹر ۴۰۰/میٹر کا علاقہ غیر آباد ہے، اس کے بعد ''جامعة أم القریٰ'' کی وسیع عمارت شروع ہوجاتی ہے، جس کے فوراً بعد ہی حدودِ عرفات کی ابتدا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ موجودہ صورت حال میں اہل جدہ جب بقصد حج عرفات کو منزل سمجھ کر سفر کرتے ہیں تو ان لوگوں کی وہاں شرعاً کیا حیثیت ہوگی؟ رہنمائی کی درخواست ہے اور علت ووجہ کی تنقیح بھی فرمادیں؛ تاکہ جدہ میں رہنے والے طلبہ اور دینی مسائل سے متلق ومرتبط حضرات کے لیے لوگوں کو سمجھانا آسان ہوجائے کہ اہل جدہ قصر کریں تو کس بنا پر یا اقامت کو اختیار کریں، تو کس وجہ سے؟ اہل جدہ سال گزشتہ کافی پریشان رہے، لوگ دو حصوں میں تقسیم ہوگئے، کسی نے اقامت کو ترجیح دی تو کسی نے سفر کو؟

باسمه سبحانه تعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــــ وبالله التوفيق

اگر اہل جدہ کا ''کدیٰ'' اور ''عوالی'' کے راستہ سے سیدھے عرفات جانے کا ارادہ ہو تو حسب تحریر سوال چوں کہ ۷۳/کلومیٹر مسافت ہوتی ہے؛ اس لیے بلاشبہ اہل جدہ اس راستہ سے عرفات جانے کی صورت میں قصر نہیں کریں گے اور اگر منیٰ کے راستہ سے عرفات جاتے ہیں اور یہ مسافت حسب تحریر سوال ۸۱/کلومیٹر ۶۰۰/میٹر بنتی ہے تو بھی محتاط اور محقق قول کے مطابق مسافت شرعی نہ ہونے کی وجہ سے ان کے لیے قصر جائز نہ ہوگا؛ اس لیے کہ محتاط قول کے اعتبار سے مسافت سفر ۸۲/کلومیٹر ۲۹۶/میٹر بنتی ہے۔ (تفصیل دیکھئے: احسن الفتاویٰ: ۴/۹۱، ایضاح المسائل ۷۰، کتاب المسائل: ۱/۵۱۲)

بریں بنا مسئولہ صورت میں بہرصورت اہل جدہ کو سفر حج میں اتمام ہی کرنا چاہیے، یہی احوط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۰/۱/۱۴۳۳ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/۵۴۴)

قیام مکہ کے دوران تفریح کے لیے جدہ جانے کی وجہ سے قصر واتمام کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ہمارے یہاں سے حجاج

== ذكر في كتاب المناسك أن الحاج إذا دخل مكة في أيام العشر ونوى الاقامة نصف شهر، لا تصح؛ لأنه لابد له من الخروج إلى عرفات، فلا يتحقق الشرط. (الفتاوىٰ الهندية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱/۱۴۰، رشيدية)

کرام مختلف گروپ کے ساتھ حج پر جاتے ہیں، ہر گروپ والے اتمام وقصر مقیم ومسافر کے بارے میں اپنے اپنے معتمد علما کرام کے فتویٰ پر عمل کرتے ہیں، عموماً ہمارے یہاں سے حجاج کرام کی روانگی ذی الحجہ کی ابتدا سے ہوتی ہے اور واپسی تقریباً محرم الحرام کے دوسرے عشرہ تک ہوتی ہے، کل سفر ۴۰ یا ۴۵ ردن تک کا ہوتا ہے، عموماً حرمین اور مدینہ منورہ میں ۸ ردن، اس اعتبار سے اکثر حجاج کرام تقریباً ذی الحجہ کا پورا مہینہ مکہ مکرمہ میں گزارتے ہیں، البتہ قیام مکہ مکرمہ کے دوران ہر گروپ والے اپنے اپنے گروپ کے حجاج کو تفریح کے لیے جدہ لے جاتے ہیں، پھر جدہ سے کچھ دور پانی پر بنی ہوئی مسجد میں بھی لے جاتے ہیں، جس کی مسافت مسجد حرام سے ۵۰ رمیل سے زائد بنتی ہے اور یہ سفر صرف صبح سے رات تک ہوتا ہے؛ یعنی ۱۱، ۱۲ ربجے رات کو دوبارہ مکہ مکرمہ آجاتے ہیں، واضح رہے کہ سامان اور رہائش وغیرہ مکہ مکرمہ میں باقی رہتی ہے، اب سوال یہ ہے کہ:

(الف) جو حجاجِ کرم منیٰ، مزدلفہ کو ایک علاقہ شمار کرنے والے علماء کرام کے قول پر عمل کرتے ہیں، ان کے مقیم بننے میں تفریح کے لیے جدہ جانے کی نیت رکاوٹ بنے گی، یا نہیں؟ مثلاً ایک حاجی ۵ ر ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ پہنچتا ہے اور ۵ رمحرم الحرام کو مدینہ منورہ روانہ ہوگا تو مکہ مکرمہ میں مجموعی قیام ۳۰ ردن کا ہے؛ لیکن ۱۲ ر ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد مدینہ وروانہ ہونے سے پہلے درمیان میں ۱۷ ر ذی الحجہ کو جدہ جانے کا پروگرام طے ہوتا ہے، اس لحاظ سے مدت اقامت ۱۵ ردن پوری ہونے سے پہلے بارھویں دن سفر شرعی کی نیت اس کے مکہ مکرمہ میں مقیم بننے میں مانع ہوگی، یا نہیں؟ (واضح رہے کہ جدہ جاتے وقت رہائش اور سامان وغیرہ مکہ مکرمہ کے ہوٹل میں چھوڑ کر جاتے ہیں اور دوبارہ مکہ مکرمہ رات ہی کو پہنچ جاتے ہیں)

(ب) اور جو حجاج کرام مکہ، منیٰ اور مزدلفہ کو الگ الگ علاقہ شمار کرنے والے علماء کرام کے قول پر عمل کرتے ہیں، وہ حجاج کرام مذکورہ روانگی کی تاریخ کے مطابق حج سے پہلے مسافر ہی ہوں گے، البتہ ۱۲ ر ذی الحجہ کے بعد ان کا قیام مکہ مکرمہ میں مزید ۲۳ ردن کا ہوتا ہے، لہذا سترہ (۱۷) ذی الحجہ کو سفر شرعی کی نیت اس کے حج کے بعد مقیم بننے میں مانع ہوگی، یا نہیں؟ نیز یہ بھی وضاحت فرمادیں کہ جدہ میں رات میں سونے اور نہ سونے کی صورت میں حکم میں کوئی فرق ہوگا، یا نہیں؟

(ج) اگر ان لوگوں کے جدہ جانے کی تاریخ مقرر نہ ہو، درمیان میں کسی ایک دن ہو تو مسئلے میں کوئی فرق آئے گا، یا نہیں؟

باسمه سبحانه تعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

واضح رہے کہ اس وقت مکہ معظّمہ اور جدہ کی آبادی پھیل جانے کی وجہ سے دونوں شہروں کا فاصلہ صرف ۶۰/ ۶۲ رکلومیٹر رہ گیا ہے، پس مکہ معظّمہ سے جدہ جانے والا شخص مسافر شمار نہیں ہوتا اور آپ نے سوال میں پانی پر بنی ہوئی جس مسجد کا ذکر کیا ہے، اس کے بارے میں حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب مدظلہ العالی، مفتی مدرسہ شاہی مرادآباد کے مشاہدہ

سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ مسجد جدہ شہر سے باہر نہیں ہے؛ بلکہ شہر ہی کا ایک حصہ ہے، مفتی صاحب موصوف نے اس مسجد میں کئی مرتبہ مغرب کی نماز بھی ادا کی ہے، لہذا مکہ سے اس مسجد تک جانے والے لوگ جو صبح جا کر رات تک مکہ معظّمہ واپس لوٹ آتے ہیں، ان کا وطن اقامت اس سفر سے باطل نہیں ہوتا؛ اس لیے آپ نے اس مسافت کو مسافت شرعی مان کر جو سوالات قائم فرمائے ہیں، ان کی کوئی ضرورت نہیں ہے، البتہ اگر پہلے ہی سے پورے گروپ کو جدہ جا کر رات کو ہوٹل میں ٹھہرنے کا نظام ہو تو مذکورہ سوالات پیش آسکتے ہیں، ان کے متعلق جوابات درج ذیل ہیں:

(الف) جو حاجی ۵؍ذی الحجہ کو مکہ معظّمہ پہنچا اور اس کا ۱۷؍ذی الحجہ کو جدہ جا کر رات گزارنے کا پہلے سے ارادہ ہو تو مذکورہ سامان مکہ معظّمہ میں ہو، پھر بھی حکم میں کوئی فرق نہ ہوگا۔

من خرج من عمارة موضع إقامته قاصداً مسيرة ثلاثة أيام وليالیها صلی الفرض الرباعی ركعتين وجوبا لقول ابن عباس: إن الله فرض لسان نبيكم صلاة المقيم أربعاً والمسافر ركعتين ... فيقصر إن نوى الإقامة في أقل منه أي في نصف شهر ... ولم يذكر وطن السكنى وهو ما نوى فيه أقل من نصف شهر لعدم فائدته. (الدر المختار: ۵۹۹/۲-۶۱۵، زکریا)

(ب) بارہ (۱۲) ذی الحجہ کو منیٰ سے مکہ مکرمہ آکر ۲۳؍دن قیام کرنے کا ارادہ ہے اور ۱۷؍ذی الحجہ کو جدہ جانے کا ارادہ ہے تو جدہ جانے کی وجہ سے مکہ میں مقیم بننے میں کوئی فرق نہیں آئے گا؛ اس لیے کہ اب جدہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان سفر شرعی کی مسافت نہیں رہی ہے، لہذا ایسے حجاج کرام مکہ میں شرعی طور پر مقیم ہی شمار کیے جائیں گے اور اگر جدہ اس ارادے سے جائیں کہ وہاں سیر وتفریح کر کے یا اپنی ضروریات پوری کر کے واپس رات تک مکہ مکرمہ ہی آنا ہے، پھر جدہ کے بعد واپسی میں رات ہو جائے اور رات کا کچھ حصہ سونے میں بھی گزر جائے؛ مگر ارادہ رات گزارنے کا نہیں تھا، جیسا کہ سوال نامہ میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ جدہ کا سفر صبح سے لے کر ۱۲؍بجے رات کے درمیان درمیان ہی ہوتا ہے، وہاں پر رات گزارنے کا ارادہ نہیں ہوتا ہے تو ایسی صورت میں بدستور مقیم رہیں گے، مسافر نہیں بنیں گے۔ ہاں البتہ اگر حج سے قبل مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی یہ ارادہ رہا ہو کہ سترہ (۱۷) ذی الحجہ کو ایک رات جدہ میں جا کر بھی گزارنا ہے تو ایسی صورت میں ۵؍ذی الحجہ سے ۱۷؍ذی الحجہ کے درمیان ۱۵؍دن پورے نہیں ہوتے ہیں، اس لیے سب کے نزدیک ۱۷؍ذی الحجہ تک یہ حجاج کرام مسافر ہی رہیں گے اور ۱۷؍ذی الحجہ کے بعد مکہ مکرمہ میں مسلسل ۱۸؍دن رہنے کے ارادہ سے جو قیام ہوگا تو اس درمیان یہ سارے حجاج کرام مقیم ہو جائیں گے اور نمازوں کا اتمام ان پر لازم ہوگا۔

(ج) اس سوال کا مدار مکہ مکرمہ اور جدہ کے درمیان سفر شرعی کی مسافت ماننے پر ہے؛ لیکن اب چوں کہ آبادی پھیل جانے کی وجہ سے مکہ معظّمہ اور جدہ شہر کے درمیان سفر شرعی کی مسافت نہیں رہی ہے؛ اس لیے اگر پہلے سے جدہ میں گزارنے کا ارادہ نہ ہو، جیسا کہ سوال نامہ سے واضح ہے تو محض سیر وتفریح کے لیے دن میں جدہ کا ارادہ کرنے سے اقامت پر کوئی فرق نہ پڑے گا اور وہ حجاج مکہ معظّمہ میں مقیم ہی شمار ہوں گے۔

فیقصر إن نویٰ الإقامة فی أقل منه أی فی نصف شهر) فلو دخل الحجاج مکة أیام موضعها وبد عوده من منی تصح کما لو نوی مبیته بأحدهما أو کان أحدهما تبعا للآخر. (الدر المختار)

وفی الشامی: أقول: ویظره من هذه الحکایة أ ن نیته الإقامة لم تعمل عملها إلا بعد رجوعه لو جود خمسة عشر یوما بلا نیة خروج فی أثنا ئها، بخلا ف ما قبل خروجه إلیٰ عرفات؛ لأنه لما کان عازماً علی الخروج قبل تمام نصف شهر لم یصر مقیماً ... فإن دخل أولا ما نویٰ المبیت فیه یصیر مقیماً ثم بالخروج إلی الموضع الآخر لا یصیر مسافراً؛ لأن موضع إقامة الرجل حیث یبیت به. (ردالمحتار: ۲/۶۰۶-۶۰۷، زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۵/۵/۵ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۵۱۳/۷)

قصر واتمام کے مسئلہ میں کیا مکہ ومنیٰ ایک شہر شمار ہوگا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اس سے پہلے اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے بعض سیمناروں میں حج سے متعلق بعض مسائل پر بحث وتحقیق کے بعد فیصلے کئے گئے تھے، اس وقت بھی حج سے متعلق ایک اہم مسئلہ پر شرعی بحث وتحقیق کے لیے آپ حضرات کو زحمت دی جارہی ہے، امید ہے کہ مسئلہ کی اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے پوری تحقیق وتفصیل سے جوابات تحریر فرمائیں گے؟ (ان شاء اللہ) آپ حضرات کی تحقیق اور علمی ریاضت زیر بحث مسئلہ میں کسی نتیجہ تک پہنچنے میں اکیڈمی کے لیے معاون ثابت ہوگی، یہ بات اہل علم پر مخفی نہیں کہ عہد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے بعد کے ادوار میں منیٰ کی آبادی مکہ مکرمہ سے بالکل الگ اور خاصے فاصلہ پر تھی، مکہ مکرمہ اور منیٰ کو دو الگ آبادی شمار کیا جاتا تھا؛ اس لیے اگر کوئی شخص مکہ اور منیٰ دونوں میں ملاکر پندرہ ایام کی قیام کی نیت کرتا تھا تو بھی اس پر مسافر کے احکام جاری ہوتے تھے اور وہ مقیم کی امامت میں نماز ادا نہ کرنے کی صورت میں قصر کرتا تھا، یہ بات بھی اہل علم جانتے ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک مسافر کے لیے قصر رخصت نہیں؛ بلکہ عزیمت ہے۔

ادھر چند سالوں سے صورت حال میں تبدیلی آئی ہے، مکہ مکرمہ کی آبادی بڑھتے منیٰ؛ بلکہ اس سے آگے تک پہنچ چکی ہے اور منیٰ سرکاری طور پر بلدیہ مکہ مکرمہ کا حصہ قرار پاچکا ہے، اس صورت حال نے ایک بڑا اہم فقہی سوال یہ پیدا کردیا ہے کہ اب بھی مکہ اور منیٰ الگ الگ آبادیاں مان کر وہی فتویٰ دیا جائے، جو ماضی میں تھا کہ اگر ایک شخص مکہ اور منیٰ دونوں کو ملاکر پندرہ دن، یا اس سے زائد قیام کی نیت کرتا ہے تو وہ شرعاً مسافر ہی رہے گا اور اس پر قصر لازم ہوگا؛ کیوں کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور قرون سابقہ میں ایسا ہی تھا، یا صورت حال کی تبدیلی اور واقعاتی اور سرکاری دونوں سطح پر مکہ مکرمہ میں منیٰ کی شمولیت کی وجہ سے دونوں کو ایک آبادی تصور کیا جائے گا اور اگر دونوں کو ملاکر پندرہ یوم، یا اس سے زائد قیام کا ارادہ ہو تو ایسے شخص کو مقیم مانا جائے گا اور اس پر مقیم کے احکام جاری ہوں گے۔

غالبًا آپ کے علم میں یہ بات ہوگی کہ اس مسئلہ میں برصغیر کے علما میں ایک سے زائد آرا پائی جاتی ہیں، اس کی وجہ سے حج پر جانے والے حضرات خاص طور پر کشمکش کا شکار ہوتے ہیں کہ کس رائے کو اختیار کر کے اس پر عمل کریں؟ اس لیے اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ دونوں آرا اور ان کے دالائل کا باریک بینی سے مطالعہ کر کے کوئی رائے قائم کی جائے اور ترجیحی رائے کے دلائل و وجوہ بھی تفصیل سے لکھے جائیں؛ تاکہ اکیڈمی کو فیصلہ تک پہنچنے میں سہولت ہو۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

سبھی مشاعر مقدسہ (حرم، صفا و مروہ، منیٰ، مزدلفہ اور عرفات) کی حدود توقیفی ہیں، ان میں کمی بیشی کا کسی کو اختیار نہیں ہے؛ لیکن ان کی اپنی حدیں برقرار رکھ کر اگر کسی عارض کی وجہ سے کوئی دوسرا حکم ان سے متصل ہو جائے تو اس میں کوئی چیز مانع نہیں ہے، مثال کے طور پر حرم کی حدود تنعیم تک ختم ہو جاتی ہیں؛ لیکن تنعیم سے بہت آگے تک مکہ کی آبادی بڑھ چکی ہے، جس کی وجہ سے وہ آبادی اگرچہ حرم میں شمار نہیں ہوتی مگر مکہ کے شہر میں داخل سمجھی جاتی ہے، اس آبادی کے بڑھنے سے حرم کے حدود میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی؛ مگر اصول کے مطابق وہ اضافہ شدہ آبادی شہر مکہ ہی کے حکم میں ہے۔

اسی طرح مسعی (صاف مروہ کے درمیان سعی کرنے کی جگہ) کو ابھی تک سعودی حکومت نے مسجد حرام کی حدود میں داخل نہیں کیا ہے؛ لیکن اگر وہاں تک جماعت کی صفیں پہنچ جائیں تو وہاں نماز پڑھنے حرم کی جماعت کا ثواب یقیناً حاصل ہوگا اور اس حکم کی وجہ سے مسعی کی حدود میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔

نیز مکہ مکرمہ کے بعض قدیم محلوں میں اتصال عمرانی بھی نہیں ہے؛ بلکہ بڑے بڑے فناء یا پہاڑ ہیں، اسی طرح سے نئی کالونیاں یا آبادیاں بھی ایک دوسرے سے کافی کٹی ہوئی ہیں؛ لیکن حدود مکہ کے اندر ہی ہیں، جیسے العوالی ایک منفصل اور منقطع مستقل نئی کالونی اور آبادی ہے۔

اس تمہید کے بعد یہ سمجھنا چاہیے کہ منی اور مزدلفہ کی شرعی حدود اپنی جگہ بالکل متعین اور ناقابل ترمیم ہیں اور جو عبادت ان میں سے جس جگہ ادا کرنے کا حکم ہے اس کے حدود میں ادا کئے بغیر اس عبادت کا ثواب نہیں مل سکتا، مثلاً منیٰ میں رات گزارنے کا ثواب ہے وہ حدود مزدلفہ میں رات گزارنے سے حاصل نہیں ہوسکتا۔

اسی طرح وقوف مزدلفہ کا حکم وقوف منیٰ سے پورا نہیں ہوسکتا وغیرہ، لہذا مناسک کی ادائے گی کے اعتبار سے مشاعر مقدسہ کی حدود میں ترمیم وتبدیلی کا موضوع یہاں زیر بحث ہی نہیں ہے؛ بلکہ موضوع بحث یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک قصر واتمام کا تعلق مناسک حج سے نہیں ہے؛ بلکہ اس کا تعلق ان عام اصولوں سے ہے، جن کو ہر جگہ کے لیے قصر واتمام کی بنیاد بنایا گیا ہے، وہ اصول جس طرح دنیا کے اور شہروں اور آبادیوں پر جاری ہوں گے۔

اسی طرح مکہ معظّمہ اور اس سے ملحق جگہوں پر بھی جاری ہوں گے، مثلاً یہ کہ شہر اور اس سے ملحق فناء شہر، یا حکومتی اور عرفی اعتبار سے جن جگہوں پر ایک آبادی کا اطلاق ہوتا ہو، وہ سب ایک شہر کے حکم میں سمجھے جائیں گے اور وہاں پر

پندرہ دن یا اس سے زائد قیام کی نیت سے ٹھہرنے والا اس وقت تک مقیم ہی کہلائے گا، جب تک کہ اس شہر اور اس سے ملحق جگہ سے سفر کے ارادہ سے باہر نہ چلا جائے۔

اس اصول کی روشنی میں جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اگرچہ ماضی میں عرصہ دراز تک مکہ معظّمہ، منیٰ اور مزدلفہ بالکل الگ الگ مقامات تھے، منیٰ اور مکہ کے بڑے حصے کے درمیان بڑے بڑے پہاڑ حائل تھے، اسی طرح مزدلفہ کے اردگرد کوئی آبادی نہ تھی اور عرفات تو بالکل ہی الگ تھا؛ لیکن گذشتہ چند سالوں میں دیکھتے ہی دیکھتے مکہ معظّمہ کی آبادی اس تیزی سے بڑھی کہ منی تین جانب سے آبادی کے بیچ میں آ گیا، ایک جانب عزیزیہ، دوسری جانب شرائع، معیصم اور عدل اور تیسری جانب ریع صدقی ہے اور پہاڑوں کے درمیان بڑی بڑی وسیع سرنگیں نکال کر منی کا رابطہ مکہ معظّمہ سے بہت قوی کر دیا گیا اور یہ راستے اہل مکہ کے لیے گزرگاہ کے طور پر استعمال ہوتے رہتے ہیں، منیٰ کے بعد مشرقی طرف منی کے مغربی طرف آنے جانے کے لیے سال بھر منیٰ کی ہی سڑکیں اور سرنگیں استعمال ہو رہی ہیں، نیز مکہ معظّمہ او مشاعر مقدسہ کی میونسپلٹی بھی ایک ہی کر دی گئی ہے اور ان کی نگہبانی حفاظت صفائی نگرانی کے لیے سال بھر مقررہ ٹیمیں ۲۴ ؍ گھنٹے منیٰ میں موجود رہتی ہے، وہاں متعدد منزلہ رہائشی بلڈنگیں بھی تیزی سے بنائی جا رہی ہیں، جمرات کو بری (پل) کا کام بھی منیٰ میں سال بھر ۲۴ ؍ گھنٹے چالو رہتا ہے، جہاں ہزاروں کا عملہ نمازیں ادا کر رہا ہے اور مبیت وطعام قیام مکمل طور پر اس عملہ کے لیے ہو رہا ہے اور ہر سال پل کی ایک منزل تیار کی جا رہی ہے اور شیخ محمد بن عبداللہ السبیل جو حرم شریف کے امام خطیب اور حرمین شریفین کی اعلیٰ اختیاراتی انتظامی کمیٹی کے رئیس رہ چکے ہیں، انہوں نے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے جواب میں واضح طور پر یہ لکھا ہے کہ منیٰ اب مکہ معظّمہ کے ایک محلّہ کے درجہ میں آ چکا ہے اور جو حکم مکہ کا ہے، وہی حکم منیٰ کا ہے اور شیخ مذکور قابل اعتبار اور اعتماد دینی علمی مذہبی شخصیت ہیں، جن کے اس قول کو رد نہیں کیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح مزدلفہ کا میدان بھی عزیزیہ کی جانب سے بالکل متصل ہو چکا ہے، عزیزیہ جنوبیہ کے انتہا پر مکہ مکرمہ کی جمعیۃ الہلال الاحمر السعودی کی مرکزی دفتر کی عمارت مزدلفہ سے قبل تیار ہو چکی ہے، اسی کے برابر میں ایک بڑا نیا ہسپتال بھی تعمیر کی آخری مرحلوں میں ہے، اس ہسپتال کے مشرقی جانب ایک نئی کالونی بھی تیار ہو چکی ہے، جس کی بعض زمینوں پر عمارتوں بھی تعمیر ہو چکی ہیں، اسی طرح سے عزیزیہ جنوب کی طرف اور پھیل چکا ہے اور یہ سب تعمیرات مزدلفہ سے قبل ہی ہیں۔

ان سب چیزوں کو دیکھتے ہوئے اب منیٰ اور مزدلفہ کو صرف قصر واتمام کے مسئلہ میں مکہ معظّمہ سے الگ مقامات قرار دینے اور ان کو مکہ کے تابع نہ ماننے کی کوئی دلیل نہیں ہے؛ اس لیے ہماری ناقص نظر میں اب منیٰ اور مزدلفہ توابع مکہ میں داخل ہیں اور مکہ میں اقامت کی نیت کرنے والے کی نیت اقامت منیٰ اور مزدلفہ توابع مکہ میں داخل ہیں اور مکہ میں اقامت کی نیت کرنے والے کی نیت اقامت منیٰ اور مزدلفہ جانے سے باطل نہیں ہوگی اور یہاں آ کر بھی وہ بدستور مقیم

رہے گا اور عرفات کو اگر مکہ کے تابع نہ مانا جائے، تب بھی اس حکم پر کوئی فرق نہیں پڑے گا؛ اس لیے کہ نیت اقامت میں دن نہیں؛ بلکہ رات گزارنے کا اعتبار ہوتا ہے اور عرفات میں عموماً رات نہیں گزاری جاتی ہے۔

اس مسئلہ سے درج ذیل تین ضمنی مسائل متعلق ہوتے ہیں:

(۱) قصرواتمام کا مسئلہ۔

(۲) نماز جمعہ کی ادائے گی کا مسئلہ کہ جب ان جگہوں کو تابع مان لیا گیا تو یہاں جمعہ کا قیام بھی کرنا ہوگا۔

(۳) مالی قربانی کا معاملہ کہ جو شخص اصولاً مقیم، یا مال دار ہو، اس پر مالی قربانی واجب ہوگی۔

فالقول بالتحديد بمسافة يخالف التعريف المتفق علىٰ ما صدق عليه بأنه المعد لمصالح المصرقد نص الأئمة علىٰ أن الفناء ما أعد لدفن الموتىٰ وحوائج المصرموضع يحد بمسافة يسع عساكرمصر ويصلح ميداناً للخيل والفرسان ورمى النبل والبندوق البارود واختار المدافع، وهٰذا يزيد علىٰ فراسخ فظهرأن التحديد بحسب الأمصار. (ردالمحتار، كتاب الحج، ۹/۳، زكريا)

أقول: وينبغى تقييد ما فى الخانية والتاتارخانية بما إذا لم يكن فى فناء المصرلمامرأنها تصح اقامتها فى الفناء ولومنفصلاً بمزارع فإذا صحت فى الفنائل ؛لأنه ملحق بالمصر يجب علىٰ من كان فيه أن يصليها؛لأنه من أهل المصر كما يعلم من تعليل البرهان. (ردالمحتار، كتاب الحج: ۲۶/۳، زكريا)

ومنىٰ مصر لا عرفات فتجوز الجمعة بمنىٰ ولا تجوزبعرفات، أما الأول فهو قولهما، وقال محمد: لا تجوز بمنىٰ كعرفات، واختلفوا فى بناء الخلاف فقيل مبنى على أنها من توابع مكة عندهما خلافاً له، وهٰذا غيرسديد لأن بينهما أربع فراسخ، وتقدير التوابع للحصير ية غير صحيح والصحيح أنها مبنى على أنها تتمصر فى أيام الموسم عندهما وشمل التجميع بها فى غير أيام الموسم وفى المحيط قيل : أنما تجوز الجمعة عندهما بمنىٰ فى أيام الموسم لا فى غيرها وقيل تجوز فى جميع الأيام منىٰ من فناء مكة وقد علمت فساد كونها من فناء مكة فترجح تخصيص جوازها بأيام الموسم وإنها تصير مصراً فى تلك الأيام وقرية فى غيرها. (البحرالرائق: ۱٤۲/۲)

وإنما اقتصرالمصنف علىٰ هٰذا الوجه من التعليل دون التعليل بأن منىٰ من أفنية مكة لأنه فاسد لأن بينهما فرسخين وتقدير الفناء بذٰلك غير صحيح ، قال محمد فى الأصل: إذا نوى المسافر أن يقيم بمكة ومنىٰ خمسة عشر يوماً لا يصير مقيماً فعلم اعتبارها شرعاً موضعين. (فتح القدير: ٥٤/۲)

وقال بعد مشائخنا: أن الخلاف بين أصحابنا فى هٰذا بناء علىٰ أن منىٰ م توابع مكة عندهما وعند محمد ليس من توابعها، وهٰذا غيرسديد لأن بينهما أربعة فراسخ، وهٰذا قول بعض الناس فى تقدير التوابع فأما عندنا فبخلافه على ما مر، والصحيح بعض الناس فى تقدير التوابع فأما عندنا فبخلافه على ما مر، والصحيح أن الخلاف فيه بناء على أن المصر الجامع شرط عندنا

الاأن محمداً يقول: إن منىٰ ليس بمصر جامع بل هو قرية فلا تجوز الجمعة بها كما لا تجوز بعرفات وهما يقولان : إنها تتمصر في أيام الموسم. (بدائع الصنائع: ۱/ ۵۸۵-۵۸۶،زکریا)

نوٹ: ان عبارات سے معلوم ہوا کہ شیخین کے قول کی تعلیل کرتے ہوئے بعض قدیم فقہاء نے بھی منیٰ کو فناء مکہ میں شامل قرار دیا تھا، جس کی اس وقت اس بنا پر تردید کی گئی تھی کہ منیٰ اور مکہ معظّمہ میں چار فرسخ کا طویل فاصلہ تھا؛ لیکن اب جب کہ مکہ کی آبادی منیٰ اور مزدلفہ تک پہنچ چکی ہے، تو اب ان کے فناء مکہ ہونے سے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔

وضاحت: مذکورہ بالا تحریر میں بین القوسین ''()'' عبارت مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے مدیر محترم حضرت مولانا محمد حشیم (ماجد مسعود) صاحب زید مجدہم کی اضافہ فرمودہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۹/۱۱/۱۴۲۸ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/۴۸۵-۴۹۰)

سفرِ حج میں نماز پوری پڑھیں، یا قصر کریں:

سوال: ہندوستانی حاجی کو منی، عرفات، مزدلفہ، مکہ اور مدینہ منورہ میں مکمل نماز پڑھنی چاہیے، یا قصر کرنا چاہیے؟

(حاجی عبدالقدیر، بیدر)

الجواب

قصر، یا پوری نماز پڑھنے کے سلسلے میں اصول یہ ہے کہ اگر مسافر نے کسی جگہ پندرہ دن، یا اس سے زیادہ مسلسل قیام کی نیت کی ہو تو وہ مقیم کے حکم میں ہوگا اور نمازیں پوری کرے گا اور اگر ایک جگہ اس سے کم مدت کا قیام ہو تو حنفیہ کے نزدیک وہ مسافر ہی کے حکم میں ہے، لہذا وہ قصر کرتا رہے گا، اس اصول کے مطابق مدینہ میں چوں کہ سعودی حکومت کی جانب سے پندرہ دنوں تک قیام کی اجازت نہیں دی جاتی، آٹھ نو دن ہی کا قیام ہوتا ہے؛ اس لیے یہاں حاجی کو دو رکعت پڑھنی ہے، سوائے اس کے کہ مقیم امام کی اقتدا کرے تو امام کی اتباع میں چار رکعت ادا کرے گا، مکہ مکرمہ میں اگر آٹھ ذی الحجہ سے پندرہ دن پہلے پہنچ گیا تو وہ مقیم ہے اور اسے چار رکعت پڑھنی ہے اور اگر اس سے کم مدت حج شروع ہونے میں باقی ہے تو وہ مسافر ہے، ظہر، عصر اور عشاء کی دو رکعتیں ادا کرے گا، سوائے اس کے کہ مقیم امام کے پیچھے نماز پڑھے۔ ایسا شخص مِنیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں بھی مسافر ہی سمجھا جائے گا اور قصر کرے گا اور اگر اس سے پہلے مکہ میں پندرہ دنوں رہ چکا ہو تو مکہ میں پندرہ دنوں کے قیام کی وجہ سے حاجی منیٰ، مزدلفہ اور عرفات میں مقیم سمجھا جائے گا اور جب مقیم امام کے پیچھے نماز ادا نہیں کر رہا ہو تو قصر کرے گا؛ کیوں کہ منیٰ، عرفات وغیرہ الگ شہر ہے، مکہ میں داخل نہیں، چناں چہ مشہور فقیہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

''إنه إذا نوى الإقامة بمكة شهرًا ومن نيته أن يخرج إلىٰ عرفات ومنى قبل أن يمكث بمكة خمسة عشر يومًا لايصير مقيمًا؛ لأنه لا يكون ناويًا لإقامة مستقلة فلا تعتبر''. (۱)

---

(۱) منحة الخالق على البحر، كتاب الحج: ۲/ ۱۴۳

''جب مکہ کے اندر ایک ماہ قیام کا ارادہ کرے اور اس کی نیت یہ ہے کہ عرفات اور منیٰ کے لیے مکہ میں پندرہ دن کے قیام سے پہلے ہی جانا ہے تو مقیم نہیں ہوگا؛ اس لیے کہ وہ مستقل اقامت کی نیت نہیں کر رہا ہے، لہٰذا نیت معتبر نہ ہوگی۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴/۱۰۴-۱۰۵)

حاجی مسافر رہتا ہے، یا مقیم:

سوال: مکہ مکرمہ میں پہنچنے کے بعد حاجی کے لیے دو صورتیں پیش آتی ہیں:

(الف) عمرہ کرنے کے ایک، دو روز بعد حاجی کو مدینہ منورہ بھیج دیا جاتا ہے اور وہ ۶/۵ ذی الحجہ تک مکہ مکرمہ واپس آجاتا ہے، پھر اس وقت سے لے کر حج کے بعد، یا تو پندرہ دنوں تک مکہ مکرمہ میں رہتا ہے، یا ۲۰/۲۵/روز تک۔

(ب) حج کے بعد ۲۰/۲۵/دنوں تک مکہ مکرمہ میں حاجی کا قیام رہتا ہے، اس کے بعد اس کو مدینہ منورہ بھیج دیا جاتا ہے اور اسی طرح سے اس کی واپسی ہوتی ہے، لہٰذا اب سوال یہ ہے کہ حاجی مکہ مکرمہ میں (بشمول منیٰ، مزدلفہ، عرفات) دونوں صورتوں میں مقیم رہے گا، یا مسافر؟

واضح رہے کہ حاجی کی روانگی، یا واپسی مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کا قیام حج کمیٹی، یا سعودی حکومت کی اجازت اور اصول وضوابط پر موقوف ہے، اس میں حاجی کے اپنے ارادہ خواہش و مرضی کا کوئی دخل نہیں ہے۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

چوں کہ اقامت کی نیت کے صحیح ہونے کے لیے ایک ہی مقام پر مکمل پندرہ دن قیام کرنا ضروری ہے۔ دو، یا اس سے زائد مستقل مقام پر ٹھہرنے کی مجموعی مدت پندرہ دن ہوتی ہے تو اس صورت میں اقامت کی نیت درست نہیں؛ بلکہ وہ مسافر ہی رہتا ہے؛ اس لیے صورت مسئولہ میں اگر حاجی ذی الحجہ سے اتنا پہلے مکہ مکرمہ پہنچ جائے کہ عرفات، منیٰ، مزدلفہ، یا مدینہ منورہ کو روانہ ہونے سے قبل صرف مکہ مکرمہ میں پندرہ دن قیام کرنا ممکن اور معلوم ہو تو اقامت کی نیت درست ہے اور حاجی اس صورت میں مقیم ہو جائے گا؛ لیکن اگر مکہ مکرمہ، عرفات، منیٰ اور مزدلفہ ان چاروں مقامات پر قیام کی مجموعی مدت پندرہ دن ہوتی ہے، یا پندرہ دن مکمل ہونے سے پہلے مدینہ منورہ کا سفر ہو تو حاجی مسافر ہی رہے گا؛ کیوں کہ مکہ مکرمہ اور منیٰ و عرفات وغیرہ الگ الگ مستقل مقامات ہیں اور اس صورت میں صرف ایک مقام پر پندرہ دن قیام نہیں ہوا۔ درمختار میں ہے:

أو نوى فيه لٰكن (بموضعين مستقلين) كمكة ومنى فلو دخل الحاج مكة أيام العشر لم تصح نيته؛ لأنه يخرج إلٰى منٰى وعرفة فصار كنية الإقامة في غير موضعها. (۶۰۷/۲)(۱)

يظهر من هٰذه الحكاية أن نيته الإقامة لم تعمل عملها إلا بعد رجوعه لوجود خمسة عشر يوماً

---

(۱) الدر المختار علٰی هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۵۲۸/۱، طبع بيروت

بـلانية خـروج فـی أثـنـائها،بخلاف ما قبل خروجه إلٰی عرفات؛لأنه لما كان عازماً علی الخروج قبل تمام نصف شهر لم يصر مقيماً.(رد المحتار: ۵۲۹/۱)(۱)

إن الـحـاج إذا دخـل مـكة فـی أيـام الـعشـرو نوی الإقامة نصف شهر لاتصح؛لأنه لابدّ له من الخروج إلٰی عرفات فلا يتحقق الشرط.(الفتاویٰ الهندية: ۱۴۰/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی،۲۱/۶/۱۴۲۴ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲۲۰/۳)

شہر سے متصل مقام کو بحکم شہر ہونے کے لیے کس قسم کا اتصال شرط ہے:

سوال: اگر محض اتصال کی وجہ سے ایک جگہ دوسری جگہ کے حکم میں ہو جائے تو کس طرح کا اتصال ہونا چاہیے؟ ایک جانب سے یا ہر چہار جانب سے؟ مثلاً دو جانب سے تو اتصاف پایا جائے؛ لیکن دیگر جانبوں سے فاصلہ ہو تو کیا یہ فاصلہ مقام واحد کا حکم کرنے میں مانع بنے گا، یا نہیں؟ اگر ہاں تو کتنا فاصلہ موضع واحد کے حکم کے لیے مانع بن سکتا ہے؟

باسمه سبحانه تعالٰی، الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

اگر دونوں جانب آبادی موجود ہے تو کسی ایک جانب کا اتصال بھی دونوں آبادیوں کو ایک حکم میں رکھنے کے لیے کافی ہے؛ لیکن اگر خالی میدان ہو تو اس کا شہر سے متصل قرار دینے کے لیے متعدد جگہوں سے اتصال کی ضرورت ہوگی اور اس میں عرف کا بھی لحاظ رکھا جائے گا اور فاصلہ کی تحدید شہروں کی حیثیت کے اعتبار سے کم و بیش ہو سکتی ہے، جیسا کہ اوپر گزرا۔

(۱) الـقـر يتان المتدانيتان المتصل بناء إحدا هما بالأ خری أو التی يرتفق أهل إحدا هما بالأخری فهما كالقرية الواحدة.(الموسوعة الفقهية: ۲۷۹/۲۷)

(۲) ولو كانت قريتان متدا نيتين فاتصل بناء أحدهما بالأخری فهما كالواحدة.(المغنی: ۵۰/۲)

(۳) ولـو كـان للبلد محال، كل محلة منفردة عن الأخرٰی كبغداد فی الماضی،فمتٰی خرج من محلته أبيح له،القصر إذا فارق أهله،وإن كان بعضها متصلاً ببعض كاتصال أحياء المعاصرة ،لم يقصر حتٰی يفارقها جميعها.(الفقه الإسلامی: ۲۹۶/۲،المغنی: ۵۰/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (کتاب النوازل: ۴۹۴/۷)

اگر ایک ہی گروپ میں اتمام اور قصر دونوں کے قائل ہوں تو امام کس کو بنائیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اگر ایک ہی گروپ میں جانے والے کچھ افراد اتمام کے قائل اور کچھ افراد قصر کے قائل علماء کرام کے قول پر عمل کرنے والے ہوں تو ایسی صورت میں ایک خیمہ میں باہم فتنہ فساد سے اجتناب کرنے کی غرض سے منی، مزدلفہ اور عرفات میں مقیم حجاج کرام اپنے گروپ کے مسافر امام کی اقتدا کر کے اپنی بقیہ نماز پوری کر لے تو ایسا کرنا کیسا ہے؟ کیا ان کی نماز ادا ہو جائے گی۔

---

(۱) رد المحتار: ۶۰۷/۲

باسمه سبحانه تعالىٰ، الجواب ———— وبالله التوفيق

جو حضرات اتمام کے قائل ہیں، ان کی نظر میں قصر کرنے والے حق پر نہیں ہیں، لہٰذا اگر وہ قصر کرنے والوں کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھ کر اپنی ما بقیہ نماز پوری کریں گے تو یہ اقتدا صحیح نہ ہوگی؛ کیوں کہ ان کی نظر میں امام نے ناقص فریضہ ادا کیا ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی حنبلی امام جو مکہ کا باشندہ ہو، اگر وہ اپنے مسلک کے مطابق نسک کو موجب قصر سمجھتے ہوئے مسجد خیف میں چار رکعت والی نماز دو رکعت پڑھائے تو کسی حنفی مقتدی کے لیے اس کی اقتدا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ امام نے مقتدی کے خیال میں ناقص فریضہ ادا کیا ہے، اسی طرح کی بات مسئولہ صورت میں بھی کہی جائے گی، لہٰذا جس گروپ میں اتمام وقصر میں اختلاف کرنے والے موجود ہوں تو بہتر شکل یہ ہے کہ امام ایسے شخص کو بنایا جائے، جو اتمام کا قائل ہو اور قصر کے قائلین بھی اس کی اقتدا میں نماز پڑھیں تو ان کی نماز یقیناً ادا ہو جائے گی اور اگر اس پر اتفاق نہ ہو سکے تو پھر جو لوگ جس رائے کو حق سمجھتے ہوں، اسی کے مطابق الگ الگ جماعت بنا کر نماز پڑھتے رہیں اور باہم نزاع نہ کریں۔ (مستفاد: آپ کے مسائل اور ان کا حل محقق ومدلل: ۳۵۳/۵-۳۵۶)

ثم إن كان الإمام مقيما أتم الصلاة وأتم معه المسافرون أيضاً، أى وكذا المقيمون ... والحاصل أن الإمام إن كان مقيما فلا يجوز القصر للمسافرين والمقيمين، وإن أن يقصر الصلاة أى لا اختصاص القصر بالمسافر إجماعا وإنما الخلاف فى كون الجمع للنسك والسفر ولا للمسافر أن يقتدى به أى بالمقيم إن قصر أى لعدم صحة صلاته بالقصر. (مناسک ملا علی القاری: ۱۹۴-۱۹۵، غنية الناسک: ۱۹۵، سهارنفور)

فالحق ماعليه الجمهور أن القصر بمنى وعرفات كان للسفر لا لكونه من مناسك الحج. (إعلاء السنن: ۱۰/ ۱۱/۱۰ ٤، کراتشی، کتاب المسائل: ۲۸۳/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۵/۵/۵ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۵۱۷/۷)

مغرب کی نماز عرفات میں اور عشاء کی مزدلفہ میں پڑھنے کا حکم:

سوال: عرفہ کے دن اگر کوئی تنہا مغرب کی نماز عرفات میں پڑھے اور عشا کی نماز مزدلفہ میں پڑھے تو کیسا ہے؟ اور کیا حکم ہے؟

الجواب ————

فى الدرالمختار: فصل كيفية الحج ولو صلى المغرب فى الطريق أو فى عرفات أعاده، آه. (۱)

اس روایت (فقہی) سے معلوم ہوا کہ اس شخص پر مغرب کی نماز کا اعادہ کرنا لازم ہے۔ فقط

۲/ شوال ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولی، ص: ۶۸) (امداد الفتاوی: ۱۷۰/۲)

---

(۱) رد المحتار، کتاب الحج: ۵۲۶/۳، انیس

عرفات میں بعد جماعت عصر وظہر دونوں کو جمع کرنا کیسا ہے:

سوال: ہم نے حج کیا ہے، عرفات جبل کے ایلوان ایک بڑی مسجد حضرت آدم علیہ السلام کی بولتے ہیں، اس میں امام خطبہ پڑھ کر ظہر وعصر بعد زوال کے یک مثل میں پڑھاتا ہے، بعد اس امام کے اگر چند حاجی مل کر، یا بیرون مسجد بغیر خطبہ کے ظہر وعصر اکٹھی کر کے پڑھیں تو جائز ہوگا، یا نہ؟ چرا کہ ہر دو کو اکٹھا پڑھنا جماعت واحرام کے شرط سے ہے، نہ خطبہ شرط، جو تصحیح ہو، مرقوم فرماویں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

فی الدر المختار: وشرط لصحة هٰذا الجمع الإمام الأعظم أو نائبه وإلا صلوا وحدانا. (۲۸۲/۲)(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں جمع جائز نہیں۔

(تتمہ اولی، ص:۱۷) (امداد الفتاوی: ۱۷۰/۲)

مزدلفہ میں صبح صادق کے بعد مغرب وعشا بہ نیت ادا پڑھی تو کیا حکم ہے:

مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں:

(۱) کوئی حاجی مزدلفہ میں دیر سے پہنچا یہاں تک کہ صبح صادق ہوگئی، اس نے مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشا کی نماز ادا کی نیت سے پڑھی، حالاں کہ قضا کی نیت کرنی چاہیے تھی تو کیا اس کی نماز ہو جائے گی، یا دہرانی پڑے گی؟

مزدلفہ میں دیر سے پہنچنے پر مغرب وعشا پڑھنے سے دم نہیں:

(۲) مزدلفہ میں مغرب اور عشا کی نماز عشا کے وقت میں پڑھنا واجب ہے، وہ دیر سے پہنچنے کی وجہ سے صبح صادق سے پہلے مزدلفہ میں یہ نمازیں نہ پڑھ سکا تو کیا اس پر دم آئے گا، یا نہیں؟

طواف زیارت کی تکمیل نفلی طواف سے:

(۳) کسی حاجی نے طوافِ زیارت کے دو تین شوط چھوڑ دیے اور ایام نحر کے بعد اس نے نفل طواف کیا تو کیا اس نفل طواف کے شوط طواف زیارت میں شامل کر لیے جائیں گے؟ اور کیا اس طرح طوافِ زیارت مکمل ہو جائے گا اور تاخیر کی وجہ سے اس حاجی پر صدقہ وغیرہ آئے گا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــ حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) دل میں اگر اس بات کا تعین کیا ہو کہ میں نے گزشتہ شب کی مغرب اور عشا پڑھی تو چاہے نیت ادا کی کی ہو، پھر بھی یہ نماز درست ہو جائے گی، دہرانے کی ضرورت نہیں اور اگر ایسا نہیں تو دہرانا ضروری ہے۔ (ماخوذ از عمدۃ الفقہ: ۷۷/۲)

---

(۱) الدر المختار، کتاب الحج: ۵۱۹/۳-۵۲۰، انیس

(۲) اس صورت میں دم واجب نہیں۔ (ماخوذ از بدۃ المناسک: ۵۰/۲)

(۳) جی ہاں، اس طرح طواف زیارت کی تکمیل ہوجائے گی اور دم ساقط ہوجائے گا، البتہ ہر شوط کے بدلہ میں ایک کامل صدقہ نکالنا ضروری ہے۔ (زبدۃ المناسک: ۸۷/۲، عمدۃ الفقہ، کتاب الحج: ۵۳۱/۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری۔ الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ، ۱۰/صفر ۱۴۲۵ھ۔ (محمود الفتاویٰ: ۲۶۸/۲-۲۶۹)

عرفات میں جمع بین الصلوٰتین کا مسئلہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ عرفات میں جو جمع بین الصلوٰتین ہوتی ہے، اگر یہ نمازیں بلا جماعت اپنے اپنے وقت میں ادا کی جائیں تو حج میں نقصان ہوگا، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: حاجی ظفر الحق صاحب، ۱۱/۱۲/۱۹۸۵ء)

الجواب

اس میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ (۱) وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۴۰/۴)

---

(۱) عرفات میں ظہر وعصر کو جمع کرنے کی بعض شرطیں متفق علیہ ہیں اور بعض مختلف فیہ ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) ان دونوں نمازوں کو جمع کرتے وقت حج کے احرام میں ہونا امام ابوحنیفہ کے نزدیک شرط ہے اور صاحبین کے نزدیک دونوں کو جمع کرنے کے لیے فقط نماز عصر کے وقت احرام میں ہونا شرط ہے۔

(۲) دونوں نمازوں کو جماعت سے ادا کرنا امام ابوحنیفہ کے نزدیک شرط ہے، صاحبین کا اس میں اختلاف ہے اور صحیح امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔

(۳) دونوں نمازوں میں بادشاہ وقت (خلیفہ)، یا اس کے نائب کا امام بننا خواہ وہ مقیم ہو یا مسافر، پس اس کے علاوہ کسی اور امام کے ساتھ ان دونوں نمازوں کو جمع کرنا جائز نہیں ہے، کسی اور کی امامت میں جماعت کرنے کا حکم اکیلا نماز پڑھنے والے کی طرح ہے، صاحبین کے نزدیک اس کو جمع کرنا جائز ہے۔

(۴) ظہر کو عصر پر مقدم کرنا یعنی پہلے ظہر کی نماز پڑھنا پھر عصر کی، پس عصر کو ظہر پر مقدم کرنا جائز نہیں ہے، یہ شرط متفق علیہ ہے۔

(۵) جمع بین الصلوٰتین کا وقت ہونا اور وہ عرفہ کے دن؛ یعنی نویں ذی الحجہ کو زوال آفتاب کے بعد عصر کا وقت داخل ہونے سے پہلے ہے، یہ شرط بھی متفق علیہ ہے۔

(۶) مکان اور وہ عرفات یا اس کے قریب کی جگہ ہے، یہ شرط بھی متفق علیہ ہے۔ پس جمع بین الصلاتین فی العرفات کی کل چھ شرطیں ہیں، اگر ان شرطوں میں سے ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو دونوں نمازوں کو علاحدہ علاحدہ ان کے اپنے وقت میں اپنی جگہ میں پڑھے، اگر اکیلا ہو تو اکیلا پڑھ لے اور اگر دو یا زیادہ آدمی ہوں تو ظہر اور عصر کو اپنے اپنے وقت میں جماعت کے ساتھ ادا کرلیں۔ (عمدۃ الفقہ ۴: ۹۱۲)

منہاج السنن شرح جامع السنن میں ہے:

وقال ابویوسف ومحمد لا یشترط له الامام ولا نائبه وفی البرهان ان قولهما اظهر من حیث الدلیل، وفی عصرنا وقع الاذن العام من السلطان بالجمع فی الخیام فافهم. (منهاج السنن شرح جامع السنن: ۱۳۹/٤)

عرفات، یاراستہ میں نماز مغرب وعشانہیں پڑھے گا:

سوال: کیافرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگرکوئی حاجی عرفات میں مغرب کی نماز پڑھ کرمزدلفہ چلاجائے، یاراستہ میں وقت کے اندراداکرے اورعشا کی نماز وہاں اداکرے، کیایہ طریقہ درست ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: عبدالرحمٰن مشیط سعودیہ)

الجواب

حاجی نماز مغرب اورنماز عشا عرفات میں، یا مزدلفہ کے راستہ میں ادانہیں کرے گا، اگر یہ نمازیں وہاں ادا کیں تو مزدلفہ میں دوبارہ ادا کی جائیں گی اور بوقت عشا یہ دونوں نمازیں ادا کئے جائیں گی، اگر چہ بوقت مغرب مزدلفہ کو پہنچے ہوں۔ (شرح لباب، شامی)(۱) وهوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۴۱/۴-۲۴۲)

مزدلفہ میں مغرب وعشا کے جمع کرنے میں امام شرط نہیں ہے:

سوال: مزدلفہ میں مغرب وعشا بھی پہلے امام کے بعدحاجی مل کر ہردو اکٹھا پڑھیں، یانہ؟

الجواب

فی الدرالمختار: كما لا احتياج هٰهُنا للإمام.

فی ردالمختار: وشرائط هٰذا الحج الإحرام بالحج وتقديم الوقوف عليه الزمان والمكان والوقف إلٰى آخره. (۲۸۷/۲)(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اس جمع میں امام الحج شرط نہیں، پس اگر فرادیٰ پڑھیں، یا چندآدمی جمع ہوکر جماعت سے پڑھیں، ہرطرح صحیح ہے۔

(تتمہ اولی، ص: ۱۷)(امدادالفتاویٰ: ۱۷۱/۲)

مزدلفہ میں مغرب وعشا میں ترتیب واجب ہے:

سوال: پہلے عشا کی نماز پڑھیں، یا مغرب اورصاحب ترتیب بھی پہلے عشا پڑھے، یا مغرب؟

---

(۱) قال الملا علی قاری: واما الوقت فوقت العشاء ... فلو وصل الى مزدلفة قبل العشاء لا يصلى المغرب حتى يدخل وقت العشاء. (إرشاد الساری، ص: ٦٤١، باب احكام المزدلفة)

قال العلامة الحصكفی: وصلى العشاء [illegible] المغرب والعشاء فی الطريق او فی عرفات اعاده [illegible] كان مزدلفة والوقت وقت العشاء حتى لووصل الى مزدلفة قبل العشاء لم يصل المغرب حتى يدخل وقت العشاء. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار: ۱۹۱/۲-۱۹۲، قبيل مطلب فی الدفع من عرفات)

(۲) الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الحج: ٥٢٠/٤، انيس

الجواب

فی الدرالمختار: ولوصلی العشاء قبل المغرب بمزدلفة صلی المغرب ثم أعاد العشاء فإن لم یعد ھا حتیٰ ظھرالفجرعاد العشاء إلی الجواز.

فی رد المختار: لافرق فی ھٰذا بین أن یکون صاحب ترتیب أولا فتزاد ھٰذہ علیٰ مسقطات وجوب الترتیب.(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ پہلے مغرب پڑھیں، پھر عشا اور اگر بالعکس کرلیا تو بترتیب اعادہ واجب ہے؛ لیکن اگر اعادہ نہ کیا طلوع فجر سے دونوں صحیح ہوگئیں۔ فقط

۷؍شعبان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولی، ص:۱۷) (امداد الفتاوی:۲؍۱۷۱)

حج سے پہلے پہونچنے والا مکہ معظّمہ میں مقیم ہے، یا مسافر:

سوال: جو شخص یکم ذی الحجہ کو مکہ شریف پہونچے اور بیس روز قیام کی نیت کرے اور حج سے فارغ ہوکر اکیس کو مدینہ طیبہ جانے کا قصد کرے تو وہ شخص قیامِ مکہ معظّمہ میں نماز پوری پڑھے گا، یا قصر کرے گا؟ ایسا شخص مقیم ہے، یا مسافر؟

الجواب ــــــــ حامداً و مصلیاً

وہ شخص مقیم نہیں؛ بلکہ مسافر ہے، اس کو چاہیے کہ مکہ مکرمہ میں بھی قصر کرے اور منیٰ، عرفات، مزدلفہ میں بھی قصر کرے۔(۲) البتہ اگر مقیم امام کے پیچھے پڑھے گا تو قصر نہیں کرے گا؛ بلکہ اتمام کرے گا، جیسا کہ ہر مسافر کا حال ہوتا ہے۔(۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ:۱۰؍۳۷۰-۳۷۱)

عورت کا احرام سے قبل مانع حیض دوا استعمال کرنا:

سوال: عورت احرام سے قبل مانع حیض دوائیں استعمال کرسکتی ہیں، یا نہیں؟

الجواب ــــــــ وباللّٰہ التوفیق

حج کے بعد حج کی واپسی کی تاریخ مقرر ہوتی ہے اس کا مؤخر کرانا بعض دفعہ قانوناً دشوار اور بعض دفعہ ناممکن ہوتا ہے، ان ایام میں اگر عورت کو حیض آجائے اور واپسی کی تاریخ سے قبل اگر وہ پاک نہ ہو تو طواف زیارت، یا تو حیض کی حالت میں کرنا

(۱) ردالمحتار، کتاب الحج، فصل فی الإحرام وصفة المفرد: ۲۸۸/۳، انیس

(۲) وذکر فی کتاب المناسک أن الحاج إذا دخل مکة فی أیام العشرونویٰ الاقامة نصف شهر، لایصح؛ لأنه لابد له من الخروج إلیٰ عرفات، فلایتحقق الشرط. (البحر الرائق: ۲۳۳/۲، باب المسافر، طبع رشیدیة)

(۳) وإن اقتدیٰ مسافر بمقیم أتم أربعاً. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة: ۱۴۳/۱، الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر، طبع رشیدیة)

پڑتا ہے، جس میں بڑی قباحت ہے، یا پھر اس کے چھوٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے، جب کہ اس کے بغیر حج مکمل نہیں ہوتا، اس بنا پر اگر اس زحمت سے بچنے کے لیے اور طواف زیارت وقت پر طہارت کی حالت میں ادا کرنے کی خاطر وہ عورتیں جن کا معمول ان ایام میں حائضہ رہنے کا ہے، وہ مانع حیض دوائیں استعمال کرلیں تو شرعاً اس کی گنجائش ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۴۰۴/۶، جدید فقہی مسائل طبع ہفتم ص: ۲۴۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۱۴/۱۱/۱۴۱۸ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۳۶/۳)

دوران حج حیض کا آجانا:

سوال: عورت کو اگر ایام حج میں حیض آجائے تو کیا وہ کرے گی؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر کسی عورت کو دوران حج حیض آجائے تو وہ طواف زیارت (جو فرض ہے) کے علاوہ تمام افعال حج اسی طرح کرے گی، جس طرح عام حجاج کرتے ہیں اور حیض سے پاک ہونے کے بعد طواف زیارت کرے گی۔

"(ولو حاضت عند الإحرام أتت بغير الطواف) لقوله عليه السلام لعائشة حين حاضت بسرف: "أفعلي ما يفعل الحاج غير أن لاتطوفي بالبيت حتٰى تطهري". (البحر الرائق، باب الجنايات: ٦٤٩/٢) (١)

لیکن اگر حالت حیض ہی میں ہو کہ وہاں سے وطن روانگی کا وقت آجائے اور وہاں قیام کرنے کی کوئی شکل نہ ہو تو ایسی صورت میں وہ عورت مجبوراً حالت حیض ہی میں طواف زیارت کرے گی، البتہ اس پر ترک واجب (طہارت کی حالت میں طواف کرنا) کی وجہ سے بڑے جانور کی قربانی واجب ہوگی۔

فإن طافت كانت عاصية مستحقة لعقاب اللّٰه ولزمها الإعادة، فإن لم تعد كان عليها بدنة وتمّ حجها. (البحر الرائق، قبيل باب الجنايات: ٦٤٩/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۲۲/۶/۱۴۲۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۵۲/۳)

جس عورت کو ایام حج میں حیض آئے، وہ حج کیسے کرے:

سوال: مستورات زمانۂ حج میں ایام ہونے کی حالت میں ارکان حج کیسے ادا کرسکتے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

سوائے طواف کے جملہ ارکان ادا کرے اور طواف فرض کی قضاء بعد طہارت کے کرے اور طواف سنت و واجب ساقط ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵۴۶/۶)

---

(١) الصحيح للبخاري، باب تقضي الحائض المناسك كلّها إلا الطّواف بالبيت، إلخ: ٢٢٣/١

(٢) وإذا حاضت المرأة عند الاحرام اغتسلت وأحرمت وصنعت كما يصنعه الحاج غير أنها لا تطوف بالبيت حتٰى تطهر لحديث عائشة رضي اللّٰه عنها. (الهداية، باب التمتع: ٢٤٦/١، ظفير)

اگرایام حج میں عورت کوحیض آجائے تو وہ کیا کرے:

سوال: اگرکوئی عورت حج کرنے چلی جائے اورایام حج میں حیض آنا شروع ہوجائے تو وہ کیا کرے؟

الجواب

طواف کے ماسواحج کے تمام کام حالت حیض میں کرسکتی ہے،طواف زیارت پاک ہونے کے بعد کرے۔(۱) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی غفرلہ،۱۳۸۸/۵/۲۵ھ۔(فتاویٰ عثمانی:۲۲۳/۲)

حالتِ حیض میں طواف کرنا:

سوال(۱) بعض حضرات مع اپنی بیوی کے اسی ملک میں قیام کرتے ہیں، ملازم ہیں، صرف دس بارہ یوم کی رخصت بڑی مشکل سے ملتی ہے، لہٰذا عینِ وقت پر حج کو آتے ہیں، کبھی کوئی ایسا واقعہ بھی پیش آتا ہے کہ بیوی، یا لڑکی کو حیض شروع ہوجاتا ہے، ایسا فتنہ ہے کہ بیوی کو تنہا جائے ملازمت پر چھوڑ کر بھی نہیں آسکتے ہیں اور وہ خود حج کے آنے کے جذبہ میں ہوتی ہے، لہٰذا اس مجبوری میں طوافِ زیارت حیض کی حالت میں کر کے جانا ہوسکتا ہے،شوہر بیوی کو تنہا مکۃ المکرّمہ میں چھوڑ کر نہیں جاسکتا ہے اور نہ دوسرے ساتھیوں کے ساتھ چھوڑا جاسکتا ہے اور خود کو چھٹی بہت کم ملتی ہے، لہٰذا مجبوری میں واپس جانا ہوتا ہے۔

تو اس مجبوری کی صورت میں عورت حیض کی حالت میں طوافِ زیارت اور سعی کرلے؛ کیوں کہ حیض کی حالت میں بوجۂ مجبوری طوافِ زیارت کیسا ہے؟ اور ایک اونٹ، یا گائے یا بیل حدودِ حرم میں ذبح کردے؛ تاکہ مرد کے لیے حلال ہوجائے، حج مکمل ہوجائے، حیض کی حالت میں طواف کرنے کے گناہ کے لیے لیے توبہ استغفار کرلے کہ بالکل مجبوری کی وجہ سے کیا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ طواف زیارت جان بوجھ کر حالتِ حیض میں کرنا بہت بڑا جرم ہے؛ کیوں کہ اونٹ، یا گائے کے ذبح کرنے کی جزا اس پرلازم ہے۔

ساتھ ہی مندرجہ بالا مجبوری لاکھوں عورتوں کے مجمع میں صرف چند کو پیش آتی ہے اور اس حالت سے بچنا مستورات کے بس کا نہیں، اگر جلد واپسی ضروری نہ ہو تو کبھی کوئی عورت اتنا بڑا گناہ نہیں کرے گی، بالکل مجبوری کی حالت میں حالتِ حیض میں طواف کیا جائے؛ تاکہ حج مکمل ہوجائے اور مرد کے لیے حلال ہوجائے۔

ایک صاحب کی اہلیہ کو ایسا ہی معاملہ پیش آیا، ان کے میاں نے بیوی سے کہا کہ ہم تمہارا حج فسخ کراتے ہیں، لہٰذا تم

---

(۱) و فی الهندیة (۲٦٥/۱،طبع شرکة علمیة ملتان،باب التمتع): وإذا حاضت المرأة عند الاحرام اغتسلت واحرمت وصنعت کما یصنعه الحاج غیر أنها لاتطوف بالبیت حتیٰ تطهر لحدیث عائشة رضی اللّٰه عنها، اسی طرح فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:٦/٥٤٦ میں ہے۔

اپنے کو حاجی ہی مت سمجھنا مجبوری ہے، لوگوں نے بہت سمجھایا کہ اس طرح حج فسخ نہیں ہوتا؛ مگر نہیں مانے اور واپس بھی چلے گئے، بعض عورتیں حیض والی عورتوں کو مشورہ دیتی ہیں کہ کسی سے ذکر مت کرو اور خوب اطمینان سے ایسی حالت میں طوافِ زیارت کرو، چناں چہ بعض عورتیں ان کے کہنے پر عمل کرتی ہیں اور اس کو گناہ نہیں سمجھتی اور نہ جزا دیتی ہیں۔

حالتِ حیض میں حرم شریف کی نماز اور صلوٰۃ وسلام:

(۲) اسی طرح مکۃ المکرّمۃ میں، یا مدینہ منورہ کے قیام کے زمانہ میں عورت، یا جوان لڑکی کو حیض شروع ہو گیا، عزت وآبرو کی وجہ سے مرد اپنی بیوی، یا اپنی لڑکی کو تنہا قیام گاہ پر نہیں چھوڑنا چاہتا ہے اور وقت کم ہوتا ہے، خود حرم شریف میں آکر نمازیں ادا کرنا چاہتا ہے، طواف کرنا چاہتا ہے اور مدینہ منورہ میں نمازیں ادا کرنا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سلام عرض کرنا چاہتا ہے۔

بعض عورتیں ایسی عورتوں کو مشورہ دیتی ہیں کہ کسی سے کہو نہیں، نمازیں بھی پڑھو، طواف بھی کرو، سلام بھی عرض کرو۔ یہ صریحاً گناہ ہے؛ مگر ایسی مجبوری میں مرد اپنی بیوی کو اور لڑکی کو حیض کی حالت میں حرم شریف میں اور مسجد نبوی میں کسی ایک جگہ لاکر بیٹھا دے؛ تاکہ وہ خاموش بیٹھے توبہ استغفار کرے، درود شریف پڑھتی رہے، نمازیں ادا نہیں کرے اور نہ طواف کرے تو کیا ایسا کرنے میں بوجہ مجبوری کوئی گناہ نہیں؟ جب مرد مسجد سے، یا حرم شریف سے باہر نکلے تو بیوی کے ساتھ لے لے اور کیا بوجہ مجبوری حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سلام بھی عرض کر سکتے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

(۱) ناپاکی کی حالت (حیض، نفاس، جنابت) میں طواف کرنا حرام ہے، اس کو گناہ نہ سمجھنا خطرناک گناہ ہے۔ (۱)طوافِ زیارت ایسی حالت میں کرنے سے اونٹ، یا گائے کا دم دینا واجب ہے، (۲) تاہم اس گناہ کے

---

(۱) ویمنع الطواف؛لأن الطواف فی المسجد؛قیل:إذا کان الطواف فی المسجد،یکون الحکم معلوماً من قوله: و دخول المسجد،فلم ذکره؟أجیب بأن المفهوم منه عدم جوازشروع الحائض للطواف؛إذ یلزمها الدخول فی المسجد حائضاً،ولایفهم منه أنه لوحاضت بعد الشروع فی الطواف لایجوزلها الطواف؛إذحینئذٍ لایوجد منها الدخول فی المسجد حائضاً،وإنما یفهم ذلک من هٰذه المسئلة،فأحتیج إلٰی ذکرها.(مجمع الأنهرفی شرح الملتقی الأبحر،باب الحیض: ۵۳/۱، دارأحیاء التراض العربی،بیروت)

ومنها حرمة الطواف لهما بالبیت وإن طافتا خارج المسجد"(الفتاوٰی الهندیة،الفصل الرابع فی أحکام الحیض و النفاس والاستحاضة: ۳۸/۱، رشیدیة)

(۲) والثانی:إذ طاف للزیارة جنباً،أوحائضاً أونفساًء،فإن الواجب فی هٰذین الموضعین البدنة.(حاشیة الطحطاوی علٰی مراقی الفلاح،باب الجنایات،ص: ۷۴۱،قدیمی)

ولاتجب البدنة إلا إذا طاف للزیارة جنباً أوحائضاً أونفساء،أوجامع بعد الوقف بعرفة وقبل الحلق". (فقه السنة، متٰی تجب البدنة: ۷۳۷/۱،دارالکتاب العربی)

باوجود فریضۂ حج ادا ہو جائے گا، سعی ایسی حالت میں بھی درست ہے، دم واجب نہیں ہے۔(۱)

(۲) مسجد میں داخل نہ کیا جائے،(۲) مسجد کے متصل خارجِ مسجد بٹھا دے؛ تاکہ وہ تسبیح واستغفار میں مشغول رہے، صلوٰۃ وسلام بھی وہیں پڑھتی رہے۔(۳) فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۷/۱۳۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۷/۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۳۷۷-۳۷۴)

حائضہ کس طرح مناسک حج ادا کرے:

سوال: ایام حج، منی یا عرفات، یا مدینہ منورہ میں خاتون حاجی کو حیض شروع ہو جائے تو اسے کس طرح مناسک حج ادا کرنا چاہیے؟ (حافظہ سمیہ سلطانہ، سعید آباد)

الجواب

طوافِ زیارت کے سوا حج کے جتنے مناسک ہیں، منی میں قیام، عرفہ اور مزدلفہ کا وقوف، رمی، قربانی، بال کا کٹانا وغیرہ، یہ سب حالت حیض میں کئے جا سکتے ہیں، البتہ اگر مکہ، یا مدینہ میں حیض شروع ہو جائے تو ان دنوں مسجد کے اندر نہ جائیں اور ذکر ودعا کرتی رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر مسجد میں داخل ہوئے بغیر باہر سے صلوٰۃ وسلام پہنچا سکتی ہیں۔ ارکان حج میں طواف زیارت حیض کی حالت میں نہیں کیا جا سکتا، اگر دس تاریخ شروع ہونے کے بعد اتنا وقت ہی نہ ملا کہ طواف زیارت کرے اور حیض شروع ہو گیا تو اس کے لیے سہولت ہے کہ جب پاک ہو، اس وقت طواف

---

(۱) وإن سعٰى جنباً أو حائضاً أو نفساء، فسعيه صحيح. (الفتاوىٰ الهندية، الباب الثاني فى الجنايات، الفصل الخامس فى الطواف والسعي والرمل ورمى الجمار: ۲۷۵/۱، رشدية)

وأما الطهارة عن الجنابة والحيض، فليست بشرط، فيجوز سعى الجنب والحائض. (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل فى شرائط جواز للسعى: ۸٦/۳، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) يمنع (أى الحيض) صلاة وصوماً، فتقضيه دونها، ودخول مسجد و الطواف وقربان ما تحت الإزار وقراءة القرآن. (النهر الفائق، باب الحيض: ۱۳۰/۱-۱۳۲، مكتبة إمدادية، ملتان)

(وهو): أى الحيض (يمنع الصلاة والصوم، وتقضيه) لزوماً (دونها)، للحرج، (و) يمنع (دخول المسجد والطواف) بالبيت. (سكب الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الطهارة، باب الحيض، ص: ۵۳، دارإحياء التراث العربى بيروت)

(۳) قالوا: لا تقرأ الحائض ولا الجنب من القرآن شيئاً إلا أطراف الآية والحرف ونحو ذلك، ورخصوا للجنب والحائض فى التسبيح والتهليل. (إعلاء السنن، باب: إن الحائض والنفساء والجنب لا يقرؤون شيئاً من القرآن: ۲٦۷/۱، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراتشى)

(ولا بأس) لحائض وجنب (بقرأة أدعية ومسها وحملها، وذكر الله تعالىٰ، وتسبيح). (الدر المختار، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۴۸۸/۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

زیارت کرلے اور اگر اسے اتنی مہلت مل گئی کہ وہ طواف زیارت کرسکتی تھی؛ لیکن تاخیر کی اور حیض شروع ہوگیا تو پاک ہونے کے بعد طواف کرے گی اور تاخیر کی وجہ سے دم دے گی، اگر طواف زیارت کرنے کے بعد حیض شروع ہوا اور پاک ہونے تک مکہ میں رک نہیں سکتی تو اس پر طواف وداع واجب نہیں، چوں کہ آج کل سفر کا نظام اپنے قابو میں نہیں؛ بلکہ حکومت کے بنے ہوئے شیڈول کے مطابق ہی سفر کرنا پڑتا ہے؛ اس لیے خواتین کے لیے بہتر ہے کہ حیض کو روکنے والی دوا عارضی طور پر استعمال کرلیں؛ تاکہ وقت پر طواف زیارت ادا ہوجائے۔ (کتاب الفتاویٰ:۱۱۰/۴)

دوران حج حیض آ گیا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ درمیان حج اگر حیض آ جائے تو ارکان حج کیسے پورے کرے؟

باسمه سبحانه تعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

دوران حج اگر عورت کو حیض آ جائے تو طواف کے علاوہ سب ارکان اسی حالت میں ادا کرسکتی ہے؟ بس طواف اس وقت تک مؤخر کرے گی، جب تک کہ پاک نہ ہوجائے۔ (ایضاح المسائل،ص:۱۲۶،فتاویٰ رحیمیہ:۵۲/۲)

عن ابن عباس رضی اللّٰه عنه أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: الحائض والنفساء إذا أتتا علی الوقت تغتسلان وتحرمان وتقضیان المناسک کلها غیر الطواف بالبیت. (سنن أبی داؤد: ۲۴۳/۱)

وحیضها لا یمنع نسکاً إلا الطواف ولا شیء علیها بتاخیره إذا لم تطهر إلا بعد أیام النحر. (الدر المختارمع الشامی:۵۵۲/۳،زکریا)

ویمنع الطواف؛لأن الطواف فی المسجد. (مجمع الأنهر،باب الحیض: ۵۳/۱،دار إحیاء التراث العربی بیروت)

ومنها حرمة الطواف لهما بالبیت . (الفتاویٰ الهندیة، أحکام الحیض والنفاس: ۳۸/۱،رشیدیة)

یمنع الحیض صلاة وصوما فتقضیه دونها ودخول مسجد والطواف،الخ. (النهر الفائق،باب الحیض: ۱۳۰/۱،إمدا دیه ملتان)

أما الطهارة عن الجنابة والحیض فلیست بشرط، فیجوز سعی الجنب والحائض . (بدائع الصنائع، فصل فی شرائط جواز السعی:۸۶/۳،دار الکتب العلمیة بیروت)

وإن سعی جنبا أو حائضاً أو نفساء ،فسعیه صحیح. (الفتاویٰ الهندیة،الباب الثانی فی الجنایات، الفصل الخامس فی الطواف: ۲۴۷/۱ ،بحوالہ:التعلیقات علی الفتاویٰ المحمودیۃ:۳۷۲/۱۰-۳۷۲،ڈابھیل)فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ:احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۶/۶/۱۴۲۴ھ۔الجواب صحیح:شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔(کتاب النوازل:۶۲۹/۷)

حیض کی حالت میں طواف زیارت اور سعی کا مسئلہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت حج کے لیے چلی گئی دوران حج؛ یعنی

آٹھ ذی الحجہ سے اٹھارہ ذی الحجہ تک حیض میں رہی، طواف رکن جو کہ فرض ہے، مسجد میں کر سکتی ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: جہاں زیب، جمال گڑھی مردان، ۱۹۸۸/۱/۴ء)

الجواب

ایسی حائضہ عورت تمام افعال حج ادا کرے گی سوائے طواف اور سعی کے اور جس وقت پاک ہو جائے تو طواف وغیرہ کرے گی، خواہ اٹھارویں تاریخ کو پاک ہو جائے، یا اس سے قبل۔ (شامی وغیرہ)(۱) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۴۰/۴)

طواف، یا سعی کے دوران ماہواری شروع ہوگئی:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اگر طواف، یا سعی کرتے ہوئے ماہواری شروع ہو جائے تو عورت کیا کرے؟

باسمه سبحانه تعالیٰ، الجواب ـــــ وباللّٰه التوفيق

اگر طواف کرتے ہوئے ماہواری شروع ہو جائے تو فوری طور پر طواف موقوف کر دے اور پاک ہونے کے بعد طواف کرے اور اگر سعی کے دوران ماہواری شروع ہو جائے تو اسی حالت میں سعی کرتی رہے؛ کیوں کہ سعی کے صحیح ہونے کے لیے طہارت شرط نہیں اور سعی مسجد حرام کے حدود سے باہر ہے۔

وحيضها لا يمنع نكاح إلا الطواف فهو حرام من وجهين وسعي عمرة أو حج؛ لأنه عبادة تؤدى لا في المسجد الحرام، والأصل أن كل عبادة تؤدى لا في المسجد الحرام في أحكام المناسك فالطهارة ليست بواجبة لها. (غنية الناسک، ص: ۱۷۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۶/۳/۴ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۶۳۰/۷)

فجر اور عصر کے بعد دوگانۂ طواف:

سوال: اگر کوئی شخص فجر بعد یا عصر بعد طواف کرے تو طواف کی دو رکعتیں کب ادا کرے؟ لوگ کہتے ہیں کہ مکہ میں کوئی مکروہ وقت نہیں ہے، ان اوقات میں بھی نماز پڑھی جا سکتی ہے، کیا یہ بات درست ہے؟

(عبدالاحد قاسمی، ایرا گڈھ)

الجواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد نماز فجر تا طلوع آفتاب اور بعد نماز عصر تا غروب آفتاب مطلقاً نماز پڑھنے سے

---

(۱) قال العلامة الحصكفي: وحيضها لا يمنع نسكا (من أعمال الحج) إلا الطواف (والسعي فهو حرام من وجهين دخولها المسجد وترك واجب الطهارة) ولا شيىء عليها بتاخيره اذا لم تطهر الا بعد ايام النحر فلو طهرت فيها بقدر اكثر الطواف لزمها الدم بتاخيره لباب. (الدر المختار مع توضيح ردالمحتار: ۲۰۶/۲، قبيل باب القران)

منع فرمادیا ہے اوراس میں مکہ مکرمہ اور دوسرے مقامات کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا ہے،(۱) اس لیے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر فجر، یا عصر کے بعد طواف کرے تو نماز کے لیے اسے سورج نکلنے اور ڈوبنے کا بھی انتظار کرنا چاہیے؛ تاکہ مکروہ وقت گزر جائے، طلوع وغروب کے بعد دوگانۂ طواف ادا کرلیں،(۲) چنانچہ مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل اسی کے مطابق منقول ہے، موطأ امام مالک میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح منقول ہے،(۳) خود امام بخاریؒ نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے فجر کے بعد طواف کیا تو بغیر نماز پڑھے مکہ سے روانہ ہوگئے اور ''ذی طوی'' نامی مقام پر پہنچ کر دوگانۂ طواف ادا کی،(۴) مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی عمل منقول ہے،(۵) اسی طرح حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی عمل نقل کیا گیا ہے،(۶) نیز بیہقیؒ نے لکھا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعینؒ کی ایک جماعت طلوع آفتاب تک ان رکعات کو مؤخر کیا کرتی تھی۔

"وروی عن جماعة من الصحابة والتابعين أنهم كانوا يؤخرون حتٰى تطلع الشمس وترتفع".(۷)

امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہی عمل نقل کیا ہے،(۸) اس لیے صحیح یہی ہے کہ اس وقت طواف کی دو رکعتیں ادا نہ کی جائیں، وقت مکروہ گزر جانے کے بعد دوگانۂ طواف پڑھا جائے۔

(کتاب الفتاویٰ: ۴/۴۵-۴۶)

بغیر وضو کے طواف:

سوال: اگر عمرہ کا طواف یا طواف زیارت بغیر وضو کے کرے تو کیا حکم ہوگا؟ اگر وضو کرکے طواف شروع کیا؛ لیکن درمیان میں وضو جاتا رہا تو ایسی صورت میں طواف کرنے والے کو کیا کرنا چاہیے؟

(احمد شریف، وقار آباد)

---

(۱) " أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن الصلاة بعد الصبح حتٰى تشرق الشمس،وبعد العصر حتٰى تغرب.(صحيح البخاري،رقم الحديث: ۵۸۱،۵۸۴ ، ۵۸۶ ، ۵۸۸ ،باب الصلاة بعد الفجر حتٰى ترتفع الشمس)

(۲) ولا يصليهما في الوقت المكروهة.(الفتاوٰی الهندية: ۱/۲۲۳)

(۳) موطأالإمام مالک مع تنوير الحوالک،ص: ۳۳۵

(۴) صحيح البخارى، با ب الطواف بعد الصبح و العصر

(۵) مصنف ابن أبي شيبة،رقم الحديث:۱۳۲۵۷

(۶) مصنف ابن أبي شيبة ، رقم الحديث:۱۳۲۵۹

(۷) سنن البيهقى: ۱/۴۶۳

(۸) عن عائشة رضى اللّٰه تعالٰى عنها : أن ناسا طافوا بالبيت بعد صلاة الصبح ، ثم قعدوا إلى المذكر حتٰى إذا طلعت الشمس قاموا يصلون ، فقالت عائشة رضى الله تعالٰى عنها : تعدوا ، حتى إذا كانت الساعة التي تكره فيها الصلاة ، قاموا يصلون " (صحيح البخاري، رقم الحديث:۱۶۲۸ ، باب : الطواف بعد الصبح والعصر)

الجواب

چوں کہ عمرہ کا طواف عمرہ میں اور طواف زیارت حج میں رکن ہے؛ اس لیے اگر بغیر وضو کے پورا حصہ، یا زیادہ حصہ، یا کم حصہ انجام دے تو دم واجب ہوگا اور دم میں ایک بکرا دینا ہوگا، طواف زیارت اور طواف عمرہ میں فرق یہ ہے کہ اگر غسل کی حاجت ہو، یا عورت حالت حیض یا نفاس میں ہو اور اس حالت میں طواف زیارت کیا جائے تو بطور دم کے اونٹنی واجب ہوگی اور طواف عمرہ کی صورت میں ایسے شخص پر بکرا واجب ہوگا۔

"ولو طاف للعمرة كله أو أكثره أو أقله، ولو شوطاً جنباً أو حائضاً أو نفساً أو محدثاً فعليه شاة، إلخ". (غنية الناسک، ص: ۱٤٧)

طواف کے درمیان جہاں وضوٹوٹا ہے، وہیں سے وضو کرنے کو چلا جائے اور وضو کر کے دوبارہ وہیں سے طواف شروع کر کے سات چکر پورے کر لے، وضوٹوٹ جانے کی وجہ سے اس سے پہلے کئے جانے والے چکر ضائع نہیں ہوں گے؛ بلکہ ان کو شمار کرتے ہوئے سات چکر پورے کرے گا۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴/ ۴۷)

حج تمتع کرنے والی عورت حائضہ ہوگئی تو کیا حکم ہے:

سوال (۱) ایک عورت ذی الحجہ کی شروع تاریخ میں حج تمتع کے ارادہ سے چلی، اپنے ملک کے میقات سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ معظّمہ پہنچی، اب عمرہ کے ارکان ادا کرنے سے پہلے حیض شروع ہوگیا، حیض سے پاک ہونے سے پہلے حج کا احرام باندھنے کا وقت آ گیا، تو ایسی عورت کے لیے حج تمتع ادا کرنے کا طریقہ کیا ہوگا؟ عمرہ کے احرام سے نکلنے کے لیے چوٹی سے بال کاٹنے ہوں گے، یا نہیں؟ عمرہ کی قضا، یا دم لازم آئے گا، یا نہیں؟

(۲) اسی طرح ایک عورت حج سے پہلے عمرہ کے ارکان ادا کرنے کے بعد وقت کی قلت کی بنا پر مدینہ منورہ چلی گئی اور اس کا ارادہ حج تمتع کا تھا، اب واپسی کے وقت حیض شروع ہوگیا تو ایسی شرعی عذر والی عورت مدینہ منورہ سے واپسی پر حج افراد کا احرام باندھے؟ یا اس کے لیے کوئی شکل آپ کے علم میں ہو، تحریر فرمائیں؟ عین نوازش ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) امام محمدؒ نے "موطأ" میں اس مسئلہ پر مستقل باب قائم کیا ہے **"باب المرأة تقدم مكة بحج أو بعمرة فتحيض قبل قدومها أو بعد ذلك"**(۱) آگے اس کا حکم بیان فرماتے ہیں:

قال محمد: وبهٰذا نأخذ الحائض تقضي المناسک كلها غير أن لا تطوف ولا تسعى بين الصفا والمروة حتىٰ تطهر، فإن كانت أهلت بعمرة، فخافت فوت الحج فلتحرم بالحج وتقف

(۱) موطأ الإمام مالک رواية محمد بن الحسن الشيباني مع تعليق الممجد على موطأ محمد، تعليق و تحقيق الدكتور تقي الدين الندوي: ۳۵۵/۲

بعرفة وترفض العمرة فإذا فرغت من حجها قضت العمرة كما قضتها العائشة رضى الله عنها وذبحت ما استيسر من الهدى. (أيضاً: ۲/ ۳۵۹_۳۶۰)

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ عورت اگر عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ معظّمہ پہنچی اور وہ حائضہ ہے، ایام حج آ جانے کی وجہ سے حج کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہے؛ یعنی عمرہ کا احرام باقی رکھ کر پاکی کا انتظار کرنے میں یہ اندیشہ ہے کہ حج فوت ہو جائے گا تو اس کو چاہیے کہ حج کا احرام باندھ لے اور وقوف عرفات کر لے، اور عمرہ کا احرام کھول کر عمرہ چھوڑ دے، اس کے بعد حج سے فارغ ہو کر عمرہ کی قضا کر لے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا تھا اور دم رفض کے طور پر جانور ذبح کرے۔ احرام عمرہ سے نکلنے کے لیے محظورات احرام میں سے کوئی کام کر لے، مثلاً کنگھی کر لے، یا اور کوئی کام (چوٹی کاٹنا) کر لے۔

مرقاۃ میں ہے:

فأمر نی النبی صلی الله علیه وسلم أن أنقض رأسی أی شعره، وامتشط و أهل بالحج، أی أمرنی أن أحرم بالحج، وأترک العمرة أی أرفضها، قال ابن الملک: أی أمرنی أن أخرج من إحرام العمرة واترکها باستباحة المحظورات من التمشیط وغیره لعدم القدرة علی الإتیان بأفعالها بسبب الحیض، إلخ. (مرقاة شرح المشكاة، كتاب الحج: ۵/ ۳۰۶)

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ فرماتے ہیں:

''حنفیہ نے اپنے اس مدعا پر کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عمرہ فسخ کر دیا تھا، کئی وجہ سے استدلال کیا ہے، ایک یہ کہ آنخضرت انے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا اپنے عمرہ کو چھوڑ دو۔ دوم یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا: اپنا سر کھول کر کنگی کر لو، ظاہر ہے کہ احرام میں کنگی کرنا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ بالوں کے جھڑنے کا اندیشہ ہے۔ (حجۃ الوداع وعمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، اردو، ص:۶۰)

وہ عورت عمرہ کی قضا بھی کرے، جیسا کہ اوپر ''موطأ'' کی عبارت میں آ چکا ہے اور چوں کہ عمرہ چھوڑا ہے؛ اس لیے دم بھی دے گی۔

حضرت شیخ الحدیث تحریر فرماتے ہیں:

وأهدت أی یجب علیها الهدی أیضاً کما إهدی النبی صلی الله علیه وسلم عن عائشة رضی الله عنها بقرة کما فی روایة مسلم إلا أن ذاک الهدی عندهم هدی القران وعند الحنفیة هدی الرفض. (أوجز المسالک، كتاب الحج: ۵/ ۸۷_۸۸)

''فتح القدیر'' میں ہے:

وکل من رفض نسکاً فعلیه دم لما روی أبو حنیفة عن عبد الملک بن عمیرعن عائشة رضی الله عنها إن النبی صلی الله علیه وسلم أمر لرفضها العمرة بدم. (فتح القدير، كتاب الحج: ۳/ ۱۱۴)

زبدۃ المناسک میں ہے:

مسئلہ: جس چیز کو چھوڑا ہے اس کے چھوڑنے کی وجہ سے ایک تو دم رفض دینا واجب ہوگا، دوسرا یہ کہ اس چھوڑی ہوئی چیز کی قضاء کرنی ہوگی، پس عمرہ کے چھوڑنے سے اس کی قضاء اور دم رفض لازم ہے۔ فقط (۱۴/۲)

(۲)　　ایسی عورت افراد ہی کا احرام باندھے۔

زبدۃ المناسک میں ہے:

اکثر الوقوع ضروری: مسئلہ اکثر حاجی اشہرِ حج میں آکر عمرہ کرتے ہیں، پھر اشہرِ حج میں حج کرنے سے پہلے مدینہ طیبہ روضۂ مقدسہ اور حجرۂ مطہرہ ومعطرہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے چلے جاتے ہیں، پس ان کو چاہیے جب وہاں سے واپس ہوں تو فقط حج مفرد ہی کا احرام باندھ کر آئیں، تو امام صاحبؒ کے نزدیک ان کا تمتع صحیح ہے، اس سفر کرنے سے تمتع باطل نہ ہوگا؛ کیوں کہ وہ لوگ اشہرِ حج میں عمرہ کر چکے ہیں اور عمرہ کرنے کے بعد وہ حکماً مکیوں میں داخل ہیں، اگر چہ اشہرِ حج میں میقات سے بھی باہر نکل گئے ہوں؛ کیوں کہ وہ اپنے اصلی وطن میں نہیں گئے ہیں تو ان کا سفر باعتبار حکم کے واحد ہے، اس کو المام فاسد کہتے ہیں، جو کہ مبطل تمتع نہیں، اب ان کو مدینہ طیبہ سے قران کا احرام باندھنا ممنوع ہے کہ وہ مکیوں کے حکم میں ہیں، اگر قران کا احرام باندھیں گے تو دم جنایت لازم ہوگا۔ (شرح اللباب وغنیۃ: ۱۴/۲، ۱۵) البتہ اس صورت میں اس پر دم تمتع لازم ہے۔ (زبدۃ المناسک: ۱۴/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ جمادی الاخری ۱۴۲۰ھ۔ (محمود الفتاویٰ: ۲/ ۲۸۴-۲۸۷)

قران کا احرام باندھنے والی حائضہ ہوگئی:

سوال: اگر کسی عورت نے قران کا احرام باندھا اور مکہ معظّمہ پہنچنے سے پہلے حائضہ ہوگئی اور ایامِ حج تک پاکی کی امید نہیں، اس کے لیے کیا حکم ہے؟ کیا وہ احرام فسخ کرے اور وہ حج کا نیا احرام باندھے؟ یا اسی احرام سے حج کرے؟ اگر احرام فسخ کرے تو قضا کس کی کرے اور کتنے دم دے؟ اگر اسی احرام سے حج کرے تو کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کا دریافت کیا ہوا مسئلہ مستقل طور پر صراحۃً باوجود تتبع اور تلاش کے نہیں ملا، البتہ ''عمدۃ الفقہ'' کتاب الحج میں قران کے بیان میں کچھ عبارت ایسی ملی، جس سے آپ کا سوال حل ہوسکتا ہے۔

مؤلف کتاب شرائط قران کے عنوان کے ماتحت تیسری شرط بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

(۳)　　عمرہ کا پورا، یا اکثر طواف وقوف عرفہ کو اس کے وقت میں ادا کرنے سے پہلے کرنا، پس اگر کسی قارن نے عمرہ کا پورا، یا اکثر طواف نہیں کیا، مثلاً: وہ مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہوا؛ بلکہ سیدھا عرفات چلا گیا، یا اس نے اقل حصہ؛ یعنی تین چکر، یا اس سے کم طواف کر کے زوال کے بعد وقوف عرفہ کرلیا، خواہ کسی عذر کی وجہ سے ایسا کیا ہو، مثلاً: کسی عورت کو

حیض آگیا اور وہ اس کی وجہ سے طواف عمرہ نہ کرسکی تو اس کا عمرہ جاتا رہا، اگر چہ اس نے عمرہ ترک کردینے کی نیت نہ کی ہو، پس اس کا عمرہ جاتا رہا اور قران ساقط ہوگیا؛ اس لیے کہ جب اس کا عمرہ جاتا رہا تو وہ دونسک (دوعبادتیں) ادا کرنے کا فائدہ حاصل نہیں کرسکا اور اس پر دم رفض واجب ہوگا؛ کیوں کہ اس نے عمرہ شروع کرکے ترک کردیا ہے اور ایام تشریق کے بعد اس عمرہ کی قضا دینا اس پر واجب ہے؛ کیوں کہ اس عمرہ کا شروع کرنا صحیح ہوگیا، پس وہ محصر کے مشابہ ہوگیا؛ اس لیے اب اس کا ادا ممکن نہیں رہا؛ کیوں کہ اگر وہ اس کو وقوف عرفہ کے بعد ادا کرے گا تو وہ افعال حج پر افعال عمرہ کی بنا کرنے والا ہوگا اور یہ مشروع طریقہ کے خلاف ہے۔ (عمدۃ الفقہ، کتاب الحج:۴/۲۶۱)

(اضافہ از احقر):

اوپر عبارت میں مؤلف نے لکھا ہے: اگر چہ اس نے عمرہ ترک کردینے کی نیت نہ کی ہو...... الخ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب قران کا احرام باندھنے والی عورت کو مکہ مکرمہ پہنچ کر، یا پہلے حیض آجائے اور عمرہ کے افعال کی ادائیگی کا وقت نہ رہے اور عرفات میں وقوف کا وقت آجائے تو اس کو چاہیے کہ عمرہ کے ترک کی نیت کرلے؛ لیکن یاد رہے کہ تمتع کا احرام باندھنے کی صورت میں وہ عورت عمرہ کا احرام کھولنے کے لیے کوئی منافیٔ احرام کام (مثلاً بالوں میں تیل ڈالنا وغیرہ) کرکے عمرہ کا احرام ختم کرتی تھی، ایسا یہاں نہ کیا جائے؛ اس لیے کہ یہاں پر یہ احرام صرف عمرہ کا نہیں؛ بلکہ ساتھ میں حج کی بھی نیت کی گئی ہے، گویا دونوں کا مشترک احرام ہے، اب اگر یہاں عمرہ کا احرام ختم کرنے کے لیے کوئی منافیٔ احرام کام کرے گی تو یہ عمل حج کے احرام کے حق میں جنایت ثابت ہوگا، جیسا کہ متمتع عمرہ کے افعال ادا کرنے کے بعد حلق کرا کر عمرہ کا احرام کھول دیتا ہے؛ لیکن قارن عمرہ کے افعال ادا کرنے کے بعد حلق نہیں کرائے گا، (جیسا کہ کتب فقہ میں مصرح ہے) بہرحال قران کا احرام باندھنے والی عورت صورت مسؤلہ میں عمرہ ترک کرنے کی صرف نیت کرلے اور عرفات چلی جائے اور اگر نیت نہیں کی، تب بھی وقوف عرفات کرلینے سے خود بخود عمرہ ترک ہوجائے گا اور ان دونوں صورتوں میں افعال حج ادا کرنے کے بعد احرام کھول دے اور اس عورت پر دم قران واجب نہیں؛ اس لیے کہ قران ہوا ہی نہیں، البتہ چھوٹے ہوئے عمرہ کی قضا اور عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد اس کو چھوڑ دینے کی وجہ سے ایک دم جس کو فقہا کی اصطلاح میں دم رفض کہتے ہیں، واجب ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ، ۴/ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ۔ (محمود الفتاویٰ:۲/۲۸۷-۲۹۰)

اگر ۸/ذی الحجہ تک عورت پاک نہ ہو تو کیا حکم ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اگر کسی عورت کو مکہ معظّمہ پہنچتے ہی ماہواری شروع ہوجائے اور ۸/ذی الحجہ کو منی جانے کا وقت آجائے اور اس وقت تک پاک نہ ہو تو اس عورت کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟ کیا اسی ناپاکی کی حالت میں وہ حج کا احرام باندھ کر منیٰ روانہ ہوگی اور وقوفِ مزدلفہ وعرفات

وغیرہ تمام ارکان ادا کرے گی، یا نہیں؟

باسمه سبحانه تعالىٰ، الجواب ـــــــــــــــ وبالله التوفيق

جو حائضہ عورت کا احرام باندھ کر تمتع کی نیت سے مکہ معظّمہ پہونچے اور وقوف عرفہ سے پہلے پاک نہ ہو تو اس کے لیے حکم یہ ہے کہ عمرہ کا احرام فسخ کر کے حج کی نیت سے احرام باندھ لے اور پھر وقوف عرفہ وغیرہ کر کے حج کے سب مناسک پورے کرے، البتہ طواف زیارت پاک ہونے کے بعد کرے اور بعد میں ایک عمرہ کی قضا کرے اور ایک دم جنایت دے۔

عن عائشة رضي اللّٰه عنها أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أمرها وكانت حاضت: أن تقضي المناسك كلها غير أنها لا تطوف بالبيت. (المصنف لابن أبي شيبة: ۴۳۹/۸، رقم: ۱۴۵۷۳ المجلس العلمي)

فلو حاضت قبل الإحرام اغتسلت وأحرمت وشهدت جميع المناسك إلا الطواف والسعي؛ لأنه لا يصح بدون الطواف، ولا يلزمها دم لترك الصدر وتاخير الزيارة وقته لعذر الحيض والنفاس. (غنية الناسك: ۱۲۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۶/۳/۴ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۶۳۰/۷)

اگر ۹/ ذی الحجہ تک عورت پاک نہ ہو تو کیا کرے:

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک عورت ہندوستان سے حج قران کا احرام باندھ کر روانہ ہوئی، ذی الحجہ کی ۴/ تاریخ ہو چکی تھی، جدہ پہنچ کر اس کو حیض آنے لگا اور ۹/ تاریخ تک وہ پاک نہیں ہوئی تو ایسی صورت میں وہ کیا کرے؟ اس کا حج قران باقی رہے گا، یا نہیں؟

باسمه سبحانه تعالىٰ، الجواب ـــــــــــــــ وبالله التوفيق

جو حائضہ عورت قران کا احرام باندھ کر مکہ معظّمہ آئے اور وقوف عرفہ سے پہلے حیض سے پاک نہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اسی حالت میں عرفات چلی جائے، عرفات جاتے ہی اس کا عمرہ خود بخود فسخ ہو جائے گا اور صرف حج کا احرام باقی رہے گا اور یہ حج اس کا حج افراد ہوگا، اس پر دم قران واجب نہیں ہے؛ لیکن عمرہ چھوڑ دینے کی وجہ سے ایک دم جنایت لازم ہے، نیز ایک عمرہ کی قضا بھی لازم ہے۔

عن عائشة رضي اللّٰه عنها أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: تقضي الحائض المناسك كلها إلا الطواف بالبيت. (المصنف لابن أبي شيبة: ۴۴۰/۸، رقم: ۱۴۵۷۴، المجلس العلمي)

فلو حاضت قبل الإحرام اغتسلت وأحرمت وشهدت جميع المناسك إلا الطواف والسعي؛ لأنه لا يصح بدون الطواف، ولا يلزمها دم لترك الصدر وتأخير الزيارة وقته لعذر الحيض والنفاس. (غنية الناسك: ۱۲۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۶/۳/۵ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۶۳۱/۷)

ماہواری کی وجہ سے طوافِ وداع نہ کر سکی اور روانگی کا وقت آ گیا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اگر قافلہ کی روانگی کا وقت آ گیا اور ابھی عورت نے حیض کی ناپاکی کے سبب طوافِ وداع نہ کیا ہو تو ایسی صورت میں حکم شرعی کیا ہے؟

باسمه سبحانه تعالىٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

جو عورت روانگی کے وقت حائضہ ہو تو اس پر سے طواف وداع ساقط ہے، لہٰذا وہ مسئولہ صورت میں طواف وداع کے بغیر وطن واپس ہو سکتی ہے۔

عن عائشة رضى الله عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ذكر صفية بنت حى، فقيل، إنها قد حاضت، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لعلها حابستنا، فقالوا يارسول الله! إنها قد أفاضت، فقال: فلا إذن. (سنن أبى داؤد: ۱/ ۲۷۴)

فلايجب وفائت الحج والحصر والمجنون والقى والحائض والنفساء. (غنية الناسک: ۱۹۰، شامی: ۳/ ۵۴۵، زکریا، بدائع الصنائع: ۲/ ۳۳۲، زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاء: احقر محمد سلمان منصور پوری، ۱۴۳۶/۳/۴ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/ ۶۳۲)

ایام حج میں دوائی کے ذریعہ حیض روکنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ہندہ حج میں تشریف لے جارہی ہے، انہوں نے یہ مسئلہ معلوم کیا ہے کہ اگر میں دوا استعمال کر کے ایام کو روک دوں تو ایسا کرنا کیسا ہے؟ حرام ہے، یا ناجائز، یا مباح؟

باسمه سبحانه تعالىٰ، الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

دوا کے ذریعہ حیض کو روکنا اگرچہ ناجائز نہیں ہے؛ مگر طبی اعتبار سے نقصان دہ ہے اور بلا ضرورت ہے؛ کیوں کہ عورت کی ناپاکی طواف زیارت اور سعی کے علاوہ کسی بھی عمل حج میں مانع نہیں ہے، لہٰذا حیض روکنے سے کوئی خاص فائدہ نہیں۔ حیض کا خون خواتین کے لیے قدرت کے مقرر کردہ نظام کا حصہ ہے؛ اس لیے اس کے جاری ہونے سے دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیے؛ بلکہ اپنی خواہش کے برعکس خدائی فیصلہ پر راضی رہنا چاہیے اور ایام حیض میں جو احکامات شریعت نے بتائے ہیں، ان کی پاسداری کرنی چاہیے اور دواؤں وغیرہ کا استعمال کر کے فطری نظام کو تبدیل نہیں کرنا چاہیے؛ تاہم اگر کوئی عورت پیشگی ایسی مجرب دوا استعمال کر کے جس سے خون کی آمد رک جائے تو شرعاً اس کی گنجائش ہے، اب اس مانع حیض دوا کے استعمال سے کئی طرح کی صورت حال کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے؛ اس لیے چند امکانی صورتوں کا حکم درج ذیل ہے:

(۱) دوا کا استعمال حیض شروع ہونے سے قبل کیا اور ایام عادت میں بالکل حیض نہیں آیا تو وہ عورت مسلسل پاک کہلائے گی اور اس دوران کا طواف وغیرہ کرنا سب معتبر اور درست ہوگا۔

(۲) حیض شروع ہونے سے قبل دوا کھائی؛ لیکن عادت کے ایام میں حیض آنے لگا اور تین دن سے زیادہ مسلسل، یا وقفہ وقفہ سے جاری رہا تو وہ عورت حسب قاعدہ ناپاک شمار ہوگی اور اس دوران اگر اس نے طواف زیارت کیا ہے تو اونٹ کی قربانی لازم ہوگی، اور پاک ہونے کے بعد اگر طواف لوٹا لیا تو اونٹ کی قربانی ساقط ہو جائے گی۔

(۳) حیض شروع ہونے سے قبل دوا کھائی؛ لیکن ایام عادت میں تین دن سے کم خون مسلسل، یا وقفہ وقفہ سے آ کر رک گیا اور پھر پندرہ دن تک نہیں آیا تو یہ عورت پاک شمار ہوگی اور اس کا طواف وغیرہ سب معتبر اور درست ہوگا۔

(۴) حیض شروع ہونے کے بعد تین دن سے پہلے دوا کھا کر حیض روک لیا؛ لیکن بعد میں دس دن کے اندر اندر پھر خون آ گیا تو وہ مسلسل ناپاک شمار ہوگی اور اس دوران اگر اس نے طواف کئے ہیں تو حسب قاعدہ جنایت لازم ہوگی۔ (تفصیل دیکھیں: حج وزیارت نمبر، ندائے شاہی، مضمون: مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی: ۳۳۳-۲۳۵، ایضاً المسائل، ص ۱۲۶، فتاویٰ رحیمیہ: ۵۲/۲)

عن ابن عباس رضى الله عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم قال: الحائض والنفساء إذا أتتا على الوقت تغتسلان وتحرمان وتقضيان المناسک كلها غير الطواف بالبيت. (سنن أبى داؤد: ۲۴۳/۱)

وحيضها لا يمنع نسكاً إلا الطواف ولا شيء عليها بتاخيره إذا لم تطهر إلا بعد أيام النحر. (الدرالمختار مع الشامی، زکریا: ۵۵۲/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۹/۲/۱۴۲۱ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۶۳۳/۷)

قران کا احرام باندھنے کے بعد حیض آ گیا:

ذوالمجد والکرم حضرت مفتی صاحب دامت برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں:

(۱) ایک عورت حج قران کا احرام باندھ کر مکہ شریف پہنچی، پہنچتے ہی ماہواری کے ایام شروع ہو گئے، یہاں تک کہ عمرہ ادا نہ کر سکی حج کے ایام آنے کی وجہ سے منیٰ، عرفات، مزدلفہ جا کر حج کے ارکان پورے کئے، پاک ہونے کے بعد طواف زیارت بھی ادا کر لیا، اس کا عمرہ جو رہ گیا ہے اس کی ادائیگی کی کیا صورت ہوگی؟ کیا یہ حج اس کا حج افراد ہوگا؟

عورتیں اقتدا کی نیت نہیں کرتیں:

(۲) حرم شریف میں جو عورتیں امام کے پیچھے نماز ادا کرتی ہیں، اکثر وہ امام کی اقتدا کی نیت نہیں کرتیں تو کیا ان کی نماز ہو جائے گی، یا یہ نمازیں دہرانی پڑیں گی؟

تیرھویں کی رمی مغرب کے بعد کرنا:

(۳) کسی حاجی نے تیرھویں ذی الحجہ کو منیٰ میں قیام کیا؛ لیکن اس نے رمی مغرب کی نماز کے بعد کی تو کیا رمی ادا ہو جائے گی، یا دم آئے گا؟

حج کی سعی سے پہلے عمرہ:

(۴) کسی حاجی نے پندرہ ذی الحجہ تک حج کی سعی نہیں کی، وہ حج کی سعی سے پہلے عمرہ کرنا چاہتا ہے تو کیا اس کا عمرہ ہو جائے گا، یا اس کو عمرے سے پہلے حج کی سعی کرنا ضروری ہے؟

ہوائی جہاز میں نماز کیسے پڑھیں:

(۵) ہوائی جہاز میں اپنی سیٹ پر بیٹھ کر اشارے سے نماز ادا کی تو کیا نماز ہو جائے گی، یا دہرانی پڑے گی؟ اور اگر اس نے ہوائی جہاز میں باقاعدہ رکوع اور سجدے کے ساتھ نماز ادا کی تو کیا نماز ہو جائے گی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً و مسلماً

(۱) وہ عورت اپنے فوت شدہ عمرہ کی قضا کرے اور ترک عمرہ کی وجہ سے ایک دم دے اس کا یہ حج، حج افراد ہے؛ اس لیے اس پر دم قران نہیں۔

نوٹ:

اس مسئلہ کی تفصیل اذان بلال ماہ رجب ۱۴۲۴ھ، جلد:۱۴، شمارہ:۹ دیکھ لیں۔

(۲) امام کے پیچھے ادا کی جانے والی نماز کے صحیح ہونے کے لیے اقتدا کی نیت بھی شرط ہے: اس لیے اگر کسی نے اقتدا کی نیت نہیں کی تو اس کی وہ نماز درست نہیں ہوئی، چاہے وہ مرد ہو، یا عورت۔

(۳) جی ہاں، دم واجب ہوگا۔ (زبدۃ المناسک: ۱/۱۹۱)

(۴) اس کو چاہیے کہ پہلے حج کی سعی کرلے اس کے بعد عمرہ کرے، اس کے باوجود اگر کسی نے سعی سے پہلے عمرہ کرلیا تو وہ درست ہو جائے گا۔

(۵) فرض نماز اگر ہوائی جہاز میں سیٹ پر بیٹھ کر اشارہ سے ادا کی اور کوئی معذوری نہیں ہے تو وہ ادا نہیں ہوئی لوٹانا ضروری ہے؛ البتہ نفل نماز اس طرح پڑھنا درست ہے، اور فرض نماز اگر رکوع سجدہ کے ساتھ ادا کی تو درست ہو جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری۔ الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ، ۲۱ر محرم الحرام ۱۴۲۵ھ۔ (محمود الفتاویٰ: ۲/۲۸۲-۲۸۴)

عورت خود بھی بیمار ہو اور اس کا محرم بھی تو کیا کرے:

سوال: ایک شخص فریضۂ ادا کر چکا ہے؛ مگر اس کی بیوی نے نہیں کیا، اب ان کے پاس اتنا روپیہ ہے کہ میاں بیوی دونوں بخوبی حج کر سکتے ہیں؛ لیکن مرد کمزور اور دائم المریض ہے اور بیوی بھی کمزور ہے؛ مگر ایسے کمزور نہیں ہیں کہ چل پھر نہ سکیں، دیگر اس وقت حجاز میں راستہ کی تکلیفات زیادہ ہیں۔ پس مذکورہ حالات میں دونوں کے لیے حج کو جانا ضروری ہے، یا اسی قدر زر روپیہ مدارس اسلامیہ کو بطور خیرات دے دینا بہتر ہے؟

الجواب

جب کہ اس کی زوجہ پر حج فرض ہے تو اس کو حج کرانا چاہیے اور چوں کہ عورت کو محرم کے ساتھ لینے کی ضرورت ہے تو خواہ شوہر ساتھ ہو، یا کوئی دوسرا محرم، یہ اختیار ہے کہ اگر سر دست بوجہ عدم اطمینان کے سفر حج تامل ہے تو انتظام کیا جاوے کہ جس وقت خبریں اطمینان کی آجاویں اس وقت ارادہ کیا جاوے۔ (۱) غرض یہ کہ فریضہ، حج کرنے سے ہی ادا ہوگا، مدارس وغیرہ میں دینے سے حج ادا نہ ہوگا۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۵۴۴)

(۱) مع أمن الطريق بغلبة السلامة،الخ. (الدرالمختار علیٰ هامش ردالمحتار، كتاب الحج: ۳/۴۶۲)

حج بدل کے احکام ومسائل

حج بدل کسے کہتے ہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حج بدل کی جامع تعریف کیا ہے؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ــــــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

عاقل، بالغ اور مکلّف آدمی کا کسی شرعی معذور شخص کی جانب سے اس کے حکم سے ارکان ادا کرنے کو حج بدل کہتے ہیں۔

الحج الفرض تقبل النيابة عند العجز فقط،لكن بشرط دوام العجز إلى الموت وبشرط نية الحج عنه وبشرط الأمر. (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۵/۵/۹ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۵۶۰/۷)

حج کا بدل کیوں ہے:

سوال: مستورات پر حج فرض ہوا، جمعہ کیوں نہیں، جمعہ فرائض کا بدل نہیں، حج کا بدل ہے۔ یہ کیا بات ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

حج ایسا ہے، جیسے زکوٰۃ مال سے اس کا تعلق ہے، پس جیسے زکوٰۃ عورت پر لازم ہے، حج بھی ہے اور محرم کا ساتھ ہونا شرط ہے، جمعہ کا بدل ظہر ہے، عورت کو چوں کہ باہر نکلنا اور مسجد میں شریک جماعت ہونا ممنوع ہے؛ اس لیے جمعہ فرض نہ ہوا اور حج میں نیابت درست ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ میں درست ہے؛ یعنی جیسا کہ حج دوسرے سے کرا سکتا ہے، زکوٰۃ بھی دلوا سکتا ہے اور تحقیق ان امور کی کتب فقہ عربی کے پڑھنے اور دیکھنے سے معلوم ہوسکتی ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم: ۶/ ۵۵۶-۵۵۷)

باب سے متعلق چند مسائل:

مسئلہ: جس کی طرف سے حج کیا جائے وہ ایسا شخص ہو کہ خود حج کرنے سے عاجز ہو، اور مالدار ہو۔

مسئلہ: جس کی طرف سے حج کیا جائے اسی کی طرف سے احرام کے وقت حج کی نیت کی جائے اور اسی کے مال سے حج کیا جائے۔

مسئلہ: جس کے واسطے نائب ایسے شخص کو مقرر کیا جائے جو خود حج کر چکا ہو۔

مسئلہ: غیر کی طرف سے حج کرنے والے اس غیر کی جانب سے اتنا خرچ ملنا چاہیے کہ مکہ تک جانے اور واپس آنے تک کافی ہو۔

مسئلہ: میت کے تہائی مال میں سے حج کرایا جائے۔ (ماخوذ از: دین کی باتیں، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحج: ۱۴/۴، انیس

حج بدل کے لیے کیسے شخص کو بھیجے:

سوال(۱) ایک صاحب مال عورت نے اپنے رشتہ دار کا حج بدل کرانے کے لیے ایسے شخص کو بھیجا، جس نے اس سے پہلے حج نہیں کیا ہے تو یہ حج بدل ہوا، یا نہیں؟

(۲) حج میں جانے والا غریب تھا اس پر حج فرض نہ تھا، وہ حج بدل کو جا سکتا ہے، یا نہیں؟ اور یہ حج خود کا ہوگا، یا نہیں حج بدل والے کا؟ اب وہ حج کرنے کے بعد مالدار ہو گیا تو خود کو فرض حج ادا کرنا ہوگا، یا نہیں؟

(۳) حج بدل جانے والا مالدار تھا، اس پر حج فرض تھا؛ لیکن ادا نہ کیا تھا تو اس صورت میں خود کا حج ہوا، یا حج بدل ہوا؟ اگر نہ ہوا تو کیا خود کو حج کے لیے جانا پڑے گا؟ حج بدل میں حاجی کو بھیجنا اولیٰ ہے، یا غیر حاجی کو؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــ

(۱) صورت مسئولہ میں حج ہو گیا، دوبارہ حج کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) جا سکتا ہے؛ لیکن بہتر نہیں ہے۔ اس صورت میں حج بدل کرانے والے کا حج ہوگا، البتہ مالدار ہو جانے کے بعد خود کو حج کے لیے جانا ہوگا۔

(۳) یہ حج، حج بدل کرانے والے کا ہوا، نہ کہ حج کرنے والے کا، اس کو اپنے حج کے لیے جانا ضروری ہے۔

شامی میں ہے: **قال فی الفتح بعد ما أطال فی الاستدلال: والذی یقتضیه النظر أن حج الصرورة عن غیره إن کان بعد تحقق الوجوب علیه یملک الزاد والراحلة والصحة فهو مکروه کراهة تحریم، الخ.** (۱۳۳/۲، باب الحج عن الغیر)

جس پر حج فرض ہو چکا ہو، اس کو حج بدل کے لیے بھیجنا مکروہ تنزیہی ہے اور جانے والے کے لیے مکروہ تحریمی ہے؛ کیوں کہ وہ اپنے فریضہ حج کو اپنے ذمہ رکھ کر دوسرے کی طرف سے (حج بدل کو) جاتا ہے، اولاً اس کو اپنے فریضہ حج سے سبکدوش ہونا چاہیے تھا۔ حج بدل کے لیے اولیٰ یہ ہے کہ جس نے اپنا فرض حج کر لیا ہو اور احکام حج سے واقف ہو، اس کو بھیجنا چاہیے۔ حج بدل کے مسائل بہت مشکل اور نازک ہیں، جاہل آدمی اکثر غلطی کر کے حج بدل فاسد و برباد کر دیتا ہے۔ (شامی: ۱۳۳/۲) (۱) (فتاویٰ رحیمیہ: ۸/)

حج بدل کے لیے شرائط کیا ہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کیا حج بدل کے لیے کچھ شرائط ہیں؟

---

(۱) **لکنه یشترط لصحة النیابة أهلیة المامور لصحة الأفعال ثم فرع علیه بقوله مجاز حج الصرورة. قال فی الشامیة تحت (قوله: لصحة الأفعال): عبر بالصحة دون الوجوب لیعم المراهق فإنه أهل الصحة دون الوجوب (قوله: ثم فرع علیه أی علی أن الشرط هو الأهلیة دون إشتراط أن یکون المأمور قد حج عن نفسه. (ردالمحتار، باب الحج عن الغیر)**

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

جوشخص حج بدل کے لیے بھیج رہا ہے، آمر کی طرف سے معتبر ہونے کے لیے درج ذیل شرطیں بھی لازم ہیں:

(۱) آمر کا اسے حج کرنے کا صراحۃً حکم دینا، البتہ وارث کا اپنے مورث کی طرف سے بلا امر حج کرنا بھی معتبر ہے۔

(۲) احرام باندھتے وقت مامور کا آمر کی طرف سے حج کی نیت کرنا۔

(۳) مامور کا آمر کی طرف سے خود حج کرنا، دوسرے سے نہ کرانا۔

(۴) اگر میت نے حج بدل کی وصیت میں کسی خاص شخص کو متعین کیا ہے تو اسی متعین شخص کا حج کرنا ضروری ہے؛ الا یہ کہ کوئی معقول عذر ہو۔

(۵) اکثر سفر حج میں آمر کا مال خرچ کرنا۔

(۶) اکثر سفر سوار ہوکر کرنا، لہٰذا اگر پیدل سفر کیا تو آمر کی طرف سے حج درست نہ ہوگا۔

(۷) آمر کے وطن سے سفر شروع کرنا۔

(۸) حج کو فاسد نہ کرنا؛ کیوں کہ اگر حج بدل کو فاسد کردیا تو یہ حج آمر کی طرف سے نہ ہوکر مامور کی طرف سے ہوجائے گا۔

(۹) آمر کے حکم کی مخالفت نہ کرنا، مثلاً اگر اس نے حج افراد کا حکم دیا ہے اور مامور نے اپنی مرضی سے حج قران، یا حج تمتع کرلیا تو یہ حج آمر کی طرف سے نہیں ہوگا، البتہ اگر خود آمر، یا وصی حج تمتع، یا قران کی اجازت دے تو اس کی گنجائش ہے۔

(۱۰) ایک سفر میں ایک ہی حج کا احرام باندھنا، لہٰذا اگر مامور نے آمر کے احرام کے بعد اپنے حج کا بھی احرام باندھ لیا تو آمر کا حج ادا نہ ہوگا۔

(۱۱) ایک احرام میں دو شخصوں کی نیت نہ کرنا، لہٰذا اگر مثلاً دو آدمیوں نے مامور کو حج بدل کا حکم دیا اور اس نے اس سفر میں دونوں آمروں کی طرف سے نیت کرلی تو ان آمروں میں سے کسی کی طرف سے بھی ادا نہ ہوگا۔

(۱۲) حج کا فوت نہ ہونا۔

(مستفاد: فتاویٰ شامی: ۴/۱۷، ۱۸، غنیۃ الناسک، ص۳۲۰-۳۳۶، مناسک ملا علی قاری، ص۴۳۵-۴۵۲، جواہر الفقہ: ۱/۵۰۰-۵۰۶)

التاسع: وجود العذر قبل: لإحجاج فلو أحج صحح ثم عجز لايجزيه.

العاشر: أن يحج ركباً، فلو حج ماشياً ولو بأمره ضمن النفقة.

(ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۷/٤، زكريا)

وبشرط نية الحج أى عن الأمر، فيقول: أحرمت عن فلان ولبيت عن فلان ولونسى إسمه فنوىٰ عن الآمر صح، وتكفى نية القلب. (الدر المختار، كتاب الحج: ۱٥/٤، زكريا)

وبقى من الشرائط الفقه من مال الآمر كلها أوأكثرها، وحج المأمور بنفسه وتعنيه إن عينه. (الدر المختار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱٦/٤، زكريا)

وفي الذخيرة: ثم إنما يسقط فرض الحج عن الإنسان بإحجاج غيره إذا كان المحج وقت الأداء عاجزاً عن الأداء بنفسه، ودام عجزه إلى أن مات، أما إذا زال عجزه بعد ذلك فلا يسقط عنه حج الفرض. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۵۴۵/۲، إدارة القرآن كراتشي، بدائع الصنائع: ۴۵۵/۲، نعيمية ديوبند)

اور حج بدل دوسرے کی طرف سے تبرعاً کیا جاتا ہے، وہ اصل میں نفلی حج ہوتا ہے؛ اس لیے اس میں اس طرح کے شرائط نہیں ہیں۔

الحج التطوع عن الصحيح جائز ويكون الحج عن المحج. (رد المحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۶۰۳/۲، انوار المناسک، ص: ۵۵۹)

وأما النفل فلا يشترط فيه شئ منها. (رد المحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۸/۴، زكريا ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۳۳۶/۳/۱۵ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/ ۵۶۰-۵۶۲)

حج بدل کے شرائط:

سوال: حج بدل کے لیے کیا شرطیں ہیں؟ کیا حج بدل کے لیے پہلے اس شخص کا حج کرنا ضروری ہے، جو حج کو جارہا ہے، زید صاحبِ نصاب ہے، عمرو کو حج کے لیے بھیجنا چاہتا ہے؛ لیکن زید یہ کہتا ہے کہ عمرو کا پہلے حج کو جانا ضروری ہے، عمرو اپنا حج کرنے سے پہلے حج بدل کو جاسکتا ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

حامداً ومصلیاً ومسلماً: حج بدل کے چار شرائط آمر؛ یعنی حج کرانے والے کی ذات سے متعلق ہیں:

(۱) اس کا مسلمان ہونا اور اس پر حج فرض ہونا اور خود قادر نہ ہونا، (۲) اس کے عجز کا دائمی ہونا، (۳) حج بدل کرانے سے پہلے عاجز ہونا، (۴) حج بدل کے لیے کسی کو خود مامور کرنا، یا اس کے لیے وصیت کرنا۔

اور چار شرائط مامور کی ذات سے متعلق ہیں:

(۱) مسلمان ہونا، (۲) عاقل ہونا، (۳) اگر نابالغ ہو تو ممیّز قریب البلوغ ہونا، (۴) حج بدل کی کوئی اجرت وغیرہ نہ لینا۔

باقی شرائط افعال حج سے متعلق ہیں:

(۱) حج بدل کرنے میں اکثر مال حج کرانے والے کا خرچ کرے، کچھ تھوڑا اپنی طرف سے بھی خرچ کردے تو مضائقہ نہیں، (۲) اکثر حصہ سفر کا سواری سے طے کرے، پا پیادہ حج کرے تو آمر کا حج نہیں ہوتا، (۳) آمر کے وطن سے سفر شروع کرے، (۴) حج کو فاسد نہ کرے، (۵) آمر ہی کی طرف سے حج کی نیت بوقت احرام کرے، (۶) فوت بھی نہ کرے، (۷) آمر کی مخالفت نہ کرے۔

افضل اور بہتر تو سب کے نزدیک یہی ہے کہ حج فرض کا بدل اس شخص سے کرایا جائے، جو اپنا حج فرض ادا کر چکا ہو اور جس نے اپنا حج ادا نہیں کیا، اگر وہ ایسا ہے کہ اس پر حج فرض ہی نہیں تو اس کا حج بدل کے لیے امر کرنا جائز ہے؛ مگر مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہے اور اگر بادل کے ذمہ خود حج فرض ہے اور ابھی ادا نہیں کیا تو ایسے شخص کو بھیجنا مکروہ تنزیہی ہے اور مامور کا جانا مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے۔ (جواہر الفقہ: ۱/۵۰۷) واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبداللہ غفرلہ، ۱۴۱۲/۱۲/۲۸ھ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۳/۳۴۷-۳۴۸) ☆

مراہق حج بدل کرسکتا ہے، یا نہیں:

سوال: قریب البلوغ بچہ سے حج بدل کرانا درست ہے، یا نہیں؟ یا بالغ ہونا شرط ہے؟

الجواب

مراہق، قریب البلوغ، سمجھدار، ہوشمند، مسائل حج سے واقف ہو تو اسے حج بدل کرا سکتے ہیں؛ لیکن بعض علماء اختلاف کرتے ہیں، لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ حتی الامکان بالغ ہی کو منتخب کرے۔

وفی الدر المختار: **فجاز حج الصرورة** (إلى أن قال) **كالمراهق وغير هم أولى لعدم الخلاف.** (رد المختار: ۲/۱۳۳، باب الحج عن الغير مطلب فى حج الصرورة) (فتاویٰ رحیمیہ: ۸/)

حج بدل کا حکم:

سوال: حج بدل کے مسائل سے واقفیت کی ضرورت ہے، ایک شخص ایک حاجی صاحب کو اپنے خویش کی طرف سے حج بدل کے لیے بھیجنا چاہتے ہیں، خویش مرحوم ہیں اور حج بدل کے لیے بھیجنے والے اپنے مال سے بھیج رہے ہیں، مرحوم کی کوئی وصیت نہیں تھی تو اگر مرحوم اپنا حج ادا کر لیے ہوں، یا نہیں کئے ہوں، دونوں پہلو سے مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

جو شخص حج بدل کے لیے جائے گا، وہ حج افراد ہی کی نیت کرے، یا حج تمتع اور حج قران کی بھی گنجائش ہے؟ اگر حج افراد کی نیت کیا ہے تو قربانی کرنا چاہیے، یا نہیں؟ اگر قربانی نہیں کیا تو حج کے بعد حلق کرا کر احرام کھول سکتا ہے، یا

☆ **حج بدل کے شرائط:**

سوال: حج بدل کے لیے کیا یہ شرط ہے کہ حج بدل کرنے والا پہلے حج کر چکا ہو، یا شرط نہیں ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

حامداً ومصلیاً ومسلماً: افضل اور بہتر سب کے نزدیک یہی ہے کہ حج فرض کا بدل اس شخص سے کرایا جائے، جو اپنا حج فرض ادا کر چکا ہو اور جس شخص نے اپنا حج ادا نہیں کیا ہے، اگر وہ ایسا ہے کہ اس پر حج فرض ہی نہیں تو اس کو حج بدل کے لیے مامور بنانا جائز ہے؛ مگر مکروہ تنزیہی ہے؛ یعنی خلاف اولیٰ ہے اور جس شخص کے ذمہ حج فرض ہے اور اس نے ابھی ادا نہیں کیا، اس حالت میں اس کو حج بدل کے لیے بھیجنا بھیجنے والے کے لیے مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہے؛ مگر اس حج بدل پر جانے والے کے لیے مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے۔ (شامی وجواہر الفقہ) واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبداللہ غفرلہ، ۱۴۰۸/۷/۳۰ھ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۳/۳۴۳)

نہیں؟ مفرد اگر قربانی کرے تو اپنے مال سے، یا کہ حج بدل کرانے والے کے مال سے؟ امید ہے کہ تمام پہلوؤں کو آشکارا فرمائیں گے؟

حج بدل کو جانے والا حج کی نیت کس طرح کرے؛ یعنی حج کی نیت کرکے احرام باندھ لے، یا مرحوم کا نام لے کر احرام باندھے؟ اس کے علاوہ آج کل حج میں جانے والوں کو مکہ شریف کے اخراجات کے لیے رقم جمع کرنی پڑتی ہے، اس کے عوض میں سعودی بینک کے ڈرافٹ ملتے ہیں، جو وہاں جا کر ریال کی شکل میں بینک سے مل جاتے ہیں تو اگر یہ رقم حج بدل کو بھیجنے والا بالکل بخش دے تو یہ جائز ہوگا، یا نہیں؟ پھر اس ریال سے قربانی وغیرہ، یا دوسرے حسنات میں خرچ کرسکتا ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

حامداً ومصلیاً ومسلماً:

مرحوم نے خواہ زندگی میں حج کیا ہو، یا نہ کیا ہو اور مرحوم کے ذمہ حج فرض ہوا ہو، یا نہ، بہر حال جب مرحوم کی طرف سے حج بدل کے لیے بھیجنے والا اپنے مال سے بھیج کر حج کرا رہا ہے تو یہ درست اور کار ثواب ہے اور مامور؛ یعنی حج بدل کے لیے جانے والے کو آمر؛ یعنی حج بدل کرانے والے کی اجازت سے حج افراد وقران دونوں جائز ہے اور اجازت سے حج تمتع کی بھی گنجائش ہے؛ لیکن خلافِ احتیاط ہے؛ اس لیے کہ بعض علماء مثلاً ملا علی قاری، مولانا گنگوہیؒ حج بدل میں حج تمتع کو بالکل ممنوع قرار دیتے ہیں۔

بہتر یہ ہے کہ آمر مامور کو عام اجازت دے، خواہ وہ حج افراد کرے، یا حج قران، یا حج تمتع اور قران وتمتع کی صورت میں قربانی؛ یعنی دم قران وتمتع بذمہ مامور واجب ہوگا، آمر اس کا ذمہ دار نہ ہوگا اور حج افراد میں قربانی واجب نہیں، جائز ہے۔ اگر کیا تو اس کی قیمت مامور کے ذمہ عائد ہوگی، البتہ اگر مامور نے آمر کی اجازت سے کیا تو آمر ذمہ دار ہوگا۔

نیز اگر آمر کی مخالفت کی، مثلاً آمر نے حج افراد کے لیے کہا اور مامور نے حج قران کیا تو حج مامور کی طرف سے ہوگا اور آمر کا جو کچھ مال خرچ ہوا، اس کا ضمان مامور کے ذمہ عائد ہوگا اور حج افراد میں بغیر قربانی کیے حلق کے بعد احرام کھول سکتا ہے، البتہ تا آنکہ طواف رکن نہ ادا کرلے، عورتیں حلال نہیں ہوتیں۔

اس حج بدل میں نیت مرحوم کی طرف سے کرے اور حج بدل کرنے والے کو رقم مسئول اور ہر رقم بطور ہدیہ وہبہ کے دینا جائز ہے۔ اجرت کے طور پر دینا جائز نہیں اور حج بدل میں مامور اپنا مال اعمال حج میں خرچ کرسکتا ہے؛ لیکن اکثر مال آمر؛ یعنی حج بدل کرانے والے کا خرچ کرے، اگر اکثر مال اپنا خرچ کردیا تو حج مامور کی طرف سے ہوجائے گا، حج کرانے والے کی طرف سے نہ ہوگا۔ (جواہر الفقہ: ۵۰۶/۱، ۵۱۰، ۵۱۶، ۵۱۷) واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبداللہ غفرلہٗ، ۱۴۰۹/۱/۱۰ھ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۳۴۱/۳-۳۴۲)

حج بدل سے متعلق کچھ ضروری احکام:

سوال: حج بدل کب جائز ہے؟ اور اس کے لیے شرط کیا ہے؟ اگر کسی شخص پر حج فرض ہو اور اس کا بیٹا جدہ میں رہتا ہو تو کیا اس کے بیٹے کا جدہ سے حج کر لینا کافی ہے؟ یا ہندوستان ہی سے سفر کرنا ضروری ہے؟

(منظور احمد، بیگوسرائے)

الجواب

بدنی عبادتیں؛ یعنی نماز، روزے ایک شخص کی طرف سے دوسرا شخص انجام نہیں دے سکتا، مالی عبادتیں دوسرے کی طرف سے انجام دی جاسکتی ہیں، اس کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ اصل آدمی اس کی انجام دہی سے معذور اور عاجز ہو، جیسے زکوٰۃ وصدقات وغیرہ۔ حج مالی اور بدنی دونوں طرح کی عبادت ہے، یہ ایک شخص دوسرے شخص کی طرف سے اس وقت انجام دے سکتا ہے، جب کہ اصل شخص جس پر حج فرض ہے، حج کرنے سے معذور ہو اور اس کا یہ عذر موت تک باقی رہے، کسی بیمار آدمی کی طرف سے حج بدل کے لیے ضروری ہے کہ جس کی جانب سے حج کر رہا ہو، اس نے حج کی اجازت بھی دی ہو، یہ بھی ضروری ہے کہ جو شخص حج بدل کر رہا ہو، وہ حج کا احرام باندھتے وقت اس شخص کی طرف سے حج کی نیت کرے، جس نے حج کا حکم دیا ہے، مثلاً کہے کہ میں فلاں کی طرف سے احرام باندھتا ہوں، یا کہے: ”لبیک عن فلان“.(۱)

حج بدل میں ضروری ہے کہ حج کے تمام اخراجات، یا کم سے کم اخراجات کا زیادہ حصہ حج کا حکم دینے والے کے مال میں سے ہو، یہ بات بھی ضروری ہے کہ جس کی طرف سے حج بدل کر رہا ہے، اس کی جائے سکونت سے حج کا سفر شروع ہو۔ ہاں، اگر کسی شخص نے حج کی وصیت کی اور اس کی جائے سکونت سے سفر کے اخراجات متروکہ کے ایک تہائی سے پورے نہ ہو پائیں تو فقہا نے استحساناً اس بات کی اجازت دی ہے کہ جس مقام سے حج کے لیے وہ اخراجات کفایت کریں، وہیں سے حج بدل کرا دیا جائے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرما لیں گے۔(۲) (کتاب الفتاویٰ: ۴/۶۷-۶۸)

حج بدل کے بارے میں ایک تفصیلی فتویٰ:

سوال: ”ماقولکم أیها العلماء الکرام !حاج عن الغیر ؛یعنی فرض حج بدل کے لئے جانے والا قبل اشہر الحج مکہ معظمہ جانا چاہے تو میقات پر کس نیت سے احرام باندھے؟ ظاہر ہے کہ افراد وتمتع وقران میں سے بوجہ اشہر الحج نہ ہونے کے کسی کا احرام نہیں باندھ سکتا، اب صرف عمرے کے احرام سے داخل حرم ہوسکتا ہے اور وہاں پہنچ کر ارکان عمرہ سے فارغ ہو کر مقیم ہو جائے اور یوم الترویہ تک حلال رہے، پھر اہل مکہ کی میقات (حرم) سے حج کے احرام کی نیت

(۱) دیکھئے: الدرالمختار ورد المحتار، باب الحج عن الغیر: ۴/۱۳-۱۶

(۲) رد المحتار، کتاب الحج: ۴/۲۳

سے ارکان حج ادا کرے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ حج مکی ہوا، یا آفاقی (میقاتی) اگر مکی ہوا تو عن الغیر سے فرض ساقط ہوگا، یا نہیں؟

تتبع کتب فقہ سے بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ حج عن الغیر میں حج میقاتی؛ یعنی میقات آمر سے حج کی نیت مکی چاہیے اورصورت مسئولہ میں میقات آمر سے نیت حج نہ پائے جانے کی وجہ سے حج میقاتی نہ ہو؛ بلکہ مکی ہوا تو آمر کی جانب سے فرض حج ساقط نہ ہوگا۔عبارات ذیل ملاحظہ ہوں:

(۱) **وقد سبق أيضًا أن من شرط الحج عن الغير أن يكون ميقاته آفاقيًا وتقرر أن بالعمرة ينتهي سفره إليها ويكون حجه مكيًا**.(عدة أرباب الفتویٰ مصری،ص:۱۰)(۱)

(۲) **قال في شرح مناسک ملتقى الأبحر: ومن شرائط جواز النيابة أن يحرم النائب من ميقات الآمر إذا لحلق وأما إذا قيد بمحل فمن ميقات ذلك المحل**.(فتاویٰ الأسعدية،مصری:۱/۲۴)

(۳) **العاشر أن يحرم من الميقات أي من ميقات الآمر يشمل المكي وغيره فلو إعتمر وقد أمره بالحج ثم حج من عامه لايجوز،إلخ**.(شرح مناسک لعلی القاری)(۲)

(۲) اگر آمر بذات خود، یا اس کے ورثہ، یا وصی مامور کو اجازت دے کہ وہ قبل اشہر الحج میقات سے عمرہ کے احرام کی نیت سے داخل حرم ہو اور عمرہ سے فراغت کے بعد مقیم ہو جائے اور پھر موسم حج میں مکی حج کر لے تو اجازت کے بعد یہ حج مسقط فرض عن الغیر ہوگا، یا نہیں؟

(۳) عموماً مسائل سے ناواقف لوگ حج کے لیے مامور بناتے ہیں،کوئی تفصیل سمجھتا سمجھاتا نہیں کہ اشہر حج کے قبل ہو تو عمرہ کی نیت سے جانا اور حج کا زمانہ ہو تو افراد، یا تمتع، یا قران کر لینا؛ بلکہ مطلق حج کے لیے مامور بناتے ہیں اور اطلاق کے وقت میں حسب تصریح فقہا(۳) عمرہ کی نیت اور زمانہ حج میں قران، یا تمتع کی نیت یقیناً آمر کے خلاف ہوگی تو اس صورت میں یہ حج آمر کی طرف سے ہوگا، یا مامور کی طرف سے؟

(۴) صورت مسئولہ میں اگر مامور موسم حج میں مکہ معظّمہ سے واپس آ کر میقات آمر (یلملم) سے حج کا احرام باندھے، پھر حرم میں داخل ہو کر ارکان حج ادا کرے تو یقیناً حج میقاتی ہوگا تو کیا ایسا کرنا ضروری ہے؟(۴) یا صرف مکی حج ادا کرنا کافی ہوگا؟

(۵) میقات آمر سے حج کی نیت کی شرط سے فقہ کے اکثر متون وشروح متداولہ وکثیر فتاویٰ خالی ہیں ونیز

---

(۱) كتاب الحج،باب الحج عن الغير،ص:۱۰،المطبعة الكبرى الأميرية،مصر

(۲) مطلب في جواز إخراج البدل من مكة عند قلة النفقة،ص:۲۹۲،ط: المكتبة التجارية الكبرى،مصر

(۳) وينصرف مطلق الأمر إليه أي إلى الحج قبل أشهر الحج.

(۴) اور ایسا کرنا حاجی کی قدرت سے بظاہر خارج ہے۔

مولانا عبدالشکور لکھنویؒ مصنف علم الفقہ نے حج بدل کی شروط ضروریہ میں اس شرط کو شمار نہیں کیا اور اخیر میں یہ بھی لکھ دیا کہ ان شروط کے علاوہ احناف کے نزدیک اور کوئی شرط نہیں۔(۱) و نیز علامہ قاری نے بھی شرط عاشر کے تحت میں اس پر اشکال وارد کر دیا کہ میقات سرے سے اصل حج کے لیے ہی شرط نہیں ہے تو حج بدل کے لیے کیسے شرط ہوگا۔(۲) و نیز یہ شرط موجب حرج عظیم ہے، جو ظاہر ہے تو اب شرط ضروری ہے، یا نہیں؟ بینوا بالدلیل۔

الجواب

خاکسار کے پاس عدۃ ارباب الفتاوی اور فتاوی اسعدیہ موجود نہیں ہے، اپنے پاس کی موجودہ کتابوں میں جہاں تک میں نے غور کیا، مجھے یہ معلوم ہوا کہ حاج عن الغیر آمر کی اجازت سے قران اور تمتع کر سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ متمتع میقات سے عمرہ کا احرام باندھتا ہے اور پھر عمرہ کر کے حلال ہو جاتا ہے اور مکہ سے حج کا احرام باندھتا ہے اور اس کا حج مکی ہوتا ہے۔ پس اگر حج عن الغیر کی صحت اس بات پر مشروط ہوتی کہ اس کا احرام میقات آمر سے باندھا جائے تو حاج عن الغیر کے لیے تمتع کی اجازت نہ ہوتی۔ ہاں، اگر آمر نے اجازت نہ دی ہو تو حاج عن الغیر تمتع نہیں کر سکتا، اگر کرے گا تو ضامن ہوگا؛ یعنی اس کا یہ حج جو تمتع میں کیا ہے، آمر کی طرف سے واقع نہ ہوگا؛ لیکن اس عدم جواز کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میقات آمر سے احرام باندھا جانا شرط تھا؛ بلکہ عدم جواز کی وجہ مخالفت آمر ہے اور جب کہ آمر نے صرف حج کا امر کیا ہو تو اس وقت بظاہر اس کا امر حج آفاقی پر محمول کیا جائے گا؛ کیوں کہ جب کہ آمر خارج میقات کا رہنے والا ہے تو ظاہر یہی ہے کہ اس کا حکم ایسے ہی حج سے متعلق ہوگا، جس کا احرام میقات سے باندھا گیا ہو تو اس ظاہر حال کی دلالت سے مطلق حج کے امر کو حج عن المیقات کے ساتھ فقہا نے مقید کر دیا ہے اور اس صورت میں نہ صرف تمتع؛ بلکہ قران کو بھی مخالفت آمر کی مد میں شمار کیا ہے، حالاں کہ قران کا حج آفاقی ہے، نہ مکی۔

''یصیر مخالفًا بالقران أو التمتع، کما مر. (الدر المختار)(۳)

ودم القران والتمتع والجنایة علی الحاج أن إذن له الأمر بالقران والتمتع وإلا فیصیر مخالفا فیضمن، إنتھٰی. (الدر المختار)(۴)

اس عبارت سے صاف معلوم ہو گیا کہ اگر حاج عن الغیر آمر کی اجازت سے قران، یا تمتع کرے تو جائز ہے۔ ہاں، دم قران و تمتع خود اس کے ذمے ہے۔ پس حاج عن الغیر اگر اشہر حج سے پہلے جانا چاہتا ہے تو اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ آمر کی اجازت سے میقات سے حج کا احرام نہ باندھے؛ بلکہ عمرہ کا احرام باندھے اور اسی احرام سے اشہر حج

(۱) عمدۃ الفقہ، حصہ پنجم، مسائل حج وعمرہ دوسرے کی طرف سے حج کرنا،ص:۵۷۹-۵۸۱، ط دار الاشاعت، کراچی

(۲) المناسک العلی القاری مع الشرح، مطلب فی جواز إخراج البدل من مکة عند قلة النفقة، ص: ۲۹۲، ط: المکتبة التجاریة الکبریٰ، مصری

(۳،۴) الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر: ۲/۶۱۲، ط: سعید

شروع ہونے کے بعد مثلاً شوال کی پہلی تاریخ کو عمرہ ادا کرے اور پھر احرام کھول دے اور یوم ترویہ میں حج کا احرام باندھ کر حج ادا کرلے، حج کے مہینوں سے پہلے تمتع کے عمرے کا احرام باندھنا جائز ہے؛ مگر تمتع کا عمرہ اشہر حج سے پہلے ادا کرنا جائز نہیں؛ یعنی پورا عمرہ، یا اس کا اکثر حصہ اگر اشہر حج سے پہلے ہوجائے گا تو تمتع صحیح نہ ہوگا۔

’’لایشترط کون إحرام العمرة فی أشهر الحج. (ردالمحتار)(۱)

فلوطاف الأقل فی رمضان مثلاً ثم طاف الباقی فی شوال ثم حج من عامه كان متمتعاً. (الدرالمختار)(۲)

وبكونه فی أشهر الحج وليس بقيد بل لوقدمه صح بلاكراهة. (۳)

ان عبارتوں سے معلوم ہوگیا کہ تمتع کے عمرہ کا احرام قبل اشہر الحج صحیح ہے اور جب کہ عمرہ کا اکثری حصہ اشہر حج میں ادا ہو تو تمتع صحیح ہے اور اس احرام کی اشہر حج پر تقدیم مکروہ بھی نہیں اور حاج عن الغیر کے لیے آمر کی اجازت سے تمتع جائز ہے۔(۴) پس اشہر حج سے پہلے جانے والا میقات سے عمرہ کا احرام باندھ کر جائے اور اشہر حج میں عمرہ ادا کرے اور پھر آمر کی طرف سے حج ادا کرے تو عبارات منقولہ بالا کی رو سے اس میں کوئی قباحت نہیں۔ عبارات منقولہ سوال میں حج آفاقی کی شرط میرے خیال میں اسی بنا پر ہے کہ اس میں آمر سے قران، یا تمتع کی اجازت نہ لی گئی ہو؛ بلکہ اس نے مطلق حج کا امر کیا ہو تو ایسا حج بے شک حج آفاقی ہونا چاہیے، اگرچہ بالتخصیص میقات آمر کی شرط اس میں بھی محل غور ہے۔

رہی یہ بات کہ ورثہ، یا وصی کی اجازت بھی آمر کی اجازت کی طرح معتبر ہے، یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ورثہ کی اجازت تو بلاشبہ معتبر ہے؛ کیوں کہ وصیت بالحج کو فقہا نے آمر کی طرف سے تبرع بالمال قرار دیا ہے اور اسی لیے اگر میت نے حج کی وصیت کی ہو اور وصی کسی وارث کو حج بدل کے لیے روپیہ دے دے تو اس میں باقی ورثہ کی اجازت کو شرط جواز قرار دیا ہے، چناں چہ درمختار وشامی میں اس کی تصریح ہے،(۵) اور دلیل یہی بیان کی ہے کہ وارث کو حج بدل کے لیے روپیہ دینا گویا تبرع بالمال ہے، جو وارث کے حق میں بلا اجازت دیگر ورثا کے جائز نہیں ہے اور جب کہ وارث اجازت دے دیں تو حاج عن المیت تمتع، یا قران کرسکتا ہے؛ کیوں کہ اس میں کچھ ذرا زیادہ قیام کا صرف زیادہ ہوگا اور وہ وارث کی جانب سے اجازت دے دینے پر جائز ہو جائے گا، البتہ وصی کی اجازت میں کلام

---

(۱) رد المحتار، کتاب الحج، باب التمتع: ۵۳۵/۲، ط: سعید

(۲) الدرالمختار علی هامش رد المحتار، کتاب الحج، باب التمتع: ۵۳۵/۲، ط: سعید

(۳) رد المحتار، کتاب الحج، باب التمتع: ۵۳۶/۲، ط: سعید

(۴) ودم القران، والتمتع، والجنابة على الحاج إن أذن له الآمر بالقران، والتمتع، وإلا فيصير مخالفًا، فيضمن. (الدرالمختار على هامش رد المحتار، کتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۶۱۱/۲، ط: سعید

(۵) قلت: وقد منا أن الوارث ليس له الحج كمال الميت إلا أن تجيز الورثة، وهم كبار، لأن هذا مثل التبرع بالمال (رد المحتار، کتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۶۰۶/۲، ط: سعید)

ہے؛ کیوں کہ وصی کو تبرع بالمال کا اختیار نہیں ہے؛اس لیے اس کی اجازت اس زیادتی صرفہ کے لیے معتبر نہ ہوگی۔واللہ اعلم وعلمہ اتم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، مدرسہ امینیہ، دہلی (کفایت المفتی:۳۴۴/۴-۳۴۷)

حج بدل کا تفصیلی مسئلہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے خود فریضہ حج ادا کیا ہے۔اس سال ارادہ ہے کہ والد مرحوم کے لیے حج بدل ادا کروں۔کیا یہ ہوسکتا ہے، جب کہ میری والدہ زندہ ہے۔ نیز میرا دادا بھی فوت ہو چکا ہے،اس کے لیے بھی حج بدل کرنا چاہتا ہوں؛ یعنی دوسرے آدمی کو سارا خرچہ دے کر حج کراؤں گا۔کیا یہ درست ہے؟ اور حج بدل صرف رشتہ دار کرسکتا ہے، یا غیر رشتہ دار بھی؟ جب کہ میری دادی ضعیف العمر ہے، بہت کمزور ہے، کیا دوسرے آدمی سے اس کے لیے حج کرا سکتا ہوں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: جلال الدین،تبوک سعودی عرب)

الجواب

السلام علیکم کے بعد واضح رہے کہ آپ کے والد، والدہ اور دادا پر حج فرض تھا، یا نہیں؟ اور فرض ہونے کی صورت میں انہوں نے وصیت کی ہے، یا نہیں؟

(الف) بہر حال! اگر ان پر فریضہ حج عائد نہیں تھا تو آپ ان کی طرف سے حج کر سکتے ہیں اور کرا سکتے ہیں،خود رشتہ دار مامور کریں، یا غیر رشتہ دار اور بغیر کسی تقید کے کر سکتے ہیں اور کرا سکتے ہیں۔(۱)

(ب) اور اگر ان پر فریضہ حج عائد تھا اور وہ وفات پا چکے ہیں تو وصیت نہ کرنے کی صورت میں بھی کوئی پابندی نہیں ہے اور وصیت کی صورت میں یہ شرط ہے کہ نفقہ ان کا خرچ کیا جائے گا اور یلملم سے احرام باندھا جائے گا اور ان میں سے جو غنی زندہ ہو تو عجز کی صورت میں آپ ان کے لیے حج کر سکتے ہیں اور کرا سکتے ہیں (بغیر اشتراط رشتہ دار ہونے کے)،البتہ نفقہ اور میقات حسب سابق واجب الرعایت ہے۔(ماخوذ از شامی)(۲) وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ:۳۱۷/۴-۳۱۸)

(۱) قال العلامة الحصكفي: بخلاف ما لو أهل بحج عن أبويه أو غيرهما من الأجانب حال كونه متبرعا فعين بعد ذلك جاز لأنه متبرع بالثواب فله جعله لأحدهما أولهما وفي الحديث من حج عن أبويه فقد قضى عنه حجته وكان له فضل عشر حجج وبعث من الأبرار.(الدر المختار على هامش ردالمحتار:۲۶۵/۲-۲۶۶،باب الحج عن الغير)

(۲) قال العلامة الحصكفي: وبشرط الأمر به أي بالحج عنه فلا يجوز حج الغير بغير إذنه إلا إذا حج أو احج الوارث عن مورثه لوجود الأمر دلالة وبقي من الشرائط النفقة من مال الآمر،الخ.فلا يجوز حج غيره بغير أمره إن أوصىٰ به أي بالحج عنه فإنه إن أوصى بأن يحج عنه فتطوع عنه أجنبي أو وارث لم يجز وإن لم يوص به أي بالاحجاج فتبرع عنه الوارث وكذا من هم أهل التبرع فحج أي الوارث ونحوه بنفسه أي عنه أو أحج عنه غيره جاز والمعنى جاز عن حجة الاسلام إن شاء الله تعالىٰ كما قاله في الكبير.(ردالمحتار هامش الدرالمختار:۲۵۹/۲،قبيل مطلب شروط الحج عن الغير عشرون)

حج بدل میں جانے والا بیمار ہو جائے تو کیا کرے:

سوال: حج بدل میں جانے والا بیمار ہو جائے تو اسے دوسرے کو نائب بنانے کا اختیار ہے، یا نہیں؟

الجواب

آمر جس نے اس کو اپنے حج بدل کے لیے بھیجا ہے، اس کی اجازت ہو تو دوسرے سے حج کرا سکتا ہے، لہٰذا یہی اولیٰ ہے کہ اس کی اجازت دے کر بھیجے کہ آپ کو اختیار ہے، جس طرح مناسب ہو کرنا۔

درمختار میں ہے: **(وإذا مرض المامور) بالحج (فی الطريق ليس له دفع المال إلى غيرة ليحج) ذلک الغير (عن الميت إلا إذا) أذن له بذلک بأن (قيل له وقت الدفع): اصنع ما شئت، فيجوز له.** (الدر المختار مع الشامی: ۲۳۲/۲، باب الحج عن الغير) (فتاویٰ رحیمیہ: ۸/)

حج بدل میں جانے والا مر جائے تو کیا حکم ہے:

سوال: ایک مرحوم کی طرف سے اس کی وصیت کے مطابق ایک شخص کو حج بدل کو بھیجا؛ لیکن بدقسمتی سے نویں ذی الحجہ سے پہلے وہ انتقال کر گیا، حج ادا نہ کر سکا تو اب مرحوم کے مال سے دوسرے کو بھیجنا ضروری ہے؟

الجواب

جی ہاں، جب تک مرحوم کے ترکہ کے ایک تہائی میں اس کی گنجائش رہے، حج بدل کرانا ضروری ہے؛ یعنی حج بدل کو جانے والا اگر وقوف عرفات سے پہلے مر گیا تو مرحوم کا جو ترکہ ہے، اس کے ثلث حصہ میں سے اگر حج کے لیے کافی ہو تو حج کرائے، اگر ثلث حصہ وطن سے بھیجنے کے لیے ناکافی ہو تو جہاں سے حج کرا سکے، وہاں سے حج کرائے، پھر جتنی دفعہ ایسی صورت پیش آئے، بار بار حج کرنے کے لیے بھیجتے رہیں، یہاں تک کہ مرحوم کے ترکہ کا ثلث پورا خرچ ہو جائے، یا اتنا تھوڑا باقی رہ جائے کہ اس میں حج نہ ہو سکتا ہو تو اس کی وصیت نا قابل عمل ہو جائے گی اور اگر حج بدل کی رقم چوری ہو جائے، تب بھی یہی حکم ہے کہ دوبارہ حج کو بھیجے مکان سے، یا جہاں سے بھیجنے کی رقم میں گنجائش ہو، وہاں سے بھیجے۔

قال: (وإن مات) المامور (أو سرقت نفقته فی الطريق) قبل وقوفه (حج من منزل آمره بثلث مابقی) من ماله فإن لم يف فمن حيث يبلغ فإن مات أو سرق ثانيا حج من ثلث الباقی بعدها هكذا مرة بعد مرة أخرىٰ إلىٰ ان لا يبقى عن ثلثه مايبلغ الحج، فتبطل الوصية. (الدرالمختار مع الشامی: ۲۳۹/۲، باب الحج عن الغير) (فتاویٰ رحیمیہ: ۸/)

مکہ مکرمہ پہنچ کر قبل از حج وفات پا گیا تو کیا کرے:

سوال: ایک شخص پر حج فرض تھا، حج کے ارادے سے گیا، معظّمہ پہنچ کر حج ادا کرنے سے پہلے مر گیا تو اس کا حج ادا ہوا، یا نہیں؟

الجواب

جس سال حج فرض ہوا، اگر اسی سال گیا اور حج ادا کرنے سے پہلے مر گیا تو اس کے ذمہ سے حج ساقط ہوگیا، حج بدل کی وصیت کرنے کی ضرورت نہیں؛ لیکن اگر حج فرض ہو چکا، پھر سال دو سال بعد گیا تھا تو حج بدل کی وصیت واجب ہے، واصیت نہ کرے گا تو گنہگار رہوگا۔ (۱) (فتاویٰ رحیمیہ: ۸/)

فرض حج ادا کرنے سے پہلے انتقال ہوگیا تو وصیت کرے، یا نہیں:

سوال: حج فرض ہوگیا؛ مگر ادائیگی کا وقت نہ ملا اور انتقال کر گیا تو اس پر حج بدل کی وصیت کرنا ضروری ہے، یا نہیں؟

الجواب

حج ادا کرنے کا وقت ہی نہ ملا اور انتقال کر گیا تو اس کے ذمہ سے حج ساقط ہوگیا، لہٰذا حج بدل کی وصیت کرنا ضروری نہیں، یہ حکم ہے۔ اثنائے سفر میں مرنے والا کا اور اگر حج فرض ہونے کے سال دو سال بعد مر گیا تو حج بدل کی وصیت واجب ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۸/)

صحت کی امید کی صورت میں حج بدل درست نہیں ہوتا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری والدہ کی صحت کمزور ہے اور دل کی مریضہ ہے، اس کے حج کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: شاہ جہاں، تبوک، سعودی عرب، یکم ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ)

الجواب

اگر والدہ دل کی مریضہ ہے اور صحت کی امید نہ ہو اور خود حج نہیں کر سکتی اور اس پر حج فرض ہو چکا ہو تو اس کو حج بدل کروانا پڑے گا؛ کیوں کہ صحت کا ہونا حج کے لیے شرط ہے، اگر صحت کی امید ہو تو پھر حج بدل درست نہ ہوگا۔

لما فی شرح التنویر علیٰ هامش ردالمحتار (۲/۲۹۱): علیٰ حر مسلم مکلف صحیح البدن.
وفی الشامية تحت (قوله: صحيح البدن): فلا یجب علیٰ مقعد ومفلوج وشیخ کبیر. (۲) وهوالموفق

(فتاویٰ فریدیہ: ۴/۲۳۷)

مریض حج بدل کو بھیجے، پھر اچھا ہو جائے:

سوال: بیمار نے فرض حج دوسرے سے کرایا، پھر وہ تندرست ہوگیا تو اس کو حج کرنا ہوگا، یا نہیں؟

(۱) وإذا اجمعوا أنه لو تراخى كان أداء وإن اثم بموته قبله. قال في الشامية تحت (قوله: وان اثم بموته قبله) أي بالإجماع، كما في الريلعي، أما على قولهما فظاهر وما على قول محمد فإنه' وإن لم ياثم بالت خير عنه ولكن بشرط لا اداء قبل الموت فإذا مات قبله ظهر أنه أم قيل من السنة الأول وقيل من الأخيرة، الخ. (شامی، باب الحج عن الغير: ۲/۲۹۱)

(۲) الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۴۵۱، كتاب الحج

الجواب

ہاں، اس کو خود جانا پڑے گا۔(۱) (فتاویٰ رحیمیہ: ۸/)

تندرست اگر حج بدل کے لیے بھیجے تو کیا حکم ہے:

سوال: تندرست آدمی نے اپنا فرض حج دوسرے سے ادا کرایا، پھر دائم العذر ہو گیا، تا دم مرگ عذر مرتفع نہ ہوا تو مذکورہ حج معتبر ہے، یا نہیں؟

الجواب

معتبر نہیں؛ کیوں کہ صحت کے حالت میں جو حج بدل کرایا، وہ قابل اعتبار نہیں، عذر لگ جانے کے بعد اس کو حج بدل کرانا چاہیے تھا نہیں کرایا تو وصیت ضروری ہے، وصیت نہ کرے گا تو گنہگار رہو گا۔(۲) (فتاویٰ رحیمیہ: ۸/)

متعلق حج بدل:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کی نسبت از روئے شرع شریف کے: اگر کسی غنی متوفی کی طرف سے زید ایسے مفلس نے حج بدل ادا کیا، جس نے ابھی اپنا حج فرض ادا نہیں کیا ہے تو مرحوم کا حج ادا ہو جاتا ہے، یا نہیں؟ اور ایسے زید حج بدل کرنے والے کے ذمے سے بھی فرضیت حج عمر بھر کو ساقط ہو جاتی ہے، یا نہیں؟ اگر ایسے زید حج بدل کرنے والے سے عمر بھر کو فرضیت حج ساقط نہیں ہوتی تو اپنے تمام کام وآرام اہل وعیال وغیرہ چھوڑ کر حج کے سفر وغیرہ کی سخت جانکاہ تکالیف وصعوبتیں اٹھا کر حج بدل کو جانے سے کیا فائدہ ہے۔ پس اس لیے اگر حج بدل کرنے والا حج بدل کرانے ولے سے ضروری مصارف حج کے سوائے اپنے نقصانات معاش کا کچھ معاوضہ نقد وغیرہ بھی لے لے تو شرعاً جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

جس مفلس نے اپنا حج نہیں کیا ہے، وہ دوسرے کی طرف سے حج بدل کر سکتا ہے؛ لیکن افضل یہ ہے کہ ایسے شخص کو بھیجا جائے، جس نے اپنا حج فرض ادا کر لیا ہو، باقی اس مفلس کے ذمہ سے جس نے بدوں اپنا حج کئے دوسرے کا حج فرض بدلاً کیا ہے، عمر بھر کے لیے فرض حج ساقط نہیں ہوا؛ بلکہ اگر کسی وقت اس کے پاس مال زیادہ ہو گیا، جس میں حج بشرائط ہو سکے تو اس کو اپنی طرف سے دوبارہ حج کرنا فرض ہوگا؛ کیوں کہ حج بدل تو دوسرے کا تھا، اس کی طرف سے تھوڑا ہی تھا۔

(۱) (قوله: حتى تلازم الإعادة بروال العذر) أى العذر الذى يرجى زواله كالحس والمرض. (شامى، باب الحج عن الغيره: ۳۲۷/۲)

(۲) ومنها ان يكون المحجرن عنه عاجزاً عن الأداء بنفسه وله مالا فإن قادراً على الأداء بنفسه بأن كان جميع البدن وله مال أو كان فقيراً صحيح البدن لا يجوز حج غيره عنه، (الفتاوىٰ الهندية، الحج عن الغير: ۲۵۷/۱)

نعم: لو حج عن الغير تطوعاً يقع عن المأمور، قال القاري في مناسكه: وفي حج النفل يقع عن المأمور إتفاقاً أي باتفاق مشائخنا وللآمر ثواب النفقة كالنفل، آه.

قال الشامي: مقتضاه أن النفل يقع عن المأمور اتفاقاً وللآمر ثواب النفقة وبه صرح بعض الشراح ومشى عليه في اللباب ورده الإتقاني في غاية البيان بأنه خلاف الرواية لما قال: وفي الأصل يقع الحج عن المحج، آه. (۱)

رہا یہ کہ جب اس کے ذمہ سے حج فرض ساقط نہیں ہوتا تو اپنے کاروبار وآرام کو چھوڑ کر سفر حج کی صعوبت اٹھانے میں کیا فائدہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو اس کو بے فائدہ سمجھے، اس کو واقعی کچھ فائدہ نہ ہوگا، وہ ہرگز نہ جائے؛ بلکہ ایسے شخص کو بھیجنا چاہیے، جو ایک بار اپنا حج کر کے بیت اللہ اور بیت رسول اللہ کی زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی کر چکا ہو، وہ بتلائے گا کہ اس سفر کی صعوبت برداشت کرنے میں کیا فائدہ ہے، یہ تو نفع عاجل ہے، جس کا علم ایک بار حج کرنے والے کو دنیا ہی میں ہو جاتا ہے اور جو ثواب مرنے کے بعد سامنے آئے گا، اس کا علم قبر میں پہونچ کر ہو جائے گا اور دوسرے کی طرف سے حج کرنے کا ثواب بعض وجوہ سے اپنے حج کے ثواب سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔

رہا یہ کہ حج بدل کرنے والا حج بدل کرانے والے سے اپنے نقصان معاش کا معاوضہ لے تو جائز ہے، یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ معاوضہ لینا جائز نہیں؛ کیوں کہ اگر یہ معاوضہ نقصان معاش وکاروبار کا ہے تو نقصان کاروبار کوئی عین متقوم نہیں، جس کا معارضہ جائز ہو اور اگر یہ معاوضہ اپنی مشقت ومحنت کا ہے، جو سفر میں لاحق ہوگی تو اس صورت میں اجارہ ہو گیا اور حج بدل اجارہ کے ساتھ ناجائز ہے، بعض اقوال پر وہ حج ہی نہ ہوگا اور راجح یہ ہے کہ اجارہ فاسد ہے اور حج ہو جائے گا، البتہ اگر معاوضہ کے طور پر نہ ہو؛ بلکہ اپنی خوشی سے اجازت دے دے کہ میں تم کو یہ رقم حج کے لیے دیتا ہوں اور حج کے بعد جو بچے اس کے متعلق تم کو وکیل کرتا ہوں کہ یہ فاضل رقم اپنے کو میری طرف سے ہبہ کر لینا تو اس صورت میں وہ فاضل رقم اور سامان وثیاب ومتاع جو حج کے بعد باقی رہے، مامور اپنی ملک میں لاسکتا ہے، اسی طرح اگر کسی شخص کے ذمہ اہل وعیال کا نفقہ واجب ہے اور دوسرا شخص اس کو حج بدل میں بھیجنا چاہتا ہے اور یہ صاحب عیال یوں کہے کہ مدت حج کے لیے میں نفقہ عیال اس وقت نہیں دے سکتا، تم اگر مجھ ہی کو بھیجنا چاہتے ہو تو میرے اہل وعیال کا نفقہ بھی اس قدر ادا کر دو اور یہ گفتگو بطور معاوضہ اور معاملہ کے نہ ہو؛ بلکہ دوستانہ طور پر ہو اور اس کے بعد بھیجنے والا خوشی سے اس کے اہل وعیال کے نفقہ بھی ادا کر دے تو جائز ہے، بشرطیکہ حج بدل کرانے والا خود زندہ ہو اور اگر وصیت کر کے مر گیا ہے تو اس کے حج بدل میں نفقہ سفر حج متعارفہ سے زیادہ دینے کا اختیار ورثہ بالغین کو ہے، نابالغوں کے حصہ میں سے جائز نہیں، اگر ورثہ نابالغ بھی ہوں تو بقدر کفایت معروفہ حج تو ثلث الکل میں سے دیا جائے اور تبرع فاضل، یا نفقہ اہل وعیال کے لیے بالغین اپنے حصہ میں سے رقم دیں اور نفقہ اہل وعیال مامور میں یہ تفصیل ہے کہ نفقہ

(۱) رد المحتار، کتاب الحج: ۴/ ۲۰، انیس

معروفہ ضرور یہ پر بھی جانے والے دستیاب ہوں؛ یعنی ایسے مجرد لوگ بھی حج بدل کو تیار ہوں، جن کے ساتھ اہل وعیال کا خرچ لگا ہوا نہیں اور وہ صرف سفر حج کا خرچ لے کر جا سکتے ہیں اور اگر بجز صاحب عیال شخص کے اور کوئی معتبر با قاعدہ حج کو صحیح ادا کرنے والا نہ ملتا ہو تو اس صورت میں ثلث الکل سے بھی مامور کے اہل وعیال کا نفقہ دینا جائز ہے؛ بلکہ ورثہ پر لازم ہے کہ جب کہ مورث نے وصیت حج کی ہو، اگر ثلث الکل میں وسعت ہو۔

لأن نفقة الحج تختلف باختلاف الأشخاص، قال القاری فی شرح المناسک: ولا ینفق المامور من مال المیت علیٰ من یخدمه أی خدمة یقدر علیه بنفسه إلا إذا کان ممن لایخدم نفسه أی لکبره أو عظمته، آه. (ص: ۲۵۰)

قلت: فکذا یختلف الحکم لکون المأمور أعزب إذ صاحب العیال فیعطی الأول نفقة أقل من الثانی لاختلاف أحوالهما شرعاً وعرفاً ولایعطی صاحب العیال تلک الزیادة عوضاً عن شیء بل اعانة له فی أداء الواجب کما زیدت نفقة صاحب العظمة اعانة له فی حفظ حرمته واللّٰه أعلم ولعل هٰذا ظاهر غیر خفی والعبارة والمحررة ما فی کا فی الحاکم وله نفقة مثله و زاد أیضاحها فی المبسوط فقال وهٰذه النفقة لیس یستحقها بطریق العوض بل بطریق الکفایة، لأنه فرغ نفسه لعمل ینتفع به (الآمر) هٰذا. (شامی: ۳۹۲/۲)(۱)

قلت: فکان نفقة المأمور بالحج کنفقة القاضی والعامل ونفقة عیالهما تدخل فی نفقتهما حتماً فتقدر بما یسعهما وعیالهما فکذا ههنا اذا لم یوجد الأعزب وکانت الوصیة بالحج لا علی التعیین وأما لو عین الموصی وجلاً ذا عیال أن یحج عنه فلا شک فی دخول نفقة عیاله فی نفقة الحج وتؤخذ من ثلث الکل وفی الدر یشترط أهلیة المأمور لصحة الأفعال فجاز حج الضرورة (وهو) من لم یحج والمرأة ولو أمة والعبد وغیره کالمراهق وغیرهم أولیٰ لعدم الخلاف، آه.

قال الشامی: لایخفی أن التعلیل یفید أن الکراهة تنزیهیة. لأن مراعات الخلاف مستحبة، آه. (۳۹۴/۲)(۲)

وفیه أیضاً وعلیه رد ما فصل من النفقة وإن شرط له فالشرط باطل إلا أن یؤکله بهبة الفضل من نفسه أو یوصی المیت به لمعین، آه. (۴۰/۲)(۳) (امداد الاحکام: ۱۹۲/۳)

کیا حج بدل میں نام لینا ضروری ہے:

سوال: حجِ بدل میں لبیک پڑھتے وقت جس کی جانب سے حج بدل کیا جاتا ہے، اس کا نام بھی لبیک میں ملانا ضروری

(۱) رد المحتار، کتاب الحج: ۱۸/۴، انیس

(۲) رد المحتار، کتاب الحج: ۲۱/۴، انیس

(۳) الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الحج: ۳۴/۴-۳۵، انیس

ہے؟ اگر ضروری ہے تو اس کی کیا صورت ہوگی؟ پوری تفصیل سے لکھیں اور کس جگہ تلبیہ میں نام لیا جائے اور پورا تلبیہ لکھ کر بھیجیں؛ تا کہ حج بدل صحیح ہوجائے، عام طور پر لوگ جاتے ہیں اور اپنی ذاتی حج کی طرح نسبت وغیرہ کرتے ہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

کوئی ضروری نہیں ہے، دل میں یہ نیت کافی ہے کہ فلاں شخص کی طرف سے احرام باندھتا ہوں۔ اگر احرام کے وقت اس کی طرف سے احرام کی نیت نہیں کی اور اعمالِ حج شروع کر دیے تو حجِ بدل صحیح نہیں ہوگا۔ (۱) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۴۰۵-۴۰۶)

حج بدل میں نفقہ بذمہ آمر ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ والدہ نے اپنے لڑکے کو دیگر بھائیوں سے کچھ زیادہ رقم دی تھی، اب یہ لڑکا حج بدل کرنا چاہتا ہے، کیا والدہ کی طرف سے اس مال پر حج بدل کیا جائے گا، یا دیگر مال کی ضرورت ہوگی؟ بینوا توجروا۔ (المستفتی: مختار احمد غازی، ہری پور)

الجواب ـــــــــــــــــــ

حج بدل میں یہ ضروری ہے کہ خرچہ آمر کے مال سے کرنا ہوگا۔ (کمافی ردالمحتار: ۲/۳۲۸) (۲) **وھوالموفق** (فتاویٰ فریدیہ: ۴/۳۰۷)

حج بدل کی ایک صورت کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں حضرات علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص بزمانہ ناواقفی حج بدل کے لیے گیا اور میقات سے قبل اشہر حج کا احرام بہ نیت آمر باندھا، مکہ معظّمہ پہنچ کر عمرہ کر کے احرام کھول ڈالا، پھر موسم حج میں احرام باندھ کر حج ادا کیا، بعد کو معلوم ہوا کہ حج آمر کا ادا نہ ہوا، سال آئندہ تک وہاں اقامت کر کے اپنا حج ادا کر کے واپس ہوگیا اور تیسرے سال پھر اس نیت سے روپیہ فراہم کر کے حج آمر جو اپنے ذمہ باقی ہے، اس سے سبکدوشی ہوجاوے، اشہر حج مین عازم بیت اللہ ہوکر اور میقات سے بہ نیت آمر احرام باندھ کر باحتیاط تمام حج ادا کر دیا؛ لیکن جاتے وقت نہ آمر سے تذکرہ کیا، نہ اس سے اجازت لی۔ ہاں، ان لوگوں کو معلوم ہوگیا تھا کہ پہلا حج فاسد ہوگیا

---

(۱) وبشرط نية الحج عنه: أى عن الآمر فيقول: أحرمتُ عن فلان ولبيتُ عن فلان. ولو نسى اسمه فنوى عن الآمر، صح، وتكفى نية القلب. (الدر المختار)

وقال ابن عابدين: (قوله: ولو نسى اسمه) الخ ولو أحرم مبهما: أى بأن أحرم بحجة وأطلق النية عن ذكر المحجوج عنه، فله أن يعينه من نفسه أو غيره قبل الشروع فى الأفعال، كما فى اللباب وشرحه. (ردالمحتار، كتاب الحج عن الغير، مطلب فى الفرق بين العبادة والقربة والطاعة: ۲/۵۹۹، دار الفكر بيروت، انيس)

(۲) قال العلامة ابن عابدين: النفقة من مال الآمر اى المحجوج عنه ومحترزه قوله الآتى ولو انفق من مال نفسه، الخ. (ردالمحتار هامش الدر المختار: ۲/۲۵۹، قبيل مطلب شروط الحج عن الغير عشرون)

ہے،اسی کی قضا کے لیے دوبارہ جانے کا قصد ہے۔دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس صورت میں فریضہ آمر سے سبکدوشی ہوگئی، یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی تو سبکدوشی کی کیا صورت اختیار کی جاوے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

فی غنیة الناسک (ص: ۱۸۰) **فی فوات الحج عن المأمور فلو حج عن المیت بمال نفسه أجزأہ وبرأی من الضمان.**

پس اگر حج اول آمر کی طرف سے ادا نہ ہوا ہو تو حج ثالث اس کی جانب سے ادا ہوگیا اور اگر حج اول آمر کی طرف سے ادا ہونے نہ ہونے کی تحقیق مطلوب ہے تو یہ لکھا جاوے کہ میقات سے احرام حج کے بعد عمرہ کا احرام باندھا تھا، یا بدون احرام عمرہ محض افعال عمرہ کے حلال ہوگیا تھا اور یہ جو لکھا ہے کہ ان لوگوں کو معلوم ہوگیا تھا کہ پہلا حج فاسد ہوگیا ہے، الخ، اس میں فساد کیا مراد ہے، آیا یہی عمرہ کر لینا، یا اور کوئی بات مفسد حج پائی گئی تھی، صاف صاف لکھیں۔

احقر عبدالکریم عنہ، از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون، ۱۱ر جمادی الاخریٰ ۱۳۴۵ھ۔ (امداد الاحکام: ۱۹۹/۳)

حج بدل کا طریقہ:

سوال: ایک آدمی حج بدل کرنے جا رہا ہے، وہ کون سا حج کرے۔ حج تمتع کر سکتا ہے، یا نہیں؟ اگر تمتع نہ کر سکتا ہو تو حج بدل کرنے کا آسان طریقہ کیا ہے؟ دوسری کون سی چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے؟ اس میں خاص ارکان کیا کیا ہیں؟ وہ بتلائیں؟

الجواب

حج بدل کرنے والا ''افرادؔ'' کی نیت کرے، ''قران اور تمتع'' کی اجازت نہیں۔ ہاں، جس کی طرف سے حج کرے۔ اس نے ''قران'' (ایک ہی احرام سے حج وعمرہ کرنا)، یا ''تمتع''۔۔۔ (کہ پہلے عمرہ کا احرام باندھے عمرہ سے فارغ ہوکر حج کا احرام باندھے اور حج کرے) اجازت دی ہو تو اس کے مطابق عمل کر سکتا ہے، (مگر دم قران دم تمتع خود کے ذمہ ہے)۔ مختصر یہ کہ بلا اجازت کے قران وتمتع نہیں کر سکتا۔

یہ بھی خیال رہے کہ حج بدل جانے والا قیام وطعام اور سفر وغیرہ کے خرچ میں احتیاط کرے، جو کچھ اس کے پاس ہے، وہ امانت ہے، اس میں احتیاط ضروری ہے، غیر مناسب فضول خرچ نہ کرے، اجازت کے بغیر خیرات بھی نہ کرے، دم جنایت بھی اپنے ذمہ رکھے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۸/)

سفر حج سے عاجز ہونے کی صورت میں حج بدل کرانے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے اوپر حج بیت اللہ شریف فرض ہے اور اس کی صحت اس قدر خراب ہے کہ اس کو اپنی حیات کی بھی امید نہیں ہے اور اس کے وارثوں میں سے ایک لڑکا ہے، جو آوارہ ہے اور

اس سے یہ امید نہیں ہے کہ وہ اپنے باپ کی وفات کے بعد حسب وصیت باپ کے اس فرض کو باپ کی طرف سے ادا کرے، ایسی حالت میں حکم شریعت کا ہو، اس سے بہت جلد مطلع فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے گا۔ فقط

الجواب

جب ایسی تکلیف ہو کہ سفر حج سے بالکل عاجز ہو جاوے تو حج بدل کے لیے کسی کو اپنی زندگی میں بھیج دینا جائز ہے، پھر اگر اس عجز ہی کی حالت میں انتقال ہو جائے، تب تو یہ حج کافی ہو جاوے گا اور اگر یہ عجز زائل ہو جاوے تو حج ذمہ رہے گا۔(۱)

كما في العالمغيرية (١٦٦/١): ومنها استدامة العجز من وقت الاحجاج إلٰى وقت الموت، هٰكذا في البدائع، حتّٰى لوأحج عن نفسه وهو مريض يكون مراعى فإن مات أجزأه وإن تعافى بطل وكذا لوأحج عن نفسه وهو محبوس، كذا في التبيين.(٢)

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ، از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون، ۲۱/ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ۔ الجواب صحیح: ظفر احمد عفا عنہ۔ (امدادالاحکام: ۱۹۸/۳)

زندگی میں حج بدل:

سوال: حج فرض ہو، بجائے خود کسی دوسرے سے کس حالت میں ادا کر سکتا ہے؟

الجواب

جب خود نہ جا سکے، بسبب زیادہ بڑھاپے کے کہ سفر نہ کر سکے، یا بسبب مرض کے تو دوسرے سے حج کرا سکتا ہے؛ لیکن مرض کی صورت میں اگر پھر تندرست ہو گیا اور وہ مرض الزوال تھا، دوبارہ خود حج کرنا ہوگا۔(۳)

فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵۶۹/۶)

اپنی زندگی میں حج بدل کرائے، یا نہیں:

سوال: بیماری، یا کمزوری کی بنا پر اپنی حیات میں حج بدل کرائے تو معتبر ہے، یا نہیں؟ یا مرنے کے بعد دوبارہ حج بدل کرانا ضروری ہے؟

(۱) اور اگر حج بدل کی وصیت کرنے میں لڑکے پر اطمنان نہیں کہ وہ پورا کر دے گا تو اس کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ کسی دوسرے معتمد کو حج بدل کے لیے وصیت کر دے اور اس کو روپیہ خود سپرد کر دے۔

(۲) **الفتاویٰ الهندية، كتاب الصوم: ٢٨٣/٣، دارالكتب العلمية بيروت، انيس**

(۳) **كذا في الدرالمختار)(كحج الفرض (تقبل النيابة عند العجز فقط) لكن (بشرط دوام العجز إلى الموت) لأنه فرض العمر حتّٰى تلزم الاعادة بزوال العذر.(الدرالمختار)**

أي العذر الذي يرجى زواله كالحبس المرض بخلاف نحو العمى فلا إعادة لزوال علٰى ما يأتي.(ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة ... : ١٤/٤-١٥، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ

معتبر ہے؛لیکن اگراس کا عذر جاتا رہا تو اس کو حج خود کرنا ہوگا۔

كما قال في الدر المختار: حتى تلزمه الإعادة بزوال العذر. (۱) (فتاویٰ رحیمیہ:۸/)

حج بدل میں کس کی طرف سے حج کی نیت کرے:

سوال (۱) زید حج بدل کرنا چاہتا ہے تو حج بدل کے احرام میں نیت اس شخص کی طرف سے کرے، جس کی طرف سے حج کر نے جارہا ہے، یا اپنی طرف سے کرے اور اس کا ثواب بخشے؟

حج بدل کرنے والا قارن جنایت کس طرح ادا کرے:

(۲) حج بدل کرنے والا جب قران کا احرام باندھے گا تو اگر اسے جنایت ہو جائے تو یہ ایک قربانی کرے گا، یا ہر جنایت پر دو قربانی کرے گا؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

(۱) جس کی طرف سے حج کرنے جارہا ہے، اس کی طرف سے حج کی نیت کرنا ضروری ہے۔ (کمافی الشامی)

(۲) اگر مجوج عنہ نے حج افراد کے لیے مامور کیا ہے تو حج قران کا احرام غیر آمر کی جانب سے باندھنے میں ضامن ہوجائے گا؛ اس لیے کہ:

كما في الغنية: إذا أمره غيره بإفراد بحجة أو عمرة فقرن فهو مخالف ضامن في قول أبي حنيفة وقال أبو يوسف ومحمد يجزى عن الآمر استحساناً وهٰذا الخلاف فيما إذا قرن عن الآمر أما لو نوىٰ بأحدهما عن شخص آخر أو عن نفسه فهو مخالف ضامن بلا خلاف. (۲)

مشورہ میں آپ نے چند جزئیات دریافت کئے ہیں، حج بدل کرنے میں ان سے، یا اسی طرح اور استفتا کے محض مسائل معلوم کرنے سے آپ کا کام نہیں چلے گا، حج بدل کرنے والا تمام امور میں اپنے آمر کی ہدایت کا پابند ہوگا، حتی کہ اگر حج قران کے لیے نہیں کہا ہے اور قران کرلیا ہے، جب بھی ضامن ہوگا۔ (کمامر مفصلاً) اسی طرح حج افراد میں اس نے میقات سے فقط عمرہ کا احرام باندھ لیا ہے کہ بعد عمرہ حلال ہوکر کچھ دن مثلاً رمضان میں مکہ مکرمہ رہ کر پھر مکہ مکرمہ سے حج کا احرام باندھے لے گا تو بھی غلط کیا ہے۔ (کمامر)

غرض حج بدل کے بہت سارے مسائل ہیں، آپ چند جزئیات کا استفتاء کر کے کہاں تک کام چلا سکتے ہیں، اس طرح آپ کا کام نہیں چل سکتا ہے۔ اگر آپ صحیح طور پر ارکان حج بدل ادا کرنا چاہتے ہیں تو معلم الحجاج مصنفہ مفتی سہارنپوریؒ، یا اس کے

---

(۱) رد المحتار: ۳۲۷/۲، ۷۲۳، باب الحج عن الغير

(۲) الهداية، كتاب الحج: ٤٦٢/١

متبادل کوئی معتبر کتاب جس میں مسائل حج معتد بہ درجہ میں درج ہوں خرید کر بار بار مطالعہ کر لیجئے اور مستحضر کر لیجئے، جب کام چلے گا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیو بند سہارنپور، ۱۳۸۵/۷/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: محمود عفی عنہ۔ سید احمد علی سعید عفی عنہ۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۲/ ۶۱-۶۲)

حج بدل اور ضمان مامور کی ایک صورت کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید غریب نے ایک امیر حاجی حج بیت اللہ شریف کے جانے والے کو مبلغ (رقم) دیے اور یہ کہ مکہ معظّمہ پہونچ کر میری والدہ کی طرف سے کسی سے حج کرا دینا۔ مکہ معظّمہ پہونچ کر یہ حوادث پیش آئے کہ آٹھویں کی شام تک مکہ سے عرفات جانے والے کو سواری نہ مل سکی، جو شخص حج کرنے کو راضی تھا، وہ بلا سواری حج کو نہ گیا اور یہ امیر اور اس کے ہمراہی حج کو چلے گئے اور عرفات وغیرہ میں ارکان حج ادا کر کے مدینہ ہو کر اپنے وطن میں آ گئے؛ لیکن یہ امیر حاجی مکہ معظّمہ ہی سے دوستوں کے مرض میں مبتلا ہوا اور گھر آ کر دو مہینہ تک سخت بیمار رہ کر انتقال کر گیا، بہت کچھ نقد اور جائداد چھوڑ مرا۔ اس اثناء مرض میں زید غریب کو دو مرتبہ حاجی امیر سے ملنے کا اتفاق ہوا؛ لیکن امیر حاجی کی سخت علالت کی وجہ سے زید غریب نے دریافت کیا کہ میری والدہ کی طرف سے حج کرایا، یا نہیں؟ اور نہ خود امیر حاجی نے بیان کیا کہ حج کرا دیا، یا نہیں؟ حتیٰ کہ امیر حاجی کا انتقال ہو گیا؛ تب غریب زید نے امیر حاجی کے ورثا سے اپنے روپیہ دیے ہوئے طلب کئے؛ کیوں کہ امیر حاجی اور ہمراہی حاجیوں سے معلوم ہوا کہ امسال تیس پینتیس روپیہ سے کم میں مکہ والوں میں سے کوئی حج بدل نہیں کر سکا، مصارف مزید تھے تو اگر امیر حاجی غریب زید کی والدہ کی طرف سے حج کراتا تو غریب زید سے ضرور اپنا مطالبہ زید وصول کرتا، یا اپنے ورثا سے کہہ مرتا کہ فلاں زید غریب سے اتنا روپیہ لے لینا، سواب امیر حاجی کے وارث زید غریب کو اس کے مبلغ ۱۴/روپے ہوئے واپس نہیں دیتے۔ سواب سوال یہ ہے کہ شرعاً امیر حاجی مرحوم کے ورثا پر امیر حاجی کے متروکہ میں سے غریب زید کو اس کے لیے ۱۴/ دئے ہوئے واجب ہے، یا نہیں؟ فقط

الجواب

زید غریب کو امیر حاجی کے ورثا سے اس رقم کے طلب کرنے کا حق نہیں؛ کیوں کہ اس کے پاس اس کی کیا دلیل ہے کہ امیر حاجی نے اس کی والدہ کی طرف سے حج نہیں کرایا اور جتنی باتیں سوال میں مندرج ہیں، یہ صرف قرائن واحتمالات ہیں، ان سے ثبوت نہیں ہو سکتا اور اگر امیر حاجی مرحوم کے ہمراہی اس وقت گواہی دیں تو ان کی گواہی لغو ہے؛ کیوں کہ مدعی علیہ مر چکا ہے۔ دوسرے یہ گواہی نفی پر ہو گی اور شہادت علی النفی قبول نہیں، علاوہ ازیں یہ بھی تو احتمال ہے کہ امیر حاجی نے کسی شخص کو حج بدل کے واسطے وہ رقم دی ہو اور اس نے نہ حج کیا ہو، نہ رقم واپس دی ہو۔ یہ بھی احتمال

ہے کہ امیر حاجی نے وہ رقم مکہ میں کسی دیندار معتبر آدمی کو دے دی ہو کہ سال آئندہ اس سے حج بدل کرا دینا۔غرض اس معاملہ میں زید غریب کے پاس اس امر کی کوئی دلیل نہیں کہ اس کی رقم امیر حاجی کے ذمہ قرض ہوگئی؛ کیوں کہ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ امانت کہیں ضائع ہوگئی ہو اور امین کے اوپر ضیاع امانت کا ضمان نہیں ہوتا، البتہ اگر امیر حاجی کے ورثہ کے دل کو یہ بات لگ جائے کہ زید غریب کی رقم حاجی امیر مرحوم ہی کے پاس رہی ہوگی تو بہتر یہ ہے کہ یہ لوگ زید کی رقم ادا کر کے اپنے مورث کا ذمہ احتمال سے بھی بری کر دیں؛ مگر ایسا کرنا واجب نہیں؛ اسی لیے اگر ورثہ ایسا کریں تو صرف بالغ ورثا اپنے اپنے حصوں میں سے یہ رقم ادا کریں، نابالغوں کے حصوں میں سے ادا نہ کریں۔ فقط واللہ اعلم

رمضان ۱۳۴۶ھ (امداد الاحکام: ۱۹۷/۳)

معذور کے حج بدل کرانے کی ایک صورت کا حکم:

سوال: جناب محمد سلیم اللہ خان صاحب، رئیس بوڑہ گاؤں، ضلع علی گڑھ عرصہ سے مشتاق زیارت حرمین شریف ہیں اور اس وقت جناب خان صاحب موصوف کی عمر تقریباً ۷۰/سال کی ہے، علاوہ ضعفؒ و پیری چند امراض جسمانی میں مبتلا ہیں، جن کی وجہ سے چلنے پھرنے اور سفر سے معذور ہیں، خصوصاً مرض فتق کی بھی تکلیف ہے، اکثر کم وبیش پندرہ بیس روز بعد دورہ نزول آنت کا ہوجاتا ہے، ایسی حالت میں ایک قدم چلنا بھی دشوار ہو جاتا ہے، لہٰذا صورت مجبوری اور حالت معذوری میں اگر خان صاحب موصوف کسی ایسے شخص کو جس نے پہلے حج کر لیا ہے، جملہ روپیہ خرچ آمد ورفت خوراک وغیرہ دے کر اپنا حج بدل کرا دیویں تو شرعاً ادائیگی حج فرض ہوسکتی ہے، یا نہیں؟ اور اگر ہوسکتی ہے تو حاجی صاحب کی اور کن کن شرائط سے مشروط ہونے کی ضرورت ہے؟ براہ کرم مسئلہ اصول فقہ سے مطلع فرما کر ممنون ومشکور فرماویں۔

الجواب

بیشک صورت مسئولہ میں رئیس صاحب کو اگر خود حج کے لیے جانا دشوار ہے تو ان کو اس حالت میں جائز ہے کہ اپنی طرف سے حج بدل کرا دیں؛ لیکن اس کو دیکھ لیا جاوے کہ وہ اس پٹی کا استعمال کے ساتھ آنت اترنے کی تکلیف زیادہ نہیں ہوتی اور جب اترے فوراً اس کو چڑھا کر کام ہوسکتا ہے، اگر اس کے بعد بھی تکلیف کم نہ ہوتی ہو اور سفر دشوار ہی ہو تو حج بدل کو کرا دینا جائز ہے، پھر اگر یہ عذر جو اس وقت ہے عمر بھر رہا، جب تو یہ حج بدل عمر بھر معتبر رہے گا اور اگر کسی وقت عذر موجود زائل ہوگیا تو ان کو حج فرض دوبارہ خود ادا کرنا ہوگا۔

ويصير البدل نفلاً، قال في الدر: وهٰذا أي اشتراط دوام العجز إلى الموت إذا كان العجز كالحبس والمرض يرجى زواله يمكن وإن لم يكن كذا لك كالعمى والزمانة سقط الفرض بحج الغير عنه فلا إعادة مطلقاً سواء استمر به العذر أم لا، آه. (۳۸۹/۲)(۱)

(۱) الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، كتاب الحج: ۵۱/٤، انیس

قلت:ونزول المعاليس كالزمانة بل المشاهد قدرة المبتلى به على السفرقصيرة وطويلة بعد شده الحزام الذى قد أوجد له.والله أعلم

۱۸؍رمضان ۱۳۴۶ھ (امدادالاحکام:۳/۱۹۹۶)

ماموراپنی جائے قیام سے حج کرےتوحج آمرکاصحیح ہوجائے گا،یانہیں:

سوال: حج بدل میں اگرماموربجائے وطن آمرکےاپنی جائے قیام سےخواہ اقرب خواہ ابعداپنی رضاسےحج کرناچاہے،وشرع شریف کی روسے آمرکے ذمہ سے حج فرض ساقط ہوگا،یانہیں؟ اور ہردونوں (اقرب اورابعد) صورتوں میں کس جگہ سےنفقہ کامستحق ہوگا؟

الجواب

صورت مسئولہ میں اگرثلث مال اگرمیت میں بلدآمرمیت سے حج کرنے کی گنجائش تھی اورپھروہاں سےنہیں کیا گیاتویہ حج آمرکی طرف سےصحیح نہیں ہوا؛ بلکہ ماموركاحج ہوااوروہ نفقہ کاضامن ہوگا؛یعنی کل نفقہ کا،البتہ اگروہ جگہ جہاں سے مامورگیاہے،وطن آمرسےاتنی قریب ہوکہ دن میں چل کررات کووطن آمرمیں سیروسط کےساتھ پہونچ سکیں توضمان نہیں ہوگا،(۱) اورحج بھی آمرکی طرف سے ہوجائے گا،یامحجوج عنہ زندہ ہواوراس نے غیروطن سے حج بدل کی اجازت دےدی ہو،یامیت ہواورغیروطن سے حج کرنے کی وصیت کرگیاہو،تب بھی حج آمراورمیت کی طرف سےصحیح ہوجائےگااورمامورپرنفقہ کاضمان نہ ہوگا۔

قال فى اللباب:الثامن:أن يحج عنه من وطن إن اتسع الثلث أى ثلث مال الميت وإن لم يتسع يحج عنه من حيث يبلغ أى استحساناً إلٰى أن قال: إذا وجب الحج من بلده فأحج الوصى من غير بلده يضمن: أى ويكون الحج له ويحج من بلده فأحج الوصى من غير بلده يضمن: أى ويكون الحج له ويحج عن الميت ثانياً لأنه خالف لأن يكون ذلک المكان الذى أحج عنه قريباً منه: أى من وطنه بحيث يبلغ إليه ويرجع إلى الوطن قبل الليلأاى فحينئذٍ لايكون مخالفاً ولا ضامنا،آه.

وفيه أيضاً ولوأوصى من لا وطن أن يحج عنه من غى بلده يحج عنه كما أوصٰى أى علٰى وقت ما أوصٰى به قريباً لک الموصى به من مكة أوبعد،آه. (ص:۲۰۱)

(۱) اوراگرآمراپنےوطن میں نہیں مرا؛ بلکہ کسی دوسری جگہ مراہے،جب بھی ماموراس کےوطن ہی سے حج کرے۔

قال فى الغنية:سواء مات فيه أى فى وطنه أومات فى سفرالتجارة ونحو ها لأن الواجب عليه الحج من البلد الذى يسكنه إلٰى أن قال ولو أوصٰى خراسانى بمكة أومكى بالرى وأطلقا يحج عنهما من وطنهما،آه.(ص: ۱۷۷)

وفيه أيضاً:قال الشارح:أول هٰذا إذا كانا غنين فى بلا د هما وما إذا صارالمكى غنيا بالرى و الخراسانى بمكة وأوصيا فينبغى أن يحج عنهما من موضع فرض الحج عليهما اه قلت وهاشا والله هوالفقه بعينه فللّٰه رد العلماء حنيفة ما أعمق نظرهم فى دقائق الشريعة.

قلت: وكذا الحى إذا أذن للمامورأن يحج عنه من غير وطنه فلا فرق في الحى والميت فى ذلك حتىٰ يكون لأحدهما إسقاط هٰذا الشرط وتغيره ولايكون للآخر. والله أعلم

قال فى اللباب: العاشرأن يحرم من الميقات أى من ميقات الآمر يشمل المكى وغيره قال الشارح: وفيه أنه إن أراد بالميقات المواقيت الآفاقية ففى اطلاقه نظرظاهرإذ تقدم أن المكى إذا أوصىٰ بالرى أن يحج عنه من مكة وكذا سبق إن من أوصىٰ أن يحج عنه من غيربلده يحج كما أوصىٰ قرب من مكة أوبعد وأيضاً فيه إشكال آخرحيث أن الميقات من أصله ليس شرطاً لمطلق الحج وأصالته بل أنه من واجباته فكيف يكن شرطاً وقت نيابته فإن وجد نقل صريح ودليل صحيح فالأمرمسلم وإلا فلا،آه. (ص: ٢٥٢)

قلت: والذى ظهر لى إن شرط الميقات يسقط بإذن الآمر والميت ولا يسقط إذا أطلق الأمر بالحج لأنه لا يريد إلا أن يحج المأموركما يحج الآمرلووقوع عنه والاٰفاقى إنما يحج عن الميقات فيشرط ينائب مراعاته وإلا يكو مخالفاً. (۱) والله أعلم

۲۸ رمضان ۱۳۴۴ھ (امدادالاحکام: ۱۹۴/۳)

اجنبی کے مال سے بغیر وصیت واذن ورثہ حج بدل کی ایک صورت کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنا حج فرض ادا کرنے کو کعبہ شریف روانہ ہوکر راستہ میں قبل میقات انتقال کرگیا اور دوسرے نے اپنے رفیقوں میں سے اس کی نیت سے اس کا حج فرض کیا؛ مگر میت نے وصیت نہیں کی تھی، اس کا روپیہ بقایا بھی اس نے باقی راستہ میں خرچ کیا، اب میت کے وارث اس سے روپیہ کا مطالبہ کرتے ہیں تو اس صورت مذکورہ پر میت کا حج فرض ادا ہوگیا، یانہیں؟ اور میت کے وارث روپیہ مانگنے کے مستحق ہیں، یانہیں؟ اگر اس میں میت سے حج فرض ادا ہوگیا، جیسا کہ عبارت کتب سے معلوم ہوتا ہے تو پھر وارث میت اس سے روپیہ واپس لینے کے حقدار کیوں کر ہوسکتے ہیں؟ اس کی وجہ اچھی طرح سے تحریر کرنے کی ضرورت ہے، تسلی ضرورت ضرور فرماویں۔

زبدۃ المناسک، باب الحج عن الغیر، صفحہ: ۱۶۷ میں لکھتے ہیں:

دوسری پس اگر کوئی زندہ کی طرف سے بدون آمر کے حج کردیوے گا تو فرض زندہ کا ساقط نہ ہوگا اور مردہ بھی اگر وصیت کرکے مرا ہے تو بغیر امر وارث کے حج مردہ کا ادا نہیں ہوسکتا؛ مگر جو مردہ بدون وصیت حج کے مرگیا تو اگر کسی نے وارث ہو، یا اجنبی تبرعاً اس کا حج فرض ادا کردیا تو حج فرض مردہ کا ادا ہوجائے گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

اور شامی، باب الحج عن الغیر، صفحہ: ۲۵۹: ''فإن لم يوص وتبرع عنه الوارث'' یہ سب اس کو شامل ہے، یا

(۱)　دیکھئے: رد المحتار، كتاب الحج: ١٧/٤، انیس

نہیں؟ اگر شامل نہیں وجہ کیا ہے؟ بالتفصیل تحریر کیجئے اور یہ روایت قابل حجت ہے، یا ضعیف مکین؟ فقط

(۲۷ر ربیع الاول ۱۳۴۳ھ)

الجواب

جب میت نے وصیت نہیں کی تھی تو اس کا متروکہ سب ملک ورثہ ہے، میت کا اس میں کچھ حق نہیں رہا، میت کا حق ثلث ترکہ میں بھی وصیت سے ہوتا ہے، بدون وصیت کے نہیں ہوتا۔ پس جب رفیق نے میت کی طرف سے حج کرنے میں یہ رقم صرف کی ہے، اس نے ورثہ کا مال مملوک بدون ان کے اذن کے صرف کیا ہے، لہٰذا اس حج بدل کرنے والے کے ذمہ اس رقم کا ضمان واجب ہے، وہ یہ رقم ورثہ کو ادا کرے اور جس عبارت سے سائل نے احتجاج کیا ہے، اس میں تو خود لکھا ہے کہ اگر مردہ وصیت کرتا ہے تو بدون امر وارث کے حج مردہ کا ادا نہیں ہوسکتا، الخ۔ پس رفیق کا حج مال میت سے بدون امر وارث، یا اذن وارث کے صحیح نہیں ہوسکتا۔

اور اجنبی کے جس کو بدون وصیت کے بھی میت کی طرف سے درست مانا گیا ہے، وہ ہے جو اجنبی نے تبرعاً کیا ہو، چناں چہ عبارت زبدہ میں تبرعاً کی قید مصرح (صریح) ہے اور اس میں بھی یہ جزم ویقین نہیں کہ میت کی طرف سے حج ہو بھی جائے گا؛ بلکہ امید کا لفظ ہے۔ بہر حال صورت مسئولہ میں چوں کہ اس رفیق نے میت کی طرف سے تبرعاً حج نہیں کیا؛ بلکہ ورثہ کے مال میں حج کیا ہے اور ورثہ کے بدون اجازت کیا ہے؛ اس لیے یہ حج میت کی طرف نہیں ہوا؛ بلکہ خود اس رفیق ہی کا حج ہوا، اس پر ورثہ کو ضمان دینا واجب ولازم ہے۔ فقط

۲۲ر ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ (امداد الاحکام: ۱۹۰/۳)

حج بدل میں اگر مامور کے پاس خرچ نہ رہے اور وہ قرض لے کر خرچ کرے تو کیا حکم ہے:

سوال: ایک عرض بندہ کی یہ ہے کہ حج بدل کرنے والے پر اگر خرچ نہ رہے اور اپنے پاس سے، یا کسی سے قرض لے کر چلا آوے اور قرض اپنے ذمہ لیوے، یا کوئی اپنا ملنے والا دے دے تو کچھ حرج تو نہیں؛ یعنی حج میں کچھ نقص نہیں ہوا، اس کا جواب بھی عنایت ہو؟ فقط

الجواب

حج بدل کے مسئلہ میں جب حج بدل کرنے والے کے پاس خرچ نہ رہے اور وہ اپنے پاس سے، یا کسی سے قرض لے کر چلا آوے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ سفر حج میں زیادہ خرچ آمر کے مال سے ہوا ہے، یا حج بدل کرنے والے کی رقم سے صورت اول میں تو حج بدل صحیح ہوگیا اور دوسری صورت میں صحیح نہیں ہوا؛ بلکہ وہ حج خود کرنے والے کی طرف سے ہوگیا اور یہ اس صورت میں ہے جب کہ آمر (یعنی بھیجنے والے) نے اس کو اپنے پاس سے، یا قرض کر کے خرچ کرنے کی اجازت نہ دی ہو اور اگر اجازت دے دی ہو کہ خرچ کم ہوجائے تو تم اپنے پاس سے، یا قرض لے کر خرچ کر لینا تو ہم تم کو دے دیں

گے، پھر ہر حالت میں حج بدل درست ہے، خواہ آمر کی دی ہوئی رقم کم ہو، یا زیادہ ہو۔

قال نفسه: فإن كان أكثر النفقة من مال الميت فهو جائز وإلا فهو ضامن وفي الكرماني إن انتقص المال عن نفقة الطريق فاستدان أو انفق من مال نفسه إن كان معظم النفقة فهو جائز وإلا فهو ضامن، آه. (ص: ۲۵۰)(۱)

قلت: والصورة الثانية ظاهرة فإن جميع من مال نفسه أو بالاستدانة بالأذن فهو من مال الآمر حكماً والله أعلم

۷/رجب ۱۳۴۲ھ (امداد الاحکام: ۱۸۹/۳)

بغیر وصیت کے حج بدل کرنا بہتر ہے، یا نفلی حج کر کے ثواب پہنچانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایسے مرحوم رشتہ دار کی طرف سے جس نے وصیت نہیں کی ہے، حج بدل کر کے ایصال ثواب کرنا زیادہ بہتر ہے، یا اپنا نفلی حج کر کے اس کا ثواب بخشنے میں زیادہ ثواب ہے؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ، الجواب ـــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

اگر مرحوم رشتہ دار پر حج فرض ہو چکا تھا؛ لیکن وہ ادا کرنے سے پہلے وفات پا گیا تو اس کی طرف سے حج بدل کرنا افضل ہے اور اگر میت پر حج فرض نہ تھا، اس کی طرف سے حج بدل کرنا؛ یا نفلی حج کر کے اسے ثواب پہنچانا دونوں برابر ہے۔

كما إذا كان ميتا وعليه حج الفرض ولم يوص به، أو أوصىٰ به ولا مال له، فإنه لو تبرع عنه الوارث، وكذا الأجنبي، فحج عنه، أو أحج قال أبو حنيفة: يجزيه إن شاء الله تعالىٰ عن حجة الإسلام. (غنية، ص: ۳۲۲، إدارة القرآن كراتشي)

وإن لم يوص به حتىٰ مات أثم بتفويته الفرض عن وقته إمكان الإداء في الجملة فأثم؛ لكن يسقط عنه في أحكام الدنيا عندنا، حتىٰ لا يلزم الوارث الحج من تركه؛ لأنه عبادة، والعبادات تسقط بموت من عليه، سواء كانت بدنية أو مالية في حق أحكام الدنيا عندنا. (بدائع الصنائع، البحر العميق: ۲۳۴۸/٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۷/۶/۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۵۸۲/۷)

ایک سے زائد لوگوں کو نفل حج کا ثواب پہنچانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اگر حج بدل کیا جائے تو اس کا ثواب کئی لوگوں کے لیے پہنچا سکتے ہیں؟ یا پھر ایک کو؟

---

(۱) دیکھئے: رد المحتار، کتاب الحج: ۲۰/۳، ۱۹، ط، ریاض

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ______ وبالله التوفيق

حج نفل کر کے اس کا ثواب ایک، یا متعدد حضرات کو پہنچایا جا سکتا ہے اور نفلی حج بدل کا حکم بھی حج نفل ہی کی طرح ہے۔ (انوار مناسک:۵۴۹)

عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من حج عن ميت فللذى حج عنه، مثل أجره ومن فطر صائماً فله مثل أجره، ومن دل علىٰ خير فله مثله أجر فاعله. (المعجم الأوسط: ٢٣١/٤، رقم: ٥٨١٨)

بخلاف ما لو أهل بحج من أبويه أو غيرهما من الأ جانب حال كونه تبرعاً فعين بعد ذلك جاز؛ لأنه تبرع بالثواب، فله جعله لأ حدهما أولهما. (الدر المختار) **وإن أحرم عنهما بغير أمر هما صح جعله لأحدهما أو لكل منهما.** (شامي: ٢٨/٤، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۸/۱۰/۲۱ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۵۸۲/۷)

حج بدل کرانے والے، کرنے والے اور جس کی طرف سے کر رہا ہے کس کو زیادہ ثواب ملے گا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ نیز حج بدل میں حج بدل کرانے والے حج بدل کرنے والے اور جس کی طرف سے حج بدل کیا ہے، ان تینوں کو برابر ایک ایک حج کا ثواب ملتا ہے، یا کمی زیادتی کے ساتھ؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ______ وبالله التوفيق

حج بدل کرنے والے اور کرانے والے، نیز جس کی طرف سے حج بدل کیا جا رہا ہے، ان کو اپنے عمل کے اعتبار سے کم وزیادہ ثواب ملے گا، میت کی طرف سے وارث، یا اجنبی شخص حج کرتا ہے تو حج میت کی طرف سے ادا ہوگا، اگر کوئی شخص بذات خود اپنے ہی مال سے کسی عزیز، یا دیگر شخص کی طرف سے حج بدل کرتا ہے تو حج کرنے والے کو سات حجوں کا ثواب ملے گا اور جو شخص کسی دوسرے کے حکم سے میت کی طرف سے حج بدل کرے گا تو اس حج کرنے والے کو اپنے عمل حج کا ثواب ملے گا اور حج کے بعد زائد عمرے، یا طواف کرے گا تو وہ خود اسی کے ہوں گے۔ (جواہر الفقہ: ۵۰۶/۱، ایضاح المناسک: ۱۷۴)

كما إذا كان ميتاً وعليه حج الفرض ولم يوص به، أو وصیٰ به ولا مال، فإنه لو تبرع عنه الوارث، وكذا الأ جنبي فحج عنه، أو حج قال أبو حنيفة: يجزيه إن شاء الله تعالیٰ عنه حجة الإسلام. (غنية: ٣٢٢، إدارة القرآن كراتشي)

وعن ابن عباس رضي الله عنه مرفوعاً من حج عن أبيه أو أمه فقد قضاحجته، وكان له فضل عشر حجج. (سنن الدار قطني، رقم: ٢٥٨٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۷/۶/۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۵۸۳/۷)

اجرت لے کر حج بدل کرنا:

سوال: میں نے ایک کتاب میں پڑھا کہ ''اجرت پر حج کرانا کسی بھی حالت میں جائز نہیں''۔اس سے واضح ہے کہ اجرت پر حج بدل نہ کرائے۔اب سوال یہ ہے کہ فری میں حرمین شریفین تک جانے کی تکلیف کوئی کیوں کر برداشت کرے گا؟　(محمد اقبال عالم صدیقی، بیدر)

الجواب

یہ صحیح ہے کہ اجرت پر حج کرانا درست نہیں؛ کیوں کہ حج ایک عبادت ہے،جس میں اللہ کی رضا اور خوشنودی مطلوب ہے،اجرت کی وجہ سے جو کام کیا جائے، وہ اللہ تعالیٰ کے لیے خالص باقی نہیں رہا؛ اس لیے یہ صحیح ہے کہ نہ حج کرنے پر اجرت لینا جائز ہے اور نہ اجرت پر حج کرانا درست ہے،البتہ جس شخص سے حج بدل کرایا جائے،اس کے سفر کے اخراجات اور سفر سے واپسی تک اگر ضرورت مند ہو تو اس کے اہل خاندان کی ضروریات حج بدل کرانے والے پر ہے؛ تاہم مجھے آپ کے اس سوال پر حیرت ہے کہ اگر اجرت نہ ملے تو کون مفت میں حرم شریف تک جانے کو تیار ہوگا؟ میرا خیال ہے کہ آپ جس شہر میں رہتے ہیں،اسی میں ہزاروں ایسے مسلمان مل جائیں گے کہ اگر ان کو حج بدل کے طور پر حرمین شریفین جانے کا موقع دیا جائے تو سر کے بل جانے کو تیار ہوں گے کہ اس سے بڑھ کر سعادت وشرف کی کیا بات ہوگی؟

(کتاب الفتاویٰ:۴/۶۴)

حج بدل پر اجرت لینا:

سوال: کیا حج بدل میں جانے والا اپنے گھر کا خرچ اور ان ایام میں اس کی تجارت، یا تنخواہ میں جو نقصان ہوا ہے،اس کو حج بدل کرانے والے سے لے سکتا ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق

صورت مسئولہ میں گھر کا خرچ، یا تجارت وتنخواہ کے نقصان کی تلافی کے لیے اس سے کوئی رقم لینا جائز نہیں ہے،اس سے احتراز لازم ہے؛اس لیے کہ حج بدل پر اجرت لینا اور دینا جائز نہیں ہے۔

منها عدم اشتراط الأجرة فلو استأجر رجلاً بأن قال استأجرتک علیٰ أن تحج عنی بکذا لم یجز حجه عنه. (الدر المختار: ۱/۱۸۱)(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۱۸/۱۲/۱۴۱۲ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۳/۲۶۹)

مدرسہ صولتیہ میں حج بدل کا پیسہ جمع کر کے حج بدل کرانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حج بدل میں ایک شکل یہ ہوتی

(۱) الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، مطلب شروط الحج عن الغیر عشرون: ۲/۲۳۹-۲۴۰، طبع بیروت

ہے کہ حج بدل کا نظم مدرسہ صولتیہ والے کرتے ہیں، جس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک سال رقم جمع کی اور آئندہ سال کو انہوں نے کسی کے ذریعہ حج بدل کرادیا اور اس کی اطلاع بذریعہ رسید دے دی تو کیا وہیں سے حج بدل کرایا جا سکتا ہے، یا نہیں؟ یا وطن سے ہی حج بدل کا سفر کرنا ضروری ہے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

مال کی وسعت ہوتے ہوئے یہ طریقہ اختیار کرنا مکروہ ہے؛ لیکن اس سے حج فرض جبھی ساقط ہوگا، جب کہ میت نے خود وہاں سے حج کرانے کی وصیت کی ہو۔

ولو عين مكاناغير بلده فكماأوصىٰ قرب من مكة أوبعد. (غنية الناسک: ۳۲۹،إدارة القرآن كراتشى)

وإن أوصٰى أن يحج عنه من موضع كذا من غير بلده يحج عنه من ثلث ماله من ذلک الموضع الذى بين قرب من مكة أوبعد عنها؛لأن الإحجاج لا يجوز إلا بأمره فيقدر بقدر أمره. (بدائع الصنائع، كتاب الحج: ۲/۲۲۳،قديم: ۳/۲۹٤،بيروت)

فلوأحج الوصى من غيرما وجب الإحجاج منه يضمن؛لأنه خالف ويكون الحج له ويحج عن الميت ثانياً. (غنية الناسک: ۳۲۹،جديد ،كذا فى الزبدة: ۲/٤٥۲)

اور جو صاحب استطاعت شخص ہندوستان میں مقیم ہو اور بیماری یا کمزوری کی وجہ سے حج کرنے سے عاجز ہو جائے تو اس کے خرچ سے اس کے وطن سے حج بدل کرانا ضروری ہے۔

فمن عجزعن الحج بنفسه وجب عليه أن يستنيب غيره ليحج عنه، ويصح الحج عنه بشروط وإن لم يعين، وجب أن يحج عنه من بلده إن كان ثلث ماله يكفى. (الفقه على المذاهب الأربعة: ۱/۷۰۹-۷۰۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۶/۱۰/۱۴۱۱ھ۔ (کتاب النوازل: ۷/۵۸۷)

ایک وقت میں دو شخصوں کی طرف سے حج بدل کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ہمارے مفتی صاحب نے دس آمیوں کے حج کے بدلے میں خود نے ایک حج فری کیا؛ مگر دوسرے آدمی سے حج بدل کا پیسہ لے لیا تو کیا مذہب اسلام میں عالم کے لیے ایک ٹائم میں دو حج کرنے کا قانون ہے؟ کیا اس کے لیے ایک ٹائم میں دو حج جائز ہیں؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

مفتی صاحب کے معاملہ کی تحقیق تو ان سے تفتیش کے بعد ہو سکتی ہے، عموماً اس طرح کی افواہیں علما کو بدنام کرنے کے لیے پھیلائی جاتی ہیں، باقی مسئلہ یہی ہے کہ ایک وقت میں دو شخصوں کی طرف سے حج بدل نہیں کیا جا سکتا ہے۔

ومن حج عن کل من اٰمریه، وقع عنه، وضمن مالهما. (الدرالمختار کتاب الحج،،باب الحج عن الغیر: ۶۰۷/۲، کراتشی)

السابع: أن یفرد الإ هلال لواحد معین،فلو أهل بحجة عن آمریه،ولو کانا أبویه نیته عنها، ووقعت الحجة عنه وضمن نفقتهما إن أنفق من مالهما؛لأنه خالفهما بترک التعیین ولا یقدر علٰی لأ حدهما لعدم الأولویة.(غنیة الناسک،باب الحج عن الغیر: ۳۲۵،إدارة القرآن کراتشی،بدائع الصنائع، بیان شرائط النیابة فی الحج: ۴۵۸/۲،نعیمیة دیوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۸/۲/۱۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۵۹۱/۷)

امیر الحجاج کا دوسرے کی طرف سے حج بدل کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ امیر الحجاج کے تمام اخراجات ٹور کمپنی برداشت کرتی ہے، ایسی حالت میں کیا وہ کسی کی طرف سے حج بدل کرسکتا ہے؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفیق

حج بدل کے لیے آمر یعنی حج کرانے والے کی طرف سے حکم اور نفقہ شرط ہے، اب اگر وہ ٹور کمپنی سے معاملہ کرلے کہ میری طرف سے حج بدل کرادیا جائے تو ٹور کمپنی ساتھ لے جانے والے عالم سے کہے کہ فلاں کی طرف سے حج بدل کریں تو اب آمر کا حج بدل صحیح ہوسکتا ہے، اس تفصیل کے بغیر دوسرے کی طرف سے حج بدل صحیح نہ ہوگا۔ ہاں، وہ عالم یہ کرسکتا ہے کہ اپنی طرف سے نفلی حج کرکے اس کا ثواب جس کو چاہے پہنچادے۔

وبشرط نیة الحج أی عن الأمر فیقول:أحرمت عن فلان ولبّیت عن فلان ولو نسی إسمه فنویٰ عن الأمر صح،وتکفی نیة القلب وبشرط الاٰمر به أی بالحج عنه فلا یجوز حج الغیر بغیر إذنه وبقی من الشرائط: النفقة من مال الاٰمر کلها أوأکثر ها. (الدرالمختار،باب الحج عن الغیر: ۱۵/۴-۱۶،زکریا،غنیة الناسک،با ب الحج عن الغیر: ۳۳۶،إدارة القرآن کراتشی)

عن الحسن وعطاء أنهما قالا:إذا حج الرجل عن الرجل فنسی أن یسمیه فقد رأجزأ عنه الحج،فإن اللّٰه تعالٰی قد اعلم عمن حج. (المصنف لابن أبی شیبة،الحج فیه إذا نسی أن یسمیه: ۲۳۵/۸،رقم: ۱۳۷۲۸)

عن عبد اللّٰه بن عمرو رضی اللّٰه عنه قال:قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:إذا تصدق بصدقة تطوعاً فیجعلها عن أبویه فیکون لهما أجرها ولا ینقص من أجره شیئاً. (مجمع الزوائد،باب الصدقة علی المیت: ۱۳۸/۳)

جئنا إلی الکلام فی حجة التطوع فنقول :من أمر غیره بحج التطوع جاز ذلک ویصیر للأمر ثواب النفقة فی طریق الحج من حیث أنه حیث أنه سبب إلی الحج بالإ تفاق،أویصیر المأمور جاعلاً ثواب فعله للأمر فهٰذا جائز عند أهل السنة.(الفتاویٰ التاتارخانیة: ۶۴۷/۳،زکریا)

الحج التطوع عن الصحیح جائز ویکون الحج عن المحج. (شامی: ۶۰۳/۲، کراتشی، انوارمناسک: ۵۵۹)

وأما النفل فلا یشترط فیه شيء منها. (ردالمحتار: ۱۸/٤، زکریا، غنیة الناسک، باب الحج عن الغیر: ۳۲۳/۳۲۲، إدارة القرآن کراتشي، مناسک ملا علی القاري، باب الحج عن الغیر: ٤٣٦ـ٤٣٧، إدارة القرآن کراتشي، الفتاویٰ التاتارخانیة: ٦٤٨/٣، رقم: ٥٢٤٣، زکریا دیوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۸/۱۲/۲۳ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۵۹۲/۷)

جس پر حج فرض نہ ہو، اس کا بار بار حج بدل کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ جولوگ ایک سے زائد حج بدل کر چکے ہیں، حالاں کہ ان پر حج فرض نہیں ہے تو اس کا حج بدل کے لیے جانا اور لوگوں کا اس سے حج کروانا کیسا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفیق

مسئولہ صورت میں مذکورہ شخص سے حج بدل کرانا جائز؛ مگر مکروہ تنزیہی ہے۔

فجاز حج الصرورة من لم یحج عن نفسه، وغیرهم أولیٰ لعدم الخلاف وتحته في الشامیة: ولایخفی أن التعلیل یفید أن الکراهة تنزیهیة وقال في الفتح أیضاً: والأفضل احجاج الحر العالم بالمناسک الذي حج عن نفسه. (الدرالمختار مع الشامي، باب الحج عن الغیر: ۲۱/٤، زکریا، ۶۰۳/۲، کراتشي، کذافي غنیة الناسک: ۳۳۷، إدارة القرآن کراتشي، الفتاویٰ التاتارخانیة: ٦٤٩/٣، زکریا)

ومع هٰذا: لوأحج رجلاً، لم یحج عن نفسه حجة الإسلام، یجوز عندنا، وسقط الحج عن الآمر. (الفتاویٰ الهندیة: ۲۵۷/۱، بدائع الصنائع: ۲۷٤/۳، بیروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۲/۶/۲۰ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ (کتاب النوازل: ۵۹۵/۷)

حکم افساد حج بدل:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مامور بحج بدل قبل (جن کو حج بدل کا حکم دیا گیا) وقوف عرفات حج کو فاسد کر دیا۔ اب قابل دریافت یہ امر ہے کہ سال آئندہ جو حج وہ ادا کرے گا، وہ آمر کی طرف سے ہوسکتا ہے، یا نہیں؟ اور اگر وہ اس طرح کرے کہ سال آئندہ اس حج فائت کی قضا کرے، پھر ایک سال مکہ میں اور قیام کر کے دوسرے سال آمر کا حج کرے اور احرام کسی میقات سے مواقیت خمسہ میں سے باندھے، یا جدہ آکر احرام باندھ لے، یا مکہ ہی سے احرام باندھے۔ ان صورتوں میں حج بدل ہو جائے گا، یا کہ مثل ابتدا کے اس وقت بھی وطن آمر سے حج کرنا لازم ہوگا؟

الجواب

جماع قبل الوقوف سے حج فاسد ہو جاتا ہے، باطل نہیں ہوتا۔

صرح فی اللباب: بأن مفسده الجماع قبل الوقوف ومبطله الردة، انتھٰی. (۱)

یہی وجہ ہے کہ اگر دوسرے حج کی نیت کرے گا تو حج فاسد بدستور قائم رہے گا، دوسرے کی نیت لغو ہوگی۔

فلو أهل الحجة أخریٰ ینوی قضائها قبل أدائها فهی هی ونیته لغو لاتصح ما لم یفرغ من الفاسدة. (۲)

اور جب کہ جماع قبل الوقوف سے مخالفت آمر کی لازم آئی تو یہ حج آمر کا نہ ہوا؛ بلکہ مامور کا ہوگیا، اس حج فاسد کے افعال اول پورے کرے، پھر اگلے سال حج کی کرے، اس کے بعد تیسرا حج امر کی طرف سے کرنا ہوگا۔

لأنه إذا افسده لم یقع ماموراً به فکان واقعاً عن المامور فیضمن ما انفق فی حجة من مال غیره ثم إذا قضی الحج فی السنة القابلة علیٰ وجه الصحته لایسقط الحج عن المیت؛ لأنه لما خالف فی السنة الماضیة بالافساد صار الإحرام واقعاً عنه فکذا الحج المؤدی به صار واقعاً عنه ابن کمال وعلیه حجة أخریٰ للأمراء سوی حج القضاء وهو الأصح، کما فی المعراج. (۳)

لیکن اس میں آمر کی مخالفت ہوئی دو وجہ سے: اس لیے کہ اس کا حج میقاتی نہ ہوگا؛ کیوں نکہ مامور بہ مکی ہوگیا؛ لیکن اس کا تدارک ممکن ہے، اگر مواقیت خمسہ میں ذوالحلیفہ، یا کسی اور میقات سے احرام باندھے گا تو میقاتی حج ہو جائے گا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ سفر ہذا کو حج مامور بہ کے غیر میں مصروف کیا، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ دوسرے کام سے سفر کا حکم نہیں بدل سکتا۔

ذکر العلامة القاری فی بعض رسائلة مسئلة اضطرب فیها فقهاء عصره وهی أن الآفاقی الحاج عن الغیر إذا جاوز المیقات بلاإحرام الحج ثم عاد إلی المیقات وأحرم هل یصح عن الأمر قیل لا وقیل نعم ومال هو إلی الثانی قال: وأفتیٰ به الشیخ قطب الدین و شیخنا سنان الرومی فی منسکه الشیخ علی المقدسی قلت وهٰذا یفید جواز الحیلة المذکورة له إذا عاد إلی المیقات وأحرم الجواب عن قوله لأن سفره حینئذٍ لم یقع للحج أنه إذا قصد البندر عند المجاوزة لیقیم به أیاماً لبیع أوشراء مثلاً یدخل مکة لم یخرج عن أن یکون سفره للحج کما لو قصد مکاناً أخرنی طریقة ثم النقلة عنه رد المختار. (۴)

فائدہ از حافظ عبدالمجید صاحب تھانوی، نزیل بمبئی لسفر الحج:

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے عرض کیا کہ مدینہ کا راستہ بند ہونے کی صورت میں حج بدل کا احرام کہاں سے

(۱،۲) رد المحتار، کتاب الحج: ۵۹۳/۳، انیس

(۳) رد المختار، کتاب الحج: ۳۲/٤-۳۳، انیس

(۴) رد المحتار، کتاب الحج: ٤٨٣/۳، ط: ریاض

بندھے گا؟ تو اس کے جواب میں فرمایا کہ حج بدل کا احرام جدہ سے ہوگا۔ مناسک علی قاری کی عبارت میں موجود ہے: **''وإن لم یعلم المحاذا ۃ فعلیٰ مرحلتین من مکة کجدۃ المحرم وسعة من ظرف البحر''**، اور یہ ظاہر ہے کہ ہند کے لیے یلملم کی محاذات کسی معتبر طریقہ سے نہیں ہوتی، لہٰذا جدہ بھی ان کے لیے میقات ہے۔

۱۷/شعبان ۱۳۲۸ھ (تتمہ خامسہ، ص: ۱۴۹) (امداد الاحکام: ۱۷۵/۳)

حج بدل کی ایک صورت:

سوال: ایک شخص پر حج فرض ہوا اور دوسرا اس کو اپنے نفقہ سے حج کرادے تو اول کا فرض اُترا ہے، یا باقی رہا ہے؟

الجواب

اگر نفقہ دینے والے نے کسی اور کی طرف سے حج کرایا تو کرنے والے کا فرض ساقط نہیں ہوا اور اگر خود کرنے والے ہی کو اپنے حج کے واسطے روپیہ دیا ہے تو فرض ساقط ہوگیا۔ فقط (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۷۹)

حج بدل کرانا افضل ہے، یا مدرسہ کی تعمیر:

سوال: مسماۃ زاہدہ کے لیے حج بدل کرانا افضل ہے، یا تعمیر مدرسہ جس سے ہمیشہ ان کو ثواب ملتا رہے؟

الجواب وباللّٰہ التوفیق

اگر مسماۃ زاہدہ فریضہ حج ادا کرچکی ہے تو ان کو اپنی رقم تعمیر مدرسہ مذکورہ میں صرف کرنا زیادتی اور دوام ثواب کا موجب ہے، (۱) اور اگر انہوں نے فریضہ حج ادا نہیں کیا ہے اور وہ کسی محرم کو ساتھ لے کر حج کے لیے جاسکتی ہیں تو ان کو حج فرض ادا کرنا چاہیے اور اگر ان کی رقم کسی محرم کو ساتھ لے کر جانے کے لیے کافی نہ ہو، یا یہ کہ وہ اس قدر ضعیف وکمزور ہوگئی ہوں کہ وہ خود نہ جاسکتی ہوں تو ان کو چاہیے کہ کسی کو حج بدل کے لیے بھیج کر فرض ادا کریں؛ کیوں کہ حج فرض کی ادائیگی تعمیر مدرسہ جیسے کار خیر پر مقدم ہے۔ (۲) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

محمد عباس، ۱۰/۸/۱۳۵۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۵۸/۳)

صاحب استطاعت مریض کا اپنی طرف سے حج بدل کرانا:

سوال: جن لوگوں پر عرصہ دس برس سے زاد وراحلہ کے اعتبار سے حج فرض ہوگیا اور باوجود تندرستی اور نہ ہونے دیگر موانعات شرعی کے تاہنوز غفلت وسستی میں رہے، اب اس وقت بہ نسبت زمانہ جیسا کہ غیر مطمئن ومخدوش ہورہا

(۱) عن أبی هريرة أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلثة إلا من صدقة جارية أوعلم ينتفع به أوولد صالح يدعوله. (صحيح لمسلم، كتاب الوصية، باب مايلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته: ۴۱/۲)

(۲) قال عبد اللّٰه: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: بنی الإسلام علیٰ خمس شهادة أن لا إله الا اللّٰه وأن محمداً عبده ورسوله وإقام الصلاة وايتاء الزكاة وحج البيت وصوم رمضان (صحيح لمسلم، باب بيان أركان الإسلام: ۳۲/۱)

ہے ومسافران حجاج کو طرح طرح کی تکالیف کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور سائل کی تندرستی بھی ضعیف العمری کی وجہ سے نہایت کمزور ہورہی ہے، حتی کہ تیز قدم چلنا اور اپنے رفع حاجت میں سنبھل کر پا کی لینا محال ہے؛ یعنی پاخانہ وپیشاب کے امساک کی قوت بہت کم ہے، پرہیزی غذا کے سوا معدہ کو بھی تحمل کی طاقت نہیں ہے۔ ایسی صورت میں سائل پر حج کی فرضیت باقی ہے، یا نہیں؟ بصورت باقی رہنے فرضیت کی ادائیگی کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ اور حج بدل کرانا ایسے لوگوں کے لیے جائز ہے، یا نہیں؟ اور حج بدل ادا کرنے والے شخص کے لیے ضروری شرائط کیا ہیں؟ اگر کوئی شخص حج بدل سائل کی زندگی، یا بعد میں ادا کرے تو فرضیت ساقط ہوسکتی ہے، یا نہیں؟

الجواب ———————— وباللہ التوفیق

صورت مسئولہ میں بحالت موجودہ سائل کو اپنی طرف سے حج کرانا چاہیے۔ البحر الرائق میں ہے:

"إما إن قدر عليه وهو صحيح ثم زالت الصحة قبل أن يخرج إلى الحج فإنه يتقرر ديناً في ذمته فيجب عليه الإحجاج اتفاقاً". (البحر الرائق، كتاب الحج: ٥٤٦/٢)

خلاصہ یہ کہ فقہا کا اتفاق ہے کہ جب کسی پر بحالت صحت حج فرض ہوا اور وہ ادا نہ کرسکے خواہ کسی وجہ سے، پھر مریض ہو جائے تو اس شخص پر یہ فرض باقی رہتا ہے اور اس پر فرض ہے کہ اپنی طرف سے کسی کو بھیج کر حج کرائے؛ مگر ایسے شخص کو جو ایک مرتبہ پہلے حج کرچکا ہو، بھیجنا افضل ہے۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

نورالدین، ۵/شعبان ۱۳۴۲ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۶۰/۳)

جس نے حج نہیں کیا ہے، وہ حج بدل میں جائے تو کیا اس پر حج فرض ہوجاتا ہے:

سوال: زید اپنے باپ مرحوم کے حسب وصیت ان کی طرف سے حج بدل کرانا چاہتا ہے۔ کیا مفلس، پڑھا لکھا، ہوشیار، مسئلہ داں اور دیندار جس نے حج نہ کیا ہو، اسے حج بدل کے لیے بھیجا جاسکتا ہے؟ کیا اس پر حج فرض ہوجائے گا اور دوبارہ پھر اسے حج کرنا پڑے گا؟

الجواب ———————— وباللہ التوفیق

حج بدل کے لیے ہر طرح کا مسلمان بھیجا جاسکتا ہے؛ لیکن اگر کسی دیندار، مسائل حج سے واقف اور خود حج کردہ شخص کو بھیجا جائے تو بلا خلاف جائز اور افضل ہے، (۲) جو شخص دوسرے کی طرف سے حج کی نیت اور احرام کرکے جاتا ہے، اس پر اس کے جانے کی وجہ سے حج واجب نہیں ہوتا ہے۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۹/۱۰/۱۳۵۲ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۶۱/۳)

---

(۱) والأفضل إحجاج الحر العالم بالمناسك الذى حج عن نفسه. (رد المحتار، فى حج الصرورة: ٢٤١/٢)

(۲) (جاز حج الصرورة)... من لم يحج. (الدر المختار)

والأفضل أن يكون قد حج عن نفسه حجة الإسلام خروجاً عن الخلاف ثم قال والأفضل إحجاج ==

غیر مستطیع حج بدل کرنے والے پر حج فرض نہیں ہوتا:

سوال: وہ شخص جس نے ایک بار بھی حج نہیں کیا ہے۔ کیا وہ دوسرے کی طرف سے حج بدل کے لیے جا سکتا ہے؟ نیز کیا یہ صحیح ہے کہ غیر مستطیع حج بدل کے لیے خانہ کعبہ پر نظر پڑتے ہی خود اس پر حج فرض ہو جاتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر چہ بعض حضرات نے اس صورت میں فرضیت حج کا فتویٰ دیا ہے؛ لیکن صحیح اور راجح قول یہ ہے کہ غیر مستطیع حج بدل کرنے والے شخص پر خانہ کعبہ دیکھنے کے بعد حج فرض نہیں ہوتا ہے۔ علامہ شامی کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے؛ اس لیے کہ حج بدل میں مکہ مکرمہ جانے والے شخص کے لیے اپنی طرف سے اس سال حج کرنا ممکن نہیں ہے، کیوں کہ وہ آمر کے مال سے گیا ہے، اس کو آمر کی جانب سے احرام باندھنا ہوگا اور اسی کی طرف سے حج کرنا ہوگا۔ اب اپنا حج کرنے کی دو صورتیں ہیں، یا تو سال بھر مکہ معظّمہ میں رہ کر دوسرے سال حج کرے، یا وطن آ کر دوسرے سال جا کر حج کرے اور یہ دونوں صورتیں ممکن نہیں ہیں؛ اس لیے کہ قانونی پیچیدگی کی وجہ سے سال بھر مکہ میں نہیں رہ سکتا ہے اور اخراجات نہ ہونے کی وجہ سے وطن واپسی کے بعد دوبارہ حج کے لیے نہیں جا سکتا ہے، اگر ایسے شخص پر فرضیت حج کا حکم لگایا جائے تو حرج عظیم میں مبتلا ہوگا، لہٰذا ''**الحرج مدفوع**''، (۱) و''**المشقّة تجلب التيسير**'' (۲) جیسے مسلم اصول کے پیش نظر یہی فتویٰ دیا جائے گا کہ شخص مذکور پر خانہ دیکھنے کے بعد حج فرض نہیں ہے۔

''**أن الصرورة الفقير لايجب عليه الحج بدخول مكة وظاهر كلام البدائع بإطلاقه الكراهة أى فى قوله يكره إحجاج الصرورة؛ لأنه تارك فرض الحج يفيد أنه يصير بدخول مكة قادراً على الحج عن نفسه وإن كان وقته مشغولاً بالحج عن الآمر وهى واقعة الفتوىٰ فليتأمل اهـ. قلت :وقد أفتٰى بالوجوب مفتى دارالسلطنة العلامة أبوالسعود وتبعه فى سكب الأنهر وكذا أفتٰى بالوجوب مفتى دارالسلطنة العلامة أبوالسعود وتبعه فى سكب الأنهر وكذا أفتٰى به السيد أحمد بادشاه وألّف فيه رسالة وأفتٰى سيدى عبد الغنى النابلسى بخلاف وألّف فيه رسالة؛ لأنه فى هٰذا العام لايمكنه الحج عن نفسه؛ لأن سفره بمال الآمر فيحرم عن الآمر ويحج عنه وفى تكليفه بالإقامة بمكة إلٰى قابل ليحج عن نفسه ويترك عياله ببلده حرج عظيم وكذا فى تكليفه**

== الحر العالم بالمناسک الذى حج عن نفسه.(ردالمحتار، مطلب فى حج الصرورة: ۲/ ۲٤۱)

(۳) أقول وظاهره يفيد أن الصرورة الفقير لايجب عليه الحج بدخول مكة.(ردالمحتار: ۲/ ۲٤۱)

حاشية صفحه هذا:

(۱) كشف الأسرار شرح أصول البزدوى، باب تقسيم الشرط: ٤/ ۲۰۲، دارالكتاب الإسلامى بيروت، انيس

(۲) الأشباه والنظائر، القاعدة الرابعة، ص: ٦٤، دارالكتب العلمية بيروت، انيس

بالإقامة بمكة إلى قابل ليج عن نفسه ويترك عياله ببلده حرج عظيم وكذا في تكليفه بالعود و هو فقير حرج عظيم أيضاً وإما مافي البدائع فإطلاقه الكراهة المنصرفة إلى التحريم يقتضي أن كلامه في الصرورة الذي تحقق الوجوب عليه من قبل". (۱)

جس شخص نے کبھی حج نہیں کیا ہے، وہ دوسرے کی طرف سے حج کے لیے جاسکتا ہے، چاہے وہ فرض ہو یا نفل، البتہ یہ واضح رہے کہ اگر خود اس شخص پر حج ہے تو اس کے لیے اپنا حج نہ کر کے دوسرے کی طرف سے حج بدل میں جانا مکروہ تحریمی ہے اور اگر اس پر حج نہیں ہے تو اس کے لیے حج بدل میں جانا مکروہ تنزیہی ہے، بہتر یہ ہے کہ ایسے شخص کو حج بدل میں بھیجا جائے، جس نے اپنا حج فرض ادا کرلیا ہے۔ (۲) فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۱۵/۹/۱۴۱۹ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲۶۳/۳)

حج بدل کے لیے فراہم کی گئی رقم کا ناکافی ہونا:

سوال: ہندہ نے چار سو روپیہ زید کو دیا اور وصیت کی کہ حج بدل کرادینا، بعدہ قضا کی، زید نے ناکافی سمجھ کر اس روپیہ کو تجارت میں لگا دیا کہ جب چھ سو ہو جائے گا تو حج کے لیے کافی ہوگا، جس کو دس برس گزر گئے، پھر زید کے بھائی عمر نے اس روپیہ کو لے کر اپنے کاروبار میں لگا دیا اور جب دینے سے انکار کرتا ہے؛ یعنی لیت لعل کرتا ہے تو کیا زید جو اپنے سر سے وصیت کا بار اُتارنا چاہتا ہے، اپنی طرف سے دو سو روپیہ دے کر کسی سے حج بدل کرائے تو جائز ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

صورت مسئولہ میں وصیت کا چار سو روپیہ زید کے بھائی سے وصول کر کے، یا جو شخص اس کی طرف سے ادا کرے، اس سے لے کر جس جگہ سے ممکن ہو، وہاں سے حج کے لیے کسی کو بھیجنا چاہیے۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۵/۵/۱۳۵۲ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲۶۴/۳)

حج بدل میں مامور بالحج دوسرے کو اپنا نائب نہیں بنا سکتا:

سوال: حج بدل ہی کے متعلق ایک مکتوب میں کسی سائل کو یہ جواب تحریر فرمایا، سائل کا مقصود یہ ہے کہ حج عن الغیر میں مامور راستہ سے واپس ہو جائے اور اپنی جگہ دوسرے کو حج کے واسطے بھیج دے تو جائز ہے، یا نہیں؟

(محمد خالد عفا اللہ عنہ)

---

(۱) ردالمحتار، مطلب في حج الصرورة: ۲/۲۴۲-۲۴۳

(۲) والأفضل إحجاج الحر العالم بالمناسك الذي حج عن نفسه. (رد المحتار في حج الصرورة: ۲/ ۲۴۱)

(۳) (وإلا فيحج) عنه (من بدله)...(إن وفى به) أي بالحج من بلده (ثلثه) وإن لم يف فمن حيث يبلغ استحساناً (الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۲/ ۲۳۸)

الجواب

حج بدل میں یہ صورت جائز نہیں ہوسکتی کہ آپ واپس جا کر کسی دوسرے کو بھیج دیں۔ فقط
خلیل احمد عفی عنہ (فتاویٰ مظاہر علوم: ۱۶۶/۱)

عورت کے لیے محرم نہ ملنے کی صورت میں حج بدل کا مسئلہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت غنی ہے اور محرم کا خرچہ بھی ادا کرسکتی ہے؛ لیکن اسے کوئی محرم ایسا نہیں مل رہا ہے، جس کے ساتھ حج کرنا جائز ہو، کیا یہ عورت حج بدل کرا سکتی ہے؟ بینوا تو جروا۔
(المستفتی: نامعلوم)

الجواب

عورت بغیر محرم شرعی کے حج کے لیے نہیں جا سکتی ہے اور محرم، یا زوج کا موجود ہونا کسی بھی وقت ممکن ہوسکتا ہے؛ اس لیے کسی کو حج بدل کے لیے نہیں مقرر کرسکتی، البتہ اگر یہ عدم محرم ایسا دوام اختیار کرے کہ موت تک بھی اس کی امید نہ ہو تو مریض دائم کی طرح پھر حج بدل کرا سکتی ہے۔

وفی ردالمحتار: فیجوز کالمریض إذا أحج رجلا ودام المرض ،إلخ. (۱) وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۳۰۶/۴)

حج بدل کرنے کی وجہ سے فقیر آدمی پر حج فرض نہیں ہوتا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید ایک فقیر آدمی ہے اور عمر اسے اپنی والدہ کے حج بدل کے لیے بھیجنا چاہتا ہے۔ اب بعض لوگ کہتے ہیں کہ فقیر اور نادار آدمی حج بدل کے لیے نہیں جا سکتا؛ کیوں کہ پھر اس پر خود حج فرض ہوجاتا ہے، اگر وہ زمین حرم تک پہنچ جائے، کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا تو جروا
(المستفتی: حضرت سید شوڈاگئی تالاش دیر، ۱۹۷۲/۸/۲۸ء)

الجواب

بہتر یہ ہے کہ حج بدل کے لیے ایسا شخص بھیجا جائے، جس نے فریضہ حج ادا کیا ہو؛ لیکن باوجود اس کے اگر نادار اور فقیر شخص کو روانہ کیا جائے تو اس پر حج فرض نہیں ہوتا ہے۔ (والتفصیل فی ردالمحتار: ۳۳۲/۲) (۲) وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۳۰۷/۴)

---

(۱) قال العلامة ابن عابدين: ومن العجز الذی یرجی زواله عدم وجود المرأة محرما فتقعد الی ان تبلغ وقتا تعجز عن الحج فيه ای لکبر او عمی او زمانة فحينئذ تبعث من يحج عنها اما لو بعث قبل ذلک لا يجوز لتوهم وجود المحرم إلا إن دام عدم المحرم إلى أن ماتت، فیجوز کالمریض إذا أحج رجلا ودام المرض إلى أن مات کما فی البحر وغیرہ. (ردالمحتار هامش الدرالمختار: ۲۵۹/۲، قبیل مطلب شروط الحج عن الغیر عشرون)

(۲) قال العلامة الحصکفی: جاز حج الصرورة من لم یحج ... وغیرهم اولیٰ لعدم الخلاف. (الدرالمختار) ==

ایام حج سے پہلے مدینہ منورہ سے واپسی پر ایکسیڈنٹ میں شہید ہونے والوں کے حج کا مسئلہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اس سال دو آدمی ہمارے گاؤں سے حج کے لیے گئے، عمرہ ادا کرنے کے بعد زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مدینہ منورہ چلے گئے، واپسی پر بس میں سوار ہوکر مکہ معظّمہ روانہ ہوئے کہ ایکسیڈنٹ میں دونوں حضرات شہید ہوگئے، اب ان کے ورثا پر ان کی طرف سے حج بدل لازمی ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: مولوی امیر احمد تجوڑی لکی مروت، ۱۹/ربیع الاول ۱۴۰۲ھ)

الجواب

اگر یہ مرحومین اس سال وفات سے قبل سال میں صاحب استطاعت تھے اور انہوں نے حج کرانے کے متعلق وصیت کی تھی تو ورثا پر ان کی طرف سے حج کرنا ضروری ہے اور اگر امسال صاحب استطاعت ہوئے ہوں اور یا وصیت نہ کی ہو تو ورثا پر حج کرنا ضروری نہیں ہے۔ (ارشاد الساری وغیرہ)(۱) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۳۰۸/۴)

حج بدل میں اپنی نذر کا عمرہ ادا کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے عمرہ کی نذر مانی تھی، دریں اثنا زید کسی کے لیے حج بدل پر گیا، حج سے فارغ ہوکر زید نے اپنے خرچ سے عمرہ منذورہ ادا کیا۔ کیا زید کا ذمہ فارغ ہوا ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: مولانا عبدالباقی، گندف، ضلع صوابی، ۲/۴/۱۴۰۱ھ)

الجواب

بظاہر اس نے اداء کما التزم کیا ہے اور ذمہ فارغ ہوا ہے؛ کیوں کہ اس نے اولاً حج بدل کیا ہے اور آمر سے کوئی مخالفت نہیں کی ہے اور ثانیاً اپنی نذر ادا کی ہے۔ (۲) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۳۲۵/۴)

== قال ابن عابدين في التنبيه: إن الفقير الآفاقي إذا وصل إلى ميقات فهو كالمكي ... لكن هذا لا يدل على أن الصرورة الفقير كذلك لأن قدرته بقدرة غيره كما قلنا وهي غير معتبرة بخلاف ما لو خرج ليحج عن نفسه وهو فقير فإنه عند وصوله إلى الميقات صار قادراً بقدرة نفسه فيجب عليه.(ردالمحتار: ۲/۲۶۲-۲۶۲، مطلب في حج الصرورة)

(۱) قال العلامة الملا علي قاري: اعلم أن كل من وجب عليه الحج ... وهو قادر على الأداء بنفسه وحضره الموت أو خافه يجب عليه الوصية بالاحجاج عنه بعد موته فإن قدر عليه أولا وعجز عن الأداء بنفسه أي بعده يجب عليه الاحجاج ... ان فرط أي قصر في التأخير بأن وجب عليه فلم يخرج إليه في عامه وفيه الايماء إلى أن وجوب الإيصاء إنما يتعلق بمن لم يحج بعد الوجوب إذا لم يخرج الى الحج حتى مات فأما من وجب عليه الحج فحج من عامه فمات في الطريق لا يجب عليه الإيصاء بالحج لأنه لم يؤخر بعد الايجاب ... وان مات قبل التمكن من ادائه سقط عنه الحج ... ولا تجب عليه الوصية به ...أي من لزمه الحج فلم يحج حتى مات قبل التمكن من أدائه سقط عنه الفرض بالاتفاق وإن مات بعد التمكن لم يسقط عند الشافعي وأحمد هذا.(ارشاد الساري: ۲۸۷، باب الحج عن الغير)

(۲) قال العلامة ابن نجيم: بخلاف ما إذا أمره بالعمرة فاعتمر ثم حج عن نفسه لم يكن مخالفا ==

حج بدل میں نماز ونوافل کا ثواب کس کو ملے گا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی دوسرے کے لیے حج بدل کرتا ہے۔ اب حرم شریف میں نماز کا ثواب ایک لاکھ کا ہے، اسی طرح یہ آدمی نوافل وغیرہ کرتا ہے تو یہ ثواب کس کو ملے گا، آمر کو یا مامور کو؟ بینوا توجروا۔ (المستفتی: فضل منان قطر)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

جن امور میں یہ مامور نائب نہ ہوتو اس کا ثواب مامور کو ملے گا، نہ کہ آمر کو۔(۱) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۴/۳۲۵)

زندہ اور مردہ کی طرف سے حج بدل اور عمرہ کا حکم:

سوال: زید سعودی میں رہتا ہے۔ اگر وہ اپنے والدین، یا رشتہ دار، یا اپنے گھر کے کسی فرد کے لیے حج، یا عمرہ کرنا چاہے اور جن کے لیے حج، یا عمرہ کرنا ہے، وہ زندہ ہوں، یا مر گئے ہوں تو زید حج، یا عمرہ کرسکتا ہے، یا نہیں؟ اور زید نے ابھی تک حج وعمرہ کچھ نہیں کیا ہے۔ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

حامداً ومصلیاً ومسلماً: جب زید حج کرنے پر قادر ہے تو سب سے پہلے اس کے ذمہ اپنے حج فرض کی ادائیگی فرض ہے، اپنا حج فرض ادا کرنے سے پہلے دوسرے لوگوں کی جانب سے حج کرنا جائز نہیں ہے، البتہ عمرہ کرسکتا ہے، دوسرے لوگوں کی جانب سے حج فرض کی ادائیگی کے لیے بہت سی شرطیں بھی ہیں، مثلاً جس کی جانب سے حج بدل کرنا ہو، وہ حج کرنے سے عاجز ہو اور یہ عجز دائمی ہو اور کسی کو اپنا حج بدل کرنے کا حکم دے دے، یا وصیت کرے اور حج کے اکثر مصارف کرانے والا برداشت کرلے اور اسی کے مکان سے کیا جائے۔ (کمافی جواہر الفقہ) واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: محمد عثمان عفی عنہ، ۱۴۱۶/۴/۸ھ۔ الجواب صحیح: عبداللہ غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۳/۳۴۷) ☆

== والنفقة في مدة إقامته للحج في ماله لأنه أقام في منفعة نفسه بخلاف ما إذا حج أولا ثم اعتمر للآمر فانه يكون مخالفا لأنه جعل المسافة للحج وأنه لم يؤمر به.(البحر الرائق: ۳/۳٦، باب الحج عن الغير)

(۱) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ فرماتے ہیں: حج فرض جس کی طرف سے کیا گیا صحیح اور راجح فقہا کے نزدیک یہی ہے کہ یہ حج وعمرہ آمر یعنی حج کرانے والے کا ہوگا اور حج وعمرہ کرنے والے کو اس کی امداد کرنے کا ثواب ملے گا اور حج کے بعد زائد عمرے، یا طواف وغیرہ کرے گا تو وہ خود اس کے ہوں گے، عمرہ یا حج نفل میں بھی جب کہ آمر کے خرچ سے کیا گیا ہو، یہی حکم ہے کہ آمر کا ہوگا، مامور کو اس کے عمل کا ثواب ملے گا، كذا في كافي الحاكم، إرشاد الساري وغنية. (جواہر الفقہ: ۱/۶۰۵، حج بدل اور اس کے احکام)

☆ **حج بدل کا مسئلہ:**

سوال: زید اپنی دو لڑکیوں کو چھوڑ کر انتقال کر گیا اور کچھ زمین بھی جس کو زید نے اپنی دونوں لڑکیوں کو تقسیم کردیا تھا، اب ایک لڑکی اپنا حصہ بیچ کر زید کی طرف سے حج بدل کرنا چاہتی ہے، جب کہ اس کے شوہر بھی انتقال کر گئے ہیں تو کیا وہ کسی کے ذریعہ حج بدل کرواسکتی ہے، ==

حج بدل کرنے والے حاجی کی طرف سے ہندوستان میں قربانی کرنا:

سوال(۱) زید ہندوستان سے حج کرنے گیا،اس نے حج کے تمام ارکان بحسن وخوبی انجام دیا؛لیکن اس نے دوران حج دم تمتع کی قربانی نہیں کی،اس بنا پر کہ اس کی طرف سے ہندوستان میں اس کے گھر والوں نے قربانی کردی ہوگی اور فی الواقعہ ایسا ہی ہوا تو آپ وضاحت فرمائیں کہ ہندوستان کی قربانی اس کے لیے کافی ہوئی، یانہیں؟

(۲) واقعہ مذکورہ کی صورت میں حج بدل کرنے والے حاجی کا کیا حکم ہوگا، جب کہ اس کی طرف سے اس کے اپنے گھر والوں نے قربانی کردی ہے تو یہ صحیح ہے، یانہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

صورت مسئولہ میں اگر زید نے حج کے ساتھ عمرہ بھی کیا، جسے حج تمتع کہتے ہیں اور ہندوستان جانے والے حضرات عموماً تمتع ہی کرتے ہیں تو ایسی صورتمیں اس پر قربانی واجب ہوگی،جس کی ادائیگی حرم ہی میں ضروری ہے۔ ہندوستان میں کی ہوئی قربانی کافی نہیں ہوئی، جب کہ زید نے حلق کرا کر احرام کھول دیا اور ہندوستان آگیا تو اس صورت میں زید پر تین دم لازم ہوگئے، ایک دم تمتع کا، دوسرا دم ذبح کرنے سے قبل حلق کرانے کا اور تیسرا دم قربانی ایام نحر میں نہ کرنے کا۔اس کی صورت یہ ہے کہ کسی آدمی کی معرفت تین دم کی قیمت بھیج دے، یا وہاں کوئی آدمی ہو،اس کے پاس بھیج دے اور وہاں تینوں جانوروں کی قربانی کردے،اسی طرح حج بدل کرنے والے حاجی پر بھی مذکورہ صورت میں تین دم لازم ہوگئے۔

وفی الکبیر:إذا حلق القارن قبل الذبح وأخّر إراقة الدم عن أیام النحر أیضاً، ینبغی أن یجب علیہ ثلاثة دماء، دم لحلقه قبل الذبح، ودم لتأخیر الذبح عن أیام، ودم للقران، والتمتع. (غنیة الناسک: ۱۵۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی،۲۰/۲/۱۴۲۳ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲۶۸/۳)

وہیل چیر پر حج بدل کرنے والے کے طواف وسعی کا صرفہ:

سوال: زید کی والدہ چلنے پھرنے سے تکلیف محسوس کرتی ہے،اگر وہ حج بدل میں جائے تو وہاں طواف وسعی وہیل چیر پر کرانے کا خرچ آمر کے روپے سے ہوگا، یا مامور کو اپنا خرچ کرنا ہوگا؟

== یا خود اپنے رشتہ دار وغیرہ کے ساتھ حج بدل کی ادائیگی کرلے اور اسی طرح عمرہ بھی اپنی والدہ کی طرف سے کرسکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــ

حامداً ومصلیاً ومسلماً: مرحوم کی طرف سے حج بدل اور عمرہ دونوں درست ہے، دوسرے سے بھی کراسکتی ہے اور خود بھی کرسکتی ہے، بشرطیکہ ساتھ میں محرم بھی ہو، ورنہ خود جانا جائز نہیں ہے، جس سے شریعت میں پردہ نہیں ہے اور ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہوتا ہے، اس کو محرم کہتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبداللہ غفرلہ،۵/۲/۱۴۱۸ھ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم:۳۴۶/۳)

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

حج بدل میں تمام جائز اور ضروری اخراجات آمر کے مال سے پورا کیا جاتا ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر آمر کو یہ معلوم ہو کہ ضعیف آدمی (عورت) حج میں جارہا ہے تو پھر وہیل چیر کے اخراجات کی ادائیگی بھی آزر کے مال سے جائز ودرست ہے، البتہ بہتر یہی ہے کہ حج بدل میں کسی معذور کو بھیجنے کے بجائے کسی تندرست کو بھیجا جائے، جس نے اپنا حج فرض ادا کرلیا ہو؛ تاکہ افعال حج کی ادائیگی میں دشواری نہ ہو۔

المأمور بالحج ینفق من مال الآمر ذاهباً وجائیا، کذا فی السراجیة. (الفتاویٰ الهندیة، الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر: ۲۵۸/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۱۴۲۳/۵/۲ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۶۹/۳)

والدین کی طرف سے حج بدل:

سوال: حج بدل کن صورتوں میں لازم ہے؟ جن کے والدین میں حج کی استطاعت نہیں تھی، کیا وہ اپنے والدین کی طرف سے حج بدل کر سکتے ہیں؟ (سید اطہر شاہ، حمایت نگر)

الجواب ــــــــــــــــــــ

اگر کوئی شخص مالی استطاعت کے اعتبار سے حج کرنے پر قادر ہو؛ لیکن جسمانی اعتبار سے سفر حج، یا افعال حج ادا کرنے سے دائمی طور پر عاجز ہو تو ایسے شخص کے لیے حج بدل کرانا واجب ہے، اسی طرح اگر کسی شخص نے اپنے ترکہ میں سے حج کی وصیت کردی ہو اور ترکہ کے ایک تہائی کے بقدر مال، یا اس سے کم سے حج کیا جاسکتا ہو تو ورثہ پر ان کی جانب سے حج بدل کرنا واجب ہے، حج بدل کی اصل صورتیں یہی ہیں، جن لوگوں پر حج فرض ہی نہ ہوا ہو، ان کی طرف سے حج کرنا، یا جن کا انتقال ہو چکا ہو اور انہوں نے حج کے لیے وصیت نہ کی ہو، ان کی طرف سے حج کرنا اور حج کرانا اصل میں حج بدل نہیں، یہ حج بطور ایصال ثواب کے ہے، والدین کی طرف سے ایصال ثواب کے طور پر حج کرانا درست ہے، اس صورت میں اس کے والدین کو بھی ثواب ہوگا اور خود اس کو بھی۔ (کتاب الفتاویٰ: ۶۰/۴)

والدین کی طرف سے کسی غیر مستطیع کے ذریعہ حج بدل کرانا کیسا ہے:

سوال: میرے والد مرحوم پر حج فرض تھا، بوجہ بیماری نہیں جاسکے، اگر میں دوسرے شخص کو جو صاحب استطاعت نہ ہوا، اپنے والد مرحوم کی طرف سے حج بدل کرانے کے لیے ہمراہ لے جاؤں تو والد صاحب کا فرض ادا ہو جاوے گا، یا نہیں؟ اور اس شخص کو بھی ثواب حج کا ملے گا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اگر آپ کے والد صاحب وصیت کر جاتے اور مال چھوڑ جاتے، تب تو ان کی طرف سے حج کرانا ضروری تھا اور ان

کا حج فرض ادا ہو جاتا؛ لیکن جب کہ ایسا نہیں ہوا تو آپ تبرعاً ان کی طرف سے حج بدل کرالیں، یہ اچھا ہے اور امید ہے کہ ان کی طرف سے حج ادا ہو جاوے گا اور ثواب حج کا ان کو پہنچنے میں تو کچھ تردد ہی نہیں ہے اور حج بدل کرنے والے کو حج کا ثواب نہیں ہوگا، البتہ وہاں جا کر عمرہ وغیرہ کرے گا، اس کا ثواب ہوگا۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۵۶۶)

والدین کی طرف سے حج بدل کرادے تو ثواب ہوگا، یا نہیں:

سوال: زید اپنے والدین کے مرنے کے بعد ان کی جانب سے حج بدل کرانا چاہتا ہے، ان کو ثواب پہونچے گا، یا نہیں؟

الجواب

فقہا نے اس بارہ میں یہ لکھا ہے کہ بدون وصیت متوفی کے اگر اس کے ورثا اس کی طرف سے تبرعاً حج کرادیں تو امید ہے کہ ان شاء اللہ اس کی طرف سے حج ادا ہو جاوے گا اور فرضیت ساقط ہو جاوے گی، اگر چہ یقینی نہیں اور حصول ثواب میں تو کچھ تردد ہی نہیں ہے۔

کما فی الشامی: (وإن لم یوص به)... (فتبرع عنه الوارث) ...(فحج) أی الوارث ونحوه (بنفسه) ... (أوأحج عنه غیره جاز) ... قال أبو حنیفة: یجزیه إن شاء اللّٰه تعالیٰ، إلخ. (۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۵۷۱-۵۷۲)

والدین کو ایصال ثواب کے لیے ہر قسم حج ہر جگہ سے کر سکتے ہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں والدین میں سے کسی ایک کی طرف سے حج کرنا چاہتا ہوں، کیا میں ان کے لیے حج قران کر سکتا ہوں؟ نیز میں سعودیہ عربیہ میں ہوں، میں ابھی سعودی سے یہ فریضہ حج ادا کر سکتا ہوں، یا وطن سے آنا لازمی ہے؟ بینوا توجروا۔ (المستفتی: رسول خان مشیط سعودیہ عربیہ، ۸/محرم ۱۴۰۲ھ)

الجواب

چوں کہ والد، یا والدہ نے وصیت نہیں کی ہے، لہٰذا ہر جگہ سے ان کے لیے حج ادا کر سکتے ہیں، خواہ قران ہو، یا تمتع، یا افراد؛ (۳) کیوں کہ یہ محض ایصال ثواب ہے۔ (۴) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ:۴/۳۱۹)

---

(۱) **فلا یجوز (حج الغیر بغیر إذنه إلا إذا حج) أو أحج (الوارث عن مورثه) لوجود الأمر دلالة. (الدر المختار)**
والمعنی جاز عن حجة الإسلام إن شاء اللّٰه ... وهٰذا مقید بالمشیئة ففی مناسک السروجی لو مات رجل بعد وجوب الحج ولم یوص به فحج رجل عنه أو حج عن أبیه أو أمه عن حجة الإسلام من غیر وصیة قال أبو حنیفة یجزیه إن شاء اللّٰه وبعد الوصیة یجزیه من غیر المشیئة اهـ ثم أعاد فی شرح اللباب المسئلة فی محل آخر وقال فلو حج عنه الوارث أو أجنبی یجزیه وتسقط عنه حجة الإسلام إن شاء اللّٰه؛ لأنه إیصال للثواب، الخ. (ردالمحتار، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر: ١٦/٤، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

(۲) **ردالمحتار، باب الحج عن الغیر: مطلب فی الفرق بین العبادة والقربة: ١٦/٤، مکتبة زکریا دیوبند، ظفیر ==**

بیمار کالڑ کا حج بدل کرے، یانہیں:

سوال: کیا بیمار کالڑ کا حج بدل میں جاسکتا ہے؟

الجواب

والداس کی خدمت کامحتاج نہ ہوتو جاسکتا ہے؛لیکن اس نے حج نہ کیا ہوتو مکروہ ہے۔اگراس پرحج فرض ہوتو اپنا فرض حج چھوڑکر بدل کوجانا مکروہ تحریمی ہے، حج فرض نہ ہوتو مکروہ تنزیہی ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ:۸/)

ماں کی طرف سے حج بدل کرنا:

سوال: میری والدہ محترمہ فالج کی مریضہ ہیں، میں نے کافی عرصہ سے ارادہ کیا تھا کہ ان کوحج کراؤں گا؛مگرکئی مجبوریاں راستے میں حائل ہوتی رہیں اورفالج کی مریضہ ہونے کی وجہ سے ان کا آدھا جسم بالکل کام نہیں کرتا تو کیا اب میں ان کاحج کرسکتا ہوں؟ بینواتوجروا۔

الجواب

حامداً ومصلیاً ومسلماً:

مریض والدہ پرحج فرض نہیں ہے؛ بلکہ آپ تبرعاً ان کوحج کرانا چاہتے تھےتو یہ حج نفل تھا،اب ان کی طرف سے حج کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ حج کرکے ان کوایصال ثواب فرمائیں گے،جوضروری نہیں اوراگروالدہ پرحج فرض ہوگیا تھااور پھر معذورہوگئیں توبہتر یہ ہے کہ ان کی طرف سے ایسا شخص حج کرے،جو پہلے اپنا حج فرض ادا کرچکا ہو۔واللہ اعلم بالصواب

کتبہ:عبداللہ غفرلہ،۲۳/۱۰/۱۴۱۳ھ۔الجواب صحیح:محمدحنیف غفرلہ۔(فتاویٰ ریاض العلوم:۳۴٦/۳) ☆

==(۳) قال الملا علی قاری: وإن لم یوص بالاحجاج فتبرع عنه الوارث وکذا من هم أهل التبرع ونحوه فحج الوارث ونحوه بنفسه أو أحج عنه غیره جاز ذلک التبرع أو الحج أوالاحجاج والمعنیٰ جاز عن حجة الاسلام إن شاء اللّٰه تعالیٰ،الخ.(ارشاد الساری:۲۸۸،باب الحج عن الغیر)

(۴) قال العلامة ابن عابدین: (وشرط العجز المذکور للحج الفرض) دون النفل فلا یشترط فی النفل شیيء منها الا الاسلام والعقل والتمیز ... لأنه یتسامح فی النفل ما لا یتسامح فی الفرض،الخ. (ردالمحتار هامش الدرالمختار:۲/۲۱٦،قبیل مطلب فی حج الصرورة)

☆ والدہ کی جانب سے حج بدل کرنا:

سوال: کیا والدہ کے نام سے حج عمرہ کرنا درست ہے؟ میں نے حج کرلیا ہے،جس کی وجہ سے اب پانچ سال تک حکومت کی پابندی کی روسے حج کے بجائے عمرہ ہی کرسکتا ہوں؟ بینواتوجروا۔

الجواب

حامداً ومصلیاً ومسلماً:والدہ کے نام سے حج عمرہ کرنا درست ہے۔واللہ اعلم بالصواب

کتبہ:عبداللہ غفرلہ،۱۹/۵/۱۴۰۵ھ۔الجواب صحیح:محمدحنیف غفرلہ۔(فتاویٰ ریاض العلوم:۳۴۲/۳)

والدین کے لیے حج کرنے میں والد کو مقدم رکھیں، یا والدہ کو:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے فریضہ حج ادا کیا ہے۔اب والدین میں سے کسی ایک کے لیے نفلی حج کا ارادہ ہے۔ میں نے کسی سے سنا ہے کہ والد کے لیے حج کرنے پر دس حجوں کا ثواب ملتا ہے؛ لیکن میں نے خیال کیا کہ والدہ کا حق زیادہ ہے۔اب آپ صاحبان لکھ دیں کہ والد، یا والدہ میں سے کس کے لیے حج کرنے میں ثواب زیادہ ہے اور اگر میں وہاں مکہ میں کسی کو حج بدل کے لیے مقرر کروں تو صحیح ہوگا، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: حاجی رحمت اللہ سنگاپور، ۱۹۷۵/۹/۱۱)

الجواب

محترم المقام، السلام علیکم کے بعد واضح رہے کہ اگر آپ کے والدین میں سے کسی ایک پر حج فرض نہیں تھا تو آپ ان کی طرف سے اصالۃً بھی حج کر سکتے ہیں اور دوسرے شخص سے بھی کروا سکتے ہیں، البتہ چوں کہ یہ عمل احسان اور بر ہے نہ کہ تعظیم اور توقیر، لہٰذا والدہ کو مقدم کرنا افضل ہے،(۱) اور اگر آپ کے والدین میں سے کسی ایک پر، یا دونوں پر حج فرض تھا تو ان میں سے کسی ایک نے اگر وصیت کی ہو تو اس کو مقدم کیا جائے گا اور اگر وصیت کسی ایک نے نہیں کی ہو اور دونوں پر حج فرض تھا تو والدہ کو مقدم کرنا افضل ہے اور والدین کی طرف سے نفلی حج کرنے میں دس گنا ثواب زائد ہے۔(شامی)(۲) وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۳۱۹/۴)

والدین، صحت مند آدمی اور نابالغ بچوں کی طرف سے حج وعمرہ کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین مسائل ذیل کے بارے میں کہ:

---

(۱) وفی الهندية: اذا تعذر جمع مراعاة حق الوالدين بأن يتأذى أحدهما بمراعاة الآخر يرجح حق الأب فيما يرجع إلى التعظيم والاحترام وحق الأم فيما يرجع إلى الخدمة والإنعام وعن علاء الائمة الحمامی قال مشائخنا رحمهم الله تعالى: الأب يقدم على الأم فی الاحترام والأم فی الخدمة، حتى لو دخلا عليه فی البيت يقوم للأب ولو سألا منه ماء ولم يأخذ من يده أحدهما فيبدأ بالأم، كذا فی القنية. (۵٦٣/۱، كتاب الكراهية، الباب السادس والعشرون)

(۲) قال العلامة الحصكفی: لو أهل بحج عن أبويه أو غيرهما من الأجانب حال كونه متبرعا فعين بعد ذلك جاز لأنه متبرع بالثواب فله جعله لأحدهما أولهما وفی الحديث: من حج عن أبويه فقد قضى عنه حجته وكان له فضل عشر حجج وبعث من الأبرار، قال ابن عابدين: وكذا لو احرم عن أحدهما مهما يصح تعيينه بعد ذلك بالاولیٰ كما فی الفتح، قال: ومبناه على أن نيته لهما تلغو لعدم الأمر فهو متبرع فتقع الأعمال عنه البتة وإنما يجعل لهما الثواب وترتبه بعد الأداء فتلغو نيته قبله فيصح جعله بعد ذلك لأحدهما أولهما ولا اشكال فی ذلک إذا كان متنفلا عنهما فإن كان على أحدهما حج الفرض وأوصى به لا يسقط عنه بتبرع الوارث عنه بمال نفسه وإن لم يوص به فتبرع الوارث عنه بالاحجاج أو الحج بنفسه، قال ابو حنيفة: يجزيه إن شاء الله تعالیٰ لقوله صلى الله عليه وسلم للخثعمية أرأيت لو كان على ابيک دين الحديث، الخ. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲٦۵/۲، باب الحج عن الغير)

(۱) میرے والدین ضعیف العمر ہیں۔کیا میں اپنا حج کئے بغیر ان کی جگہ حج کرسکتا ہوں؟

(۲) والدین میں سے پہلے کس کا حق ہے، والد کا، یا والدہ کا؟

(۳) کسی مرحوم کی طرف سے حج کیا جاسکتا ہے؟

(۴) کیا صحت مند آدمی کی جانب سے عمرہ کیا جاسکتا ہے؟

(۵) کیا بیوی کی جانب سے شوہر عمرہ کرسکتا ہے؟

(۶) نابالغ بچوں کی جانب سے عمرہ کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: محمد ازرم تبوک سعودی عرب، ۷/۷/۱۴۰۱ھ)

الجواب

(۱،۲) بہتر یہ ہے کہ آپ اپنی طرف سے اولاً حج ادا کریں اور ثانیاً والدین کی طرف سے، (شامی، مشکوٰۃ)(۱) اور چوں کہ یہ عمل باب ترحم سے ہے، نہ کہ باب اکرام سے، لہٰذا اس میں قواعد کی رو سے والدہ کی تقدیم مناسب ہے۔(۲)

(۳) مرحومین کی طرف سے عمرہ اور حج ادا کئے جاسکتے ہیں، یہ ایصال ثواب میں داخل ہے۔(۳)

(۴،۵) عمرہ اور نفلی حج صحت منداور بیوی کی طرف سے ادا کئے جاسکتے ہیں۔(۴)

(۶) نہ ممنوع ہے اور نہ مندوب ہے نابالغ کے نفل پڑھنے جیسا ہے۔ وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۴/۳۲۰)

---

(۱) قال العلامة الشامي: والأفضل أن يكون قد حج عن نفسه حجة الاسلام خروجا عن الخلاف ثم قال: والأفضل إحجاج الحر العالم بالمناسک الذی حج عن نفسه وذکر فی البدائع کراهة احجاج الصرورة لأنه تارک فرض الحج، الخ. (ردالمحتار هامش الدرالمختار: ۲/۲۶۲،قبیل مطلب العمل علی القیاس دون الاستحسان)

عن ابن عباس قال: إن رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم سمع رجلا یقول: لبیک عن شبرمة، قال: من شبرمة؟ قال: أخ لی أو قریب لی، قال: أحججت عن نفسک؟ قال: لا، قال: حج عن نفسک، ثم حج عن شبرمة. (رواه الشافعي وأبوداؤد وابن ماجة. (مشکاة المصابیح: ۱/۲۲۲، کتاب المناسک الفصل الثانی)

(۲) قال الفقیه محمد عبد الحی اللکهنوی: إذا تعذر مراعاة جمع حقوق الوالدین رجح جانب الاب فیما یرجع إلی التعظیم والاحترام وحق الأم فیما یرجع الی الخدمة والانعام حتی لو دخلا علیه فی البیت یقوم للأب ولو سئل ما لایبتدئ بالأم وإذا خالف أمره أمرها یطیعه فیما یرجع إلی التعظیم ویطیع أمرها فیما یتعلق بالانعام، کذا فی مطالب المؤمنین عن القنیة. (نفع المفتي والسائل: ۲۲۴، ما یتعلق من خفض الجناح للوالدین)

(۳) قال العلامة الحصکفي: لو أهل بحج عن أبویه أو غیرهما من الأجانب حال کونه متبرعا فعین بعد ذلک جاز لأنه متبرع بالثواب فله جعله لأحدهما أولهما. (الدرالمختار علی هامش ردالمحتار: ۲/۵۶۲، باب الحج عن الغیر)

(۴) (قال العلامة الحصکفي: وشرط العجز المذکور للحج الفرض لا النفل لاتساع بابه، قال ابن عابدین: أی لأنه یتسامح فی النفل ما لا یتسامح فی الفرض، قال فی الفتح: أما الحج النفل فلا یشترط فیه العجز لأنه لم یجب علیه واحدة من المشقتین أی مشقة البدن ومشقة المال فاذا کان له ترکهما کان له أن یتحمل إحداهما تقربا الی ربه عزوجل فله الاستنابة فیه صحیحا. (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۱۶۲،قبیل مطلب فی حج الصرورة)

بیٹا باپ کی طرف سے حج بدل کرسکتا ہے، یا نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حج بدل بیٹا اپنے معذور، یا مردہ باپ کی جانب سے کرسکتا ہے، یا نہیں؟ اور کیا حج بدل حج تمتع، یا حج قران کے طور پر کیا جا سکتا ہے، یا نہیں؟ اور دم قران، یا دم تمتع حج بدل میں بھی ضروری ہے، یا نہیں؟

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

بیٹا بھی اپنے باپ کی طرف سے حج بدل کرسکتی ہے۔

تبرع الولد بالإحجاج ،أوالحج بنفسه عن أبويه إذا مات وعليه حج الفرض ولم يوص به مندوب إليه جداً ،قال صلى الله عليه وسلم:من حج عن أبويه أوقضٰى عنهما مغرما بعث يوم القيامة مع الأبرار،وقال: من حج عن أبيه أوأمه فقد قضى عنه حجته وكان له فضل عشرحجج ، وقال:حج الرجل عن والديه تقبل منه و منهما واسبشرت أروا حهما وكتب عند الله براً.فتح ملخصا. (غنية الناسک، باب الحج عن الغير:۳۲۸، إدارة القرآن كراتشى)

بخلاف ما لوأهل بحج عن أبويه أوغيرهما فى الأجانب حال كونه متبرعا فعين ذٰلک جاز لأنه متبرع بالثواب،فله جعله لأحدهما أو لهما،وفى الحديث:من حج عن أبويه فقد قضى عنه حجته وكان له فضل عشرحجج. (الدرالمختار مع الشامى: ۳۱/٤-۲۸ ،زكريا،۶۰۶/۲،كراتشى)

وعن جابر أنه عليه السلام قال: من حج عن أبيه وأمه فقد قضى عنه حجته، وكان له فضل عشرحجج. (سنن الدار قطنى:۲۶۰/۲)

اور حج بدل میں قران، یا تمتع کیا جاسکتا ہے؛ مگران دونوں کا دم حج کرنے والے پرواجب ہوگا، نہ کہ حج کرانے والے پر۔

ودم القران والتمتع والجناية على الحاج إن أذن له الأ مربالقران والتمتع. (الدرالمختار مع الشامى:۶۱۱/۲،كراتشى ،۳۲/٤،زكريا)

ودم نسک وهودم المتعة والقران وإنه على المأمور. (الفتاویٰ التاتارخانية:۶۵/۳،زكريا، انوارمناسک:۵۵۱)

والحاصل أن جميع الدماء المتعلقة بالإدام فى مال الحاج إلا دم الإ حصارفإنه فى مال المحجوج عنه ... وأما دم القران فلأنه دم نسک؛لأنه يجب شكراً أو سائرأفعا ل النسک على الحاج. (بدائع الصنائع،بيان شرائط النيابة فى الحج:۴۵۹/۲ ،نعيميه ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۳/۱۱/۴ھ۔ (کتاب النوازل: ۵۷۵/۷)

داماد کا سسر کی جانب سے حج بدل میں جانا:

سوال: زید کے اوپر حج فرض تھا؛ مگر وہ اپنی زندگی میں فریضہ سے سبکدوش نہ ہوسکے، اب ان کے داماد کوان کی جانب

سے حج بدل کے لیے بھیجا جائے تو حج ادا ہوگا، یا نہیں؟ جب کہ داماد نے نہ کبھی حج ادا کیا ہے اور نہ ہی ان پر حج فرض ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

صورت مسئولہ میں زید کی طرف سے حج بدل جائز ہے، خواہ ان کے داماد نے حج کیا ہو، یا نہ کیا ہو، جب کہ اس پر حج فرض نہیں ہے، البتہ ایسے شخص کو بھیجنا افضل ہے، جس نے اپنا حج فرض ادا کرلیا ہو۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

شبیر احمد (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۳/۲۶۷)

بیٹی کا اپنی والدہ کی طرف سے حج بدل کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ عمر کی دوسری موجودہ اہلیہ اپنی مرحومہ والدہ صاحبہ کی طرف سے حج بدل کرنا چاہتی ہے، جوان پر فرض تھا حالاں کہ اہلیہ کے بھائی صاحب حیثیت ہیں؛ لیکن عمر نے اہلیہ کو حج کے لیے پیسے ہدیہ کیا ہے اور کرے گا تو اس طرح کے حج میں کوئی شرعی اعتراض وقباحت تو نہیں ہے، اہلیہ کی مرحومہ والدہ نے کوئی وصیت حج کے لیے اہلیہ کو نہیں کی تھی، وہ از راہ محبت ایسا کرنا چاہتی ہیں؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

عمر کی اہلیہ اپنی والدہ کی طرف سے بلا تکلف حج بدل کرسکتی ہیں، جب کہ شوہر، یا محرم ساتھ ہو، آپ کی طرف سے انہیں پیسے دینے میں کوئی خرابی نہیں ہے۔

فیجوز إحجاج المراهق وكذا المرأة بإذن زوجها ووجود محرم معها. (غنیة الناسک: ۳۳۷، جدید)

وعلل فی الفتح، الكراهة بما فی المبسوط من أن حجها أنقض إذ لا رمل عليها ولا سعی فی بطن الوادی ولا رفع صوت بالتلبية ولا حلق. (شامی: ۴/۲۱، زکریا)

ولا فرق أيضاً بين أن يكون الحاج عن الغير رجلاً أو امرأة إلا أنه يكره إحجاج المرأة ويجوز، أما الجواز فلحديث الخثعمية، وأما الكراهة فلأنه يدخل فی حجها ضرب نقصان؛ لأن المرأة لا تستوفی سنن الحج فإنها لا ترمل فی الطواف ولا سعی بنی الصفا والمروة ولا حلق وغيره ذلك من الأفعال التی جازت للرجل دونها. (البحر العمیق: ۴/۲۲۶۸، شامی: ۴/۲۱، زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۹/۶/۱۴۲۵ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/۵۷۷)

والد اور دادا کی طرف سے بغیر وصیت کے حج بدل کرانا:

سوال: ایک شخص حج کے لیے جا رہا ہے اور اپنے ساتھ دو شخصوں کو اپنے سرمایہ سے لے جا رہا ہے، اس کا خیال

---

(۱) والأفضل للإنسان إذا أراد أن يحج رجلاً عن نفسه أن يحج رجلاً قد حج عن نفسه ومع هذا لو احج رجلاً لم يحج عن نفسه حجة الإسلام يجوز عندنا و سقط الحج عن الآزر كذا فی المحيط (الفتاویٰ الهنديه الباب الرابع عشر فی الحج عن الغير: ۱/۲۵۷)

ہے کہ ان دونوں سے اپنے والد اور دادا کی طرف سے حج کراؤں، مگر والد اور دادا کی طرف سے حج کی کوئی وصیت نہیں ہے، محض تبرعاً یہ ان کی طرف سے حج کرا رہا ہے تو حجِ بدل کرانا اپنے والد اور دادا کا زیادہ بہتر ہے، یا نفلی حج اپنی طرف سے کرنا بہتر ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اپنی طرف سے حجِ بدل کرا کے والد اور دادا کو ثواب پہونچا دے۔(۱) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۱/۱۳۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۱/۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۴۰۴)

حجِ بدل میں والدین کی طرف سے قران وغیرہ کی نیت کرنا:

سوال: اپنے والدین کی طرف سے حج بدل کرنے میں عربی میں حجِ قران کی نیت، طواف کی نیت اور قربانی کے وقت منی کی جگہ پر ماں باپ کا نام لیا جائے، یا صرف یہ کہے کہ اپنے والد بزرگوار کی طرف سے، یا اپنی والدہ محترمہ کی طرف سے نیت کر رہا ہوں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

نیت تو اصالۃً دل سے ہوتی ہے، زبان سے عربی میں کہے، یا اردو میں ہر طرح درست اور کافی ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۴۰۵)

ستر سالہ بوڑھا جو کمزور ہے، وہ حج بدل کرا سکتا ہے، یا نہیں:

سوال: میری عمر ستر سال کی ہے، میری نظر نہایت ضعیف ہے اور دن بدن کمزوری نگاہ وغیرہ کی بڑھ رہی ہے، سر چکراتا ہے تو میں حج سے معذور ہوں، یا نہیں؟ اگر میں اپنا نائب حج کے لیے بھیجوں تو حج فرض ادا ہو سکتا ہے، یا نہیں؟

---

(۱) والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أوصوماً أوصدقة ... أوحجا أوعمرة أوغير ذلک ... والظاهر أنه لا فرق بين أن ينوى به عند الفعل للغير، ويفعله لنفسه، ثم بعد ذلک يجعل ثوابه لغيره". (البحر الرائق، کتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳-۱۰۶، مکتبة زکريا ديوبند، انيس)

"والأصل أن كل من أتى بعبادةٍ ما، له جعل ثوابها لغيره وان نواها عند الفعل لنفسه، لظاهر الادلة". (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲/ ۵۹۵-۵۹۶، سعيد)

(۲) وينوى النائب عنه) الحج (فيقول: لبيک بحجة عن فلان)... وان اکتفیٰ بنية القلب، جاز ولو نسى اسمه فنوىٰ عن الآمر، صح". (مجمع الأنهر، کتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳۰۸/۱، داراحياء التراث العربی بيروت)

(و) بشرط (نية الحج عنه): أى عن الآمر فيقول: أحرمتُ عن فلان ولبيتُ عن فلان. ولو نسى اسمه فنوىٰ عن الآمر، صح وتكفى نية القلب. (الدر المختار مع رد المحتار، باب الحج عن الغير: ۲/ ۵۹۸، دار الفکر بيروت، انيس)

الجواب

اس صورت میں آپ کو اپنی طرف سے دوسرے شخص سے حج کراتا جائز اور صحیح ہے؛ کیوں کہ عاجز ہونا آپ کا سفر حج سے ظاہر ہے۔

درمختار میں ہے:

(والمركبة منهما) كحج الفرض (تقبل النيابة عند العجز فقط) لكن بشرط دوام العجز إلى الموت) لأنه فرض العمر، الخ. (۱)

الغرض آپ اپنی طرف سے حج کرا سکتے ہیں؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ ایسے شخص سے حج کرا دیں، جو اپنا حج فرض پہلے کر چکا ہو اور احکام حج سے واقف۔

والأفضل إحجاج الحر العالم بالمناسك الذي حج عن نفسه. (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵۶۲/۶)

کیا ضعیف شخص کسی دوسرے کو اپنی جگہ حج کے لیے بھیج سکتا ہے:

سوال: کیا ضعیف آدمی اپنے بجائے کسی اور کو حج کے لیے بھیج سکتا ہے؟

الجواب

اگر ضعیف آدمی خود حج کرنے پر قادر نہیں تو وہ کسی ایسے شخص کو اپنی طرف سے حج کرنے کے لیے بھیج سکتا ہے، جس نے اپنا حج کر لیا ہو۔ (۳) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی غفرلہ، ۲/۱۲/۱۳۹۶ھ۔ (فتاویٰ عثمانی: ۲۲۲/۲)

مستطیع حج فرض کے بجائے دوسرے کا حج بدل کرے:

سوال: میں ایک صاحبِ استطاعت شخص ہوں، میرا اندازہ ہے کہ مجھ پر حج فرض ہو چکا ہے، ادھر میرے ایک عزیز نے جو کافی ضعیف اور بیمار ہیں، مجھ کو حج بدل کی پیشکش کی، میں نے اس کو خوش دلی سے قبول کر لیا، جب کہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ میرے لیے حج بدل پر جانا درست نہیں؛ کیوں کہ میں صاحبِ استطاعت ہوں؟

(کریم الدین، نظام آباد)

---

(۱) الدر المختار علیٰ هامش ردالمحتار، کتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲۱/٤، مكتبة زكريا ديوبند

(۲) ردالمحتار، باب الحج عن الغير، مطلب في حج الضرورة: ۳۳۱/۲

(۳) في الدر المختار (۵۹۸/۲، طبع سعيد): حج الفرض تقبل النيابة عند العجز فقط، الخ.

وفي الهندية (۲۵۷/۱، طبع رشيدية كوئٹه) والأفضل للإنسان إذا أراد أن يحج رجلاً عن نفسه أن يحج رجلا قد حج عن نفسه. (فصل في المسائل المتفرقة المتعلقة بالحج)

الجواب

جس شخص پر خود حج فرض ہو، اس کو چاہیے کہ پہلے وہ خود اپنا حج کرلے اور حج بدل میں بھی، صحیح طریقہ یہ ہے کہ جو اپنا حج کر چکا ہو، اس سے حج بدل کرایا جائے، جس پر حج فرض ہو چکا ہے، اگر وہ حج بدل کرے، تب بھی احناف کے یہاں حجِ بدل درست ہو جائے گا؛ کیوں کہ حجۃ الوداع کے موقع سے ایک خاتون نے اپنے والد کی طرف سے حج کرنے کی اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں والد کی طرف سے حج بدل کی اجازت مرحمت فرمائی، (۱) ظاہر ہے کہ یہ حج فرض کی ادائیگی سے پہلے حجِ بدل کی ادائیگی تھی؛ لیکن ایسے شخص سے حج بدل کرانا مکروہ تحریمی ہے۔ واللہ اعلم

(کتاب الفتاویٰ: ۶۵/۴)

مجبوری کی وجہ سے حج بدل کرا سکتا ہے، یا نہیں:

سوال: زید پر باعتبار زاد و راحلہ کے حج فرض ہے؛ لیکن وہ بوجہ بڑھاپے اور نابینا ہونے کے چلنے سے عاجز ہے اور قائد کے خرچ پر قادر نہیں تو وہ دوسرے شخص سے حج کرا سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

معذور مذکور کو غیر سے حج کرانا بشرائط جائز ہے اور معذور کا حج فرض ادا ہو جاوے گا۔

درمختار میں ہے:

(والمركبة منهما) كحج الفرض (تقبل النيابة عند العجز). (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵۷۷/۶-۵۷۸)

والدہ مرحومہ کے لیے نفلی حج کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص اپنا حج پہلے کر چکا ہو تو دوسرے حج کے موقع پر اپنی والدہ مرحومہ کے لیے حج کر سکتا ہے؟

الجواب

جی ہاں، کر سکتا ہے۔ (۳) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی غفرلہ، ۱۳۸۸/۹/۲۱ھ۔ (فتاویٰ عثمانی: ۲۲۱/۲)

(۱) الجامع للترمذي، رقم الحديث: ٩٢٨، باب ما جاء في الحج عن الشيخ الكبير الميت

(۲) الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ٣٢٦/٢-٣٢٧

(۳) و في الغنية (ص: ١٧٦): تبرع الولد بالاحجاج أو الحج بنفسه عن احد أبويه إذا ... تولعيه حج الفرض ولم يوص به مندوب إليه جدا.

وفي التاتارخانية: ٢٤٦/٢: من مات وعليه فرض الحج ولم يوص به لم يلزم الوارث ان يحج عنه وإن أحب يحج عنه حج، وأرجو أن يجزيه إن شاء الله تعالى، الخ. (محمد زبير حق نواز)

حج فرض کے ہونے کے بعد اگر قدرت نہ رہے تو حج ساقط نہیں ہوتا:

سوال: میرے چھوٹے بھائی عبدالحکیم کا ارادہ حج بیت اللہ شریف کا ہے اور میری والدہ نابینا بارہ سال سے ہیں، جس وقت آنکھوں سے درست تھیں، اسی وقت سے وہ مالدار تھیں اور مال جو کچھ تھا، وہ والد صاحب کا تھا، والد صاحب حج کر آئے ہیں۔ اب دریافت طلب یہ مسئلہ ہے کہ آیا والدہ صاحبہ پر حج فرض آنکھوں کی حالت میں ہو گیا تھا، یا نہیں؟ اگر فرض ہو گیا ہے تو حج بدل ان کی زندگی میں میرے بھائی کو جائز ہے، یا نہیں؟ یا عمرہ ہی ان کی طرف سے جائز ہے اور میرے بھائی کے گھر میں سے انتقال ہو گیا اور یک بچہ آٹھ سال کی عمر کا چھوڑ کر مری ہے، میرا بھائی یہ چاہتا ہے کہ اس بچہ کی شادی کر کے حج کو جاوں گا۔ آیا تاخیر اس وجہ سے جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

جس وقت والد صاحب کا مال منتقل ہو کر والدہ کی ملک میں آیا، اگر وہ اس وقت بینا تھیں اور مال اس قدر تھا کہ جس سے مصارف حج سب پورے ہو سکیں اور دوسرا کوئی عذر مانع حج بھی نہ تھا تو والدہ کے ذمہ حج فرض ہو گیا اور اب نابینا ہونے کے بعد بھی ان پر فرض ہے کہ دوسرے آدمی کو بھیج کر حج کرائیں، یہ ضروری نہیں کہ اپنے بیٹے ہی کو بھیجیں، غیر کو بھی بھیج سکتی ہیں اور اگر بیٹا ہی جانا چاہے تو جلدی کرنا بہتر ہے کہ موت حیات لگی ہوئی ہیں؛ لیکن اگر اس کو اپنے لڑکے کی شادی کا خیال ہے اور اس طرف قلب کا تعلق زیادہ ہے تو یہی بہتر ہے، اس سے فارغ ہو کر جائیں۔

قال الشامي: قدر ثم عجز قبل الخروج وإلى الحج تقرر دنیا فی ذمته فیلزم الإحجاج .(۱)

(امداد المفتین: ۴۱۹/۲)

مریض کا حج بدل کرانا:

سوال: ایک شخص جو مالک نصاب ہے اور اس پر حج بیت اللہ فرض ہے؛ مگر اکثر علیل رہتا ہے، اگر علالت کی وجہ سے وہ سفر حج نہ کر سکے اور اپنے عاقل بالغ بیٹے کو تمام اخراجات دے کر حج کے لیے بھیجے تو حج ادا ہوگا، یا نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق

صورت مسئولہ میں اگر اس شخص کی علالت ایسی ہو کہ وہ سفر حج کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو وہ حج بدل کرا سکتا ہے، فرض ادا ہو جائے گا، (۲) اور اگر وہ سفر کی صلاحیت رکھتا ہو تو اس کو خود حج کرنا چاہیے، حج بدل سے فریضہ ادا نہیں ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۲۸/۷/۱۳۶۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۱۶۴/۳-۱۶۵)

---

(۱) رد المحتار، كتاب الحج: ۴۵۷/۳، دار عالم الكتب، رياض، انيس

(۲) البتہ اگر حج کے بعد عذر دور ہو جائے اور مکہ مکرمہ جانے پر قادر ہو جائے تو اس پر دوبارہ حج کرنا ضروری ہوگا۔

(تقبل النيابة عند العجز فقط) لكن (بشرط دوام العجز إلى الموت) ل(أنه فرض العمر حتىٰ تلزم الإعادة بزوال العذر. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الحج عن الغير: ۱۳۸/۲)

سلسل البول کے مریض کا حج کرنا:

سوال (۱) ہم پر حج فرض ہے؛ لیکن ہم کو سلسل البول اور ودی کا مرض ہے، پیشاب کا قطرہ تھوڑا تھوڑا آتا ہے اور شام میں ودی بھی آتی ہے، یہی وجہ ہے کہ دن میں پانچ مرتبہ کپڑا بدلتا ہوں، میں نے ایک عالم سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ آپ حالت اکبر میں رہتے ہیں، آپ کو حج بدل کرانا ہوگا، پھر ایک دوسرے جید عالم ومفتی یحییٰ صاحب سے پوچھا تو انہوں نے بھی حج بدل ہی بتلایا؛ لیکن اس میں مجھ کو شک معلوم ہوتا ہے، لہٰذا براہ کرم فتویٰ دیں کہ اس فریضہ حج کو ازروئے شرع کیسے انجام دیا جاسکے گا؟

کمزور دل آدمی کا حج بدل کرانا:

(۲) میں ایک کمزور دل کا آدمی ہوں، میری عمر تقریباً انہتر برس ہے، گزشتہ سال فریضہ حج کا ٹکٹ بک کرالیا تھا، ہوائی سفر کے تصور سے ہی پریشانی اور گھبراہٹ بے حد بڑھ گئی اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ کلکتہ جاتے جاتے میں نروس ہوجاؤں گا۔ اگر میں ہوائی سفر کرتا تو ہوسکتا تھا کہ میرے ساتھ کوئی جان لیوا حادثہ پیش آجائے؛ اس لیے میں نے ٹکٹ کو کینسل کرالیا اور میں ہوائی سفر کرنے سے بالکل قاصر ہوں اور بدقسمتی سے پانی جہاز بھی بند ہوچکا ہے۔ نیز اسلامی احکامات میں سہولت ہے، شدت نہیں۔ جان کی قدر تمام چیزوں پر مقدم ہے اور حج مجھ پر فرض ہے اور مجھ کو ہمیشہ یہی فکر لاحق رہتی ہے کہ کس طرح فرض کی ادائیگی ہوجائے؛ کیوں کہ نہ کرنے پر سخت وعید ہے اور وعید کے خوف سے میری حالت خراب ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آئندہ سال اس فریضہ کو انجام دے دوں، کیا ان حالات میں حج بدل کراسکتا ہوں؟ نیز حج بدل کرانے کے لیے حاجی ہونا ضروری ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۱) حالت صحت اور حالت عذر دونوں احکام الگ الگ ہیں، اگر واقعۃً کوئی شخص شرعی معذور ہے تو شریعت اسلامیہ نے اس کے لیے احکام میں سہولت رکھی ہے؛ اس لیے کہ دین میں آسانی ہے، تنگی نہیں ہے، چناں چہ اگر کوئی شخص واقعۃً شرعاً معذور ہے، مثلاً سلس البول یا نکسیر میں مبتلا ہے، اس کو نماز کے کامل وقت میں اتنا وقت نہیں ملتا ہے کہ وضو کرکے نماز ادا کرسکے کہ پیشاب کا قطرہ ٹپک جاتا ہے، یا ناک سے خون نکل آتا ہے تو شریعت نے اس کے لیے یہ سہولت دے رکھی ہے کہ وہ ایک وضو سے وقت کے اندر اندر جتنی نمازیں پڑھ سکتا ہے، پیشاب کا قطرہ ٹپکنے، یا خون نکلنے سے اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا، البتہ جب وقت نکل جائے گا تو وضو خود بخود ٹوٹ جائے گا، پھر دوبارہ وضو کرنا ہوگا۔

(وصاحب عذر من به سلس بول)...(أو استطلاق بطن أو انفلات ريح أو استحاضة)...(وإن استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة)...(وحكمه الوضوء)...(لكل فرض)...(ثم يصلى)

بـه(فيـه فرضاً ونفلاً)... فإذا خرج الوقت بطل). (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، مطلب فى أحكام المعذور: ۲۰۲/۱ـ۲۰۳)

لہٰذا صورت مسئولہ میں جب کہ آپ کو پیشاب کا قطرہ ہمیشہ ٹپکتا رہتا ہے، نماز کے کامل وقت میں اتنا وقت نہیں ملتا کہ وضو کر کے نماز ادا کرسکیں کہ پیشاب کا قطرہ ٹپک جاتا ہے تو ایسی صورت میں آپ شرعاً معذور ہیں اور معذور کا حکم اوپر لکھ دیا گیا ہے، لہٰذا آپ پاک وصاف کپڑا پہن کر وضو کر کے ارکان حج ادا کر سکتے ہیں، ارکان حج ادا ہوجائے گا اور اس حالت میں آپ طواف بھی کر سکتے ہیں۔

(۲)　اگر یہ صحیح ہے کہ آپ کمزور دل کے آدمی ہیں اور ہوائی جہاز کے سفر سے بہت زیادہ گھبراہٹ پیدا ہوتی ہے، اگر اس سے سفر ہوا تو جان لیوا حادثہ کا بھی ظن غالب ہے، جیسا کہ سوال سے واضح ہے تو ایسی صورت میں آپ دوسرے شخص کو حج بدل کے لیے بھیج سکتے ہیں، شرعاً اس کی اجازت ہے، البتہ حج بدل کے لیے بہتر یہ ہے کہ ایسے شخص کو بھیجیں جو اپنا حج فرض ادا کر چکا ہو، اگر ایسا شخص نہیں ملتا ہے تو اس شخص کو بھیج سکتے ہیں کہ جس نے حج ادا نہ کیا ہو اور اس پر حج فرض نہ ہو۔

والأفضل إحجاج الحر العالم بالمناسک الذى حج عن نفسه. (ردالمحتار: ۲۴۱/۲)

البتہ اگر حج بدل کرانے کے بعد یہ عذر دور ہوجائے اور آپ مکہ مکرمہ جانے پر قادر ہو جائیں تو آپ پر دوبارہ حج کرنا ضروری ہوگا۔

(تـقبـل الـنيـابة عند العجز فقط)(لكن(بشرط دوام العجز إلى الموت)لأنه فرض العمر حتىٰ تلزمه الإعادة بزوال العذر. (الدرالمختار: ۲۳۸/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۱۴؍ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۶۶/۳ـ۲۶۷)

بیماری کی وجہ سے کسی دوسر کو حج بدل پر بھیجنے کا حکم:

سوال (۱) پچھلے ماہ سے عرق النساء کی تکلیف میں مبتلا ہوں، تکالیف برداشت سے باہر ہیں، زیادہ چل پھر نہیں سکتا ہوں، اس حالت میں اپنی اہلیہ کو حج بدل میں بھیج سکتا ہوں، یا نہیں؟ جب کہ ان کا کوئی محرم نہیں؟

جس شخص نے اپنا حج نہ کیا ہو اسے حج بدل پر نہیں بھیجنا چاہیے:

(۲)　دونوں کا حج اوپر کی شکل میں ہوگا، یا نہیں؟ یا میرا حج ہوگا اور اہلیہ کو صرف ثواب ملے گا؟

الجواب

(۱)　اگر آپ اتنے بیمار ہیں کہ حج خود ادا نہیں کر سکتے تو کسی کو حج بدل پر بھیج سکتے ہیں، (۱) لیکن کسی ایسے شخص

(۱)　وفى الشامية (: ۵۹۸/۲، طبع سعيد): حج الفرض تقبل النيابة عند العجز فقط لكن بشرط دوام العجز إلى الموت.

کے ذریعے حج بدل کروائیں، جوخود اپنا حج کرچکا ہو۔جس شخص نے اپنا حج نہ کیا ہوا، اسے حج بدل پر بھیجنا مکروہ ہے، البتہ اگر بھیج دیا توحج ادا ہوجائے گا۔

(۲) آپ کی اہلیہ نے اگر اپنا حج نہیں کیا تو ان سے اپنا حج بدل نہ کرائیں۔ہاں،اگر وہ اپنا حج کر چکے ہیں تو انہیں محرم کے ساتھ حج بدل پر بھیج سکتے ہیں۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی غفرلہ، ۱۳۹۶/۹/۲۸ھ۔(فتاویٰ عثمانی:۲/۲۲۱)

۶۶ رسال کا سن رسیدہ حج بدل کرسکتا ہے، یانہیں:

سوال: ایک شخص ۶۶ رسال کو بوڑھا مجبور ہے،بعض بیماریاں ایسی لاحق ہیں کہ دور دراز کا سفر برداشت نہیں کرسکتا،ایسا شخص حج بدل کرالے تو درست ہے، یانہیں؟

الجواب

ایسا شخص بشرط عدم قدرت علی السفر حج بدل کراسکتا ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۵۶۱)

والدین میں سے کس کا حج بدل کرنا افضل ہے:

سوال(۱) میں حج کر چکا ہوں، والدین میں سے کس کا حج بدل کرنا چاہیے؟

(۲) کیا داماد اپنی بوڑھی ساس کا مخدوم بن کر حج کے لیے ساتھ میں جاسکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

حامداً ومصلیاً ومسلماً:

(۱) والدین میں سے اگر کسی پر حج فرض ہوا اور حج کئے بغیر اس کی وفات ہوگئی تو پہلے اس کی طرف سے حج بدل مناسب ہے، باقی شرعاً کوئی تنگی نہیں ہے، جس کی طرف سے چاہیں کریں۔

تنبیہ: جوزندہ ہواور حج کرنے پر قادر ہو اس کی طرف سے حج بدل نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) بوڑھی ساس اپنے داماد کے ساتھ حج کے لیے جاسکتی ہے۔واللہ اعلم بالصواب

کتبہ:عبداللہ غفرلہ، ۱۴۰۹/۸/۲۸ھ۔الجواب صحیح:محمد حنیف غفرلہ۔(فتاویٰ ریاض العلوم:۳/۳۴۴)

---

(۱) وعن ابن عباس رضی اللّٰہ عنه قال إن مرأة من خثعم قالت :یارسول اللّٰہ أن فریضة اللّٰہ علٰی عبادہ فی الحج أدرکت أبی شیخاً کبیراً لایثبت علی الراحلة فأحج عنه قال:نعم و ذلک فی حجة الوداع.(متفق علیه)(مشکاة المصابیح، کتاب الحج: ۲۲۱)

(والمرکبة منهما) کحج الفرض (تقبل النیابة عند العجز فقط) لکن بشرط دوام العجز الی الموت.(الدر المختار علٰی هامش رد المحتار، باب الحج عن الغیر: ۲/۲۳۶، ظفیر)

عورت کا حج بدل میں جانا:

سوال: زید حج کے لیے جا رہا ہے، مرحومہ حمیدہ کے وارثین چاہتے ہیں کہ حمیدہ کے حج بدل میں زید کی بیوی زید کے ساتھ چلی جائے تو کیا عورت حج بدل کر سکتی ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

حج بدل میں عورت کا جانا شرعاً جائز و درست ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں حمیدہ کے حج بدل میں زید کے ساتھ اس کی بیوی کا جانا جائز و درست ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ حج بدل میں کسی مرد کو بھیجا جائے، جس نے اپنا حج فرض ادا کر لیا ہو۔

لو أحج عنه امرأة أوعبد أو أمة بإذن السيد جاز ويكره، هكذا في محيط السرخسي. (الفتاویٰ الهندية: ۲۵۷/۱)

(**فجاز حج الصرورة...(والمرأة)...وغيرهم أولیٰ.** (الدرالمختار،مطلب فی حج الصرورة: ۲۴۱/۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۱۴۲۳/۵/۲ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۵۸/۳) ☆

کیا عورت حج بدل کر سکتی ہے:

سوال (۱) کیا عورت حج بدل میں جا سکتی ہے؟

(۲) اگر زید اپنی والدہ مرحومہ کی طرف سے حج میں جائے تو کون سا احرام باندھنا افضل ہوگا؟ افراد، یا قران، یا تمتع؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ

حامداً ومصلیاً ومسلماً:

(۱) عورت شوہر، یا محرم کے ساتھ حج بدل کو جا سکتی ہے۔ (شامی: ۲۱/۴)

(۲) زید اپنا حج کرے، یا اپنے مال سے ماں، یا کسی دوسرے کی طرف سے حج بدل کرے تو احناف کے نزدیک قران کرنا افضل ہے۔ (شامی: ۳۵۳/۳)

☆ عورت حج بدل کو جا سکتی ہے:

سوال: ایک صاحب مال عورت نے اپنے رشتہ دار کا حج بدل کرانے کے لیے ایسے شخص کو بھیجا، جس نے اس سے پہلے حج نہیں کیا ہے تو یہ حج بدل ہوا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

جی ہاں، محرم یا خاوند ساتھ ہو تو جا سکتی ہے؛ لیکن مرد کو بھیجنا اولیٰ بہتر ہے۔ (مجاز الضرورة بمهلمة من لم يحج والمرأة ولو أمة. (الدرالمختار مع الشامي باب الحج عن الغير: ۱۳۳/۲) (فتاویٰ رحیمیہ: ۸/)

لیکن اگر زید کی والدہ نے حج بدل کی وصیت کیا ہے اور حج ان کے ترکہ کے تہائی مال سے کیا جائے تو حج افراد کرنا چاہیے، تمتع اور قران کے جواز وعدم جواز میں علماء کرام کا اختلاف ہے؛ تاہم مجمع الفقہ الاسلامی نے حج تمتع اور قران کی بھی گنجائش لکھی ہے۔ (فیصلہ مجمع الفقہ الاسلامی، منعقدہ بمبئی ۱۹۹۷ء)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور دلیل سے یہی راجح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: محمد عثمان عفی عنہ، ۱۴۱۹/۱۸/۲۹ھ۔ الجواب صحیح: عبداللہ غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۳/۳۴۳-۳۴۴)

بوڑھی نابینا عورت کا حج بدل کرانا:

سوال: میرے والدین پر حج فرض تھا؛ مگر ابتداء وقت میں حج نہ کر سکے، میرے والد کا انتقال ہو چکا ہے، اب میری والدہ باحیات ہیں؛ مگر اداء حج کے قابل نہیں رہیں، چوں کہ بہت ضعیف ہو چکی ہیں، چلنا پھرنا مشکل ہے، پھر یہ کہ بینائی بھی نہیں ہے، ارکان نماز بھی نہیں جانتی ہیں اور پابند بھی نہیں ہیں۔ اب جو میرے اوپر حج فرض ہوا ہے تو زوجہ کے ساتھ جا رہا ہوں، والدہ کو نہیں لے جا رہا ہوں، چوں کہ حج کے ارکان سیکھنا اور کرنا مشکل اور دشوار ہے، اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب ______________ وباللّٰہ التوفیق

جب آپ کے والد کے ذمہ حج فرض تھا تو ان کو ادا کر لینا چاہیے تھا، اگر زندگی میں نہ ادا کر سکے تو مرتے وقت وصیت کر دینا چاہیے تھا کہ میرے متروکہ مال میں سے حج بدل کرا دیا جائے، اگر انہوں نے زندگی میں ادا نہیں کیا اور نہ ہی ادا کرنے کی وصیت کی تو حج ان کے ذمہ رہ گیا، اگر آپ لوگ ان کی طرف سے حج ادا کروا دیں تو ان کے ذمہ سے ساقط ہو جائے اور آپ کو بھی ثواب ملے گا۔ (۱) اگر آپ کی والدہ کے ذمہ بھی فرض ہے اور وہ جانے کے لائق نہیں ہیں، چلنا پھرنا دشوار ہے تو آپ کی والدہ کو چاہیے کہ کسی اچھے آدمی سے حج بدل (اپنے اخراجات سے) کرا دیں، اس طرح آ کی والدہ سے حج ساقط ہو جائے گا۔ (۲) آپ پر حج فرض ہے تو آپ کو بہرحال حج کر لینا چاہیے، آپ کے ذمہ اپنی والدہ کو لے جانا ضروری نہیں ہے۔ آپ کی والدہ کا حج ان ہی پر فرض ہے، اس کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے، البتہ آپ کو چاہیے کہ حج بدل کے لیے آدمی تلاش کر کے مہیا کرا دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۳/۲۵۹)

---

(۱) من علیه الحج إذا مات قبل أدائه فإن مات عن غیر وصیة یأثم بلا خلاف وإن أحب الوارث أن یحج عنه حج وأرجو أن یجزئه ذٰلک إن شاء اللّٰه تعالیٰ. (الفتاویٰ الهندیة، الباب الخامس عشر فی الوصیة بالحج: ۱/۲۵۸)

(۲) (تقبل النیابة عند العجز فقط) لکن (بشرط دوام العجز إلی الموت). (الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، باب الحج عن الغیر: ۲/۲۳۸)

عورت کی طرف سے کیا عورت حج بدل کرسکتی ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میری والدہ محترمہ ضعیف بھی ہے اور ہارٹ (دل) کی مریضہ بھی ہے، ان کے بدلے میں میں کسی کو حج کے لیے بھیجنا چاہتا ہوں۔اس کی کیا شکل ہے؟ کیسے آدمی کو بھیجا جائے؟ عورت کو، یا مرد کو بھیجا جائے، حج بدل کے بارے میں پوری تفصیل تحریر فرمائیں۔

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

مرد کی طرف سے عورت کو حج بدل کرنا جائز؛ مگر مکروہ ہے؛ اس لیے کہ عورت کے حج میں بہت سی سنتیں مثلاً رمل، اضطباع وغیرہ نہیں ہیں؛ اس لیے بہتر یہی ہے کہ مرد سے حج بدل کرایا جائے۔ (معلم الحجاج ۲۸۶)

ولا فرق أيضاً بين أن يكون الحاج عن الغير رجلاً أو امرأة إلا أنه يكره إحجاج المرأة ويجوز، أما الجواز فلحديث الخثعمية، وأما الكراهة فلأنه يدخل في حجها ضرب نقصان لأن المرأة لا تستوفي سنن الحج فإنها لا ترمل في الطواف، ولا تسعى بين الصفا والمروة، ولا تحلق وغيره ذلک من الأفعال التي جازت للرجل دونها. (البحر العميق: ٢٢٦٨/٤، شامي: ٢١/٤، بيروت)

عن الفضل بن عباس رضي اللّٰه عنهما أن امرأة من خثعم قالت: يارسول اللّٰه إن أبي أدركته فريضة اللّٰه في الحج، وهو شيخ كبير، لايستطيع أن يستوي علىٰ ظهر البعير، قال حجي عنه. (سنن الترمذي: ١٨٥/١)

ولا فرق أيضاً بين أن يكون الحاج عن الغير رجلاً أو امرأة إلا أنه يكره إحجاج المرأة ويجوز. (البحر العميق: ٢٢٦٨/٤)

وعلل في الفتح: الكراهة في المرأة بما في المبسوط من أن حجها أنقص، إذ لا رمل عليها، ولا سعي في بطن الوادي، ولا رفع صوت بالتلبية، ولا حلق. (شامي، باب الحج عن الغير، مطلب في الحج الصرورة: ۲۱/۴، زکریا، کتاب المسائل: ۳۶۶/۳)

فإن حج امرأة جاز مع الكراهة؛ لأن حج المرأة إنقص؛ لأنه ليس فيه رمل ولا سعي في بطن الوادي ورفع الصوت بالتلبية ولا الحلق فكان إحجاج الرجل عنه أكمل من إحجاج المرأة. (المبسوط: ١٥٥/٤، أو جز المسالك: ٨٩٣/٢، بدائع الصنائع: ٢١٣/٢، انوار مناسک: ۵۵۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۶/۱۱/۲۴ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۵۹۸/۷)

پردہ نشیں عورت جب محرم نہ ہو تو کیا حج بدل کرسکتی ہے:

سوال: عورت پردہ نشیں کے پاس مال ہے؛ مگر محرم نہیں تو وہ حج بدل کراسکتی ہے، یا نہیں؟

(۲)　بغیر محرم شرعی حج دوسرے لوگوں کے ساتھ کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ اگرچہ تکلیف راستہ کے بسبب پردہ قائم رہنا دشوار ہے؟

الجواب

حج فرض میں کسی دوسرے کو اپنے عوض حج کے لیے بھیجنے میں یہ شرط ہے کہ خود کسی طرح حج کو نہ جا سکے، بالکل معذور ہو، بصورت عذر اگر کسی کو اپنی طرف سے نیابۃً حج کر بھیجے تو اس کا خرچ سفر دیوے۔ زادِ راہ میں یہ شرط نہیں ہے کہ امیرانہ دیوے، یا متوسط یا بقدر کفایت جس طرح حج کرنے والا راضی ہو جاوے، جس طرح خرچ کرے، وہ مال آمر سے ہونا چاہیے، اگر امیرانہ خرچ دیوے، وہ بھی درست ہے اور متوسط خرچ دیوے، یا بقدر کفایت نہ دیوے اور مامور راضی ہو تو یہ بھی جائز ہے، غرض مامور جیسے خرچ کا عادی ہو اور جس طرح اس کو آسائش ہو وہ کام کرے۔(۱)

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۶/۵۶۸-۵۶۹)

مرحومین کی طرف سے حج وعمرہ:

سوال:　مرحومین کی طرف سے حج وعمرہ کر سکتے ہیں، یا نہیں؟　(حفیظ الرحمٰن، نظام آباد)

الجواب

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

’’قبیلۂ جہینہ کی ایک خاتون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی؛ لیکن حج کرنے سے پہلے ہی ان کا انتقال ہو گیا تو کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں، ان کی طرف سے حج کرلو، اگر تمہاری ماں پر دین ہوتا تو تم اسے ادا کرتی، یا نہیں؟ تو یہ بھی اللہ تعالی کا دین ہے اور اللہ تعالی کا دین زیادہ مستحق ادائیگی ہے‘‘۔(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ مردہ کی طرف سے حج کیا جا سکتا ہے۔

اب حج کرنے کی تین صورتیں ہیں: یا تو مرحوم پر حج فرض ہی نہیں تھا، بہ طور نفل ان کی طرف سے حج کیا جائے۔ یہ حج بہ طور ایصال ثواب ہے اور حج کے ذریعہ ایصال ثواب پر اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے اور اگر حج اس پر واجب تھا، وہ خود حج تو نہ کر سکا؛ لیکن حج کی وصیت کر دی، ایسی صورت میں ورثا پر اس کی طرف سے حج کی ادائیگی واجب ہے، اگر اس نے وصیت نہیں کی تو یہ گناہ ہے اور ورثا پر اس کی طرف سے حج کرنا واجب نہیں؛ تاہم حضرت امام ابو حنیفہؒ سے

---

(۱)　وبقی من الشرائط النفقة من مال الآمر كلها أو أكثرها. (الدر المختار علی هامش رد المحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب فی الفرق بين العبادة ... :۴/۱۶-۱۷، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲)　صحيح البخاری، رقم الحديث: ۱۸۵۲

منقول ہے کہ اگر ورثہ رضا کارانہ طور پر اس کی طرف سے حج کرلیں، یا حج کرادیں تو امید ہے کہ یہ اس کے لیے کافی ہوجائے گا۔(۱) غرض اس صورت میں بھی ورثہ کو مرحوم کی طرف سے حج کرادینا چاہیے؛ کیوں کہ یا تو یہ اس پر حج فرض کا بدل ہوجائے گا اور عنداللہ وہ مواخذہ سے محفوظ رہے گا، یا کم سے کم اس کی طرف سے حج نفل ہوجائے گا اور وہ حج کے ثواب کا حق دار ہوگا، جیسے حج کا ثواب مرحوم کو پہونچایا جاسکتا ہے، اسی طرح عمرہ کا بھی؛ اس لیے مرحومین کی طرف سے عمرہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۶۳/۴-۶۴)

حج بدل مرحومین کی طرف سے:

سوال: مرنے والوں کی طرف سے کیا حج بدل کرایا جاسکتا ہے؟ اور اس کا طریقہ کیا ہے؟

(سید حفیظ الرحمٰن، نظام آباد)

الجواب

کسی شخص پر حج فرض ہو؛ لیکن وہ جسمانی طور پر سفر حج، یا افعال حج کو ادا کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اور وہ کسی کو حج پر بھیجے، یا اس کی وفات ہوگئی ہو اور اس نے اپنی طرف سے حج کی وصیت کی ہو تو یہ صورت حج بدل کی ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ حج کے احرام باندھتے وقت اسی کی طرف سے حج کی نیت کرے، یا تلبیہ میں اس کا نام لے، جس کی طرف سے حج بدل کر رہا ہے، جیسے ''لبیک عن فلان''۔ فقہا نے حج بدل کے جو احکام لکھے ہیں، وہ انہی صورتوں سے متعلق ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی متوفی شخص کو ثواب پہنچانے کی غرض سے حج کیا جائے، حالاں کہ اس پر حج فرض ہی نہیں تھا، یا حج فرض تھا؛ لیکن حج کرانے کی وصیت نہیں کی تھی تو یہ حج بطور ایصال ثواب کے ہے، ایسی صورت میں حج کا احرام باندھنے کے بعد یہ کہہ دینا کافی ہے کہ اے اللہ اس کا ثواب فلان شخص کو پہنچے، اس حج کے احکام حج نفل کے سے ہیں، عمرہ کے بارے میں بھی یہی تفصیل ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۶۶/۴-۶۷)

مرحومہ والدہ کی طرف سے حج بدل کی نیت کی، پھر سفر کے قابل نہ رہا تو وہ شخص کیا کرے:

سوال: میں نے اپنی مرحومہ والدہ کی طرف سے حج بدل کرنے کی نیت کر رکھی ہے، مرحومہ نے مجھے وصیت نہیں کی ہے، میں اپنی طرف سے حج بدل کرنا چاہتا تھا؛ مگر میں قلب کا مریض ہوگیا، حج کا سفر اب میرے لیے بہت مشکل ہے، اگر میں حج کے بجائے والدہ مرحومہ کے ایصال ثوب کے لیے کوئی صدقۂ جاریہ کا کام کردوں تو کرسکتا ہوں، یا نہیں؟ جواب مرحمت فرمائیں، بینوا توجروا۔

الجواب

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدہ مرحومہ کی طرف سے حج بدل کرنے کی نیت کی تھی؛ مگر اس وقت مرض کی وجہ سے

(۱) دیکھئے: الفتاوی الهندية: ۲۵۸/۱

خود آپ نہیں جاسکتے تو کسی ایسے نیک صالح شخص کو والدہ کی طرف سے حج بدل کے لیے بھیج دیا جائے، جو اپنا حج کر چکا ہو، اگر والدہ مرحومہ پر حج فرض ہوا اور وہ اپنا فریضہ ادا نہ کر سکی ہوں تو اللہ کی ذات سے امید ہے کہ ان کا حج ادا ہو جائے گا اور مرحوم والدین کی طرف سے حج بدل کرانے کی بڑی فضیلت ہے۔

شامی میں حدیث نقل کی ہے:

أخرج الدارقطني عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما عنه من حج عن أبويه أو قضىٰ عنهما مغرما بعث يوم القيامة مع الأبرار وأخرج أيضا عن جابر أنه عليه الصلاة والسلام قال: من حج عن أبيه وأمه فقد قضى عنه حجته وكان له فضل عشر حجج،واخرج أيضاً عن زيد بن أرقم قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذا حج الرجل عن والديه تقبل منه ومنهما واستبشرت أرواحهما وكتب عند اللّٰه براً. (۱)

(یعنی دار قطنی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو اپنے والدین کی طرف سے حج کرے، یا قرض ادا کرے تو قیامت کے دن صلحا کے ساتھ اٹھایا جائے گا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جس شخص نے اپنی والدا اور والدہ کی طرف سے حج کیا تو اس نے ان کی طرف سے حج ادا کر دیا اور اس کو اس زائد حج کا ثواب ملے گا اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنے والدین کی طرف سے حج ادا کرے گا تو اس کی طرف سے اور اس کے والدین کی طرف سے قبول کیا جاتا ہے اور ان کی ارواح کو بشارت دی جائے گی اور اللہ کے یہاں یہ شخص نیکوکار لکھا جائے گا۔)

لہٰذا آپ نے جو نیت کی ہے، اس کے مطابق عمل کیا جائے، اگر آپ خود نہ جاسکتے ہوں تو کسی متقی شخص کو والدہ مرحومہ کی طرف سے حج بدل کے لیے بھیج دیا جائے، اس کے علاوہ اپنی حیثیت کے مطابق کوئی صدقۂ جاریہ کا کام کر دیا جائے تو نور علی نور ہوگا، والدہ مرحومہ کی روح بہت خوش ہوگی اور ان کو بڑا اجر وثواب ملے گا اور آپ بھی محروم نہ ہوں گے۔ (ان شاء اللہ) فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۸/)

والد مرحوم کی طرف سے حجِ بدل:

سوال: زید کے والد مرحوم پر حج فرض تھا؛ مگر نادانی اور غفلت کی وجہ سے فریضہ حج ادا نہیں کر سکے، یہاں تک کہ ان پر ایسا بھی وقت آ گیا کہ وہ بہت مقروض ہو گئے اور مقروض ہو کر انتقال کر گئے اور اپنے حج کی کوئی وصیت نہیں کی۔ وصال کے بعد زید نے والد مرحوم کا سب قرض ادا کر دیا۔ اب اس کے دل میں خیال گزرا کہ والد مرحوم کی جانب سے حجِ بدل کرادے اور اس فریضہ سے بھی ان کو سبکدوش کرادے؛ مگر اب زید پر بھی حج فرض ہے اور نقد روپیہ اتنا نہیں کہ

(۱) سنن الدارقطني،رقم الحديث:۲۶۰۸، ۲۶۱۰، ۲۶۰۷،انیس

خود بھی حج کے لیے جائے اور والد کا حج بدل بھی کرادے تو اب مقدم کس کو کرے خود کو، یا والد مرحوم کو؟ جس کو مؤخر کرے، اگر اس کے لیے قرض لے کر ساتھ حج کرائے تو اس میں شرعاً کوئی قباحت تو نہیں، بہتر کیا ہے؟

نیز اس کے والد کا معیارِ زندگی بہت بلند تھا۔ اب زید چاہتا ہے کہ والد کے حج بدل کے لیے کسی ایسے شخص کو بھیجے، جس کا معیار زندگی پست ہو؛ تاکہ کم سے کم روپیہ میں حج ہو جائے تو کیا ایسا کرنے سے اس کے والد کا حج بدل درست ہو جائے گا اور وہ عند اللہ سبکدوش ہو سکیں گے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

والد نے حج بدل کی نصیت نہیں کی تو ان کی طرف سے حج بدل کرانا فرض نہیں، (۱) اور خود زید کے ذمہ حج فرض ہے، لہٰذا اپنا حج فرض اول ادا کرے۔ (۲) پھر اگر وسعت ہو تو والد کی طرف سے بھی حج ادا کرادے، ان کو بھی ثواب پہونچ جائے گا، جس معیار کے آدمی سے جس قدر روپیہ بھی خرچ کر کے حج ادا کرادے گا، اسی قدر ثواب پہنچ جائے گا۔ اگر انہوں نے وصیت کی ہوتی تو ادائے فرض کا حتمی حکم کیا جاتا۔ (۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۴۲۲-۴۲۳)

میت کی جانب سے حج کرنے سے ذمہ فارغ ہو جائے گا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی پر حج فرض تھا؛ مگر زندگی میں ادا نہیں کیا

---

(۱) "ومن مات وعليه فرض الحج ولم يوص به لم يلزم الوارث أن يحج عنه، وان أحب أن يحج عنه حج، وأرجوا أن يجزيه ان شاء اللّٰه تعالىٰ". (الفتاویٰ التار تارخانية، كتاب المناسک، الوصية بالحج: ٣/٦٦٧، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

"فإن لم يوص به حتى مات، أثم بتفويته الفرض ممن وقته ... حتىٰ لا يلزم الوارث الحج عنه من تركته ... وان أحب الوارث أن يحج عنه حج، وأرجو أن يجزيه ان شاء اللّٰه تعالىٰ، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل: وأما بيان حكم فوات الحج عن العمرة: ٣/٢٩١، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

(۲) "فدل أنه لايجوز الحج عن غيره قبل أن يحج عن نفسه، ولأنه حجه عن نفسه فرض عليه، وحجه عن غيره ليس بفرض، فلا يجوز ترک الفرض بما ليس بفرض". (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فى بيان شرائط النيابة فى الحج: ٢/ ٤٥٦، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

"إن حج الصرورة عن غيره ان كان بعد تحقق الوجوب عليه بملک الزاد والراحة والصحة، فهو مكروه كراهة تحريم؛ لأنه تضيق عليه فى أول سنى الامكان، فأثم بتركه". (رد المحتار، مطلب فى حج الصرورة: ٢/٦٠٣، سعيد)

(۳) "وإن مات عن وصية لايسقط الحج عنه، ويجب أن يحج عنه؛ لأن الوصية بالحج قد صحت، واذا حج يجوز عند استجماع شرائط الجواز". (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل: وأما بيان حكم فوات الحج عن العمرة: ٣/٢٩٢، دار الكتب العلمية، بيروت)

"وإن مات عن وصية لايسقط الحج عنه، واذا حج عنه يجوز عندنا باستجماع شرائط الجواز". (الفتاویٰ الهندية، الباب الخامس عشر فى الوصية بالحج: ١/ ٢٥٨، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

اورفوت ہوا اور حج کی وصیت بھی نہیں کی۔ کیا اب اس کے ورثا اس سے حج کر سکتے ہیں اور ذمہ فارغ ہو جائے گا؟ بینواتوجروا۔　　(المستفتی: مفقود العنوان، ۱۹۸۴/۸/۲۵ء)

الجواب

اولاد وغیرہ میت کی طرف سے حج کر سکتے ہیں، اس سے ان شاء اللہ اس کا ذمہ فارغ ہو جائے گا، اگر چہ اس نے وصیت نہیں کی ہے۔ (شامی) (۱) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۳۱۳/۴-۳۱۴)

بغیر وصیت کے میت کی طرف سے حج بدل:

سوال: "الف" پر حج فرض تھا، اپنی زندگی میں حج ادا نہیں کر سکا اور نہ ہی وصیت کر سکا، اگر اس کی اولاد اس کی طرف سے حج کر دے تو کیا اس کے والد کی طرف سے حج ادا ہو جائے گا؟　　(محمد مبشر قاسمی، بامبے)

الجواب

اصل تو یہی ہے کہ آدمی بوقت قدرت فریضۂ شرعی کو ادا کر دے اور اگر ادا نہ کر سکا تو کم سے کم وصیت کر جائے؛ تاہم اگر وصیت بھی نہیں کی اور ورثہ نے سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مورث کی طرف سے حج ادا کر دیا تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ اس کا حج ادا ہو جائے گا اور وہ عنداللہ جواب دہی سے بچ جائے گا۔

لو مات رجل بعد وجوب الحج و لم یوص به،فحج رجل عنه أو حج عن أبیه أو أمه عن حجة الإسلام من غیر وصیة،قال أبو حنیفة: یجزیه إن شاء اللّٰه ،وبعد الوصیة یجزیه من غیر المشیة". (۲) (کتاب الفتاویٰ: ۶۱/۴-۶۲)

میت کی طرف سے بلا وصیت حجِ بدل:

سوال: "تکمیل القبور ترجمہ شرح الصدور" میں منجملہ چند احادیث کے ایک حدیث کا یہ مضمون ہے: "بزار اور طبرانی نے بسندِ حسن حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے والد کا انتقال ہو گیا، انہوں نے حجِ اسلام؛ یعنی حج فرض ادا نہیں کیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ "مجھ کو یہ بتا کہ اگر تیرے باپ کے ذمہ کسی کا قرضہ ہوتا، کیا اس کی جانب سے تو ادا کرتا؟" تو اس نے عرض کیا کہ ہاں، ضرور کرتا، آپ نے فرمایا کہ "یہ بھی تو اس کے ذمہ قرض ہے، سو تو اس کو ادا کر"۔ (۳) اور بھی کئی حدیثیں اس قسم کی ہیں۔

(۱) قال العلامة محمد امین ابن عابدین: (قوله:إلا إذا حج أو أحج الوارث) ای فیجزئه ان شاء اللّٰه تعالیٰ کما فی البدائع واللباب وهذا اذا لم یوص المورث.(ردالمحتار هامش الدرالمختار: ۲۵۹/۲،قبیل مطلب شروط الحج عن الغیر عشرون)

(۲) ردالمحتار، کتاب الحج: ۱۶/۴

(۳) عن أنس بن مالک رضی اللّٰه تعالیٰ عنه: أن رجلاً سأل النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم فقال: هلک أبی ولم یحج، قال: "رأیت لو کان علی أبیک دینٌ فقضیته عنه أیتقبل منه"؟ قال: نعم، قال: فاحجج عنه". (سنن الدار قطنی، کتاب الحج: ۲۶۰/۲، دارنشر الکتب الاسلامیة لاهور)

اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جو شخص اتنا سرمایہ چھوڑ کر مرے، جس سے حج ادا ہوسکتا ہے تو اس کے ورثا کو لازم ہے کہ اس کے ترکہ سے پہلے اس کا قرض ادا کرے، چوں کہ حج بھی جس پر فرض ہوگیا ہے، قرض ہی میں داخل ہے، لہٰذا اس کو بھی ادا کیا جائے، اس کے بعد جو بچے اس کو ورثاء حسب حصہ تقسیم کرلیں۔

احقر کو اس میں یہ تشویش ہورہی ہے کہ چچا پٹواری کا ترکہ جو کئی ہزار روپیہ کی مالیت تھی، ہم لوگوں نے بلا اس کی طرف سے حج ادا کرائے، سب ورثا نے آپس میں تقسیم کرلیا تو ان کی حق تلفی کی گئی، اس کے سوا بہت سی جگہ ایسا معاملہ ہوا اور ہوتا رہتا ہے کہ قرضہ تو قرض خاہوں کی طلب پر ادا کردیا جاتا ہے؛ لیکن حج مُردہ کا کوئی نہیں کراتا۔ اس کا مواخذہ ورثہ سے ہوگا، یا کیوں کر؟ جواب صواب سے ممنون فرمایا جاوے۔ فقط

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

میت کی طرف سے حج کرانا اس وقت واجب ہے، جب کہ اس نے وصیت کی ہو، وہ بھی ایک ثلثِ ترکہ سے، بغیر وصیت واجب نہیں، اگر بغیر وصیت کوئی وارث اپنے حصے سے حج ادا کرادے، یا اپنی طرف سے اپنے مال سے ادا کرادے تو امید ہے کہ وہ میت مواخذہ سے بری ہوجائے، حدیث کا مطلب بھی یہی ہے کہ میت کو مواخذہ سے بچانے کے لیے حج ادا کردو، یہ مطلب نہیں کہ اگر حج نہیں کروگے تو تم سے مواخذہ ہوگا اور ترکہ تقسیم کرنا ناجائز ہوگا، اگر آپ کے چچا نے وصیت نہیں کی تو آپ پر مواخذہ نہیں۔ (۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۵/۷/۶۴ ۱۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۴۲۰-۴۲۱)

ورثہ میت کی طرف سے حج بدل کراسکتے ہیں:

سوال: حج بدل میت کے ورثا کراسکتے ہیں، یا نہیں؟ اگر مردے کی طرف سے حج بدل ہوسکتا ہے تو روزہ نماز جو میت کے ذمہ باقی رہ گئی ہو، ورثا کے روزہ رکھنے سے اور نماز پڑھنے سے میت کی خلاصی ہوسکتی ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ

حامداً و مصلیاً و مسلماً:

میت کی طرف سے ورثہ حج کراسکتے ہیں؛ لیکن میت کی جانب سے ورثہ کے روزہ رکھنے اور نماز پڑھنے سے میت کے ذمہ باقی رہی ہوئی نمازیں اور روزے ادا نہ ہوں گے، روزوں اور نمازوں سے برأتِ ذمہ کی شکل یہ ہے کہ ہر روزہ اور ہر نماز کی جانب سے فدیہ دیا جائے اور فدیہ کی مقدار وہی ہے، جو صدقۂ فطر کی ہے۔

---

(۱) ”ومن مات وعلیه فرض الحج ولم یوص به لم یلزم الوارث أن یحج عنه، وإن أحب أن یحج عنه حج، وأرجوا أن یجزیه انشاء اللّٰه تعالیٰ“. (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب المناسک، الوصیة بالحج: ۳/۶۶۷، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

لو مات رجل بعد وجوب الحج ولم يوص به فحج رجل عنه أو حج عن أبيه أو أمه عن حجة الإسلام من غير وصية، قال أبو حنيفة: يجزيه إن شاء الله، وبعد الوصية يجزيه من غير المشية. (شامی: ۲/۲۵۹) واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبداللہ غفرلہ، ۱۲/۳/۱۴۰۷ھ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۳/۳۴۸)

میت غیر معتبر شخص کے بارے میں وصیت کرے تو وارث کسی معتبر شخص کو حج پر بھیج سکتا ہے:

سوال: کسی نے اپنے وارث کو وصیت کی کہ اس کے مرنے کے بعد فلاں شہر سے حج کرادے؛ لیکن وہ شخص مامور حاجیوں کا معلم ہے، آج کل کے معلم لوگ متعدد لوگوں سے حج کرانے کے لیے روپیہ وصول کرتے ہیں؛ مگر شاید ایک آدمی کی طرف سے حج ادا کرادیتے ہیں؛ اس لیے لوگوں کو ظن غالب ہے کہ وہ مامور شخص خائن متہم غیر متدین ہے، آیا اس صورت میں وارث دوسرے شخص کے ذریعہ سے اپنے والد کا حج کراسکتے ہیں، یا نہیں؟

(۲) مگر شخص مذکور بارہا تیسرے درجہ کی سواری میں آمد ورفت کرتے ہیں اور وارث کو تیسرے درجہ کا کرایہ دینے کی وسعت ہے، اس سے زیادہ دینے کی وسعت نہیں ہے، اس صورت میں بھی وارث کو دوسرے شخص سے حج کرانا جائز ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۱۹۲۶، محمد روح الدین صاحب (کلکتہ) ۲۰/شعبان ۱۳۵۶ھ، ۲۶/اکتوبر ۱۹۳۷ء)

الجواب

(۱) دوسرے معتمد شخص سے حج بدل کراسکتے ہیں۔(۱)

(۲) اس کو معمول سے زیادہ صرفہ دینا جائز نہیں، دوسرے شخص کو تیسرے درجے میں بھیجا جاسکتا ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۴/۳۴۳)

بلا وصیت نابالغ کے مال سے حج بدل درست ہے، یا نہیں:

سوال: میرے بھائی عمر علی نے انتقال کیا اور وہ بہت مالدار تھا؛ مگر حج کی وصیت نہیں کی اور وارث ان کے چار لڑکے ایک بالغ اور تین نابالغ ہیں اور تین بیوی اور پانچ لڑکی تو اس صورت میں حج کرانے کا کیا حکم ہے اور یتیم کی زمین کو ٹھیکہ پر دینا اور مورث کا قرض ادا کرنا کیسا ہے؟

---

(۱) کیوں کہ موصی نے غیر سے حج کرانے کی نفی نہیں کی۔

"فلو قال يحج عني فلان لا غيره، لم يجز حج غيره، ولو لم يقل لا غيره، جاز. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲/۶۰۰، ط: سعيد)

(۲) چونکہ موصی کو بھی معلوم ہوگا کہ یہ تیسرے درجے میں سفر کرتا ہے اور وہ تیسرے درجے کے کرایے پر راضی ہوگا۔

الجواب

جوامور متعلق نفع یتیم کے ہیں، وہ کرنا درست ہے، مثلاً زمین کوٹھیکہ پر دینا، اگر موجب نفع ہوتو درست ہےاور حج کرانا حصہ یتیم نابالغ میں سے بدون وصیت متوفی درست نہیں ہےاور بالغوں کے ذمہ لازم نہیں، البتہ اگر بالغین اپنے حصہ میں سے حج میت کی طرف سے کرادیویں تو بہتر ہے؛ مگر فرض اورواجب نہیں ہے،(۱) اور جن لوگوں کا قرض بذمہ متوفی ہے، وہ ادا کرنا چاہیے۔ مشترک ترکہ میں سے سب کا قرض ادا کردیا جائے اور زکوٰۃ نابالغ کے حصہ میں واجب نہیں۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۵۷)

مطلق حج بدل کی وصیت میں کون سے حج احرام باندھے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید نے اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کرانے کی وصیت کی اور زید کا انتقال ہوگیا، حال یہ ہے کہ جن کی طرف سے وصیت کی ہے، ان پر حج فرض نہیں تھا، اب ورثا بکر کو بھیج رہے ہیں تو بکر اس صورت میں احرام حج افراد ہی کا باندھے گا، یا قران وتمتع کا بھی احرام باندھ سکتا ہے؟ جب کہ آمر کی طرف سے تینوں قسم کے احرام باندھنے کی اجازت ہے، اور دم قران ودم تمتع آمر کے مال سے ہوگا، یا مامور خود اپنے مال سے ادا کرے؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ، الجواب وباللّٰہ التوفیق

حج بدل کرانے والا اگر مطلق اجازت دے کہ حج کی کوئی قسم بھی ادا کروتو مامور کے لیے قران، وتمتع کی بھی اجازت ہے، اگر چہ تمتع نہ کرنے میں احتیاط زیادہ ہےاور دم قران وتمتع مامور پرواجب ہوگا آمر پر نہیں۔

ولو أطلق النية عن ذكر المحجوج عنه فله أن يعينه قبل الشروع في الأعمال، وإن لم يعينه حتٰى شرع في الأعمال تعذر التعيين وتحققت المخالفة فيقع الحج عنه وعليه الضمان. (غنية الناسک:۳۳۵، إدارة القرآن كراتشي)

فلو أمره بالحج فتمتع ولو عن الأمر فهو مخالف ضامن إجماعاً. (غنية الناسک:۳۳۳، كراتشي، زبدة المناسک مع عمدة المناسک:۲/۴۵۵-۴۵۶)

ودم القران والتمتع والجناية على الحاج إن أذن له الاٰمر بالقران والتمتع. (الدرالمختار:۲/۶۱۱، كراتشي، ۴/۳۲، زكريا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۳/۳/۱۴۱۱ھ۔ (کتاب النوازل:۷/۶۰۲)

---

(۱) لو مات رجل بعد وجوب الحج ولم يوص به فحج رجل عنه أو حج عن أبيه أو أمه عن حجة الاسلام من غير وصية قال أبو حنيفة: يجزيه إن شاء اللّٰه وبعد الوصية يجزيه من غير المشية (ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۴/۱۶، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

بغیر وصیت میت کی طرف سے حج بدل کرے تو فرض ساقط ہو جائے گا:

سوال: میں سال گزشتہ اپنا حج کر چکا ہوں، امسال اپنے مرحوم بھائی کی طرف سے حج بدل کا ارادہ تھا، اسی نیت سے فارم بھی بھر دیا تھا، مرحوم بھائی پر حج فرض نہ تھا، بعد میں بعض رشتہ داروں نے توجہ دلائی کہ والد مرحوم پر حج فرض تھا اور انہوں نے اپنی زندگی میں حج نہیں کیا ہے، لہٰذا والد مرحوم کی طرف سے حج بدل کرلوں تو کیا میں والد مرحوم کی طرف سے حج بدل کرسکتا ہوں، یا نہیں؟ اور اس صورت میں والد مرحوم کی طرف سے حج فرض ادا ہوگا، یا نفل؟ اور میں حج بدل میں احرام باندھتے وقت کیا نیت کروں؟ بعض ساتھیوں کی رائے یہ ہے کہ میں پہلے مدینہ جاؤں اور پھر عین حج کے موقع پر یعنی ۷/ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھ کر مکہ پہنچوں۔ حج بدل میں افراد افضل ہے، یا قران، یا تمتع؟ مذکورہ مسئلہ میں قربانی کا کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً و مسلماً

اگر آپ کے والد مرحوم پر حج فرض ہو چکا تھا اور زندگی میں انہوں نے حج ادا نہیں کیا اور بوقتِ وفات وصیت بھی نہیں کی ہے اور اب آپ اپنے خرچ سے تبرعاً فرض حج ادا کر رہے ہیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ ان کا حج فرض ادا ہو جائے گا۔ (شامی: ۲۶۶/۲) احرام کے وقت نیت اپنے والدِ مرحوم کے حج کی کریں، اگر زبان سے کہہ دیں ''لبیک عن أبي'' تو بہتر ہے، ورنہ دل سے بھی کافی ہے، چوں کہ یہ حج آپ اپنے والد مرحوم کی طرف سے تبرعاً کر رہے ہیں؛ اس لیے آپ کو اختیار ہے، چاہیں افراد کا احرام باندھیں، چاہیں قران و تمتع کا، پہلے مدینہ منورہ جا کر عین حج کے موقعہ پر افراد کا احرام باندھ کر مکہ معظّمہ آنا چاہیں تو ایسا بھی کر سکتے ہیں، ضروری نہیں ہے۔

صورت مسئولہ میں آپ اگر تمتع، یا قران کا احرام باندھیں گے تو دم قران و تمتع واجب ہوگا اور اگر افراد کا احرام باندھا ہے تو جانور ذبح کرنا افضل ہے، واجب نہیں۔ یہ حکم تو حج کی قربانی کا ہے؛ رہی عید الاضحیٰ کی قربانی تو آپ حج کے خاص ایام شروع ہونے سے پہلے مکہ معظّمہ مقیم بن چکے ہیں؛ یعنی پندرہ یوم، یا اس سے زیادہ قیام کی نیت کے ساتھ اتنا قیام کر چکے ہیں اور ساتھ ہی بقدرِ نصاب مال کے مالک ہیں تو عید الاضحیٰ والی قربانی بھی آپ پر واجب ہے، ورنہ نہیں۔ (شامی: ۱۹۶/۲، زبدۃ المناسک: ۱۲۹/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (محمود الفتاویٰ: ۲/۲۹۹-۳۰۱)

بلا وصیت مرحومہ کی جانب سے حج بدل کرنا:

سوال: مسماۃ خالدہ نے زید کے پاس کچھ روپئے جمع کئے تھے، حج کے ارادے سے اور بقیہ کے لیے وصیت کر دی تھی، حج کی ادائیگی سے پہلے مسماۃ خالدہ کا انتقال ہوگیا اور حج بدل کی کوئی وصیت نہیں کی تھی، کیا زید کو اختیار ہے کہ مرحومہ خالہ کی جانب سے حج بدل کرائے، یا وصیت شدہ جگہ پر خرچ کر دے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

حامداً و مصلیاً و مسلماً: بہتر ہے کہ مرحومہ کی جانب سے حج بدل کرادیں، اگر حج فرض رہا ہو اور اگر کوئی وارث بھی ہو تو اس کی اجازت اور مرضی ضروری ہے۔

قال الشامی(۳۲۸/۲)بحثا عن الحج عن الغیر: فلو حج عنه الوارث أو أجنبی یجزیه و تسقط عنه حجة الإسلام إن شاء الله تعالیٰ. والله أعلم بالصواب

کتبہ: عبداللہ غفرلہ، ۱۸/۳۰/۱۳۸۷ھ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۳۴۲/۳-۳۴۳)

بدون وصیت کے حج بدل کرا سکتے ہیں، یا نہیں:

سوال: حج فرض تھا؛ لیکن وصیت نہ کی تو ورثا اپنے مال میں سے حج کرا سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب

کرا سکتے ہیں، (۱) اور خود میت کے مال میں سے کرا سکتے ہیں؛ مگر یہ ضروری ہے کہ سب ورثا راضی ہوں؛ کیوں کہ ترکہ میں سب کا حق ہے؛ لیکن نابالغ وارثوں کی رضامندی معتبر نہیں۔ (۲) (فتاویٰ رحیمیہ: ۸/)

وصیت کے بغیر والدین کی طرف سے حج کیا تو ان کا حج ادا ہوگا، یا نہیں:

سوال: میرے والد صاحب پر حج فرض تھا، انہوں نے اپنا اور والدہ محترمہ کا حج کے لیے فارم بھر دیا تھا، اتفاقاً آٹھ یوم پہلے والد صاحب کی رحمت میں پہنچ گئے، مرحوم والد صاحب کو انتقال کے وقت اتنا موقع ہی نہیں ملا کہ حج بدل کی وصیت کرتے، والد صاحب نے جو ترکہ چھوڑا ہے، وہ اتنا نہیں ہے کہ تقسیم شرعی کے بعد والدہ پر حج فرض ہو سکے۔

اب دریافت طلب امور یہ ہیں۔

(۱) اس صورت میں ورثا پر حج بدل کرانا ضروری ہے، یا نہیں؟

(۲) اگر ضروری نہ ہو؛ مگر ورثا جو سب بالغ ہیں اپنی خوشی سے حج بدل کرائیں تو ادا ہوگا، یا نہیں؟

(۳) سب ورثا اپنی مرضی سے والدہ محترمہ اور ایک بھائی کو والد صاحب کے حج بدل کے لیے بھیجیں تو جائز ہے، یا نہیں؟

(۴) اگر بالکل آخری جہاز میں جائیں اس وقت والدہ کی عدت کے دو تین دن باقی رہتے ہیں تو والدہ حج کے لیے جا سکتی ہیں، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (از احمد آباد)

---

(۱) ومنها الأمر بالحج فلا یجوز حج الغیر عنه بغیر أمره إلا الوارث یحج عن مورثه بغیر أمره فإنه یجزیه. (الفتاوی الهندیة، کتاب الح: ۲۵۷/۱)

(۲) وقد منا ان الوارث لیس له الحج بمال المیت لأن تجیز الوارثه وهم کبار لأن هذا مثل التبرع بالمال فالظاهر تقیید حج الوارث هنا بذلک ایضاً تأمل. (شامی باب الحج عن الغیر: ۴۳۳/۲)

الجواب

والد صاحب پر حج فرض تھا، والدہ پر فرض نہیں تھا؛ اس لیے والدہ کی فکر نہیں ہے، فکر والد صاحب کی ہے، جب ورثا سب کے سب بڑے اور بالغ ہیں اور حج بدل کرانا چاہتے ہیں تو بڑی سعادت کی بات ہے ان شاءاللہ حج ادا ہو جائے گا۔

شامی میں ہے:

إلا اذا کان وارثاً وکان علی المیت حج الفرض ولم یوص به فیقع عن المیت عن حجة الاسلام للآمر دلالةً وللنص بخلاف ما إذا أوصی به لان غرضه ثواب الانفاق من ماله فلا یصح تبرع الوارث عنه (إلی قوله)واخرج الدار قطنی عن جابر رضی اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: حج عن أبیه وأمه فقد قضیٰ عنه حجته وکان له فضل عشر حج،الخ. (شامی: ۳۳۷/۲، باب الحج عن الغیر)

والدہ کو بھیجنا ضروری نہیں ہے کہ ان پر حج فرض نہیں ہے؛ لیکن اگر ورثا چاہیں تو بھیج سکتے ہیں، واجب نہیں ہے، عدت میں سفر کرنا جائز نہیں۔

وشرط وجوب الاداء خمسة علی الأصح، صحة البدن (إلی قوله) وعدم قیام العدة،الخ.
(مراقی الفلاح، ص: ۱٤٤، کتاب الحج) فقط واللہ اعلم بالصواب

۲۰/شعبان المعظم ۱۳۹۹ھ۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۸/)

وصی خود بھی حج بدل کر سکتا ہے اور کسی اور شخص سے بھی کرا سکتا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے مرتے وقت اپنے لیے چار وصی مقرر کئے، جن میں سے دو میت کے بیٹے اور دو اجنبی آدمی تھے، جب کہ میت کے ورثا میں نابالغ افراد بھی ہیں، وصیت یہ کی تھی کہ میری جائیداد کے ایک تہائی حصہ میں سے میرے لیے حج اور خیرات وغیرہ کئے جائیں، اب میت کے دو وصی جو وارث بھی ہیں، میت کی جانب سے حج ادا کر سکتے ہیں، یا نہیں؟ نیز غیر ورثاء وصیان حج ادا کر سکتے ہیں، یا نہیں؟ یا ان چاروں کے علاوہ کوئی اور اجنبی شخص حج بدل ادا کر سکتا ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: عبدالستار حقانی)

الجواب

یہ اوصیاء خود بھی حج بدل کر سکتے ہیں اور دوسرے شخص کو بھی بھیج سکتے ہیں۔

لکون الایصاء مطلقا ویدل علیه ما فی الهندیة (۲۷٦/۱): ولو أوصیٰ المیت أن یحج عنه ولم یزد کان للوصی أن یحج بنفسه فإن کان الوصی وارث المیت أودفع المال إلیٰ وارث المیت لیحج عن المیت،الخ. (۱) **وهو الموفق** (فتاویٰ فریدیہ: ۳۱۴/۴)

---

(۱) الفتاویٰ الهندیة: ۲۵۹/۱، الباب الخامس عشر فی الوصیة بالحج

وصی کے حج بدل پر دوبارہ استفسار:

سوال: جناب مفتی صاحب! آپ صاحبان کا فتویٰ موصول ہوا؛ لیکن نظر ثانی کے لیے دوبارہ ارسال خدمت ہے، لہٰذا آپ صاحبان تسلی بخش وضاحت کے ساتھ لکھ کر بندہ کو ارسال کرے نوازش ہوگی؟ (المستفتی: عبدالستار حقانی)

الجواب

یہ اوصیاء خود بھی حج بدل کر سکتے ہیں، البتہ اس میں کچھ تفصیل ہے، جو کہ اس عبارت مذکورہ اور ردالمحتار (۱۴۳/۲، قبیل باب الہدی) میں مسطور ہے اور وہ یہ ہے کہ وصی غیر، غیر وارث اجازت کا محتاج نہیں ہے، (جب کہ وصی وارث اجازت کا محتاج ہے) اور وصی وارث بالغ باقاعدہ اجازت دینے کا اہل ہے، نابالغ اجازت کا اہل نہیں ہے۔(۱) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ:۳۱۵/۴)

حج بدل سے میت کے فراغ ذمہ کی امید ہے اگر وصیت نہ کی ہو:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کا والد بغیر ادائیگی فریضہ حج وفات پا گیا ہے اور وصیت بھی نہیں کی ہے۔ اب اس کا وارث بیٹا ایک غیر وارث شخص کو حج بدل کے لیے مقرر کرتا ہے۔ کیا یہ جائز ہے اور مسقط الفرض ہے؟ اگر ہے تو حج افراد کرے گا، یا تمتع؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: سید جلال الدین، مہتمم زرگری، ۱۹۷۵/۹/۲۵ء)

الجواب

جس شخص پر حج فرض ہو تو وہ افراد تمتع قران میں سے جو بھی ادا کرے جائز اور مشروع ہوتا ہے، لہٰذا مامور بھی باجازت ہر ایک کرسکتا ہے،(۲) اور اسی سے اس غیر کا ذمہ فارغ ہوگا۔ پس صورت مسئولہ میں یہ شخص اصالۃً، یا وکالۃً اپنے والد کا ذمہ فارغ کرسکتا ہے۔ افراد، تمتع اور قران سے کوئی بھی مخل نہیں ہے۔ نیز عدم وصیت بھی مخل نہیں ہے۔

کما فی الدرالمختار وبشرط الأمر به أی بالحج عنه فلا یجوز حج الغیر بغیر إذنه إلا إذا حج أوأحج الوارث عن مورثه. وفی ردالمحتار (۳۲۸/۲): هٰذا إذا لم یوص المورث.(۳) وهوالموفق

(فتاویٰ فریدیہ:۳۱۵/۴-۳۱۶)

---

(۱) قال العلامة ابن عابدین: لو اوصی ان یحج عنه ولم یزد علی ذلک کان للوصی ان یحج عنه بنفسه الا ان یکون وارثا اودفعه لوارث لیحج فانه لا یجوز الا ان تجیز الورثة وهم کبار. (ردالمحتار هامش الدرالمختار: ۲۶۹/۲، قبیل باب الهدی فی الفروع)

(۲) قال العلامة فخر الدین الفرغانی: اذا امر غیره بان یحج عنه ینبغی ان یفوض الامر الی الما ?مور فیقول حج عنی بهذا المال کیف شئت ان شئت حجة وان شئت حجة وعمرة وان شئت قرانا. (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الهندیة: ۳۰۷/۱، فصل فی الحج عن المیت)

(۳) الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲۵۹/۲، قبیل مطلب شروط الحج عن الغیر عشرون

اگر وصیت نہ کی ہو تو وارث کے حج بدل سے ان شاء اللہ ذمہ فارغ ہوجائے گا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص بغیر وصیت حج کے فوت ہوجائے اور وارث اپنی خوشی سے حج بدل ادا کرے۔ کیا یہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: مولوی صالح موسیٰ زئی، ۲۹ / ربیع الاول ۱۴۰۲ھ)

الجواب

صورت مسئولہ میں ان شاء اللہ والد کا ذمہ فارغ ہوگا۔

کما فی ردالمحتار (۳۲۷/۲): وإن لم یوص به أی بالاحجاج فتبرع عنه الوارث فحج بنفسه أواحج عنه غیره جاز والمعنی جازعن حجة الإسلام إن شاء اللّٰه تعالٰی. (۱) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۳۱۶/۴)

حج بدل کہاں سے کرائے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید نے اپنی والدہ کی وفات سے قبل دو سال تک زیارت بیت اللہ شریف کے لیے درخواست دی؛ لیکن وہ منظور نہ ہوسکی اور والدہ کا انتقال ہوگیا، والدہ نے انتقال سے قبل زید کو یہ وصیت کی کہ اگر تمہارے پاس گنجائش ہو تو میرا حج بدل کرا دینا، زید کے پاس اس وقت حج بدل کرانے کی گنجائش تھی؛ لیکن اس وقت نہیں کرا سکا، اب حج بدل کرانے کا ارادہ ہے تو دریافت یہ کرنا ہے کہ حج بدل وطن ہی سے کرانا ضروری ہے، یا مکہ معظّمہ میں بھی کرا سکتے ہیں؟ معلوم یہ ہوا ہے کہ مدرسہ صولتیہ میں اس کا نظم ہوتا ہے؟

باسمه سبحانه وتعالٰی، الجواب وباللّٰه التوفیق

صورتِ مسئولہ میں اگر والدہ کے مال سے حج بدل کرایا جائے؛ یعنی مرحومہ نے اتنا مال چھوڑا ہو کہ سارے حقوق متقدمہ کی ادائیگی کے بعد حج کا خرچہ نکل آتا ہو تو اس کا حج اس کے وطن سے کرانا ضروری ہے اور اگر بیٹا خود اپنے مال سے حج کرا رہا ہے، والدہ نے مال نہیں چھوڑا تو کسی بھی جگہ سے حج بدل کرانے کی گنجائش ہے، مکہ مکرمہ سے بھی کرا سکتے ہیں؛ مگر میقات کے باہر سے حج کرانا صاحب استطاعت کے لیے افضل ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ: ۵۲۹/۴)

ومنها أن یحج من بلده الذی یسکن؛ لأن الحج مفروض علیه من بلده فمطلق الوصیة تنصرف إلیه، هٰذا إذا کان ثلث ماله یکفی ذلک، أما إذا کان لا یکفی فمن حیث یبلغ. (البحر العمیق: ۲۳۶۶/۴)

فإن فسر المال أو المکان فالأمر علیه أی علٰی مافسره وإلا فیحج عنه عن بلده، فلو أحج الوصی عنه من غیره لم یصح، إن وفی به أی بالحج من بلده ثلثة، وإن لم یف فمن حیث یبلغ استحساناً. (شامی: ۶۰۴/۶-۶۰۵، کراتشی، ۲۳/۴-۲۴، زکریا)

(۱) ردالمحتار هامش الدرالمختار: ۲۵۹/۲، مطلب شروط الحج عن الغیر عشرون

فمن عجز عن الحج بنفسه وجب عليه أن يستنيب غيره ليحج عنه ويصح الحج عنه بشروط منها وإن لم يعين وجب أن يحج عنه من بلده إن كان ثلث ماله يكفي،فإن لم يكفي وجب أن يحج عنه من المكان الذى يكفي عنه المال. (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة: ۱/ ۷۰۷-۷۰۹)

هٰذا إذا كان ثلث المال يبلغ أن يحج عنه من بلده حج عنه،فإن كان لا يبلغ يحج من حيث يبلغ استحساناً. (بدائع الصنائع،وأما بيان فوائت الحج: ۲/ ۴۷۱،نعيمية ديوبند، ۲/ ۲۲۲،كراتشی،غنية الناسك،جديد: ۳۲۹،انوار مناسک: ۵۴۵-۵۴۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۶/۱۰/۱۳ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/ ۵۸۶)

حج بدل کے لیے آمر کے وطن سے روانگی ضروری ہے:

سوال: حج بدل جو کسی طرف سے بعد انتقال کرایا جائے، یا بحالت زیست جب کہ قابل سفر نہ رہا ہو؛ یعنی کسی کو رقم سو، یا دوسو روپے کی دے دی جاوے تو یہ حج جائز ہو جائے گا، یا جس کی طرف سے حج کیا جائے، اس کی جائے سکونت سے ارکان حج کی ادائیگی تک متوسط خرچ کی رقم دینی چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

حج بدل کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ جس کی طرف سے حج کیا جاوے، وہ اس کا امر کرے، یا وصیت کرے اور سفر حج کا کل خرچ، یا اکثر مال آمر سے ہو اور یہ کہ آمر کے وطن سے حج کیا جاوے۔

درمختار میں ہے:

(وبشرط الآمر به) أى بالحج عنه (فلايجوز حج الغير بغيرإذنه إلا إذا حج) أوأحج (الوارث عن مورثه) لوجود الأمر دلالة وبقى من الشرائط النفقة من مال الآمر كلها أوأكثرها ... وفى ردالمحتار للشامى الحادى عشر أن يحج عنه من وطنه إن اتسع الثلث وإلا فمن حيث يبلغ كما سيأتى ببيانه،إلخ. (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۶/ ۵۷۳-۵۷۴)

حج بدل کے لیے آمر کے نفقہ اور اس کے وطن سے حج کرنا ضروری ہے:

سوال: ایک صاحب استطاعت اور صاحب نصاب میاں بیوی نے ۱۹۶۷ء میں حج کے لیے درخواست دی تھی، مقدر کی بات اس سال قرعہ اندازی میں نام نہیں آیا، بینک ڈرافٹ جو حج کمیٹی بمبئی نے واپس کر دیا تھا، وہ بینک میں محفوظ کر دیا۔ پھر ہوا یہ کہ ان ہی کے ایک بیٹے نے والدین کے بغیر علم واطلاع کے ایک درخواست حج کے لیے دی تھی؛ تا کہ حج

(۱) رد المحتار، كتاب الحج،باب الحج عن الغير،مطلب فى شروط الحج عن الغير عشرون: ۴/ ۱۶-۱۷،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

کے بعد ملازمت مل جائے تو اختیار کرلیں، بیٹے کا نام قرعہ میں آنے اور اپنا نام نہ آنے پر بڑے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ جن لوگوں پر حج فرض ہے، ان کا نام قرعہ میں نہیں آیا؛ لیکن جو حج کے عنوان پر ملازمت کرنا چاہتے ہیں، ان کا نام آ گیا، دوسرے سال صاحب موصوف کو موتیا بند کا آپریشن ہونے والا تھا؛ اس لیے آپریشن بعد آئندہ سال یعنی تیسرے سال حج کرنے کا ارادہ کرلیا تھا، اسی عرصہ میں صاحب موصوف کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہوگیا۔ چوتھے سال وہ خود علیل رہنے لگے، جس کی وجہ سے دوبارہ حج کے لے درخواست نہیں دی جاسکی۔

صاحب موصوف نے دوران علالت ان دو بیٹوں میں سے جو مدینہ منورہ میں ملازمت کے سلسلہ میں مقیم ہیں، ان میں سے ایک کو خط لکھا کہ میری صحت دن بدن علالت کی وجہ سے گرتی جارہی ہے، تم اپنے بھائی سے کہہ دو کہ وہ میری طرف سے حج بدل کرلیں اور اس کے اخراجات تم خود اپنے پاس سے ادا کردو۔

چناں چہ ایک بیٹے نے والد کی اجازت سے حج کرلیا، صاحب موصوف کا انتقال ہوگیا ہے، اب ان کے بیٹوں کا کہنا ہے کہ مدینہ منورہ میں رہنے والے بیٹے نے حج بدل کرلیا ہے اب پھر حج بدل کرانے اور کرنے کی ضرورت نہیں؛ لیکن دیگر عزیز واقارب کا کہنا ہے کہ جس کا حج بدل ہو، اس کی طرف سے دوسرا حج بدل کرنے والا شخص اس کے وطن سے حج بدل کو جائے۔ اب سوال یہ درپیش ہے کہ صورتِ مذکورہ میں حج بدل ہوا کہ نہیں؟ اگر نہیں ہوا ہے تو پھر حج بدل کرنے والا شخص صاحب موصوف کے وطن سے ہی حج کے لیے سفر کرے اور کیا یہ بھی ضروری ہے کہ صاحبِ موصوف کے چھوڑے ہوئے مال ہی سے حج بدل پر خرچ کیا جائے۔ (سید امیر حسن، مکان ۶۵۳، فی کلاس جدید، جدید حیدرآباد)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

زندگی میں حج بدل کرانے کے لے ضروری ہے کہ جس کی طرف سے حج بدل کرنا ہو، اس کے نفقہ سے اور اسی کے وطن سے کیا جائے۔

”ومن شرائط النفقة من مال الآمر كلها أو أكثرها، قال الشامي: قال في البحر: و بهٰذا علم أن اشتراطهم أن تكون النفقة من مال الأمر احترازاً عن التبرع، لا مطلقاً، الخ“. (۱)

صورت مسئولہ میں ایسا نہیں ہوا ہے، اس لیے ازروئے قیاسِ جلی تو یہ حج بدل جس کو لڑکوں نے اپنے پیسے سے باپ کے حکم کی بنا پر اور صرف مدینہ طیبہ سے کردیا، کافی نہ ہوگا، البتہ ازروئے استحسان وقیاس خفی اور مطابق حدیث خثعمیہ رضی اللہ عنہا امید قوی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمالیں۔ (۲)

---

(۱) ردالمحتار، كتاب الحج: ۱٦/٤، انیس

(۲) ثم ظاهر المذهب أن الحج يقع عن المحجوج عنه يعني الٓامر وبذالک تشهد الآخبار الواردة في هٰذا الباب، فإنه صلى الله عليه وسلم قال للخثعمية رضي الله عنها حين قالت: إن أبي شيخ كبير لا يستطيع أن يستمسک على الراحلة أفيجزيني أن أحج عنه؟ قال: نعم حجى عن أبيک واعتمرى. (فتح القدير: ٦٦/٣، باب الحج عن الغير فان كان على أحد هما حج الفرض وأوصىٰ به لايسقط عنه تبرع الوارث عنه بمال نفسه)

بہر حال لڑکے کا یہ حج کر دینا لغو و بے کار نہیں ہوگا؛ بلکہ تقرب الی الاجابۃ والقبولیۃ ہوگا، مرنے کے بعد مورث کے تہائی مال سے اور اس کے وطن سے حج بدل کرانا اس وقت واجب ہوتا ہے، جب مرنے والے پہ حج فرض رہا ہو اور وہ وصیت بھی حج بدل کروانے کی کر جائے اور یہاں یہ بھی نہیں ہے؛ یعنی موصی نے اپنے مرنے کے بعد حج بدل کرانے کی وصیت نہیں کی ہے؛ اس لیے وارثین پر حج بدل کرانا واجب نہیں ہے۔

البتہ اگر وارثین اپنے طور پر خود والدین کی جانب سے حج کر دیں، یا کرا دیں تو بڑی فضیلت اور ثواب کا کام ہوگا اور والدین پر سے سقوطِ فرض بھی ہو جائے گا۔ (۱)

حاصل کلام یہ نکلا کہ لڑکے اگر اب حج بدل نہ کرائیں تو ان پر کوئی گرفت نہیں، البتہ جب اللہ نے موقع میسر فرمایا ہے تو والدین میں سے ہر ایک کی جانب سے حج پھر کر ڈالیں، مزید فضیلت اور اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے۔ (۲)

فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۲/۵۷-۵۹)

کیا حج بدل وطن سے کرانا ضروری ہے:

سوال: چند آدمی انڈیا میں فوت ہو گئے ہیں، ان کے حج بدل کے لیے لندن سے آدمی لے جانا چاہتا ہوں تو حج بدل صحیح ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

مرحومین پر حج فرض ہو اور انہوں نے حج بدل کی وصیت کی ہو اور ان کی رقم سے حج بدل کے لیے آدمی بھیجنا ہو تو انڈیا سے؛ یعنی مرحومین کے وطن سے بھیجنا ضروری ہے، لندن سے بھیجنے میں حج بدل صحیح نہ ہوگا، اگر مرحومین نے لندن سے حج بدل کرانے کی اجازت دی ہو تو کرا سکتے ہیں۔ (۳)

اسی طرح مرحومین کی وصیت کے بغیر ورثا اپنی جانبت سے اور اپنی رقم سے حج بدل کرنا چاہیں تو جہاں سے چاہیں کرا سکتے ہیں؛ مگر وطن سے کرانا اچھا ہے۔ فقط واللہ اعلم (فتاویٰ رحیمیہ: ۸/)

---

(۱) وإن لم يوص به تبرع الوارث عنه بالاحجاج أو الحج بنفسه، قال أبو حنيفة رحمه الله: يجزيه إن شاء الله تعالىٰ، لقوله عليه السلام للخثعمية أرأيت لو كان علىٰ أبيك دين؟ إلخ. (رد لمحتار، كتاب الحج: ۲۱/٤، انيس)

(۲) من حج عن أبيه فقد قضى عنه حجته له ولو كان له فضل عشر حجج. (فتح القدير: ٦٨/٣، باب الحج عن الغير)

(۳) وهي نية الحج وان يكون الحج بمال الموصى أو بأكثره لا تطوعا وأن يكون راكبالا ماشيا ويحج عنه من ثلث ماله سواء قيد الوصية بالثلث بأن أوصى أن يحج عنه' بثلث ماله أو اطلق بأن أوصى بان يحج عنه، هكذا فى البدائع، فان لم يبن مكانا يحج عنه من وطنه عن على لنا ... وان أوصى أن يحج عنه من موضع كذا من غير بلده يحج عنه من ثلث ماله ورجوعه. (الفتاوىٰ الهندية، الحج عن الغير: ٢٥٩/١)

سعودی سے حج بدل کرنا:

سوال: اگر کسی کے ماں باپ زندہ ہوں اور حج کے لئے آنے کی انہیں استطاعت ہو، تندرست بھی ہیں، پھر بھی نہیں آتے تو ان دونوں کی طرف سے ان کا کوئی بڑا لڑکا، یا کوئی رشتہ دار وغیرہ، جو غیر ممالک (سعودی، قطر، بحرین، دوبئ، وغیرہ) میں ہو اور وہ اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کرنا چاہے اور اگر والدین اجازت دے دیں تو وہ حج بدل کر سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

جس شخص میں خود حج میں آنے کی استطاعت وطاقت ہو اور تندرست بھی ہو، اس کی طرف سے حج بدل کرنے سے اس کا حج فرض ادا نہ ہوگا۔(۱) چاہے اس کی طرف سے حج بدل اس کا لڑکا کرے، یا کوئی رشتہ دار، چاہے اس کی اجازت سے کرے، یا بلا کسی اجازت کے ہر صورت میں یہی حکم ہے، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی بھی اپنا حج کر کے اس کا ثواب ان کو پہنچا دے تو ثواب اس کو پہنچ سکتا ہے، باقی حج فرض کرنے سے ادا ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور، ۱۴۰۳/۲/۴ھ۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۲/۶۴)

جدہ سے حج بدل:

سوال: میرے ایک دوست پر حج فرض تھا، اب وہ حج کے لائق نہیں ہیں، ان کے ایک عزیز جدہ میں مقیم ہیں، کیا وہ اپنے ان عزیز کو کہہ سکتے ہیں کہ وہ ان کی طرف سے حج بدل کر دیں؟ اور کیا یہ حج بدل ان کی طرف سے کافی ہو جائے گا؟

(کفایت اللہ، گلبرگہ)

الجواب ــــــــــــــــــــ

حج بدل کے لیے ضروری ہے کہ جس کی طرف سے حج بدل ہو رہا ہے، وہ حج کے اخراجات ادا کرے، دوسرے جس مقام پر اس کی سکونت ہے، وہاں سے حج بدل کیا جائے، لہٰذا اگر کوئی شخص ان صاحب کی طرف سے خود ان کی اجازت سے حج کرنے کے لیے تیار ہو تو یہ درست ہوگا، گویا اس نے حج کا حکم دینے والے کو اخراجات حج بطور ہدیہ کے دیا اور پھر اس نے ان کی طرف سے حج ادا کیا؛ لیکن جو شخص ہندوستان میں مقیم ہو، اس کی طرف سے جدہ سے حج بدل کر لینا کافی نہیں، ہندوستان سے حج کرانا ضروری ہے۔ ہاں، اگر اتنے اخراجات نہ ہوں کہ کسی کو ہندوستان سے بھیجے اور جدہ سے کسی کو حج کرا دے تو امید ہے کہ مجبوری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نیابتاً اس حج کو قبول فرما لیں گے۔

---

(۱) وجود العذر قبل الاحجاج فلو أحج صحيح ثم عجز لايجزيه. (ردالمحتار، كتاب الحج: ۱۷/٤، انيس)

تقبل النيابة عند العجز فقط، لكن بشرط دوام العجز إلى الموت؛ لأنه فرض العمر حتى تلزم الإعادة بزوال العذر. (الدر المختار على ردالمحتار: ۱٤/٤ـ۱۵، مكتبة زكريا، ديوبند)

"... فيحج عنه من بلده ... إن وفٰى به ... وإن لم يف فمن حيث يبلغ استحساناً". (الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار: ٢٣/٤) والله أعلم (کتاب الفتاویٰ: ۶۰/۴-۶۱)

مکہ معظّمہ سے حج بدل کرانا:

سوال: ایک ہفتہ ہوا ایک صاحب کا انتقال ہوگیا، ان پر حج فرض نہیں تھا؛ تاہم ان کا بھتیجا جو عربستان میں ملازمت کرتا ہے، اس کا خط مرحوم کے بیٹے پر آیا کہ میں یہاں چچا صاحب کا حج بدل مکہ مکرمہ میں کرالوں گا، آپ فکر نہ کریں، مرحوم کا بیٹا مجھ سے پوچھتا ہے کہ اس کا جواب حضرت مفتی صاحب سے دریافت کرلو۔ ہمارا خیال ہے کہ جس جگہ کا باشندہ وہاں سے مکہ مدینہ تک کے اخراجات سے حج کرایا جائے تو حج بدل ادا ہوگا، مکہ معظّمہ سے تو بالکل معمولی خرچ سے حج ہوجاتا ہے، اگر اس طرح حج بدل نہ کراسکیں تو مرحوم کے غریب بیٹے کو کچھ خرچ دے کر کمائی کا ذریعہ کرادیں تو یہ اچھا ہے، یا حج بدل؟ بینوا توجروا۔ (کاوی)

الجواب

جس پر حج فرض ہو اس کی جانب سے حج بدل کرایا جائے تو وطن سے کرایا جانا چاہیے۔ صورت مسئولہ میں مرحوم پر حج فرض نہیں تھا، اس کے باوجود ورثاء اور بھتیجہ وغیرہ حج کرانا چاہیں تو مکہ سے بھی کراسکتے ہیں، مکہ معظّمہ سے حج کرانے میں معمولی خرچ ہوگا؛ اس لیے وہ اپنے چچازاد بھائی کے لیے ذریعہ معاش کا انتظام بھی کردے گا تو مزید ثواب کا حق دار ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۸/)

حج بدل کے لیے جانے والے کا حرم شریف سے حج بدل کا احرام باندھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی حج بدل کے لیے جارہا ہے؛ لیکن میقات سے حج بدل کے لیے احرام نہیں باندھا ہے، صرف عمرہ کا احرام باندھا ہے، کیا حرم شریف سے حج بدل کے لیے احرام باندھ کر حج بدل ہوجائے گا؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: حاجی دل محمد محلات افغان ابوظہبی، ۱۴۰۱/۵/۳۰ھ)

الجواب

اگر آمر نے تمتع کی اجازت دی ہو تو بنا بر تحقیق آمر کا ذمہ فارغ ہوگا۔ (۱) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۳۱۰/۴)

(۱) قال الفرغاني: إذا أمر غيره بأن يحج عنه ينبغي أن يفوض الأمر إلى المأمور فيقول حج عني بهذا المال كيف شئت ان شئت حجة وان شئت حجة وعمرة وان شئت قرانا. (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ الهندية: ٣٠٧/١، فصل في الحج عن الغير)

اگر حج فرض نہ ہو تو ایصال ثواب کے لیے حرمین میں کوئی شخص بدل کے لیے مقرر کرسکتا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص پاکستان سے حج کے لیے چلا گیا، اس کے والدین معذور ہیں، خود حج کیلئے نہیں جاسکتے ہیں؛ اس لیے اس شخص نے حرم شریف میں دو آدمیوں کو مثلاً دو دو صد روپیہ دیئے کہ میری ماں اور باپ کی طرف سے حج بدل ادا کرو، انہوں نے یہ حج بدل ادا کیا، کیا یہ فریضہ حج ان کی طرف سے ادا ہوسکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: مولوی عبدالودود، مدرس مدرسہ شمس المدارس لنڈیوا کرک)

الجواب

محترم المقام مولانا عبدالودود سلمہ الرحمٰن　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امابعد:

پس واضح رہے کہ صورت مسئولہ میں اگر زید کے والدین پر حج فرض نہ ہو تو اس طریقہ کار میں کوئی حرج نہیں ہے، **لأن إيصال الثواب لا يشترط فيه الأمر وغيره بخلاف فراغ الذمة عن الواجب،** (۱) اور اگر والدین پر حج فرض ہو تو اس طریق کار سے ان کا ذمہ فارغ نہیں ہوتا۔

كما في الدر المختار على هامش رد المحتار: والظاهر أن ههنا النفقة من مال الولد وكذا الظاهر ان الوالدين لم يأمر، آه.

وهذا بخلاف ما إذا ماتا، فليراجع إلى باب الحج من الغير. (۲) **وهو الموفق** (فتاویٰ فریدیہ: ۴/۳۱۱)

ضعیف والد کے لیے سعودی عرب میں مقیم بیٹے کا حج بدل کرنے کا مسئلہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص بوڑھا اور ضعیف ہو چکا ہو اور اس پر حج فرض ہو چکا ہو؛ لیکن خود ضعف اور بیماری کی وجہ سے حج نہیں کرسکتا۔ کیا اس کا بیٹا، یا نواسہ جو سعودیہ، یا امارات میں مزدوری کے سلسلے میں مقیم ہو اور خود حج کیا ہو کیا وہ والد کے لیے حج بدل کرسکتا ہے، یا نہیں؟ اور حج کے بعد اس کا یہاں پاکستان میں گھر آنا ضروری ہے، یا نہیں؟ یا حج کرنے سے پہلے پاکستان میں گھر آنا اور والد صاحب سے اجازت لینا ضروری ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔　(المستفتی: انجینئر عارف اللہ، الیکٹریکل کالج آف ٹیکنالوجی پشاور، ۱۸/۹/۱۹۸۶ء)

---

(۱) قال العلامة الحصكفي: لو اهل بحج عن ابويه او غيرهما من الاجانب حال كونه متبرعا فعين بعد ذلك جاز لانه متبرع بالثواب فله جعله لأحدهما أولهما. (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۲/۲۶۶، قبيل فروع وباب الهدى)

(۲) قال العلامة الحصكفي: وبشرط الامر بالحج عنه فلا يجوز حج الغير بغير اذنه الا اذا حج او احج الوارث عن مورثه لوجود الامر دلالة وبقى من الشرائط النفقة من مال الآمر كلها او اكثرها وحج المأمور بنفسه وتعينه إن عينه، الخ. (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۲/۲۵۹، قبيل مطلب شروط الحج عن الغير)

الجواب

اگر آپ کے والد صاحب پر حج فرض ہو تو اپنے وطن سے کسی قریب یا اجنبی کے لیے اپنے مملوکہ مال سے حج بدل کا داخلہ کر دے، البتہ افضل یہ ہے کہ مسائل حج سے واقف شخص کو جو کہ ایک دفعہ حج کر چکا ہو، حج کے لیے روانہ کرے۔ (ماخوذ از مسلک المتقسط)(۱) وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۳۱۲/۴)

پاکستانی کے لیے ابوظہبی سے حج بدل کرنے کا مسئلہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

(۱) ہمارے ایک ساتھی کی والدہ ضعیف العمری اور کمزوری کی وجہ سے مناسک حج ادا نہیں کر سکتی؛ اس لیے اس کا بیٹا یہاں سے والدہ کے لیے حج بدل ادا کر سکتا ہے، یا پاکستان سے ادا کرے گا؟

(۲) اگر کوئی شخص فوت شدہ والدین، یا کسی رشتہ دار کی طرف سے حج بدل کرنا چاہے، جب کہ اس نے وصیت نہیں کی ہو تو وہ یہاں ابوظہبی سے حج بدل کرا سکتا ہے، یا پاکستان سے حج بدل کرنا ضروری ہے؟ بینوا تو جروا۔

(المستفتی: محمد اکبر ابوظہبی متحدہ عرب امارات، ۲۲/شعبان ۱۴۰۳ھ)

الجواب

(۱) اگر اس شخص کی والدہ پر حج فرض ہو تو حج بدل کرنے والا والدہ کی نفقہ پر (والدہ کے وطن) پاکستانی میقات (یلملم) سے احرام باندھے گا۔ (شامیہ)(۲) اور والدہ کی اجازت سے حج کرے گا اور اگر والدہ یہ کہے کہ وہاں ابوظہبی سے میرے لیے حج کیا جائے تو پاکستان آنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ (ارشاد الساری: ۱۹۲)(۳)

(۲) تبرع کی صورت میں توسع ہے اور یہ تنگی حج بدل اور وصیت کی صورت میں ہے۔(۴) وھو الموفق

(فتاویٰ فریدیہ: ۳۰۹/۴)

---

(۱) قال الملا علی قاری: اعلم أن كل من وجب عليه الحج ... وعجز عن الاداء بنفسه ... يجب عليه الاحجاج بان يحج عنه فی حال حياته أو بعد مماته ... ويتحقق العجز بالموت والحبس والمنع ... والعرج والهرم... والسادس ان يحج بمال المحجوج عنه ... والثامن ان يحج عنه من وطنه ... ولا يشترط لجواز الاحجاج أن يكون الحاج المأمورقد حج عن نفسه ... إلا أن ألافضل كما فی البدائع أن يكون قد حج عن نفسه أی للخروج عن الخلاف الذی هو مستحب بالاجماع.(المسلک المتقسط: ۲۸۷-۳۰۰، باب الحج عن الغير)

(۲) قال العلامة ابن عابدين: (قوله النفقة من مال الآمرإلخ)أی المحجوج عنه ... ان يحج عنه من وطنه ان اتسع الثلث والا فمن حيث يبلغ.(ردالمحتار هامش الدرالمختار: ۲۵۹/۲-۲۶۰، مطلب شروط الحج عن الغير عشرون)

(۳) قال العلامة الملا علی القاری: ولو اوصی ای من له وطن ان يحج عنه من غير بلده يحج عنه كما اوصیٰ به قرب ذلک المكان الموصیٰ به من مكة او بعد.(ارشاد الساری الی مناسک الملا علی قاری: ۱۹۲، قبيل مطلب جواز اخراج البدل من مكة)

(۴) قال العلامة ابن نجيم: وانما شرط غير المنوب للحج الفرض لا النفل لجواز الانابة مع القدرة فی حج النفل لان المقصود منه الثواب.(البحرا لرائق: ۶۲/۳، باب الحج عن الغير)

حج بدل میں واپسی شرط نہیں ہے:

سوال: حج بدل میں واپسی شرط ہے، یا نہیں؟

الجواب

حج بدل میں وطن میت سے جانا تو شرط ہے، بشرطیکہ ثلث میں گنجائش ہو، باقی عود شرط نہیں۔

قال فی العالمغیریة: ولو أحج رجلاً ویقیم بمکة جاز والأفضل أن یحج ویرجع. (۱۶۷/۱)(۱)

۱۴/شوال ۱۳۴۴ھ (امداد الاحکام: ۱۹۴/۳)

کیا حج بدل کے بعد آمر کے مکان پر واپسی ہونی چاہیے:

سوال: کیا یہ بھی ضروری ہے کہ حج بدل کرانے والے کے مکان پر حج کے بعد واپس آئے؟

الجواب

واپس آنا اس کے جائے سکونت پر ضروری نہیں ہے۔(۲) فقط (البتہ اچھا یہی ہے کہ واپس آئے۔ ظفیر) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵۷۸/۶)

ایضاً:

سوال: عرض ہے کہ میں کاندھلہ سے حج بدل کرنے گیا، حج کرنے کے بعد وہیں قیام کیا، اگلا حج کرنے کے بعد میں کاندھلہ آ گیا، پھر گھر آ گیا کاندھلہ، جن کی طرف سے حج کرنے گیا، وہ فرماتے ہیں کہ حج بدل نہیں ہوا، اس کی بابت فرمائیے کہ حج بدل ہوا، یا نہیں؟ فقط والسلام

الجواب

صورت مسئولہ میں حج بدل جائز ہوگیا۔

فی العالمغیریة (۱۶۷/۱): ولو أحج رجلاً یؤدی الحج و یقیم بمکة جاز والأفضل أن یحج ویرجع وإذا فرغ المامور بالحج ونوی الاقامة خمسة عشر یوماً فصاعداً انفق من مال نفسه ولو أنفق من مال الاٰمر یضمن (إلیٰ أن قال) فإن نوی الاقامة خمسة عشر یوماً فصاعداً حتیٰ سفطت نفقة من مال الآمر ثم رجع بعد ذلک هل یعود نفقة فی مال الآمر، ذکر القدوری فی شرح مختصر الطحاوی أن علیٰ قول محمد یعود وھو ظاهر الروایة وعند أبی یوسف لایعود، اه. (۳)

(۱) الفتاویٰ الهندیة، کتاب الحج: ۲۸۷/۱، انیس

(۲) ولو أحج رجلاً یؤدی الحج ویقیم بمکة جاز والأفضل أن یحج ویرجع. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب المناسک، الباب الخامس عشر فی الوصیة بالحج: ۲۵۸/۱، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

(۳) الفتاویٰ الهندیة، کتاب الحج: ۲۸۷/۱، بیروت، انیس

اس سے معلوم ہوا کہ واپسی کا خرچ تو بھیجنے والے کے ذمہ ہوگا؛ لیکن قیام مکہ کا خرچ خود حج کرنے والا اپنے پاس سے کرے۔ فقط والسلام

کتبہ الاحقر عبدالکریم گمتھولوی، ۱۰/صفر ۱۳۴۴ھ۔ الجواب صحیح: ظفر احمد عفی عنہ۔ (امداد الاحکام: ۱۹۵/۳)

حج بدل کرنے والا کس حج کی نیت کرے:

سوال: حج بدل میں اگر کوئی شخص جاتا ہے تو مامور کس حج کی نیت کرے گا؟ تمتع کی، یا قران کی؟ آیا تمتع کے لیے آمر کی اجازت ضروری ہے؟ اگر مامور قران کی نیت کرتا ہے تو دقت یہ پیش آتی ہے۔

(الف) کبھی حاجی ۸/ذی الحجہ یعنی ایام حج سے پندرہ روز قبل مکہ مکرمہ پہنچتا ہے، حکومت وہاں پہنچنے کے دوتین روز بعد ہی نو، دس روز کے لیے حاجی کو مدینہ منورہ بھیج دیتی ہے اور چار، پانچ روز قبل حج کے لیے مکہ مکرمہ واپس بلا لیتی ہے۔

(ب) اور کبھی حاجی ۸/ذی الحجہ یعنی ایام حج سے دس روز قبل مکہ مکرمہ پہنچتا ہے تو گرچہ حاجی کو مدینہ منورہ تو نہیں بھیجا جاتا ہے؛ مگر مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد ۱۲/ذی الحجہ تک حالت احرام ہی میں گزارنا لازمی ہے۔

لہٰذا استفتا یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں پر غور کرتے ہوئے یہ فرمایا جائے کہ حج بدل کرنے والا کس حج کی نیت کرے گا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۱) حج بدل کرنے والے کے لیے آمر کی اجازت سے تمتع کی اجازت وگنجائش ہے اور اگر آمر کی طرف سے کچھ بھی صراحت نہ ہو تو چوں کہ عموماً حج تمتع ہی کرنے کا عرف ہے؛ اس لیے عرف کی بنا پر آمر کی طرف سے دلالۃً اجازت سمجھی جائے گی اور حج تمتع کی نیت سے حج بدل کرنے کی اجازت ہوگی۔

(ودم القران) والتمتع (والجناية على الحاج) إن أذن له الآخر بالقران والتمتع. (الدر المختار: ۱۸۲/۲) (الدرالمختار علیٰ هامش ردالمحتار: ۲۴۷/۲، طبع بیروت)

والتعين بالعرف كالتعين بالنص... وإنما يعتبر العرف إن لم يوجد التصريح بخلافه. (المبسوط للسرخسي: ۱۵۲/۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۲۱/۶/۱۴۲۴ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۵۵/۳)

حج بدل میں تمتع:

سوال: حج بدل میں کیا تمتع کیا جاسکتا ہے؟ بعض کتابوں میں اس کو منع کیا گیا ہے، اگر حجِ بدل میں افراد ہی ضروری قرار دیا جائے تو آج کل بہت طویل مدت تک احرام کی حالت میں رہنا پڑے گا؟ (رشید الدین، بنجارہ ہلز)

الجواب ــــــــــــــــــــ

اس سلسلہ میں فقہاء احناف کے یہاں دو قول ہیں: ایک یہ کہ حجِ بدل میں افراد اور قران ہی کی گنجائش ہے، تمتع

نہیں کیا جاسکتا۔دوسرا قول یہ ہے کہ حج کرانے والے کی اجازت سے کیا جاسکتا ہے۔علامہ ابن نجیم مصریؒ ''البحر الرائق''(۱) اور علامہ شامیؒ نے ''ردالمحتار''(۲) میں اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ حجِ بدل میں تمتع کیا جائے تو قربانی کس کے ذمہ ہوگی؟ حج کرانے والے کے ذمہ، یاسفرِ حج پر جانے والے کے ذمہ؟اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک بھی حجِ بدل میں تمتع کیا جاسکتا ہے،موجودہ دور میں برصغیر کے اکثر اہل افتاء کا رجحان اسی طرف ہے۔مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اس کی اجازت دی ہے۔(۳) یہی رائے مفتی عبدالرحیم صاحبؒ لاجپوری کی ہے،(۴)مولانا مفتی نظام الدین صاحبؒ سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند نے بھی یہی لکھا ہے۔(۵)

حج کے نئے مسائل پر''اسلامک فقہ اکیڈمی''، جو ہندوستان کا نہایت باوقار علمی وتحقیقی ادارہ ہے، نے چندسال پہلے بمبئ میں ۱۰؍واں سمینار منعقد کیا تھا، جس میں ملک بھر سے ۱۰۰؍ سے زیادہ معروف اہل علم اور ارباب افتاء نے شرکت کی تھی، سمینار میں بہ اتفاق رائے یہ بات طے پائی کہ حجِ بدل میں تمتع کیا جاسکتا ہے، اگر حجِ بدل کرانے والا زندہ ہوتو بہتر ہے کہ اس سے اجازت حاصل کرلی جائے، اگراس نے حج تمتع، یا مطلق حج کی اجازت دے دی تو حج تمتع کیا جاسکتا ہے، اگر ایسے شخص کی طرف سے حج کررہا ہو، جن کی وفات ہوچکی ہے اور انہوں نے حج کی وصیت کی تھی کہ میری طرف سے حج افراد ہی کیا جائے توحجِ افراد ہی کرنا ضروری ہوگا اور اگرانہوں نے مطلق حج کی وصیت کی تھی تو یہ بھی تمتع کی اجازت سمجھی جائے گی؛ کیوں کہ موجودہ زمانہ میں برصغیر سے حج کے لیے جانے والے نوے فیصد لوگ اندازہ ہے کہ حج تمتع کرتے ہیں۔اب قاعدہ یہ ہے کہ جس عمل کے بارے میں صراحت نہ ہوتو اس میں مروج اور معروف طریقہ ہی مراد ہوتا ہے۔(۶)

لہٰذا اگر کوئی شخص حج شروع ہونے کے قریب ہندوستان سے روانہ ہوتو اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ افراد، یا قران کرلے، ورنہ حج بدل کرانے والے سے اجازت لے کر تمتع کرلے؛ کیوں کہ اتنے طویل احرام کے احترام کو باقی رکھنا دشوار ہوتا ہے اور فقہا نے لکھا ہے کہ جو احرام کے احکام کی رعایت کرنے کے بارے میں اندیشہ مند ہو اور خطرہ محسوس کرتا ہوتو اس کے لئے تمتع قران سے افضل ہے۔(کتاب الفتاویٰ:۶۸/۴-۷۰)

حجِ بدل میں تمتع:

سوال: مشہور واعظ حضرت شاہ ولی صوفی مولانا محمد روح الامین، مفتی اعظم جمعیۃ العلماء بنگال جو کہ ایک

---

(۱) البحر الرائق، کتاب الحج: ۱۱۶/۳

(۲) رد المحتار، کتاب الحج، باب القران هو أفضل: ۵۵۳/۳

(۳) جواہر الفقہ: ۵۱۶/۱

(۴) فتاوی رحیمیہ: ۱۲۰/۳

(۵) منتخباتِ نظام الفتاوی: ۱۵۰/۱

(۶) دیکھئے: تجویز نمبر: ۹

زبردست اور محقق عالم گزرے ہیں، ان کی تصنیف کردہ کتاب ''مسائل حج''، ص: ۱۳۰، میں انہوں نے یہ بات تحریر فرمائی ہے کہ ''منیب، یا وصی اگر نائب کو پورا اختیار دے دے تو اس کے تمتع کرنا بلا شبہ جائز ہے اور اس سے حج بھی ادا ہو جاتا ہے''۔

مگر حضور عالی کا لکھا ہوا فتویٰ جو کہ معلم الحجاج میں مرقوم ہے، اس کے بالکل خلاف معلوم ہوتا ہے۔(۱) بہر کیف جو قابلِ ترجیح بات ہو، عنایت فرمائیں؟

---

(۱) مفتی سعید احمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''آمر کی مخالفت نہ کرنا، اگر آمر نے افراد یعنی صرف حج کا حکم کیا تھا اور مامور نے تمتع کیا تو مخالف ہوگا اور ضمان واجب ہوگا اور حج مامور ہوگا۔ اسی طرح اگر قران کیا تو بھی مخالف ہوگا اور ضمان دینا ہوگا، البتہ قرآن آمر کی اجازت سے کرنا جائز ہے؛ لیکن دمِ قران اپنے پاس سے دینا ہوگا، آمر کے روپے سے دینا جائز نہیں۔ اور تمتع کرنا اجازت سے بھی جائز نہیں، اگر اجازت سے تمتع کرے گا تو گو مامور پر ضمان نہ ہوگا؛ لیکن آمر کا حج ادا نہ ہوگا۔

(وفی حاشیتہ) ''حج بدل کرنے والے کو آمر کی بلا اجازت تمتع کرنا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں؛ لیکن اگر آمر کی تمتع کی اجازت دے دے تو بعض علما جائز کہتے ہیں، مگر محققین کی رائے یہی ہے کہ حج بدل والے کو آمر کی اجازت سے بھی تمتع کرنا جائز نہیں، اگر تمتع اجازت سے کرے گا تو گو ضمان نہ ہوگا؛ لیکن آمر کا حج ادا نہ ہوگا۔

امام الناسکین ملا علی القاری نے شرح لباب میں اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (نور اللہ مرقدہ) نے زبدۃ المناسک میں عدمِ جواز ہی کو اختیار کیا ہے اور حضرت الاستاذ مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی شارح سنن ابی داؤد (برد اللہ مضجعہ) بھی عدمِ جواز ہی کا فتویٰ دیتے تھے۔

اس لیے حج بدل والوں کو محض سہولت اور احرام کی طوالت سے بچنے کے لیے تمتع کر کے آمر کے حج کو خراب نہ کرنا چاہیے اور آمر کو چاہیے کہ بدل کرنے والے کو خاص طور سے ہدایت کر دے کہ تمتع نہ کرے''۔ سعید احمد غفرلہ۔ (معلم الحجاج، حج بدل کے شرائط، ص: ۳۳۵، ۳۳۶، ادارۃ القرآن کراچی)

(تنبیہ): حج بدل میں قران اور افراد کا جواز محقق ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس میں تمتع کرے تو اس کی بھی گنجائش فقہائے کرام کی عبارات میں ہے، اردو فتاویٰ اور اس طرح عربی فتاویٰ میں اس کا جواز ملتا ہے۔ مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''خاکسار کے پاس عدۃ ارباب الفتویٰ اور فتاویٰ اسعد یہ موجود نہیں، اپنے پاس کی موجودہ کتابوں میں جہاں تک میں نے غور کیا، مجھے معلوم ہوا کہ حاج عن الغیر آمر کی اجازت سے قران اور تمتع کر سکتا ہے، آہ۔

لیکن اس عدمِ جواز کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میقات آمر سے احرام باندھنا جانا شرط تھا؛ بلکہ عدم جواز کی وجہ مخالفت آمر ہے اور جب کہ آمر نے صرف حج کا امر کیا ہو تو اس وقت بظاہر یہی ہے کہ اس کا حکم ایسے ہی حج سے متعلق ہوگا، جس کا احرام میقات سے باندھا گیا ہو تو اس ظاہرِ حال کی دلالت سے مطلقِ حج کی آمر کو حج عن المیقات کے ساتھ فقہاء نے مقید کر دیا ہے اور اس صورت میں نہ صرف تمتع؛ بلکہ قران کو بھی مخالفتِ آمر کی مد شمار کیا ہے، حالاں کہ قارن کا حج آفاقی ہے، نہ مکی۔

''فیصیر مخالفاً بالقران أو التمتع، کما مر''. (الدر المختار)

''ودم القران والتمتع والجناية على الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع، وإلا فيصير مخالفاً، فيضمن، انتهٰى''، (الدر المختار: ۲/ ۶۱۱)

اس عبارت سے صاف معلوم ہو گیا کہ اگر حاج عن الغیر آمر کی اجازت سے قران یا تمتع کرے تو جائز ہے''۔ (کفایۃ المفتی، کتاب الحج: ۴/۳۵، ۳۴۶، دار الاشاعت کراچی)

الجوابــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اور بھی بعض علماء نے اسی کو اختیار کیا ہے؛ لیکن ہمیں کتب فقہ: شامی، بحر، غنیۃ وغیرہ سے وہی راجح معلوم ہوا جو معلم الحجاج میں مذکور ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۱۲/۷/۱۳۶۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۴۱۱-۴۱۳)

ایضاً:

سوال: جیسا کہ معلم الحجاج میں ہے کہ "اگر زندہ ہو اور اس کی طرف سے تمتع کی اجازت ہو تو کرسکتا ہے" اور یہ کہ معلم الحجاج میں اس مسئلہ سے کوئی تعرض نہیں۔ وہ مسئلہ وصیت کرنے کی صورت میں ہے۔ اب حضرت والا مزید اطمینان کے لیے تحریر فرمائیں؟ مولانا سعید احمد خان صاحب نے یہ جواب دیا ہے۔

الجوابــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

معلم الحجاج میں حج بدل کے مسائل کے تحت یہ تشریح وتفصیل نہیں ہے کہ "اگر زندہ ہے تو یہ حکم ہے، مرگیا ہے تو یہ حکم ہے" بلکہ مطلقاً حجِ بدل میں تمتع کو منع کیا ہے، اگرچہ آمر کی طرف سے اجازت ہو تو حتی کہ حاشیہ معلم الحجاج، ص: ۳۰۷ میں تصریح کی ہے:

"حج بدل والوں کو محض سہولت اور احرام کی طوالت سے بچنے کے لیے تمتع کرکے اس کے حج کو خراب نہ کرنا چاہیے اور اس کو چاہیے کہ حج بدل کرنے والے کو خاص طور سے ہدایت کردے کہ تمتع نہ کرے"۔(۲)

"تنبیہ: پھر بھی احتیاط اس میں ہے کہ حجِ بدل میں تمتع نہ کیا جاوے کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے"۔(۳)

---

(۱) وینبغی للآمر أن یفوض الأمر إلی المأمور، فیقول: حجِ عنی): أی بهٰذا (کیف شئت مفردا أوقارناً أومتمتعا) فیه أن هٰذا القید سهوٌ ظاهرٌ؛ إذِ التفویض المذکور فی کلام المشایخ مقیدٌ بالافراد والقران لاغیر، ففی الکبیر: قال الشیخ الامام أبو بکر محمد بن الفضل إذا أمرغیره أن یحج عنه، ینبغی أن یفوض الأمرإلی المأمور، فیقول: حج عنی بهٰذا کیف شئتَ إن شئت حجة، وإن شئتَ فاقرن. والباقی من المال وصیة له، لکی لا یضیق الأمرعلی الحاج، ولایجب علیه الرد الی الورثة، انتهٰی کلامه. وقد سبق أیضاً أن من شرط الحج عن الغیرأن یکون میقاتیا آفاقیا وتقرر أن بالعمرة ینتهی سفره إلیها ویکون حجه مکیاً. وأما ما فی "قاضیخان" من التخیر بحجة أوعمرة وحجة أوبالقران، فلا دلالة علٰی جواز التمتع؛ إذا لوأولا تفید الترتیب، فیحمل علٰی حج وعمرة بأن یحج أوله لا عنه، ثم یأتی بعمرة أیضا فتدبر؛ فانه موضع خطرٍ. (المسلک المتسقط فی المنسک المتوسط)

وفی إرشاد الساری: (قوله: فیه أن هٰذا القید سهوظاهر) قال القاضی عید فی "شرحه" لِهٰذا الکتاب: ولا یخفی أن هٰذا سهو منه؛ لأن المیت لوأمره بالتمتع فتمتع المأمور، صح، ولا یکون مخالفاً بلا خلاف بین الائمة الأسلاف، فتدبر. (المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط مع ارشاد الساری، افصل فی النفقة، ص: ۵۰۳-۵۰۴، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) معلم الحجاج، ص: ۴۲۸، ادارۃ القرآن کراچی

(۳) زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک، : ۴۵۶، سعید

ظاہرعبارت سے تو یہ استفادہ ہوتا ہے کہ آمر زندہ ہے، اگر زندہ نہ بھی ہو، تب بھی اس کے امر کے بعد مر گیا ہو تو اس کے امر کی پابندی دونوں حالت میں مامور کو لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۱۰/۲۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۱۴/۱۰)

ایضاً:

سوال: ایک شخص حج کے لیے جا رہا ہے کہ اور اپنے ساتھ والدین کی طرف سے بغیر وصیت کئے ہوئے حجِ بدل کے لیے دو شخصوں کو اپنے خرچ سے لے جا رہا ہے، یہ دونوں شخص اگر حجِ بدل کریں بغیر کسی وصیت کے تو کیا ان کے لیے یلملم ہی سے احرام باندھنا ضروری ہے؟ اگر یہاں سے احرام باندھا جائے تو بڑا لمبا زمانہ احرام کا ہو جائے گا، اس کی پابندیوں کا نبھانا مشکل ہے۔ اگر یہ دونوں جدہ سے مدینہ پاک سیدھے جائیں تو بھی جس مقصد کے لیے ان کو ساتھ لیا ہے، وہ فوت ہو جائے گا اور سب رفقا کا سیدھے مدینہ جانا مشکل ہے تو کیا اس کی گنجائش ہے کہ میقات سے عمرہ کا احرام باندھیں اور مکۃ المکرّمہ جا کر عمرہ کے ارکان سے فارغ ہو کر احرام کھول دیں اور حج کا احرام یہ دونوں شخص جدہ آ کر باندھیں؟

مولانا منظور نعمانی نے ''الفرقان'' کے شعبان ۸۷ھ دسمبر ۶۷ء کے پرچہ میں اپنی رائے اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور دوسرے حضرات کی رائے بھی نقل کی ہے کہ ''ہندوستان و پاکستان سے آنے والے حضرات کے لیے جدہ میں احرام باندھنا صحیح ہے، اس سے پہلے جہاز میں احرام باندھنا ضروری نہیں ہے، وہاں سے یلملم کی محاذات ایسی نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے احرام ضروری ہو''۔ اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اگر جدہ سے احرام باندھنا صحیح ہو تو یہ آمر کی میقات ہو جائے گی تو کیا اس میں کچھ گنجائش ہے کہ روپیہ دینے والے کی اجازت سے یہ تمتع کا احرام باندھیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

''الفرقان'' کی اس تحقیق کے بغیر بھی نفلی حج بدل میں (بلا وصیت) تمتع کی گنجائش ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۰/۱۱/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۰/۱۱/۱۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۱۵/۱۰)

---

(۱) الرابع عشر عدم المخالفه، فلو أمره بالافراد فقرن أو تمتع ولو للميت، لم يقع عنه ويضمن النفقة ... وهٰذه الشرائط كلها فى الحج الفرض. وأما النفل، فلا يشترط فيه شيء منها إلا الإسلام والعقل والتمييز. (رد المحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۶۰۱/۲، سعيد)

وأما فى الحج النفل فلا يشترط فيه شيء، الخ) قال العلامة الرافعى فى تقريره علىٰ رد المحتار: ''الاقتصار علىٰ ما ذكر من المتثنيات ظاهر فيما إذا حج عن غيره نفلاً مجاناً بلا أمر، أما إذا ثواب الانفاق، إلخ. (إرشاد السارى إلى المناسك الملا على القارى، فصل فى شرائط جواز الاحجاج، ص: ۴۹۶، دار الكتب العلمية بيروت)

حج بدل کرنے والے کے لئے تمتع کا حکم:

سوال: آج کل رمضان کے بعد چوں کہ سمندر میں طغیانی کا موسم ہوتا ہے؛ اس لیے اکثر حجاج اس کی کوشش کرتے ہیں کہ رمضان میں، یا اس سے پہلے حج کے لیے ہندوستان سے روانہ ہوجائیں؛ مگر اس صورت میں حج بدل کرنے والوں کو سخت پریشانی پیش آتی ہے کہ اگر وہ حج کا احرام میقات سے باندھیں تو احرام بہت طویل ہوجاتا ہے، جو باعث تکلیف ہے اور اگر تمتع کریں تو بعض علما فرماتے ہیں کہ حج بدل والے کو تمتع جائز نہیں۔ امید ہے کہ اس صورت میں حکم شرعی سے مفصل ومدلل اطلاع دی جائے؛ تاکہ حج بدل والے اس پریشانی وحیرانی سے نجات پاویں۔ والسلام

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

قال فی الشامية تحت قول الدر (وهو الحيلة لمريد ذلک الا لما مور بالحج لمخالفة): ذكره فی البحر بحثاً بقوله وينبغی أن لايجوز هٰذه الحيلة للمأمور بالحج؛ لأنه حينئذٍ لم يكن سفره للحج ولأنه مأمور بحجة آفاقی وإذا دخل مكة بغير إحرام صارت حجته مكية فكان مخالفاً و هٰذه المسئلة يكثر وقوعها فيمن يسافر فی البحر الملح وهو مأمور بالحج ويكون ذلک فی وسط السنة فهل له أن يقصد البندر المعروف بجدة ليدخل مكة بغير إحرام حتٰی لا يطول الإحرام عليه لو أحرم بالحج فإن المأمور ليس له أن يحرم بالعمرة اه أی لأنه إذا اعتمر ثم إحرام بالحج من مكة يصير مخالفاً فی قولهم كما فی التتارخانية عن المحيط، وهل مخالفته لكونه جعل سفره لغير الحج المأموربه، أو لكونه لم يجعل حجته آفاقی وعلی الثانی لو اعتمر أو فعل الحلية بأن قصد البندر ثم دخل مكة ثم خرج وقت الحج إلی الميقات فأحرم منه لم يكن مخالفاً لأن حجته صارت آفاقية أما علی الأول فهو مخالف ويحتمل أن المخالفة لكل من العلتين كما يفيد أول عبارة البحر المذكورة فتحقق المخالفة بالعلة الأول لكن ذكر العلامة القاری فی بعض رسائله مسئلة اضطرب فيها فقهاء عصره وهی أن الآفاقی الحاج عن الغير إذا جاوز الميقات بلا إحرام للحج، ثم عاد إلی الميقات وأحرم يصح عن الآمر قيل: لا وقيل نعم ومال هو إلی الثانی قال وأفتٰی به الشيخ قطب الدين وشيخنا سنان الرومی فی منسكه والشيخ علی المقدسی. قلت وهٰذا يفيد جواز الحيلة المذكورة له عاد إلی المقيات وأحرم. والجواب عن قوله لأن سفره حينئذٍ لم يكن للحج أنه إذا قصد البندر عند المجاوزة ليقيم به أياماً لبيع أو شراء مثلاً ثم يدخل مكة لم يخرج عن أن يكون سفره للحج كما لو قصد مكاناً آخر فی طريقه ثم النقلة عنه والله تعالٰی أعلم(۱)

اس عبارت سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

---

(۱) رد المحتار، كتاب الحج: ۴۸۳/۳، انيس

(۱) مامور بالحج کو میقات سے بلا احرام تجاوز کرنا، یا احرام عمرہ باندھ کر جانا اس وجہ سے ممنوع ہے کہ اس صورت میں مخالفت آمر لازم آتی ہے۔

(۲) وجہ مخالفت دو ہیں: ایک یہ کہ اس صورت میں یہ سفر حج کے لیے نہ ہوا، جس کا وہ مامور ہے۔ پہلے اشکال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اثناء سفر میں کسی جگہ چندروز کے لیے قیام کرنا جب کہ وہاں سے مکہ ہی کا یہ جواب دیا گیا کہ اگر وہ میقات سے بدون حج کا احرام باندھے گزر جائے اور پھر حج کے وقت میقات سے احرام باندھ لے تو اس صورت میں حج میقاتی ہو جائے گا۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ میقات خود فی نفسہ اصل حج کے لیے بھی شرط نہیں؛ بلکہ واجبات حج میں سے ہے، پھر نیابت کے لیے اس کو شرط کیوں کر مانا جاسکتا ہے، اگر کوئی دلیل صریح ونقل صحیح اس پر دلالت کرتی ہو، فبہا، ورنہ یہ شرط باطل ہے۔

قال العلی القاری فی مناسکه وفیه أنه إن أراد بالمیقاتیة المواقیت الآفاقیة ففی اطلا قه نظر ظاهر إذ تقدم أن المکی إذا أوصٰی بالری أن یحج عنه من مکة وکذا سبق أن من أوصٰی أن یحج عنه من غیر بلده یحج کما أوصٰی قرب من مکة أوبعد وأیضاً فیه إشکال اٰخر حیث أن المیقات من أصله لیس بشرط لمطلق الحج وإصالته بل أنه من واجباته فکیف یکون شرطاً وقت نیابته فإن وجد نقل صریح ودلیل صحیح فالأمر مسلم وإلا فلا. واللّٰه سبحانه أعلم، آه. (ص: ۲۵۲)

مگر یہ تفصیل اس وقت ہے، جب کہ مامور کو افراد کا حکم کیا گیا ہو، تمتع یا تجاوز بلا احرام کی اجازت نہ دی گئی ہو؛ کیوں کہ مخالفت کا اطلاق اسی صورت میں صادق ہوسکتا ہے اور اگر آمر نے صراحۃً، یا بعموم الفاظ مامور کو اجازت تمتع وغیرہ کی دے دی ہو تو اس صورت میں چوں کہ مخالفت لازم نہیں آتی؛ اس لیے اس کو تمتع کر لینا جائز ہوگا۔

فی المناسک للقاری: الثالث عشر عدم المخالفة: فلو أمره بالافراد أی للحج أوللعمرة فقرن أوتمتع أی بأن نوی العمرة عن المیت ثم حج عنه فانه یصیر مخالفا اجماعا علی مافی البحر الزاخر ولعل وجهه أنه مأموربتجرید السفرللحج عن المیت فأنه الفرض علیه وینصرف مطلق الأمر إلیه إلا أنه یشکل إذا أمره بافراد العمرة ثم إتیان الحج بعده أوصرح بالتمع فی سفره أوبتفویض الأمر إلیه، إلخ. (ص: ۲۵۳، کتاب المناسک)

وقال الملا رحمة اللّٰه السندی فی رسالته لباب المناسک مع الشرح (ص: ۲۶۰): **وینبغی للآمر أن یفوض الأمر إلی المأمور فیقول حج عنی کیف شئت مفرداً أوقاراناً أومتمعاً، آه، وقال فی الدر المختار ودم القران والتمتع والجنایة علی الحاج إن إذن له الآمر بالقران والمتمتع وإلا کان مخالفاً فیضمن، الخ.** (۱)

---

(۱) الدر المختار، کتاب الحج: ۳۲/۴، انیس

قال في الشامية(قوله على الحاج): أى المأمور أما الأول (المراد بالأول: دم القران و المتمتع معاً كماصرح به فى البحر) فلأنه وجب شكرًا على الجمع بين النسكين وحقيقة الفعل مه وإن كان الحج يقع عن الاٰمر؛لأنه وقوع شرعى لا حقيقى وأما الثانى فباعتبار أنه تعلق بجناية. (أفاده فى البحر: ۲/۴۰۳)

قلت: فى البحرتحت قول الكنز(ودم القران والجناية على المأمور) وأراد بالقران دم الجمع بين النسكين قراناً كان أوتمتعاً كماصرح به فى غاية البيان لكن بالإذن المقدم،الخ.(ص:٦٦)

وفى لباب المناسك:حتٰى لوأمره بالقران أوالتمتع فالدم على المأمور،إلخ.(ص: ٢٦١)

فعبارة لباب المناسك إذا أذن له الاٰمر وإن عليه إذا تمتع دم التمتع فقط لاضمان النفقة وإنما يضمن إذا لم يأذن له الاٰمرفى ذلک فخالف أمره لايقال لزوم دم التمتع على المأمورلايستلزم وقوع الحج عن الاٰمر بل يحتمل أن يقع الحج عن المأموردون الاٰمرولا ضمان عليه لكونه متمتعاً هناک معنىً؛لأنه لا إشكال ح فى لزوم الدم على المامورلانقطاع و صلته عن الاٰمروكذا صرح فى البحر كما تقدم.وأما أورده العلامة القار ى علٰى عبارة اللباب حج عنى كيف شئت مفرداً او قارناً أومتمتعاً الخ بأن هٰذا القيد(يعنى قوله متمتعاً) سهوظاهر إذا التفويض المذكورفى كلام المشائخ مقيد بالافراد والقران لا غيرإلخ فقد أجاب عنه فى حاشية عدة أرباب الفتوى بجواب حسن ونصه هٰذا.

اعلم أن المأموربالحج لوأذنه الاٰمر بالتمتع فتمتع يقع الحج عن الاٰمر كماصرح به فى رد المحتار ولايكون مخالفاً كما فى الدرالمختار وعبارته (ودم القران)والتمتع (والجناية على الحاج) إن أذن له الاٰمربالقران والتمتع والايصير مخالفا،انتهى.

وعلٰى هٰذا يقال إذاصح أذن الاٰمر للمأموربالتمتع صح أن يخيره فيه كما ذكره صاحب المنسک الوسط فحينئذٍ يجوزالتمتع فى الصورة المشروحة ويكون ما ذكره من اشتراط أن تكون الحجة اٰفاقية ليس علٰى عمومه بدليل تجويزهم التمتع عند الأذن به مع أنه ليس فيه حجة آفاقية قطعاً فليتأمل.(ص: ١٠)

قلت: ويؤيد ه ما فى البرهان وخفى خلافه فى بالافراد يخالف بأوان نواه للاٰمر عند أبى حنيفة كا لتمتع له أى للاٰمر بالافراد وإنما يصيرمخالفاً؛لأنه مأموربأن يحج عنه من الميقات والمتمع يحج من جو ف مكة فكان هٰذا غيرما أمربه،آه.(ص:٤٠٤،المجلد الأول قلمى)

قلت: فقوله كا لتمتع له أى للاٰمر بالافراد يدل علٰى أن المتمتع إنما يصيرمخالفاً بالتمتع إذا اتمتع لمن أمره بالا فراد وأما لوأمره بالتمتع فتمتع فلا مخالفة فافهم .

خلاصہ یہ کہ مامور بالحج کی دوصورتیں ہیں: ایک یہ کہ آمر اس کوصراحۃً افراد بالحج کا حکم کرے اور تمتع سے صراحۃً منع

کردے، یا ممانعت پر قرینہ قائم ہو، اس صورت میں مامور بالحج کے لیے طول احرام سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے گھر سے روانہ ہوتے ہوئے چندروز جدہ میں قیام کرنے کی نیت کرے اور اس سفر کو جدہ کا سفر قرار دے اور راستہ میں نہ عمرہ کا احرام باندھے، نہ حج کا، نہ اپنی طرف سے، نہ آمر کی طرف سے اور بدون احرام کے چندروز کے بعد جدہ کے قیام سے فارغ ہو کر مکہ میں چلا جاوے اور عمرہ وغیرہ کچھ نہ کرے، صرف طواف وغیرہ بدون احرام کے کرتا رہے اور وقت حج پر جدہ آ کر احرام حج باندھ کر حج ادا کرے۔

قال فی حاشیة البحر: فینبغی التفصیل وھو أنه إن جاوز المیقات بلا إحرام قاصد البستان ثم دخل مکة ثم خرج إلی الحل وقت الإحرام فأحرم من المیقات عن الأمر یجوز لأنه صار آفاقیاً کما یأتی وإن فعل نسکاً غیر ما أمر به قبل إحرامه عن الأمر یکون مخالفاً وإن عاد الی المیقات وأحرم عنه من المیقات فتأمل، آہ. (ص: ۳۱۸)(۱)

اور دوسری صورت یہ ہے کہ آمر صراحۃً تمتع کی اجازت دے دے، یا یہ کہ دے کہ پہلے عمرہ میری طرف سے کرنا اور پھر حج کرنا، یا مامور کو اختیار عام دے دے کہ تم جس طرح چاہو کر لینا، اس صورت میں مامور کرنا تمتع جائز؛ مگر تمتع کے لیے شرط یہ ہے کہ عمرہ کے لیے شوال سے پہلے نہ کئے جاویں، لہٰذا اگر ہندوستان سے ایسے وقت میں روانگی ہو کہ مکہ میں شوال سے پہلے پہونچ جاوے تو اس صورت میں اگر تمتع کی نیت کی جاوے گی تو شوال کی یکم تک محرم رہنا ضروری ہوگا، یکم شوال کو عمرہ کے افعال ادا کر کے حلق کر دیا جاوے اور بہتر یہ ہے کہ آمر سے تمتع کی بھی اور عمرہ مفردہ کرنے کی بھی صراحۃً الگ الگ اجازت لے لی جاوے، یا عام اختیار لے لیا جاوے کہ مامور جس طرح چاہے گا، حج کرے گا، خواہ افراد سے، یا قران و تمتع سے، یا پہلے عمرہ مفردہ کر کے پھر حج کرے گا۔ ان سب صورتوں میں مامور کو حج کا احرام مکہ ہی سے باندھنا جائز ہوگا میقات کی طرف عود لازم نہ ہوگا، بس عمرہ کر کے احرام کھول دے پھر وقت پر حج کر لے۔ واللہ اعلم

حررہ احقر الطلبہ ظفر احمد عفا اللہ عنہ، ۸/ محرم ۱۳۴۰ھ۔

الجواب صواب: اشرف علی، ثامن محرم الحرام ۱۳۴۰ھ۔ (امداد الاحکام: ۱۸۶/۳)

تنبیہ:

اس مسئلہ میں شافعیہ کے قول پر بھی مامور بالحج کو تمتع کرنا باذن الآمر جائز ہے؛ بلکہ ان کے نزدیک اگر تمتع کی اجازت بھی نہ اور تمتع کر لے تب بھی حج ہو جائے گا، صرف اگر میں کسی قدر کمی کر دی جائے گی۔

قال فی الوجیز (ص: ٦٧): (الثانیة إذا خالف فی المیقات فاحرم بعمرة عن نفسه ثم أحرم بحج المستأجر فی مکة ففی قول لا تحسب المسافة له؛ لأنه صرفه إلیٰ نفسه فیحط من أجرته بمقدار التفاوت بین حجه من بلده وبین حجه من المیقات وحج من مکة فیقل المحطوط، الخ.

(۱) منحة الخالق علی البحر الرائق: ۵۵۹/۲، انیس

وفيه أيضاً: وإن أمر بالقران فتمتع كان كالقران علٰى وجه جعل المحطوط، إلخ، مخالفاً له وعليه الدم ويعود الخلاف فى حط شيء من الأجرة، آه. (ص: ٦٨)

ظفر احمد عفا عنہ، ۲۶/رمضان ۱۳۴۰ھ۔

اِیصال الخیر فی مسائل الحج عن الغیر ؛یعنی حج بدل کے ضرور مسائل:

حج بدل کے صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں:

(۱) اجرت کی شرط نہ ہو۔

(۲) بھیجنے والے کے مال ہی سے حج کیا جاوے؛ لیکن اگر زیادہ تر خرچ میت کے مال سے کرے اور کچھ اپنا بھی خرچ ہو جائے تو جائز ہے۔

(۳) اگر حج بدل والا میت کی رقم کو اپنی رقم سے علاحدہ رکھے، تب تو وہ امانت ہے، اگر باجود احتیاط کے ضائع ہو جائے تو ضامن نہ ہوگا اور اگر اپنی رقم کے ساتھ خلط کر دے گا تو ضامن ہوگا۔

(۴) اگر ثلث مال میں وسعت ہو تو حج سوار ہو کر کرنا چاہیے، اگر پیادہ حج کرے گا اور کرایہ کی رقم اپنے لئے بچاوے گا تو ضمان دینا واجب ہوگا، اگر چہ بھیجنے والے نے پیادہ حج کرنے کی اجازت بھی دے دی ہو اور سوار ہونا مکہ سے عرفات تک اور وہاں سے مکہ کی واپسی تک واجب ہے، باقی سفر میں اگر بھیجنے والے کی اجازت سے پیادہ چلے تو جائز ہے۔

(۵) حج میت کے وطن سے کرنا چاہیے۔

(۶) میت کی طرف سے احرام کے وقت حج کی نیت کرنا چاہیے، یعنی زبان سے یوں کہے کہ میں فلاں شخص کی طرف سے حج کی نیت کرتا ہوں اور اگر نام بھول جائے تو یوں کہہ لے کہ جس شخص کی طرف سے مجھ کو حج کے واسطے بھیجا گیا ہے، میں اس کی طرف سے حج کی نیت کرتا ہوں۔

(۷) احرم میقات سے باندھنا چاہئے بدون اجازت بھیجنے والے کے عمرہ کا احرام میقات سے نہ باندھے، نہ تمتع کرے۔ ہاں، اگر وہ اجازت دے دے، یا یوں کہہ دے کہ جس طرح چاہو، حج ادا دینا تو تمتع بھی جائز ہے۔ **هٰذا هو الحق عندنا؛** مگر اختلاف سے بچنا چاہے؛ اس لیے میقات سے احرام حج ہی باندھے۔

(۸) حج بدل والے کو جو روپیہ دیا جائے، اس میں غایت احتیاط لازم ہے، ورنہ حق العباد کا مواخذہ سر پر ہوگا، سفر کے بعد جو کچھ رقم اور سامان رقم سے خریدا ہوا باقی بچے واپس کر دے اور بہتر یہ ہے کہ بھیجنے والا پہلے ہی یہ کہہ دے کہ اگر خرچ میں کوئی بے عنوانی اتفاقاً ہو جائے تو میری طرف سے معاف ہے۔ (امداد الاحکام: ۳/۱۸۷)

حج بدل میں تمتع کا احرام باندھنے کا حکم:

سوال (۱) زید نے حج بدل میں تمتع کا حرام باندھا تھا اور سنا ہے کہ حج بدل میں افراد کا احرام میقات سے باندھنا چاہیے؟

کیا حج بدل کرنے سے حج فرض ہوجاتا ہے:

(۲) اور کیا حج بدل کرنے پر حج فرض ہوجاتا ہے، جب کہ پہلے اس پر فرض نہیں تھا؟ حج بدل کے لیے کیا شرائط ہیں؟ صورت مذکورہ میں احرام تمتع سے کوئی خرابی آتی ہوتو اس کا کوئی تدارک ہوسکتا ہے؟

الجواب

(۱) حج بدل میں تمتع کا احرام باندھنا اگر بھیجنے والے (آمر) کی مرضی اور اجازت سے ہوتو جائز ہے؛ لیکن اس صورت میں قربانی کی رقم خود حج کرنے والے کے ذمہ ہے، بھیجنے والے پر اس کا دینا ضروری نہیں، اگر بھیجنے والے نے تمتع کی اجازت نہیں دی تھی اور حاجی نے تمتع کرلیا تو یہ بھیجنے والے حکم کی مخالفت سمجھی جائے گی اور اس کا حج ادا نہ ہوگا اور جانے والے کے ذمہ ہوگا کہ خرچہ واپس کردے؛ اس لیے فقہا نے لکھا ہے کہ بھیجنے والے کو چاہیے کہ وہ ہر طرح کے احرام کی مامور کو اجازت دے دے۔

ودم القران والتمتع والجناية على الحاج إن أذن له الأمر بالقران والتمتع وإلا فيصير مخالفاً فيضمن. (۱)

فلو امره بالافراد أو العمرة فقرن أوتمتع ولو للميت لم يقع حجه عن الأمر ويضمن النفقة. (حاشية البحر: ٦٨/٣)(۲)

(۲) جس شخص نے اپنا حج نہ کیا ہو، اسے حج بدل پر نہ بھیجا چاہیے؛ لیکن اگر بھیج دیا تو بھیجنے والے کی طرف سے حج ہوجائے گا اور اگر جانے والے کے ذمہ پہلے سے حج فرض نہیں تھا تو تحقیق یہی ہے کہ صرف حج بدل کرلینے سے حج فرض نہیں ہوگا، تاوقتیکہ خود اس کو استطاعت پیدا نہ ہو۔ (۳) واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ، ۱۴/۲۱/۷/۱۳۸۷ھ۔ الجواب صحیح: محمد عاشق الٰہی۔ (فتاویٰ عثمانی: ۲/۲۲۱-۲۲۲)

حج بدل میں تمتع کا عدم جواز:

سوال: آج کل رمضان کے بعد چوں کہ سمندر میں طغیانی کا موسم ہوتا ہے؛ اس لیے اکثر حجاج اس کی کوشش کرتے ہیں کہ رمضان میں، یا اس سے پہلے حج کے لیے ہندوستان سے روانہ ہوجائیں؛ مگر اس صورت میں حج بدل

---

(۱) الدرالمختار مع الشامی: ۳۳۹/۲)(۱۱٦/۲، طبع سعید)

(۲) منحة الخالق: ٦٣/٣، طبع رشیدیة، کوئٹه

نیز اس مسئلہ کی مزید تفصیل وتحقیق کے لئے امداد الاحکام، ج: ۲، ص: ۱۸۲ تا ۱۸۷ ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) دیکھئے: العقود الدرية: ۱۳/۱، كتاب الحج، ۱٤/۲، دارالمعرفة بيروت/شامی: ۲۳۲/۲، دارالمعرفة بيروت. ٤٠٦/۲، طبع سعيد

کرنے والوں کو سخت پریشانی یہ پیش آتی ہے کہ اگر وہ حج کا احرام میقات سے باندھیں تو احرام بہت طویل ہو جاتا ہے، جو باعث تکلیف ہے اور اگر تمتع کریں تو بعض علما فرماتے ہیں کہ حج بدل والے کو تمتع جائز نہیں۔ امید ہے کہ اس صورت میں حکم شرعی سے مطلع فرمائیں گے؛ تاکہ حج بدل والے اس پریشانی سے نجات پاویں؟ والسلام

الجواب

ازمولانا ظفر احمد صاحب تھانوی:

قال فی الشامية تحت قول (وهوالحيلة لمريد ذلک المأموربا لحج للمخالفة) ذكره فی البحربحثا بقوله وينبغی أن لا تجوزهٰذه الحيلة للمأمور بالحج؛لأنه حينئذ لم يكن سفره للحج ولأنه مامور بحجة افاقية وإذا دخل مكة بغير احرام صارت حجته مكية فكان مخالفاً وهٰذا المسئلة يكثر وقوعها فيمن يسافر فی البحر الملح وهو مامور بالحج وكون ذلک فی وسط السنة فهل له أن يقصد البندر المعروف بجدة ليدخل مكة بغير إحرام حتٰی لا يطول الاحرام عليه لوأحرم بالحج فإن الماموربالحج ليس له أن يحرم بالعمرة اه أی لأنه إذا اعتمر ثمه أحرم بالحج من مكة يصير مخالفافی قولهم كما فی التتارخانية عن المحيط وهل مخالفته لكونه جعل سفره لغير الحج المامور به أو لكونه لم يجعل حجة افاقية وعلی الثانی لو اعتمرأوفعل الحيلة بأن قصد البندر ثم دخل مكة ثم خرج وقت الحج الی الميقات فأحرم منه لم يكن مخالفاً لأن حجته صار آفاقية إما علی الأول فهو مخالف ويحتمل إن المخالفة لكل من العلتين كما يفيده أول عبارة البحر المذكورة فتحقق المخالفة بالعلة الأولٰی لكن ذكرالعلامة القاری فی بعض رسائله مسائلة اضطرب فيها فقهاء عصره وهی أن الآ فاقی الحاج عن الغيرإذا جاوزالميقات بلا إحرام للحج ثم عاد إلی الميقات وأحرم هل يصح عن الأمر قيل لا وقيل نعم ومال هوإلی الثانی قال وأفتٰی به الشيخ قطب الدين وشيخنا سنان الرومی فی منسكه والشيخ علی المقدسی قلت وهٰذا يفيد جواز الحيلة المذكورة له إذا عاد إلی الميقات واُحرم والجواب عن قوله لأن سفره ح لم يكن للحج أنّه إذا قصد البندر عند المجاوزة ليقيم به أياماً لبيع أوشراء مثلا ثم يد خل مكة لم يخرج عن أن يكون سفره للحج كما لوقصد مكانا اٰخرفی طريقه ثم انتقله عنه وأی تعالیٰ أعلم فافهم. (۲/۲۵۰)

اس عبارت سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) مامورالحج کو میقات سے بلا احرام تجاوز کرنا، یا احرام عمرہ باندھ کر جانا اس وجہ سے ممنوع ہے کہ اس میں مخالفت آمر لازم آتی ہے۔

(۲) وجہ مخالفت دو ہیں: ایک یہ کہ اس صورت میں یہ سفر حج کے لیے نہ ہوا، جس کا وہ مامور ہے۔ دوسرے یہ کہ اس صورت میں حج میقاتی نہ ہوگا، جس کا وہ مامور ہے۔

پہلے اشکال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اثناء سفر میں کسی جگہ قیام چندروز کے لیے کرنا جب کہ وہاں سے مکہ ہی جانے کی نیت ہے، قاطع سفرنہیں؛ بلکہ یہ تمام سفرحج کے لیے شمار ہوگا۔ دوسرے اشکال کا یہ جواب دیا گیا کہ اگر وہ میقات سے بدون حج کا احرام باندھے گزرجاوے اور پھر حج کے وقت پرمیقات سے احرام باندھ لے تواس صورت میں حج میقاتی ہوجائے گا؛ مگر یہ تفصیل اس وقت ہے، جب کہ ماموروافراد کا حکم دیا گیا ہو، تمتع، یا تجاوز بلا احرام کی اجازت نہ دی گئی ہو؛ کیوں کہ مخالفت کا اطلاق اسی صورت میں صادق ہوسکتا ہے اور اگر آمر نے صراحتاً بعموم الفاظ مامور کو اجازت تمتع وغیرہ کی دے دی ہوتو اس صورت میں چوں کہ مخالفت لازم نہیں آتی؛ اس لیے اس کوتمتع کرلینا جائز ہوگا۔

فی المناسک للقاری: الثالث عشر عدم المخالفة فلوأمره بالافراد إلى الحج أوللعمرة فقرن أوتمتع أى بأن نوى العمرة عن الميت ثم حج عنه فإنه يصير مخالفاً إجماعاً علٰى ما فى البحر الزاخرولعل وجهه أنه ماموربتجريد السفر للحج عن الميت فإنه الفرض عليه وينصرف مطلق الأمر إليه إلا أنه يشكل إذا أمره بافراد العمرة ثم إتيان الحج بعده أوصرح بالتمتع فى سفره أوبتفويض الأمر،إلخ. (ص: ۳۵۳)

وقال الملا رحمة اللّٰه السندى فى رسالة لباب المناسك (ص: ۳٦): **وينبغى للآمرأن يفوض الأمرإلى المامور فيقول حج عنى كيف شئت صفردًا أو قارناً أومتمتعا،آه.**

وقال فى الدرالمختار: ودم القران والتمتع والجناية على الحاج إن أذن له الأمر بالقران والتمتع وإلا كان مخالفا فيضمن،الخ.

وقال فى الشامية (قوله على الحاج): أى المامور أما الأول (المراد بالأول دم القران والتمتع كما صرح به فى البحر،فلا نه وجب الشكر على الجمع بين النسكين وحقيقة الفعل منه وإن كان الحج يقع عن الاٰ مرلأنه وقوع شرعى لاحقيقى وأما الثانى فباعتبار أنه معلق بجنايته أفاده فى البحر. (۴۰۳/۲)

قلت: قال فى البحر تحت قول الكنز (ودم القران والجناية على المامور وأراد بالقران دم الحج بين النسكين قراناً كان أوتمتعاً كما صرح به فى غاية البيان لكن بالإذن المتقدم. (ص: ٦٦)

فعبارة لباب المناسک والدرالمختار والشامية والبحر مصرحة بأن المامور بالحج له أن يتمتع إذا أذن له الأمر وأن عليه إذا تمتع دم التمتع فقط لاضمان النفقة وإنما يضمن إذا لم يأذن له الآمرفى ذلک مخالف أمروااما أورده العلامة القارى على عبارة اللباب حج عنى كيف شئت مفرداً أوقارناً أومتمتعا إلخ بأن هٰذا القيد (يعنى قوله متمتعاً) سهو ظاهرإذا التفويض المذكورفى كلام المشائخ مقيد بالأفراد والقران لاغير،إلخ، فقد أجاب عنه فى حاشية عدة أرباب التقوى بجواب حسن ونصه هٰذا: اعلم أن المامور بالحج لواذنه الأمر بالتمتع فتمتع يقع الحج عن الأمر كما صرح به فى ردالمحتار ولا يكون مخالفاً كما فى الدرالمختار وعبارته

(ودم القران والتمتع والجناية على الحاج) إن أذن له الآمر بالقران والتمتع وإلا يصير مخالفاً، انتهى، وعلىٰ هٰذا يقال: إذا صح أذن الاٰمر للمامور بالتمتع صح أن يخيره فيه كما ذكره صاحب المنسک الوسط فحينئذ يجوز التمتع فى الصورة المشروحة ويكون ماذكره على القارى من التقييد فى عبارة المشائخ اتفاقياً لا احترازيا وما ذكره من اشتراط أن تكون الحجة آفاقية ليس علىٰ عمومه بدليل تجويزهم التمتع عند الإذن به مع أنه ليس فيه حجة افاقيته قطعا فليتأمل.

خلاصہ یہ کہ مامور بالحج کی دوصورتیں ہیں: ایک یہ کہ آمر اس کو صراحتاً افراد بالحج کا حکم کرے اور تمتع سے صراحۃً منع کردے، یا مخالفت پر قرینہ قائم ہو، اس صورت میں مامور بالحج کے لیے طول احرام سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے گھر سے روانہ ہوتے ہوئے چندروز جدہ میں قیام کرنے کی نیت کرے اور اس سفر کو جدہ کا سفر قرار دے اور راستہ میں نہ عمرہ کا احرام باندھے، نہ حج کا، نہ اپنی طرف سے، نہ آمر کی طرف سے اور بدون احرام کے چندروز کے بعد جدہ کے قیام سے فارغ ہوکر مکہ میں چلا جائے اور عمرہ وغیرہ کچھ نہ کرے، صرف طواف وغیرہ بدون احرام کے کرتا رہے اور وقت حج پر جدہ آکر احرام حج باندھ کر حج ادا کرے۔

قال فى حاشية البحر: فينبغي التفصيل وهو أنه إن جاوز الميقات بلا إحرام قاصد البستان ثم دخل مكة ثم خرج إلى الحل وقت الاحرام فأحرم من الميقات عن الاٰمر يجوز لأنه صار اٰفاقيا كما ياتى وإن فعل نسكاً غيرما أمر به قيل إحرامه عن الأمر يكون مخالفاً، وإن عاد إلى الميقات وأحرم عنه من الميقات فتأمل، آه. (ص: ۳۸۱)

اور دوسری صورت یہ ہے کہ آمر صراحتاً تمتع کی اجازت دے دے، یا یہ کہہ دے کہ پہلے عمرہ میری طرف سے کرنا اور پھر حج کرنا، یا مامور کو اختیار عام دے دے کہ تم، جس طرح چاہو کرلینا، اس صورت میں مامور کو تمتع جائز ہے؛ مگر تمتع کے لیے شرط یہ ہے کہ عمرہ کے افعال شوال سے پہلے نہ کئے جائیں، لہٰذا اگر ہندوستان سے ایسے وقت میں روانگی ہو کہ مکہ میں شوال سے پہلے پہنچ جاوے تو اس صورت میں اگر تمتع کی نیت کی جائے گی تو شوال کی یکم محرم رہنا ضروری ہوگا، یکم شوال کو عمرہ کے افعال ادا کر کے حلق کردیا جائے اور بہتر یہ ہے کہ آمر سے تمتع کی بھی اور عمرہ مفردہ کرنے کی بھی صراحتاً الگ الگ اجازت لے لی جاوے، یا عام اختیار لے لیا جاوے کہ مامور جس طرح چاہیگا حج ادا کردے گا۔ ان سب صورتوں میں مامور کو حج کا احرام مکہ ہی سے باندھنا جائز ہوگا، میقات کی طرف عود لازم نہ ہوگا، بس عمرہ کر کے احرام کھول دے پھر وقت پر حج کرے۔ فقط

حررہ احقر الطلبہ ظفر احمد عفا اللہ عنہ، ۸ محرم ۱۳۴۰ء۔ الجواب صواب: اشرف علی، ثامن محرم ۱۳۴۰ھ

الجواب ــــــــــــــ الثانی

از حضرت مولانا خلیل احمد صاحب:

میری رائے حج عن الغیر میں تمتع کے جواز کی نہیں ہے اور جو عبارتیں آپ نے تمتع کے استدلال جواز میں لکھی ہیں اور جو عبارتیں اس قسم کی اور پائی جاتی ہیں، میرے نزدیک اس مدعا کے لیے مفید نہیں ہیں۔

بروئے مذہب حج عن الغیر ادا ہونے کے لیے حج میقاتی ہونا شرط ہے تو پھر جواز تمتع کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔ علی قاری اپنی مناسک میں ماتن کا قول نقل کرتے ہیں:

"وینبغی للاٰمر أن یفوض الأمر إلی المأمور فیقول حج عنی کیف شئت مفرداً أو قارناً أو متمتعاً"۔

اس قول کی شرح میں لکھتے ہیں:

"فیہ أن ھٰذا القید سھو ظاھر إذ التفویض المذکور فی کلام المشائخ مقید بالافراد والقران لاغیر الخ ما قال"۔

اور اس کا جواب آپ نے عدۃ ارباب التقوی سے جو نقل کیا ہے، میرے نزدیک وہ جواب صحیح نہیں ہے، مفصل لکھنے کی نہ گنجائش ہے، نہ طاقت، کبھی ملاقات ہوگی تو عرض کر دیا جائے گا۔ فقط

(مولانا) خلیل احمد صاحب، ۲۲ صفر ۱۳۴۰ھ۔ (فتاویٰ مظاہر علوم: ۱/۱۶۰۔۱۶۶)

حج عن الغیر میں حج تمتع کرنا جائز ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ چند آدمیوں نے حج بدل کا ارادہ کیا ہے، معلم الحجاج ملقب باشرف المناسک میں لکھا ہے کہ حج عن الغیر کرنے والا تمتع نہیں کر سکتا اور تمتع اجازت سے بھی جائز نہیں۔ مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی شارح سنن ابی داؤد بھی عدم جواز کا فتویٰ دیتے تھے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ حج عن الغیر میں تمتع ہو سکتا ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: عبدالجلیل کربوغہ شریف، ۱۹۷۸/۸/۹ء)

الجواب

حج بدل میں جب آمر کی اجازت سے قران اور تمتع کئے جائیں تو اس میں اختلاف ہے۔ ملا علی قاری اور حضرت گنگوہی (۱) وغیرہ نے عدم جواز کو مختار کیا ہے

---

(۱) قال الملا علی قاری: إن ھذا القید سھو ظاھر اذ التفویض المذکور فی کلام المشائخ مقید بالافراد والقران لاغیر ... وأما ما فی قاضی خان من التخییر بحجۃ أو عمرۃ وحجۃ او بالقران فلا دلالۃ علی جواز التمتع اذالواو لا تفیدالترتیب فیحمل علی حج وعمرۃ بان یحج اولا عنہ ثم یأتی بعمرۃ لہ أیضا. (إرشاد الساری الی مناسک القاری: ۳۰۴، قبیل فصل ولوصی المیت أو وارثہ)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں: پس اگر آمر نے حج کو کہا اور مامور نے تمتع کر دیا تو ضمان دے وے گا اور حج مامور کا ہووے گا نہ آمر کا علی ہذا... اور تمتع کرنا کسی حال میں درست نہیں، اگر چہ آمر نے اذن دیا ہو، الخ۔ (تالیفات رشیدیہ، رسالہ زبدۃ المناسک: ۶۴۷، باب الحج عن الغیر)

اورارشادالساری (ص:۳۰۴) نے ملاعلی قاری پر رد کیا ہے اور جواز کوراجح قرار دیا ہے۔(۱)

قلت: وهو الأقوىٰ لأن كلام أبى بكر محمد بن الفضل لغير الجواز حيث قال: إذا أمر غيره بأن يحج عنه ينبغي أن يفوض الأمر إلى المأمور فيقول: حج عنى بهذا المال كيف شئت إن شئت حجة وإن شئت حجة وعمرة وإن شئت قرانا. (كذا فى الخانية على هامش الهندية: ۱۸۲/۱)(۲)

وكذا يقتضيه كلام غاية البيان حيث قال فى شرح قوله الهداية فان امره غيره ان يقرن عنه فالدم على من احرم واراد بالقران الجمع بين النسكين قرانا كان او تمتعاً فافهم. (الهداية: ۲۷۸/۱، باب الحج عن الغير)

واستدلال المخالف بعبارات الفقهاء لا يصح لانها وردت عند الامر بالافراد وعللوها بعدم الاذن، وفى الصور ة المسؤلة يأمره الآمر بالحج وهو فى عرفنا شامل للاقسام الثلاثة، وكذا لاريب فى الاذن لا سيما عند الاستيذان ومزيد التفصيل فى جواهر الفقه (۵۰۸/۱)**فليراجع.**(۳)
وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ:۲۹۹/۴)

حج بدل کرنے والا آمر کی اجازت کے بغیر تمتع کرسکتا ہے، یانہیں:

(۱) حج بدل کرنے والا تمتع کرسکتا ہے، یانہیں؟ اوراس مسئلہ میں باذن الآمر اور بغیر اذنہٖ دونوں کا حکم یکساں ہے، یااذن کے بعد کرسکتا ہے، اگراذن کے بغیر کرسکتا ہوتو جس صورت میں حج عن المیت کیا جارہا ہو، ورثہ کی اجازت کیا اس حج کے لیے جانے والے کی جانب سے کافی ہوجائے گی، یانہیں؟

(۲) اور یہ حج بوصیت حج یا تبرع وارث ہو، اس مسئلہ میں دونوں کا ایک حکم ہوگا، یامختلف؟ براہِ کرم سب صورتوں کا واضح جواب مرحمت فرمایا جائے؛ تاکہ سمجھنے میں خلجان نہ ہو؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۱) محجوج عنہ آمر پر اگرحج فرض تھا اور بوجہ معذوری خود نہیں جاسکتا ہے، بلکہ اپنی نیابت میں کسی کو حج بدل میں بھیجنا چاہتا ہے تو اس صورت میں حج بدل کے صحیح ہونے کے لیے بیس سے زائد شرطیں ہیں، جو باب المناسک وغیرہ میں تفصیل سے مذکور ہیں۔ من جملہ ان کے جو شرطیں مامور حج بدل کے لیے جانے والے شخص سے متعلق ہیں، وہ یہ ہیں:

---

(۱) قال الشيخ حسين بن محمد سعيد المكى: قوله فيه ان هذا القيد سهو ظاهر، قال القاضى عيد فى شرحه لهذا الكتاب: ولا يخفى ان هذا سهو منه لأن الميت لو أمره بالتمتع فتمتع المأمور صح ولا يكون مخالفا بلا خلاف بين الائمة الاسلاف فتدبر.(إرشاد السارى إلى مناسک القارى: ۲۰۴،قبيل فصل ولوصى الميت)

(۲) (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الهندية: ۳۰۷/۱،فصل فى الحج عن الميت

(۳) جواہر الفقہ :۵۰۸/۱،رسالہ منہج الخیر فی الحج عن الغیر

(الف) جب تک مجوج عنہ (آمر) مامور کو حج قران، یا تمتع کی اجازت نہ دے دے، مامور کو حج قران، یا تمتع کرنا جائز نہ ہوگا، اگر کرے گا تو حج بھی آمر کا نہ ہوگا؛ بلکہ مامور کا ادا ہوگا اور اس صورت میں مامور پر ضمان لازم آئے گا، جو حج بدل کے لیے گیا ہے۔(۱)

(ب) اور اگر آمر مجوج عنہ نے قران اور تمتع کی اجازت دے دی ہے، خواہ مجملاً ہی دی ہو، مثلاً بایں طور کہ تم کو اختیار ہے کہ میری طرف سے جس طرح چاہو حج بدل کرآ ؤ تو اس صورت میں مامور کو حج تمتع اور قران دونوں کرنا جائز رہے گا؛ لیکن دمِ قران، تمتع، جنایت یہ بذمہ مامور رہے گا، مامور کو اپنے ذاتی مال سے ادا کرنا ہوگا۔

كما في الدر المختار: ودم القران والتمتع والجناية على الحاج إن أذن له الآمر ... ،وإلا فيصير مخالفا فيضمن. (الدرالمختار ۲۳/۳)

معلوم ہوا کہ باذن آمر اور بغیر اذن دونوں کا حکم یکساں نہیں؛ بلکہ دونوں کے حکم میں فرق ہے۔

(الف۔۲،۳) اگر مجوج عنہ (آمر) پر حج فرض تھا اور اس نے حج بدل کی وصیت کر کے انتقال کیا ہے اور تہائی ترکہ بعد ادائیگی قرض وغیرہ حقوقِ متقدمہ مکان آمر (مجوج عنہ) سے حج بدل کے لیے کافی ہے تو اگر کسی متعین شخص کو بھیجنے کی وصیت فرمائی ہے تو جب تک وہ متعین کردہ شخص اظہار معذوری، یا انکار نہ کردے، یا ایسا مہمل ہو کہ اس سے حج بدل ادا ہی نہ ہوگا، اس وقت تک اس متعین کردہ شخص کو بھیجنا ورثا پر ضروری رہے گا، اگر کسی شخص کو آمر نے متعین نہ کیا ہو تو ورثا جس کو مناسب سمجھیں بھیج سکتے ہیں، بھیجنا ضروری رہے گا۔

(ب) اگر وصیت تو کی ہے؛ مگر تہائی ترکہ بعد ادائے گی حقوق متقدمہ (قرض وغیرہ) مجوج عنہ (آمر) کے مکان سے حج بدل کے لیے کافی نہ ہوگا؛ مگر خارجِ میقات سے بھیجنے کے لیے کافی ہو تو خارج میقات سے بھیجنا اگر ورثا کی قدرت میں ہے تو خارج میقات سے ہی جہاں سے کافی ہو، بھیجنا واجب رہے گا۔ ہاں، اگر ورثا اپنے ذاتی مال سے تبرع کر کے اور پہلے سے؛ بلکہ مکان آمر سے ہی کسی کو بھیج دیں تو درست ہوگا؛ بلکہ بہتر وافضل رہے گا، وصیت کی ان تمام صورتوں میں مامور کو حج قران وتمتع کرنا درست نہ ہوگا اور نہ ورثا کی اجازت منجانب موصی کافی ہوگی؛ بلکہ حج افراد کرنا ہر حال میں ضروری رہے گا۔

(ج) وصیت تو فرمائی ہے؛ مگر اتنا ہی چھوڑا کہ اس کا تہائی حصہ خارجِ میقات سے حج کے لیے کافی ہو تو وہ رقم مکہ مکرمہ بھیج کر مکی سے حج کروانا ضروری ہوگا۔

(د) اور اگر وصیت تو کی ہے؛ لیکن بالکل کوئی ترکہ نہیں چھوڑا کہ مکی ہی سے حج کرایا جاسکے، یا ترکہ کافی چھوڑا؛ مگر وصیت نہیں کی تو اگر چہ اس پر (آمر ومجوج عنہ) پر حج فرض باقی رہا ہو؛ مگر اس صورت میں ورثا پر کسی قسم کا حج مکی، یا میقاتی کرانا ضروری نہ رہے گا، البتہ اگر ورثا اپنی طرف سے تبرع کر دیں تو بہتر واحسن ہوگا اور اللہ نے وسعت دی ہو تو کرانا چاہیے۔

(۱) الرابع: الأمر أي بالحج فلا يجوز حج غيره بغير إذنه. (ردالمحتار: ۲۳۹/۲، باب الحج عن الغير)

(ھ)　　اگر محجوج عنہ (آمر) پر حج فرض نہیں تھا؛ لیکن حج کرانے کی وصیت فرمادی اور حقوق متقدمہ کی ادائیگی کے بعد تہائی ترکہ کی مقدار اتنی ہے کہ آمر (محجوج عنہ اور موصی) کے مکان سے نہ سہی، راستہ ہی کے کسی حصہ سے حج بدل میقاتی کرایا جاسکتا ہے اور وہاں سے حج کرانا ورثا کی قدرت میں ہوتو ورثا پر وہیں سے حج کرانا ضروری ہوگا اور اس حجِ بدل کرنے والے (مامور) کے لیے قران وتمتع کرنے کی اجازت نہ رہے گی اور موصی کے ورثا کی اجازت منجانب موصی کافی وصحیح نہ ہوگی۔

(و)　　اگر محجوج عنہ (آمر) پر حج فرض نہ رہا ہو اور نہ اس نے حج کی وصیت فرمائی ہو، یا وصیت کی ہو؛ مگر تہائی بعد ادائیگی حقوقِ متقدمہ علی الوصیت جیسے قرض ومہر وغیرہ اتنی مقدار کا بھی نہ چھوڑا ہو کہ جس سے حج مکی ہی سہی (وہ حج جو خارج میقات سے آکر کیا جائے) کیا جاسکے تو اس صورت میں کسی وارث پر حج بدل کرانا ضروری نہ رہے گا، حج بدل کرادے تو کراسکتا ہے؛ بلکہ مستحسن ہے اور ایسے حج بدل میں قران وتمتع کراسکتا ہے۔(۱)

(ز)　　اگر صورت نمبرہ میں تہائی ترکہ کی اتنی مقدار ہو کہ مکی حج (جو اندرونِ میقات والوں پر ہوتا ہے) کرایا جاسکتا ہے اور ورثہ کی قدرت میں ایسا حج کرانا ہے تو اس کا بھی ادا کرادینا ضروری رہے گا اور اس صورت میں حج بدل کرنے والا (مامور) قران، تمتع، افراد سب کرسکتا ہے، البتہ دم قران ودمِ جنایت خود بذمہ مامور رہے گا، مامور کو یہ دم اپنے ذاتی مال سے ادا کرنا ہوگا، **هكذا يستفاد من جميع مباحث الحج عن الغير**. فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۲/۵۹-۶۱)

حجِ بدل میں اِفراد ہو، یا قران:

سوال (۱) حج بدل اگر میت کی طرف سے کیا جائے، جب کہ اس نے حج کی قسم سے کسی قسم کا تعین نہ کیا ہو تو کون سی صورت مناسب ہے؟

(۲)　　اگر حج بدل میں افراد کرنا ہو تو رمضان المبارک سے قبل والے جہاز سے روانہ ہوکر پھر ایامِ حج میں حج کا احرام میقات سے باندھنا کیسا ہے؟

(۳)　　بمبئی سے جدہ اور جدہ سے مدینہ منورہ احرام کے بغیر جاکر پھر ایامِ حج میں حج بدل لے کر افراد کا احرام باندھ کر آنا کیسا ہے؟

(۴)　　حجِ بدل میں تمتع اور قران کے بارے میں کیا مسئلہ ہے؟ تمتع کی کوئی صورتِ جواز ہے؟

---

(۱)　　قال: وإن لم يوص أي بالاحجاج فتبرع عنه الوارث وكذا من هم أهل التبرع فحج أي الوارث ونحوه بنفسه أي عنه أو غيره جاز، والمعنىٰ جاز عن حجه الإسلام إن شاء اللّٰه تعالىٰ، كما قاله في الكبير. (رد المحتار: ۲/۲۳۹، باب الحج عن الغير)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

(۱) افراد کیا جائے۔(۱)

(۲) درست ہے۔(۲)

(۳) درست ہے۔(۳)

(۴) جب وصیت کے ماتحت بدل میں حج فرض ادا کرنا ہو تو تمتع نہ کیا جائے، قران کی گنجائش ہے لیکن دمِ قران ماموپر لازم ہوگا۔(۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۶/۸ھ۔(فتاویٰ محمودیہ: ۴۱۶/۱۰-۴۱۷)

(۱) ”الثالث عشر عدم المخالفة،فلو أمره بالافراد): أى للحج أو العمرة (فقرن): أى عن الأمر،فهو مخالف ضامن عند أبى حنيفة وعندهما يجوز ذلك عن الآمر استحساناً. وأما لو نوى بأحدهما عن نفسه أو عن غيره، والآخر عن الآمر فهو مخالف ضامن اجماعاً، كذا فى المحيط ... (أو تمتع):أى بأن نوى العمرة عن الميت ثم حج عنه،فانه يصير مخالفاً اجماعاً علىٰ ما فى ”البحرالزاخر“ ولعل وجهه أنه مأمور بتجريد السفر للحج عن الميت،فإنه الفرض عليه،وينصرف مطلق الأمر إليه“.(المسلک المتقسط فى المنسک المتوسط، فصل فى شرائط جواز الاحجاج،ص: ٤٨٨، دار الكتب العلمية بيروت،انيس)

”إن أذن له الآمر بالقران والتمتع، والا فيصير مخالفا فيضمن“.(الدر المختار)

”أمره بسفر يصرفه الى الحج لا غير،فقد خالف أمر الآمر فضمن“. (الدر المختار مع رد المحتار،كتاب الحج، باب الحج عن الغير،مطلب:العمل على القياس دون الاستحسان هنا: ٢/ ٦١١،دار الفكر بيروت،انيس)

مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل حج بدل میں افراد ہے، ورنہ قران اور تمتع کے لیے اجازت لینا ضروری ہے۔ معلم الحاج میں ہے: ”حج بدل والے کو تمتع کرنا جائز نہیں، بلکہ افراد کرنا چاہیے“۔(معلم الحجاج،ص: ۴۲۸، ادارۃ القرآن کراچی) فتاویٰ رحیمیہ میں ہے: ”حج بدل میں افراد کیا جائے“۔(فتاوی رحیمیہ: ۱۲۰/۳، دارالاشاعت کراچی)

(۲) أن الآفاقى الحاج عن الغير اذا جاوز الميقات بلا احرام للحج، ثم عاد إلى الميقات وأحرم هل يصح عن الآمر؟قيل:لا،وقيل:نعم ... قلت: وهٰذا يفيد جوازالحيلة المذكورة له اذا عاد الى الميقات وأحرم. و الجواب عن (قوله: لأن سفره حينئذ لم يكن للحج) أنه اذا قصد البندرعند المجاوزة ليقيم به أياما لبيع أوشراء مثلاً، ثم يدخل المكة،لم يخرج عن أن يكون سفره للحج،كما لوقصد مكاناً آخرفى طريقه ثم النقلة عنه.(ردالمحتار، كتاب الحج،مطلب فى المواقيت: ٢/ ٤٧٧،دار الفكر بيروت،انيس)

(۳) أن الآفاقى الحاج عن الغيرإذا جاوز الميقات بلا احرام للحج،ثم عاد إلى الميقات و أحرم هل يصح عن الآمر؟قيل: لا،وقيل:نعم ... قلت:وهٰذا يفيد جوازالحيلة المذكورة له إذا عاد إلى الميقات وأحرم. و الجواب عن (قوله:لأن سفره حينئذ لم يكن للحج) أنه إذا قصد البندر عند المجاوزة ليقيم به أياما لبيع أو شراء مثلا، ثم يدخل المكة، لم يخرج عن أن يكون سفره للحج، كما لو قصد مكانا آخر فى طريقه ثم النقلة عنه. (رد المحتار، كتاب الحج، مطلب فى المواقيت: ٢/ ٤٧٧،دار الفكر بيروت،انيس)

(۴) (ودم القران) و التمتع (والجناية على الحاج) ان أذن له الآمر بالقران والتمتع،والا فيصيرمخالفاً فيضمن.(الدر المحتار،كتاب الحج،باب الحج عن الغير،مطلب:العمل على القياس دون الاستحسان هنا: ٢/ ٦١١،سعيد) ==

حج بدل میں تینوں اقسام حج آمر سے واقع ہوتے ہیں:

سوال: حج بدل یعنی حج عن الغیر میں اگر مامور نے میقات سے احرام باندھ کر پہلے عمرہ ادا کیا، خواہ اپنے لیے ہو، یا آمر کے لیے، بعد میں حج ادا کیا مکہ مکرمہ سے، کیا یہ حج آمر کے لیے ہوا، یا نہیں؟ بعض کتب میں لا یجوز مذکور ہے، ان کی عبارات یہ ہیں:

إن من شروط الحج عن الآمر أن يحرم من الميقات فلو اعتمر وقد أمره بالحج ثم حج من مكة يضمن في قولهم جميعا ولايجوز ذلک عن حجة الإسلام،الثالث عشرعدم المخالفة فلوأمره بالافراد فقرن أوتمتع ولو للميت لم يقع حجه عن الآمر ويضمن النفقة،الخ.

اس مسئلہ میں یہاں کے علماء کرام میں بہت اختلاف ہے، بعض وقوع وجواز کے قائل ہیں اور بعض عدم وقوع وعدم جواز کے قائل ہیں، براہ مہربانی وضاحت فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: حاجی نوراجان)

الجواب

عن عبداللہ جان ناصر دکی: یہاں تفصیل کی ضرورت ہے، اس کے بعد صراحتاً معلوم ہوجائے گا کہ یہ حج آمر کے لیے واقع اور جائز ہے، تفصیل یہ ہے، عبارت البحر الرائق (۳۱۸/۲):

== "وإنما وجب دم القران على المامور ... وأطلق في القران، فشمل ما إذا أمره واحد بالقرآن فقرن". (البحر الرائق،باب الحج عن الغير: ۱۱۶/۳،رشيدية)وكذا في مجمع الأنهرشرح ملتقى الأبحر،باب الحج عن الغير: ۳۰۹/۱، دار احياء التراث العربي بيروت)

("الثالث عشرعدم المخالفة،فلو أمره بالافراد): أي للحج أوالعمرة (فقرن): أي عن الأمر،فهومخالف ضامن عند أبي حنيفة وعندهما يجوز ذلک عن الآمراستحساناً.وأما لونوىٰ بأحدهما عن نفسه أوعن غيره،والآخرعن الآمرفهو مخالف ضامن اجماعاً،كذا في "المحيط" ... (أو تمتع): أي بأن نوى العمرة عن الميت ثم حج عنه،فانه يصيرمخالفاً اجماعاً علىٰ ما في "البحرالزاخر" ولعل وجهه أنه مأمور بتجريد السفرللحج عن الميت،فانه الفرض عليه،وينصرف مطلق الأمر إليه". (المسلک المتسقسط في المنسک المتوسط،فصل في شرائط جواز الاحجاج، ص: ۴۸۸، دار الكتب العلمية بيروت،انيس)

"ان أذن له الآمر بالقران والتمتع، والا فيصير مخالفا فيضمن". (الدر المختار)

"أمره بسفر يصرفه الى الحج لاغير،فقد خالف أمرالآمر فضمن". (رد المحتار،كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب: العمل على القياس دون الاستحسان هنا: ۶۱۱/۲،دار الفكر بيروت،انيس)

مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل حج بدل میں افراد ہے ورنہ قران اور تمتع کے لیے اجازت لینا ضروری ہے۔

معلم الحجاج میں ہے: "حج بدل والے کو تمتع کرنا جائز نہیں، بلکہ افراد کرنا چاہیے"۔ (معلم الحجاج،ص: ۴۲۸، ادارۃ القرآن کراچی)

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے: "حج بدل میں افراد کیا جائے"۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۲۰/۳، دارالاشاعت کراچی)

لأن الافاقى إذا قصد موضعا من الحل كخليص يجوز له ان يتجاوز الميقات غير محرم وإذا وصل إليه التحق باهله، ومن كان داخل الميقات فله أن يدخل مكة بغير إحرام إذا لم يقصد الحج أوالعمرة وهى الحيلة لمن أراد ان يدخل مكة بغير إحرام وينبغى أن لا تجوز هذه الحيلة للمامور بالحج (لأنه حينئذ لم يكن سفره للحج) ولأنه مامور بحجة آفاقية وإذا دخل مكة بغير إحرام صارت حجته مكية فكان مخالفا وهذه المسئلة يكثر وقوعها فيمن يسافر فى البحر الملح وهو مامور بالحج ويكون ذلك فى وسط السنة فهل له أن يقصد البندر المعروف بجدة ليدخل مكة بغير إحرام حتى لا يطول الإحرام عليه لو أحرم بالحج فإن المامور بالحج ليس له أن يحرم بالعمرة.

پھر ملاحظہ ہو، اسی صفحہ: ۳۱۸، جلد: ۲ پر عبارت منحة الخالق على البحر لابن عابدين تحت قوله لأنه حينئذ لم يكن سفره للحج:

هذا التعليل يفيد أنه لا ترتفع المخالفة بخروجه بعد إلى أحد المواقيت وإحرامه منه، ونقل كلام المولف هنا الشيخ حنيف الدين المرشدى فى شرح منسكه وأقره ونقله عنه القاضى محمد عيد فى شرح منسكه كما فى حاشية المدنى على الدرالمختار، ثم قال فيها: ونقل الملا على قارى فى رسالته المسماة. (بيان فعل الخيرإذا دخل مكة من حج عن الغير)أنه وقعت مسئلة اضطرب فيها فقهاء العصر وهى أن الآفاقى الحاج عن الغير إذا انفصل عن الميقات بغير إحرام للحج هل هو مخالف أم لا؟ فقيل: نعم فيبطل حجه عن الآمر وإن عاد إلى الميقات،وأحرم وقيل: لا بل عليه أن يرجع إلى الميقات ويحرم عن الآمر واعتمد الأولون على ظاهرما فى المنسك الكبير للسندى أن من شروط صحة الحج عن الآمر أن يحرم من الميقات فلو اعتمر وقد أمره بالحج ثم حج من مكة يضمن فى قولهم جميعا ولا يجوز ذلك عن حجة الاسلام، لأنه مامور بحجة ميقاتيته،الخ ... ولا يصح الاعتماد عليه لأن الشرط فرض لا يثبت إلا بدليل قطعى فمجرد قوله من غير نقله عن مجتهد أو اسناده إلى دليل غير مقبول، وأطال إلى أن قال: وبما ذكرناه افتى الشيخ قطب الدين وشيخنا سنان الرومى فى منسكه وافتى به الشيخ على المقدسى ونقل فتواه فراجعها،الخ، ما فى الحاشية ملخصا، أقول وفى رده ما ذكره السندى نظر،لأن المسئلة منقولة والمقلد متبع للمجتهد وإن لم يظهر دليله ففى التتارخانية عن المحيط ولو امره بالحج فاعتمر ثم حج من مكة فهو مخالف فى قولهم وفى الخانية: ولا يجوز ذلك عن حجة الاسلام عن نفسه وكذا لو حج ثم اعتمر كان مخالفا عند العامة، وفى المحيط: ولو امره بالعمرة فاعتمر أولا ثم حج عن نفسه لم يكن مخالفا وإن حج أولا ثم اعتمر فهو مخالف،الخ، فليتأمل، وفى قول ابن عابدين فليتأمل إشارة إلٰى جواب نظره وهو أن نقل الدليل عن مجتهد أو إسناده إلى دليل لا ينافى التقليد

والاتباع وأيضا قال ملا على قارى فى كتاب المناسك (٣٥٢) وأيضا فيه إشكال آخر حيث أن الميقات من أصله ليس شرطا لمطلق الحج واصالته بل أنه من واجباته فكيف يكون شرطا وقت نيابته فان وجد نقل صريح أو دليل صحيح فالأمر مسلم وإلا فلا.

حاصل ما قال الملا على قارى فى المنحة وفى كتاب المناسك ان الميقات إما أن يكون شرطا أولا، فإن كان شرطا فالشرط فرض لا يثبت،الخ، ولم يأت أحد بدليل قطعى إلى الآن ولم يوجد، وإن لم يكن شرطا بل من واجبات الحج فكيف يكون شرطا وقت نيابته فإن وجد نقل صريح ودليل صريح فالأمر مسلم وإلا فلا.

وبقوله إن الشرط فرض،الخ، وإن الميقات من أصله ليس شرطا،الخ، اندفع ما قال فى ردالمحتار فى باب الحج عن الغير(ص: ٢١٢،٢١١)وهذا يفيد جواز الحيلة المذكورة إذا عادل الميقات واحرم على أن البحر الرائق علل بعلتين أحدهما قوله لأنه حينئذ لم يكن سفره للحج وثانيهما لأنه مامور بحجة آفاقية وبينهما تناقض كما يظهر بادنى تامل،وهوأن قوله لأنه حينئذ تعليل يفيد أنه لا ترتفع المخالفة بخروجه بعد إلىٰ أحد المواقيت وإحرامه منه كما ذكرناه آنفا، وقوله؛لأنه مامور بحجة آفاقية تعليل يفيد ويفهم منه انه لو خرج إلى الميقات وأحرم منه انه يصح ولعل البحر لهذا التناقض أتى وجاء بلفظ ينبغى وهو غير صريح فى اشتراط الاحرام من الميقات وعلل الشيخ السندى بعلة واحدة وهى قوله لانه مامور بحجة ميقاتية وهى أيضاً منقوضة بما قال فى المنحة على البحر(٦٣/٣) وهو (قول السندى لأنه ماموربحجة ميقاتية) يفهم منه أنه لوخرج إلى الميقات واحرم منه انه يصح لكن يرد عليه انه لما اعتمر جعل سفره للعمرة ولم يؤمر به فيكون مخالفا كما يفيده قوله الآتى (لانه جعل المسافة) والقول الآتى من آخر صفحة:٣٦، إلى نصف سطرى ثانية: ٦٤.

وايضا قال ملا على قارى فى كتاب المناسك(ص: ٣٥١) تحت قوله فلو أمره بالإفراد فقرن أو تمتع به ولعل وجهه أنه مامور بتجريد السفر للحج فإنه المفروض عليه وينصرف مطلق الأمر إليه إلا أنه يشكل عليه إذا امره بإفراد العمرة ثم إتيان الحج بعده أو صرح بالتمتع فى سفره أو بتفويض الأمر إليه.

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ حج آمر کی طرف سے واقع اور جائز ہے۔

المجیب: عبداللہ جان ناصر دکی لورآلائی

الجواب عن مفتی صاحب دامت برکاتہم:

ان عبارات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ حج آمر سے واقع ہوتا ہے، البتہ عوام کے عرف میں حج کا افراد اور تمتع اور

قران تینوں اقسام پر اطلاق ہوتا ہے، لہٰذا اسی بنا پر یہ حج آمر کی طرف سے واقع ہوتا ہے، فافہم۔(۱) وھوالموفق
محمد فرید عفی عنہ، ۲۸/ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ۔ (فتاویٰ فریدیہ: ۳۰۰/۴)

حج بدل کے لیے کس کو بھیجنا افضل ہے:

سوال: حج بدل کے لیے کیسے آدمی کو بھیجنا افضل ہے، کیا جس نے اپنا حج نہیں کیا ہے، وہ حج بدل میں جا سکتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

حج بدل یعنی حج فرض کسی کی طرف سے ادا کرنے کے لیے ایسے بالغ مرد مسلمان کو بھیجنا افضل ہے جو خود حج فرض ادا کر چکا ہو؛(۲) لیکن اگر ایسے شخص کو بھیجا جائے، جس نے خود حج فرض ادا نہیں کیا ہے تو بھی شخص مذکور کی طرف سے حج

---

(۱) اس میں اصل یہ ہے کہ میقات کے ذکر کے بغیر امر کرنے کی صورت میں آفاقی کے میقات سے احرام باندھنا جو شرط ہے، وہ میقات کا یہ امر دلالۃ ثابت ہونے کی وجہ سے ہے، پس جب آمر کی اجازت اس کے خلاف واقع ہوئی، مثلاً اس کو قران کا امر کیا، یا اس معاملہ کو اس کے اختیار پر چھوڑ دیا تو یہ شرط بھی ساقط ہو جائے گی، یہاں تک کہ اگر اس نے میقات سے عمرہ کا احرام باندھا، پھر مکہ مکرمہ سے اس کے ساتھ اس کی طرف سے حج کے احرام کو ملا لیا، حتی کہ اس کا قران ہو گیا تو جائز ہے؛ اس لیے کہ اس نے اس کے امر کے مطابق ادا کر دیا ہے اور اب وہ مکہ مکرمہ سے اس کے حج کا احرام باندھنے کی وجہ سے مخالف نہیں ہوگا؛ کیوں کہ اس کو اس کی اجازت حاصل ہے، اسی طرح اگر آمر نے تمتع کا امر کیا تو تمتع میں نیابت جائز ہونے کے قول کی بنا پر مامور کا تمتع کرنا بھی جائز ہو جائے گا، پس یہ میقات سے احرام کی شرط نیابت حج کے لیے فی نفسہ شرط نہیں ہے؛ بلکہ آمر کے امر سے دلالۃ ثابت ہونے کی وجہ سے ہے۔ (عمدۃ الفقہ: ۲۵۴/۴)

درج بالا قول سے یہ معلوم ہوا کہ ہمارے عرف میں چوں کہ حج یہی مشہور قسم یعنی تمتع کا نام ہے اور عوام اس میں فرق نہیں کرتے؛ بلکہ مطلق حج کا امر کرتے ہیں اور ہر قسم حج کی جازت ہوتی ہے تو دلالۃ اس سے یہی حج تمتع مراد ہوتا ہے۔ نیز نظام الفتاویٰ: ۱۵۱/۱ میں ہے: ''اور اگر آمر نے قران اور تمتع کی اجازت دے دی ہے، خواہ مجملاً ہی دی ہو، مثلا بایں طور کہ تم کو اختیار ہے کہ میری طرف سے جس طرح چاہو حج بدل کر آؤ تو اس صورت میں مامور کو حج تمتع اور قران دونوں کرنا جائز رہے گا .... **کما فی الدر المختار: ودم القران والتمتع والجناية على الحاج إن أذن له الآمر وإلا فيصير مخالفا فيضمن.**

معلوم ہوا کہ باذن آمر اور بغیر اذن دونوں کا حکم یکساں نہیں؛ بلکہ فرق ہے، انتہیٰ، پس معلوم ہوا کہ ہمارے عرف میں حج تمتع کی اجازت مجملاً دلالۃ ہوتی ہے اور فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

إذا أمر غيره بان يحج عنه ينبغي ان يفوض الامر الى المأمور فيقول حج عني بهٰذا المال كيف شئت ان شئت حجة وان شئت حجة وعمرة وان شئت قرانا.(فتاویٰ قاضي خان على هامش الهندية: ۳۰۷/۱،الحج عن الغير)

(۲) ومع هٰذا: لو أحج رجلاً، لم يحج عن نفسه حجة الإسلام، يجوز عندنا، وسقط الحج عن الآمر.(الفتاویٰ الهندية: ۲۵۷/۱،بدائع الصنائع: ۲۷۴/۳،بيروت)

والأفضل للإنسان إذا أراد أن يُحِج رجلاً عن نفسه أن يحج رجلاً قد حج عن نفسه، ومع هذا لو أحجّ رجلاً لم يحج عن نفسه حجة الإسلام يجوز عندنا وسقط الحج عن الآمر، كذا في المحيط، و في الكرماني: الأفضل أن يكون عالماً بطريق الحج وأفعاله، ويكون حراً عاقلاً بالغاً، كذا في غاية السروجي شرح الهداية.(الفتاویٰ الهندية، كتاب المناسك، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير،ط:رشيدية،انيس)

ادا ہوجائے گا، جس پر حج فرض نہیں ہے، وہ اگر دوسرے شخص کی طرف سے اس کے خرچ سے حج کرنے کے لیے مکہ پہنچا ہے تو اس پر زیارت خانہ کعبہ کی وجہ سے حج فرض نہ ہوگا۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عباس، ۲۱/۸/۱۳۵۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۵۶/۳)

حج بدل کے لیے حاجی ہونا:

سوال: حج بدل اپنا حج کئے بغیر درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

حج بدل میں اس شخص کے لیے جو کہ اپنا فریضہ ادا نہیں کر چکا ہے، خلاف ہے امام شافعیؒ اور ان کے موافقین نا جائز بتلاتے ہیں، امام ابوحنیفہؒ مکروہ فرماتے ہیں تحریماً، اس کے لیے جو پہلے سے مالک زاد وراحلہ تھا اور تنزیہاً اس کے لیے جو پہلے سے غیر مستطیع تھا؛ مگر ہر دو حالت میں فریضہ آمر ادا ہوجائے گا، البتہ مامور (یہ حج بدل کرنے والا) فقیر جب میقات حدود حرم میں پہنچ گیا تو اس پر بھی حج فرض ہوجائے گا، اب یا تو یہیں ایک سال رہ کر اگلے سال اپنا حج کرکے لوٹے ورنہ وطن واپس آکر حج اسلام ادا کرے، ورنہ گناہگار ہوگا۔(۲)

(مکتوبات: ۲۹۶/۲-۲۹۷) (فتاویٰ شیخ الاسلام، ص: ۶۳)

حج بدل کرنے والے کا حاجی ہونا:

سوال (۱) حج کو حج بدل کے لیے بھیجا جائے، اس کے لیے کیا یہ شرط ہے کہ وہ قبل سے خود بھی حاجی ہو، یا بغیر اس کے بھی اس کام کو انجام دے سکتا ہے اور حج بدل کا فرض بھیجنے و لے کی طرف سے ادا ہوجائے گا؟

میت کی جانب سے حج بدل کرنا:

(۲) کیا فوت شدہ انسان کی طرف سے حج کرایا جاسکتا ہے؟ یعنی شرعاً اس کی ضرورت ہے، یا نہیں؟

---

(۱) أقول: وظاهره يفيد أن الصرورة الفقير لايجب عليه الحج بدخول مكة. (ردالمحتار: ۲٤١/۲)

(۲) والأفضل إحجاج الحر العالم بالمناسک الذی حج عن نفسه وهو يدل علی کراهة، والاّقال ويجب الخ والحق انها تنزيهية علی الأمر تحريمية علی الصرورة المامور الذی اجتمعت فيه شروط الحج عن نفسه لأنه آثم بالتاخير (البحر الرائق: ٦٩/۳)

وقال فی غنية الناسک: لا يخفی عليک أنه بإطلاقه يقتضی أنه بوصوله إلی الميقات يجب الحج عليه. (غنية الناسک: ۱۸۱)

ضروری نوٹ: غیر مستطیع شخص اگر دوسرے کی طرف سے حج بدل کرے تو اس پر حج فرض ہونے کے متعلق فقہاء متاخرین کا اختلاف ہے۔ علامہ شامیؒ نے اس پر تفصیل سے بحث کرتے ہوئے عدم فرضیت کو ارجح قرار دیا ہے۔ (شامی مطلب فی حج الصرورة: ۶۰۳/۲-۶۰۴، محمد سلمان)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۱) جس کو حج بدل کے لیے بھیجا جائے، اس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ حج کر چکا ہو، اگر ایسے شخص کو حج بدل میں بھیجا جائے، جس نے حج نہیں کیا ہے تو حج فرض بھیجنے والے کی طرف سے ادا ہو جائے گا۔(۱) یوں حج کئے ہوئے آدمی کو بھیجنے میں یہ فائدہ ہے کہ وہ حج سے واقف کار رہے۔(۲)

(۲) فوت شدہ انسان کی طرف سے حج کرایا جانا ضروری نہیں ہے،(۳) البتہ اگر مرنے والے نے وصیت کی ہے اور وہ مال چھوڑ کر مرا ہے تو شرعاً ورثہ پر لازم ہے کہ ان کی وصیت کو ضرور پوری کریں،(۴) اور اگر وصیت نہیں کیا ہے تو ضروری نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالصمد رحمانی (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲۵۷/۳)

تحقیق اشتراط حج خود برائے حج بدل:

سوال: **من العبد المفتاق إلٰی حضرة الشیخ الأکمل الأشرف الأبجل مد اللّٰه ظلا له أما بعد فهٰذا العبد منذزمان قد قصر عن التحریرو لیس هٰذا الأمرمن قصور الباع علٰی أنی قد کان عوض لی الحمی بنا قص فحالت بینی وبین ما اشتهٰی وبحمد اللّٰه قد برء السقم فشکر اللّٰه علٰی اسبا غ النعم وتلک الأیام لم استطع علٰی حز بی فیا لهف نفسی ثم إنی أکلف جنابکم لحل شبهات قد عرضت لی فی أثناء التدریس الصحیح للإمام محمد بن إسمٰعیل البخاری ولم أقدر علٰی جواب شاف من عندی فالتجات إلی سندی ووسیلة البخاری فی یوم وغدی،أنا معاشرا لحنیفة نستدل علٰی جوازالحج عن الغیروإن لم یحج عن نفسه بحدیث الخشعمیة المرویة فی البخاری المطبوع فی المطبع المصطفائی،ص: ۲۰۵، ۲۶ ۲، ۲۵۰،ونقول:الحدیث**

---

(۱) یہ مسئلہ جب ہے کہ خود اس پر حج فرض نہ ہو اور اگر خود اس پر اپنا حج فرض ہے تو ایسے شخص کو بھیجنا مکروہ تحریمی ہے۔(فجاز حج الصرورة)بمهملة من لمیحج ... و غیرهم أولٰی لعدم الخلاف.(الدرالمختار)

"إن حج الصرورة عن غیره إن کان بعد تحقق الوجوب علیه بملک الزاد والراحلة والصحة فهومکروه کراهة تحریم" .(رد المحتار مطلب فی حج الصرورة: ۲۴۱/۲)

(۲) ایسے ہی شخص کو بھیجنا افضل ہے۔"والأفضل أن یکون قد حج عن نفسه حجة الإسلام خروجاً عن الخلاف ثم قال والأفضل احجاج الحر العالم بالمناسک الذی حج عن نفسه.(رد المحتار:۲۴۱/۲)

(۳) (وبشرط الأمربه)أی بالحج عنه(فلا یجوزحج الغیربغیرإذنه إلاإذا حج)أواحج(الوارث عن مورثه)لوجود الأمردلالة(الدرالمختارعلٰی هامش رد المحتار مطلب شروط الحج عن الغیرعشرون:۲۳۹/۲)

(۴) (وأوصی بالحج عنه)...إنما تجب الوصیة به إذا أخّره بعد وجوبه.(الدرالمختارعلٰی هامش ردالمحتار، کتاب الحج:۲۴۲/۲)

مطلق و أیضاً لم یسئلها صلی اللّٰہ علیہ وسلم احججت أم لا، فیدل علٰی جواز الحج البدل وإن لم یحج عن نفسہ؛لٰکن فی ھٰذا شیء لأن سوال الخشعمیۃ کان غداۃ جمع کما وقع فی الصحیح،ص:۲۲۶، ۲۵۰،استنباطاً وفی سنن النسائی صریحاً بھٰذا اللفظان أمراء من خشعمر سالت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم غداۃ جمع الحدیث باب الحج عن الحی الذی لا یستمسک علی الرحل فلایمکن أن یکون المعنی أفأحج عنہ العام لأن الوقت قد مضی بل المعنی أفأحج عنہ عاما آخر ولما کان الغالب من حالها أنها قد قضت الحج ثم سألت فلھٰذا لم یتعرض النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن سؤالها بأنها حجت أم لاوقال نعم أی یجوز ذلک أداء فریضۃ الحج عن أبیک ولما کان الملبی عن شبرمۃ لم یحج من قبل قطعا إذا کان ذلک عامۃ حجۃ الوداع فلما قال لبیک عن شبرمۃ سأله من شبرمۃ فلما قال ھو خی فلاجرم نهی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن ذلک وأمرہ لقضاء الوطر عن نفسہ ثم عن شبرمۃ فحدیث قبل قطعا إذا کان ذلک عامۃ حجۃ الوداع فلما قال لبیک عن شبرمۃ سأله عن ذالک وأمرہ لقضاء الوطر عن نفسہ ثم عن شبرمۃ فحدیث الخشعمیۃ ظنی أنه مقید لا مطلق وعدم الکشف لما مرفلعل مبنی تلک المسئلۃ کون وقت الحج طر فامو سعا ھو العمر لا ھٰذا الحدیث وأمثاله فا لمرجو ان تفید وفیه بجواب شاف من عند کم إذا الشراح لم یأتوا بشی یغنی ولم یفتح لی ما یعنی .

الجواب

نعم ھٰذا الحدیث محتمل فلا یصح للاستدلال لکن لنا فی أصل المسئلۃ دلیل آخر أیضاً وھو سوال الجهنیۃ وجوابه صلی اللّٰہ علیہ وسلم لها بقوله أرأیت لو کان علٰی أمک دین الحدیث وھو مذکور فی صحیح البخاری،ص:۲۵۰،من الجلد الأول فلما الحق صلی اللّٰہ علیہ وسلم الحج عن الغیر بقضاء الدین ولم یشترط فی قضاء الدین تقدیم دین نفسہ علٰی دین غیرہ فکذا الحج وأما الاستدلال بحدیث شبرمۃ فلیس بقوی لاحتمال علی الکراھۃ وقد قال فقهائنا به واللّٰہ أعلم وما ورد فی بعض الروایات قوله علیہ السلام ھٰذا منک فیحمل علٰی ما فی بعض روایات أخریٰ حج عن نفسک ثم ھو موقوف عند بعضهم ورجحه کثیر .(وھٰذا کله فی التلخیص الحبیر)

(تتمہ رابعہ)(امدادالاحکام:۳/۱۷۰)

☆ **جس نے حج نہیں کیا،اس سے حج بدل کروانا:**

سوال: جو شخص غریب ہو، یا امیر ہو؛لیکن خود اس نے اپنا حج نہیں کیا ہوتو کیا وہ حج بدل کرسکتا ہے؟

(عبدالجبار،جامعہ عثمانیہ)==

جس نے اپنا حج نہ کیا ہو، اس کے حج بدل کا حکم:

سوال: سنا جاتا ہے کہ اس شخص کو جو خود حاجی نہ ہو، حج بدل کے لیے جانا جائز نہیں؛ اس لئے کہ کعبہ شریف کو دیکھنے سے حج فرض ہو جاتا ہے۔ جب خود ان پر فرض ہو گیا، تو وہ دوسرے کی جانب سے ادا نہیں کر سکتا۔

الجواب

جس نے اپنا حج نہ کیا ہو، اس کو حج بدل کرنا مکروہ ہے اور جب وہ کعبہ شریف پہنچتا ہے تو وہ دوسرے کا احرام باندھے ہوئے ہوتا ہے، اس واسطے اس پر اس زیارت کعبہ سے حج فرض نہیں ہوتا، کما ہو مصرح فی کتب الفقہ، البتہ اگر اس کو آئندہ حج تک مکہ معظّمہ میں قیام دشوار نہ ہو اور اس کے اہل وعیال کو بھی تنگی پیش آوے نہ تو بعض فقہا نے اس پر وہاں قیام کر کے آئندہ سال حج کرنے کو واجب کہا ہے۔ واللہ اعلم

احقر عبد الکریم، از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون، ۱۱ر شوال ۱۳۴۸ھ۔

الجواب صحیح: ظفر احمد عفا عنہ، ۱۲ر شوال ۱۳۴۸ھ۔ (امداد الاحکام: ۱۹۹/۳)

حج بدل کے لیے ایسے شخص کو بھیجنا افضل ہے، جس نے پہلے حج کیا ہو:

سوال: حج بدل اپنے بھائی مرحوم کا کرانا ہے اور دریافت طلب یہ ہے کہ جو حاجی حج کیا ہوا ہو وہ جا سکتا ہے، یا نہیں اس کا فتویٰ مذہب حنفی کی رو سے جو ہو، تحریر فرمائیے؟

(المستفتی: ۱۲۳۱، حاجی عبد الغفور خاں صاحب، ضلع رہتک، ۲۷ر رجب ۱۳۵۵ھ، مطابق ۱۴ر اکتوبر ۱۹۳۶ء)

الجواب

جس شخص نے اپنا حج کر لیا ہے، اس کو حج بدل کے لیے بھیجنا افضل ہے؛ لیکن اگر ایسا شخص حج بدل کے لیے جائے جس نے اپنا حج نہیں کیا ہے، جب بھی حج بدل ادا ہو جاتا ہے، حنفیہ کا مذہب یہی ہے۔ (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۳۴۲/۴)

== الجواب

بہتر ہے کہ اس شخص سے حج بدل کرایا جائے، جو اپنا حج ادا کر چکا ہو، جس شخص نے خود حج نہیں کیا، اس سے حج بدل کرانے کے سلسلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، حنفیہ کی رائے ہے کہ ایسا شخص بھی حج بدل کر سکتا ہے؛ لیکن اگر اس پر خود حج واجب ہے تو اس سے حج کرانا مکروہ تحریمی ہے اور اگر خود اس پر حج واجب نہیں تو مکروہ تنزیہی ہے۔ (یقع الحج المفروض عن الآمر علیٰ ظاهر المذهب. (الدر المختار)

والحق أنها تنزيهية على الآمر لقولهم و الأفضل إلخ تحريمية على الضرورة المأمور الذى اجتمعت فيه شروط الحج ولم يحج عن نفسه؛ لأنه آثم بالتأخير. (ردالمحتار: ٤/ ٢٠ـ ٢١) (کتاب الفتاویٰ: ۵۹/۴)

(۱) فجاز حج الضرورة ... وغيرهم أولىٰ بعدم الخلاف. ==

حج بدل کے لیے ایسے شخص کو بھیجنا؛ جس نے پہلے حج نہ کیا ہو:

سوال: زید کا انتقال ایسی صورت میں ہوا کہ اس نے اپنی زندگی میں حج نہیں کیا اور کچھ اپنا سرمایہ چھوڑ گیا ہے، اب اس کے وارثین حج بدل کرانا چاہتے ہیں تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ حج کے واسطے کس آدمی کو بھیجا جائے، آیا جس نے ایک بار حج کیا ہو، اس کو ہی بھیجا جائے، یا کہ بغیر حج کئے ہوئے آدمی کو بھی بھیجا جا سکتا ہے؟ میت نے وصیت نہیں کی۔

(المستفتی: ۱۱۰۱، معرفت: فضل رحیم، طالب علم، مدرسہ امینیہ، دہلی، ۱۵ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ، ۱۴/ اگست ۱۹۳۶ء)

الجواب

اگر ایسا شخص مل سکے، جو پہلے اپنا حج کر چکا ہو تو افضل ہے اور نہ ملے تو ایسے شخص کو بھیجنا بھی جائز ہے، جس پر حج فرض نہ ہو اور اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ ہاں، جس پر حج فرض ہو چکا ہو اور وہ اپنا حج نہ کرے، حج بدل کے لیے جائے تو اس کے لیے یہ مکروہ ہے۔(۱) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۳۴۲/۴)

جس نے پہلے حج نہ کیا ہو اور جو کر چکا ہو، حج بدل میں کس کا بھیجنا بہتر ہے:

سوال: جس نے پہلے حج نہ کیا ہو، اس سے حج کرانا کیسا ہے اور جس نے پہلے حج کر لیا ہو اور وہ خوش حال ہو، اس سے حج بدل کرانا کیسا ہے؟

الجواب

دوسرے شخص سے جو کہ حج کئے ہوئے ہو، حج بدل کرانا افضل ہے، پہلے شخص سے جس نے حج نہیں کیا، حج بدل کرانا مکروہ ہے۔ (کذا فی الدر المختار والشامی)(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵۷۵/۶)

== وفی الشامية،والأفضل أن يكون قد حج من نفسه حجة الإسلام خروجًامن الخلاف،قال فی البحر: والحق أنها تنزيهية علٰى الآمر،بقولهم والأفضل إلخ تحريمية علٰى الضرورة المامورالذى إجتمعت فيه شروط الحج،ولم يحج عن نفسه،لأنه أثم بالتأخير.(ردالمحتار،كتاب الحج،باب الحج من الغير،مطلب فی حج الضرورة:۶۰۳/۲،ط:سعيد)

(۱) فجازحج الضرورة... وغيرهم أولٰى بعدم الخلاف...وفی الشامية:والأفضل أن يكون قد حج من نفسه حجة الإسلام خروجًا من الخلاف،قال فی البحر...والحق أنها تنزيهية علٰى الآمر،لقولهم و الأفضل إلخ تحريمية علٰى الضرورة المامورالذى إجتمعت فيه شروط الحج،ولم يحج عن نفسه،لأنه إثم بالتاخير.(رد المحتار،كتاب الحج،باب الحج عن الغير،مطلب فی حج الضرورة:۶۰۳/۲،ط:سعيد)

(۲) (فجازحج الصرورة) من لم يحج ... وغيرهم أولٰى لعدم الخلاف (الدرالمختار)أى خلاف الشافعی فإنه لايجوزحجهم كما فی الزيلعی ولا يخفٰى أن التعليل يفيد أن الكراهة تنزيهية؛لأن مراعاة الخلاف مستحبة فافهم.(رد المحتار،كتاب الحج،باب الحج عن الغير، مطلب فی حج الصرورة: ۳۳۱/۲،ظفير)

حج بدل کے لیے جانا مکروہ تحریمی ہے:

سوال: جس شخص نے حج نہ کیا ہو، اس کو حج بدل کے لیے جانا مکروہ تحریمی ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ اگر ذی استطاعت حج بدل کو جاوے، اس کے لیے مکروہ تحریمی ہے، یا جس شخص پر بلحاظ استطاعت حج فرض نہیں ہے؛ لیکن وہ تشویق زیارت واسطے حج بدل کے جانا چاہتا ہے تو اس میں کسی قسم کا اکراہ شرعی تو نہیں ہے؟

الجواب

جس پر پہلے سے حج فرض ہو چکا ہے، اس کا حج بدل کو جانا تو باتفاق مکروہ تحریمی ہے اور جس پر حج فرض نہیں ہے اور اس کو استطاعت نہیں ہے، اس پر چوں کہ بعض علماء محققین کے نزدیک مکہ معظّمہ پہنچ کر حج فرض ہو جاتا ہے؛ اس لیے ان علما کے نزدیک وہ بھی تارک فرض ہونے کی وجہ سے مرتکب کراہت تحریمہ کا ہے، جیسا شامی میں بدائع سے منقول ہے:

يكره إحجاج الصرورة؛ لأنه تارك فرض الحج يفيد أنه يصير بدخول مكة قادراً على الحج عن نفسه ... قلت وقد أفتٰى بالوجوب مفتي دار السلطنة العلامة أبو السعود وتبعه في سكب الأنهر وكذا أفتٰى به السيد أحمد بادشاه وألف فيه رسالة. (۱)

اور بہرحال جس نے اپنا حج ادا نہیں کیا، اس کو حج بدل کرانا کسی صورت میں کراہت سے خالی نہیں ہے۔ غایت یہ کہ بہ صورت ذی استطاعت نہ ہونے کے عند البعض وہ کراہۃ تنزیہی ہے اور ان علما کے نزدیک جو مکہ معظّمہ پہنچ کر اس پر حج فرض کہتے ہیں، کراہت تحریمی ہے اور بصورت ذی استطاعت ہونے کے باتفاق کراہت تحریمی ہے۔ فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۵۷۶-۵۷۷)

جس نے اپنا حج نہ کیا ہو، اس کے حج بدل کرنے کا حکم:

سوال: کیا حکم ہے علماء حنفیہ کا اس مسئلہ میں کہ زید ایک غریب شخص ہے، جس نے حج نہیں کیا، اس کو ہندہ بدل حج کرنے کے واسطے بھیجنا چاہتی ہے، اگر زید ہندہ کا روپیہ لے کر حج کو جاوے، تو حج ہندہ کا ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب

جس شخص نے اپنا حج نہیں کیا وہ اگر حج بدل کرے تو حج بدل صحیح ہو جاتا ہے؛ لیکن یہ مکروہ تنزیہی ہے اور افضل یہ ہے کہ ایسے شخص کو حج بدل کے لئے بھیجا جاوے، جو اپنا حج کر چکا ہو اور جو شخص اپنا حج کئے بدون حج بدل کو جاوے، اگر وہ اتنا مالدار ہے کہ اس پر حج فرض ہے تو اس کو حج بدل کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

كما في غنية الناسک، ص: ۱۸۱، قال في الفتح (۳۰۷) والبحر: والحق أنها تنزيهية على الآمر تحريمة على الصرورة (۲) المأمور إن كان بعد تحقق الوجوب عليه بملک الزاد والراحلة

(۱) ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب في حج الصرورة: ۲۲/۴، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲) قوله: الصرورة وهو الذي لم يحج أولاً عن نفسه. (دلا ورحسن عفا الله تعالٰى عنه ولوالديه)

والصحة وكذا الو تنفل لنفسه آه ملخصاً.

اوراگراس بدل کے لیے جانے والے پر حج فرض نہیں ہے،تو کراہت تحریمہ نہ ہوگی؛مگر کراہت تنزیہیہ سے خالی نہیں،للاختلاف فی أن الحج بوصوله إلى الميقات يفرض عليه أم لا.(۱)واللّٰہ أعلم

نوٹ: سوال میں یہ نہیں لکھا کہ ہندہ کوخود جانے سے کیا عذر ہے؛اس لیے دوبارہ سوال کرلیں کہ اس کا عذر ایسا ہے کہ حج بدل کوبھیج سکتی ہے،یا نہیں؟

احقر عبدالکریم عفی عنہ،۲۰/ربیع الاول ۱۳۴۵ھ،ازخانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔(امدادالاحکام:۳/۱۹۷)

جس نے اپنا حج نہ کیا ہو،اس کے حج بدل کرنے کا حکم:

سوال: حج بدل کے مسئلہ میں زید کہتا ہے کہ حج بدل کے لیے ایسے آدمی کو بھیجنا چاہیے جو پہلے اپنا حج کر چکا ہے، عمر کہتا ہے کہ حج بدل کے لیے یہ قید ضروری نہیں۔اب علمائے دین سے التماس ہے کہ ایسی صورت میں حج بدل کے لیے مستطیع،یا غیر مستطیع کیسے آدمی کو بھیجنا چاہیے۔ان تمام باتوں پر خیال کرتے ہوئے مفصل اور واضح حج بدل کے احکام مع حوالہ کتب فرمائیں؟

الجواب

دونوں قول اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔مسئلہ یہ ہے کہ جس شخص نے اپنی طرف سے حج نہیں کیا،اگراس کو حج بدل کے لیے بھیج دیا تو باتفاق مشائخ حنفیہ حج بدل درست وصحیح ہوجائے گا،خلافاً للشافعي.

اس سے معلوم ہوا کہ یہ قید ضروری نہیں کہ اپنی طرف سے حج کر چکا ہو؛لیکن چوں کہ امام شافعیؒ اس کے خلاف ہیں کہ ان کے نزدیک حج بدل غیر کی طرف سے جب ہی صحیح ہوسکتا ہے،جب کہ پہلے اپنے لئے حج فرض کر چکا ہو؛اس لیے افضل یہ ہے کہ جس نے اپنا حج نہ کیا ہو،اس کو حج کے لیے نہ بھیجیں؛تاکہ بلا اختلاف حج صحیح ہوجائے گا؛لیکن اگر بھیج دیا تو حنفیہ کے نزدیک صحیح ہوجائے گا،اگرچہ مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ ہے۔

قال الشامي:قال في الفتح أيضاً:والأفضل أن يكون قد حج عن نفسه حجة الإسلام خروجاً عن الخلاف (إلٰى قوله) قال في البحر: والحق أنها يعني الكراهة تنزيهية على الأمر لقولهم

(۱) اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ خثعم کے ایک آدمی کو اجازت دی ہے،چناں چہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

جاء رجل من خثعم إلٰى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال:إن أبي أدركه الإسلام وهوشيخ كبير،لا يستطيع ركوب الرجل والحج مكتوب عليه أفأحج عند؟قال:أنت أكبرولده قال:نعم،قال:أفأحج عنه.(إعلاء السنن، باب إذا حج عن الغير:١٠/٤٦٢،رقم الحديث:٣٠١١،انيس)

قال الشوكاني:واستدل بأحاديث علٰى أخذ يصح ممن لم يحج أن يحج نيابة عن غيره،لعدم استفصاله صلى الله عليه وسلم لمن سأله ذلک.(نيل الأوطار:١٦٨/٤،انيس)

والأفضل،إلخ،تحريمية على الضرورة الذى اجتمعت فيه شروط الحج عن نفسه لأنه آثم بالتأخير. (۱)**والله سبحانه وتعالىٰ أعلم** (امداد المفتین:۲/۴۱۹) ☆

جس نے حج فرض ادا نہ کیا ہو،اس کا حج بدل میں پہنچنا کیسا ہے:

سوال: جس شخص نے حج فرض نہ کیا ہو،اس کو حج بدل کے لیے بھیجنا اوراس کو حج بدل کرانا کیسا ہے اور جو عالم اس کومکروہ کہے،اس پر طعن کرنا اوراس کوغیر مقلد کہنا کیسا ہے اورطعن کرنے والے پر شرعا کیا حکم ہے؟

الجواب

حج بدل ایسے شخص سے کرانا،جس نے حج نہ کیا صحیح اور جائز ہے؛لیکن بہتر یہ ہے کہ ایسے شخص سے حج کرایا جائے ؛ جس نے اپنا حج فرض ادا کرلیا ہو،پس ایسے شخص سے حج کرانا،جس نے اپنا حج فرض نہ کیا ہو،مکروہ تنزیہی ہے،جیسا کہ مفادعبارت درمختار ہے:

(فجاز حج الصرورة) بمهلة من لم يحج ... وغير هم أولىٰ،الخ. (الدرالمختار)(۲)

اورعلامہ شامی نے محقق ابن ہمام سے نقل کیا ہے کہ جس شخص سے بدل کرایا جاوے،اگراس نے باوجود فرض ہونے کے اپنی طرف سے حج نہیں کیا تواس کے حق میں مکروہ تحریمی ہے۔پس حاصل یہ ہے کہ آمر کے حق میں یہ فعل مکروہ تنزیہی ہے اورحج کرنے والے کے حق میں جب کہ اس پر حج فرج ہوگیا ہومکروہ تحریمی ہے؛ کیوں کہ وہ بوجہ اپنے حج کے ادانہ کرنے اورتاخیر کرنے کے گنہ گار رہوا،لہذا مکروہ کہنے والے عالم پر طعن وتشنیع کرنا ناجائز اورممنوع ہے اور جب کہ حنفیہ خود مامور کے حق میں مکروہ تحریمی ہونے کے قائل ہیں تومکروہ کہنے والے کوغیر مقلد کہنا مسائل شرعیہ سے ناواقفیت اورجہل کی دلیل ہے۔

---

(۱) **رد المحتار،كتاب الحج: ٢١/٤،دارعالم الكتب،رياض،انيس**

☆ **جس نے حج نہیں کیا،اس کا حج بدل کرنا:**

سوال: کوئی غریب آدمی جس کے اوپر حج فرض نہیں اور نہ اس سے قبل کوئی حج کیا،ایسا شخص اورکی طرف سے حج بدل کرسکتا ہے،یا کہ نہیں؟

الجواب ــــــــ وبالله التوفيق

حنفیہ کے نزدیک ایسا شخص بھی حج بدل کرسکتا ہے،جوخود اپنا حج نہ کئے ہو؛لیکن یہ افضل نہیں ہے،حج بدل ایسے شخص سے کرانا بہتر ہے،جواپنا حج کرچکا ہے۔(**فجاز حج الصرورة بمهملة من لم يحج وغيرهم أولىٰ لعدم الخلاف**).(**الدرالمختارمع الرد،كتاب الحج: ١٢/١**) فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی،مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور،۲۴/۱۰/۱۳۸۵ھ۔الجواب صحیح:محمود عفی عنہ۔(منتخبات نظام الفتاویٰ:۲/۶۳-۶۴)

(۲) **الدرالمختارعلىٰ هامش ردالمحتار،كتاب الحج،باب الحج عن الغير،مطلب فى حج الصرورة،مطلب فى حج الصرورة: ٢١/٤،مكتبة زكريا ديوبند،انيس**

شامی میں فتح القدیر سے منقول ہے:

والذی یقتضیہ النظرإن حج الصرورۃ عن غیرہ إن کا ن بعد تحقق الوجوب علیہ بملک الزاد والراحلۃ والصحۃ فھومکروہ کراھۃ تحریم؛لأنہ تضیق علیہ فی أول سنی الإمکان فیأثم بترکہ ... قال فی البحر:والحق أنھا تنزیھیۃ علی الآمرلقولھم والأفضل ... تحریمیۃ علی الصرورۃ المامور الذی إجتمعت فیہ شروط الحج ولم یحج عن نفسہ؛لأنہ آثم بالتأخیرالخ. (۱)

اورحج بدل کرنے والےکواس روپے میں سے جواس کوخرچ سفرحج کے لیے ملا،زائدازخرچ سفرکارکھنااس صورت میں درست ہے کہ روپیہ دینے والے نے اس کووکیل بالہبہ بنادیاہو؛یعنی یہ اجازت اوراختیاردےدیاکہ زائدروپیہ تم خودرکھ لینا۔درمختارمیں ہے:

وعلیہ ردما فضل من النفقۃ وإن شرط لہ فالشرط باطل إلا أن یوکلہ بھبۃ الفضل من نفسہ. (۲)

فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۵۷۲-۵۷۳) ☆

ساری تیاریاں مکمل کرلینے کے بعدسفرحج شروع کرنے سے پہلے انتقال کرجائے:

سوال: زیدکی تجارت اورکاروبارمدراس شہرمیں تھااوراصل مکان اوراہل وعیال مدراس سے ۷۵/میل کے فاصلہ پرہے،زیدمدراس سے ہفتہ عشرہ میں ایک مرتبہ وطن آیاکرتاتھا،اس اثنامیں زیدنے حج کاقصدکیا،حج کی تیاری سے فارغ ہوکرمکان سے رخصت ہوتے ہوئے مدراس پہنچااورحج کےٹکٹ بھی خریدلیے،بمبئی کےریل پرسوارہونے کےقبل دفعتاً بیمارہوکرایک ہفتہ کےعرصہ میں اس بیماری میں انتقال ہوگیا۔ایسی صورت میں زیدسےفریضۂ حج ساقط ہوا،یانہیں؟اگرنہیں تواس کابدل کراناہے،یانہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اگراسی سال زیدکےذمہ حج فرض ہواتھااوراس سےقبل زیدمیں اتنی وسعت نہ تھی کہ اس پرحج فرض ہوتااوروقتِ حج آنے سے پیشتر زیدانتقال کرگیاتوزیدکےذمہ میں حج نہ کرنے کاکوئی گناہ نہیں؛کیوں کہ ادائے حج کے لیے زید

---

(۱) رد المحتار، کتاب الحج،باب الحج عن الغیر،مطلب فی حج الصرورۃ:۴/۲۱،مکتبۃ زکریا دیوبند،انیس

(۲) الدرالمختارعلی ھامش ردالمحتار، کتاب الحج،باب الحج عن الغیر:۴/۳۴-۳۵،مکتبۃ زکریا دیوبند، انیس

☆ **جس نے حج بدل نہ کیاہو،وہ حج بدل کرسکتاہے:**

سوال: جس شخص نے اپناحجِ فرض پہلے ادانہ کیاہو،وہ دوسرے کی طرف سےحج بدل کرسکتاہے،یانہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

مکروہ ہے۔(بحر)(ثم المصنف رحمہ اللہ تعالیٰ لم یقید الحاج عن الغیربشیء لیفید أنہ یجوزإحجاج الضرورۃ:وھوالذی لم یحج أولا عن نفسہ،لکنہ مکروہ، کما صرحوا بہ، الخ".(البحرالرائق،باب الحج عن الغیر: ۳/۱۲۳،رشیدیۃ) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۳۹۹)

نے کوئی وقت نہیں پایا۔اس سال سے قبل حج فرض نہیں ہوا وُسعت نہ ہونے کی وجہ سے،اس سال وسعت ہوئی اور زید نے ارادہ بھی کرلیا؛مگر قضاء الٰہی سے وقتِ ادائے حج سے قبل انتقال ہوگیا۔

اگراس سے قبل اس کے ذمہ حج فرض ہو چکا تھا اوراس نے ادانہیں کیا،امسال یہ واقعہ پیش آیا تو زید کے ذمہ فرض باقی رہ گیا اور نہ کرنے سے گناہ گار رہوا،اس کے ذمہ واجب تھا کہ مرنے سے پہلے اپنی طرف سے حج کرانے کی وصیت کرتا،پس اگر وصیت کی ہے توحسبِ وصیت تواس کی طرف سے حج کرانا فرض ہے؛(۱)لیکن اس کے ترکہ میں سے ایک ثلث مال سے اس کی وصیت کا پورا کرنا فرض ہے،اگرایک ثلث میں حج ہوسکتا ہے تب تو خیر،ورنہ اگر ورثا بالغ ہوں اور وہ اجازت دیں،تب بھی حج کرادیا جائے۔

اگرایک ثلث میں حج نہ ہوسکتا ہو اور ورثا نابالغ ہوں،یا ورثہ بالغ ہوں،اگرایک ثلث سے زائد خرچ کرنے کی اجازت نہ دیں۔(۲)توجس جگہ ثلث میں سے حج ادا ہوسکے،حج کرانا کافی ہوگا۔(۳)

اگروصیت نہیں کی تو ورثہ کے ذمہ حج کرانا ضروری اور فرض نہیں؛تاہم اگر بالغ ورثہ اپنے روپیہ سے (خواہ روپیہ زید کے ترکہ سے ہی ملا ہو) حج کرادیں تو زید کوثواب پہونچ جائے گا۔(۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ،صحیح:عبداللطیف،۵/ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۴۰۱-۴۰۳)☆

---

(۱) وإن مات عن وصية لا يسقط الحج عنه،ويجب أن يحج عنه؛لأن الوصية بالحج قد صحت،وإذا حج عنه يجوز عند استجماع شرائط الجواز.(بدائع الصنائع،كتاب الحج،فصل:وأما بيان حكم فوات الحج عن العمر:۲۹۲/۳،دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) فإن أجازت الورثة وهم كبار،جاز،وإن لم يجيز والايجوز".(الفتاویٰ الهندية،الباب الخامس عشر فی الوصية بالحج:۲۵۹/۱،رشيدية) ایک ثلث توبغیر اجازت کے بھی خرچ کرنا ضروری ہے۔

(۳) الحادی عشر أن يحج عنه من وطنه ان اتسع الثلث،والا فمن حيث يبلغ،كما سيأتی بيانه"(رد المحتار، كتاب الحج،باب الحج عن الغير، مطلب:شروط الحج عن الغير عشرون:۶۰۰/۲،سعيد)

(۴) ومن مات وعليه فرض الحج ولم يوص به،لم يلزم الوارث أن يحج عنه،وإن أحب أن يحج عنه حج،وأرجو أن يجزيه انشاء اللّٰه تعالٰی.(الفتاویٰ التاتارخانية،كتاب المناسک،الوصية بالحج:۵۶۴/۲،ادارة القرآن كراتشی)

(خرج) المكلف (إلی الحج،ومات فی الطريق، وأوصی بالحج عنه) إنما تجب الوصية به إذا أخره بعد وجوبه،أما لوحج من عامه فلا،(فإن فسر المال) أوالمكان،(فالأمر عليه):أی علٰی ما فسره،(وإلا فيحج) عنه (من بلده) قياساً لا استحساناً فليحفظ،فلوأحج الوصی عنه من غيره لم يصح (إن وفی به)أی فی الحج من بلده (ثلثه)،وإن لم يف فمن حيث يبلغ استحساناً".(الدرالمختار :۳۷۳/۲)(الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الحج،باب الحج عن الغير:۶۰۴/۲،دارالفكر بيروت،انيس)

فيجب عليه أن يوصی به، فان لم يوص به حتی مات، أثم بتفويته الفرض عن وقته مع امكان الأداء فی الجملة. (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل: وأما بيان حكم فوات الحج عن العمر:۲۹۱/۳، دارالكتب العلمية بيروت)==

حجِ صرورہ:

سوال: ایک شخص کا انتقال ہوگیا، یا مرض الموت میں مبتلا ہے، جس پر حج فرض تھا، اگر وہ حج کرانا چاہے تو کیا ایسے شخص کے ذریعہ کراسکتا ہے کہ جس نے قبل اس کے کسی قسم کا حج نہ کیا ہو، مگر اس پر حج فرض نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اگر تندرستی میں حج فرض ہوا تھا اور پھر بیمار ہوگیا حج نہیں کرسکا اور اس نے وصیت بھی کی ہے۔ نیز ترکہ میں اتنی گنجائش بھی ہے کہ ثلثِ مال سے حج کرایا جاسکے تو اس کی طرف سے حج کرانا ضروری ہے اور بہتر یہ ہے کہ ایسے شخص کے ذریعہ حج کرایا جائے، جس نے پہلے حج کرلیا ہو، اگر اس نے پہلے اپنا حج نہیں کیا تو اس کو حج کرانا مکروہ ہے۔

"یجوز إحجاج الصرورة، ویراد به الذی لم یحج عن نفسه حجة الإسلام. قال فی البدائع: إلا أن الأفضل أن یکون قد حج عن نفقه؛ لأنه بالحج عن غیره یصیر تارکاً لاسقاط الفرض عن نفسه، فیتمکن فی هٰذا الاحجاج ضرب کراهة، ولأنه أعرف بالمناسک وأبعد عن محل الخلاف، فکان أفضل، آه". (غنیة)(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم ربیع الثانی ۵۷/ ۱۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/ ۴۲۶-۴۲۷) ☆

== ☆ حج بدل کا حکم:

سوال: حاجی صاحبان کو چندہ کرکے، یا کچھ لوگ اپنی خواہش سے اپنے صرفہ سے حج کے لیے روانہ کریں تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

جو شخص حج کو نہ جاسکے، وہ اپنی طرف سے، یا کسی میت کی طرف سے حجِ بدل کو بھیجے تو یہ درست ہے، جس کی طرف سے حج کیا جائے گا، اس کا حج ادا ہوجائے گا۔ ((فمن عجز) عن حج الفرض (فأحج) غیره (صح) حجه، (ویقع عنه): أی یقع عن الآمر أصل الحج. (الدر المنتقیٰ شرح ملتقی الأبحر علیٰ هامش مجمع الأنهر، باب الحج عن الغیر: ۳/ ۶۴۸، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

وفی الذخیرة: ثم إنما یسقط فرض الحج عن الإنسان باحجاج غیره إذا کان المحِجّ وقت الأداء عاجزاً عن الأداء بنفسه، ودام عجزه إلیٰ أن مات. (الفتاویٰ التاتار خانیة، کتاب المناسک، الحج عن الغیر: ۲/ ۵۴۵، ادارة القرآن کراتشی)

"وإن أذن له الآمر بذلک: أی بدفع المال إلیٰ غیره عند حصول عجزه، جاز: أی وقوع الحج عنه، أو جاز دفع المال إلیٰ غیره لیحج عنه". (إرشاد الساری إلیٰ مناسک الملا علی القاری، باب الحج عن الغیر، ص: ۲۹۳، مصطفیٰ محمد مصر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۹/ ۱۱/ ۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/ ۴۰۳-۴۰۴)

(۱) غنیه الناسک، باب الحج عن الغیر، فصل فیما لیس من شرائط النیابة فی الحج، ص: ۳۳۷، ادارة القرآن کراتشی

(۲) "ثم المصنفؒ لم یقید الحاج عن الغیر بشیء، لیفید أنه یجوز احجاج الصرورة، وهو الذی لم یحج أولا عن نفسه، لکنه مکروه کما صرحوا به، واختار فی فتح القدیر أنها کراهة تحریم، للنهی الوارد فی ذلک. ==

== وفی البدائع :یکره احجاج المرأة والعبد والصرورة. والأفضل احجاج الحر العالم بالمناسک الذی حج عن نفسه، وهو یدل أنها کراهة تنزیهیه، الخ". (البحر الرائق، باب الحج عن الغیر: ۱۲۳/۳، رشیدیة)

☆ **جس نے اپنا حج فرض نہ کیا ہو، اس سے حج بدل کرانے کا حکم:**

سوال (۱) میرے والد مرحوم پر حج فرض نہ تھا، میں بغرض ایصال ثواب ان کے لیے حج بدل کرانا چاہتا ہوں، ایک عالم اس کام پر آمادہ ہیں؛ لیکن انہوں نے اپنا حج نہیں کیا ہے اور نہ ان پر حج فرض ہے، کیا ایسا شخص جس نے اپنا حج فرض نہ کیا ہو، کسی طرف سے حج بدل کرسکتا ہے؟

حج بدل کے لیے مکہ مکرمہ جانے سے کیا اپنے اوپر حج فرض ہو جاتا ہے:

(۲) اور جس شخص پر حج فرض نہ ہو اور زمانہ حج میں مکہ معظّمہ پہنچ جائے تو کیا اس پر حج فرض ہو جاتا ہے؟

الجواب

(۱) افضل اور بہتر تو تمام فقہاء کے نزدیک یہی ہے کہ حج بدل اس شخص سے کرایا جائے، جو اپنا حج فرض ادا کر چکا ہو اور جس شخص نے اپنا حج فرض ادا نہ کیا ہو، اس کے ذریعے حج بدل کرانا مکروہ تنزیہی ہے اور جس شخص کو حج بدل پر بھیجا جا رہا ہے، اگر اس کے ذمے خود حج فرض ہے اور وہ ابھی ادا نہیں کیا تو اس کے لیے حج بدل پر جانا مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے، (و فی الشامیة (۳۰۶/۲، طبع سعید) قال فی البحر: والحق انها تنزیهیة علی الأمر لقولهم والأفضل إلخ. تحریمیة علی الصرورة المأمور الذی اجتمعت فیه شروط الحج ولم یحج عن نفسه لأنه اثم بالتاخیر، إلخ. و کذا فی فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵۷۳/۶: وفی حاشیة البحر الرائق: ۱۹۶/۳: إن حج الصرورة عن غیره إن کان بعد تحق الوجوب علیه بملک الزاد والراحلة والصحة فهو مکروه کراهة تحریم علیه لأنه یتضیق علیه. و فی البحر الرائق: ۷۰/۳: والحق أنها تنزیهیة علی الأمر تحریمیة علی الصرورة المامور الذی اجتمعت فیه شروط الحج ولم یحج عن نفسه لأنه آثم بالتاخیر)، البتہ بھیجنے والے کا حج بہر صورت ادا ہو جائے گا، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ کسی ایسے شخص کا حج بدل کے لیے انتخاب کریں، جو پہلے اپنا حج کر چکا ہو، (و فی الفتاویٰ التاتارخانیة: ۵۴۶/۲، طبع ادارة القرآن کراتش: والأفضل للانسان اذا أراد أن یحج رجلا عن نفسه (أن یحج رجلا قد حج عن نفسه) فإن الذی لم یحج عن حجة الإسلام عن نفسه لم یجز حجته عنغیره عند بعض الناس، ومع هذا لو احج رجلا لم یحج عن نفسه حجة الاسلام یجوز عندنا، الخ. وفی البحر الرائق: ۶۹/۳: والأفضل احجاج الحر العالم بالمناسک الذی حج عن نفسه) حج فرض کے معاملے کو خواہ مخواہ خطرے میں ڈالنا مناسب نہیں۔

(۲) جس شخص نے اپنا حج نہیں کیا اور اس پر حج فرض نہیں تھا، تو بعض علماء کے نزدیک محض حج بدل کے لیے مکہ معظّمہ پہنچ جانے سے اس پر فرض ہو جاتا ہے، لیکن راجح قول یہی ہے کہ اس طرح حج فرض نہیں ہوتا، کذا فی جواهر الفقة، ج: ۱، ص: ۵۰۷ (نیز "حج صرورة" سے متعلق حضرات والا دامت برکاتہم کے اگلے تفصیلی فتویٰ میں فریقین کے دلائل اور راجح قول ملاحظہ فرمائیں۔) واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی، ۹/۵/۱۳۹۷ھ۔ (فتاویٰ عثمانی: ۲/۲۱۴-۲۱۵)

مسئلہ حج صرورہ کی مفصل اور مدلل تحقیق:

سوال: صرورہ کسے کہتے ہیں؟ اور کیا جس شخص نے اپنا حج نہ کیا ہو اسے دوسرے کی طرف سے حج پر بھیجنا جائز ہے؟ اگر بھیجا جائے تو حج ادا ہو جائے گا، یا نہیں؟ اور ایسا شخص دوسرے کی طرف سے حج کرے تو کیا اس سے خود اس پر حج فرض ہو جائے گا؟ براہ کرم یہ مسئلہ مفصل و مدلل بیان فرما دیں۔ ==

== الجواب ==

جس شخص نے اپنا حج ادانہیں کیا ہو،اس کو''صرورۃ'' کہتے ہیں،وہ اگر دوسرے کی طرف سے حج کرے تو وہ حنفیہ کے یہاں ادا ہو جاتا ہے۔علامہ علاء الدین حصکفی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''فجاز حج الصرورة بمهلة من لم يحج''. (الدر المختار،مجتبائی،ص:۱۸۲)(الدر المختار:۶۰۳/۲،طبع سعید)

بشرطیکہ حج کرنے والے کوکوئی ایسا عذر لاحق نہ ہوکہ جو موت تک مستمر رہے؛مگر زائل ہونا ممکن ہو؛ کیوں کہ حج ایک ایسی عبادت ہے،جو مالی بھی اور بدنی بھی اور ایسی عبادت کے بارے میں فقہاء نے یہی حکم دیا ہے۔

درمختار میں ہے:

''والمركبة منهما كحج الفرض تقبل النيابة عند العجز فقط لكن بشرط دوام العجز إلى الموت''. (ص:۱۸۱،مجتبائی)(۸۹۵/۲،طبع سعید)

اور''بذل المجہود''میں ہے:

''ومركبة من البدنية والمالية كالحج لا تجرى فيها النيابة فى غير عذر''. (بذل المجهود:۱۱۲/۳)(طبع مكتبة قاسمية ملتان)و مثله فى كتاب الفقه على المذاهب الأربعة: ۷۰۷/۱)(طبع شركة فن الطباعة،مصر،محمد زبير)

لیکن چوں کہ ایک چیز کا ادا ہو جانا اور چیز ہ اور فی نفسہ مکروہ ہونا اور چیز؛اس لیے یہاں بھی حج صرورہ فی نفسہ تو مکروہ ہے؛لیکن اگر کوئی کرلے تو ادا ہو جائے گا۔

اب اس کی کراہت کی نوعیت میں تھوڑی سی تفصیل یہ ہے کہ اگر حج بدل کرنے والا ایسا شخص ہے کہ جس پر حج فرض تھا مگر اس نے نہیں کیا،تب تو اس کے لیے حج بدل کرنا مکروہ تحریمی ہے اور حج کروانے والے کے لیے مکروہ تنزیہی ہے۔(شامی:۲۳۱/۲)(ردالمحتار:۶۰۳/۲،طبع سعید)
اور اگر حج بدل کرنے والے پر حج فرض نہیں ہے تو دونوں کے لیے مکروہ تنزیہی؛یعنی خلاف اولیٰ ہے،بہر حال!افضل یہی ہے کہ حج بدل اس شخص سے کرایا جائے،جس نے اپنا حج کرلیا ہو،جیسا کہ عالمگیریہ میں ہے:

والأفضل للإنسان إذا أراد أن يحج رجلاً عن نفسه أن يحج رجلا قد حج عن نفسه ومع هذا لوأحج رجلاً لم يحج عن نفسه حجة الإسلام يجوز عندنا. (عالمگيرية: ۲۷٤/۱)(۲۵۷/۱،طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اور فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

قالوا وينبغي أن يكون الحاج رجلا حج مرة. (فتاوىٰ قاضى خان: ۲٦۰/۱)(الفتاوىٰ الخانية على هامش الهندية: ۳۰۷/۱، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

وينبغي أن يكون الحاج رجلا حجمرة''. (عالمگيريه: ۲۰٦/۱)(كتاب الحج: ١٤/۱، طبع دار المعرفۃ، بیروت)

اور تنقیح حامدیہ میں ہے:

''يجوز لمن لم يكن حج عن نفسهأن يحج عن غيره لكنه خلاف الأفضل''. (العقود الدرية: ۱۳/۱)(كتاب الحج:٤١/١،طبع دار المعرفة،بيروت)

الغرض!ان اور ان جیسی دوسری نصوص سے یہ بات تو پایہ ثبوت تک پہنچ گئی ہے کہ حج صرورہ عن الغیر خلاف اولیٰ ہے؛لیکن ادا ہو جاتا ہے۔
رہا یہ مسئلہ کہ اگر کوئی صرورہ حج بدل کرے تو اس پر اپنا حج فرض ہو جاتا ہے،یا نہیں؟ سو اس سلسلے میں فقہا کے درمیان اختلاف نظر آتا ہے،حتیٰ کہ کئی علماء نے اس پر مستقل رسالے لکھے ہیں،جن میں سید عبد الغنی نابلسی اور سید احمد بادشاہ رحمہما اللہ کے رسالوں کا ذکر علامہ شامی رحمہ اللہ نے کیا ہے۔(العقود الدرية: ۱۳/۱/ وشامی:۲۳۲/۲)(۶۰۶/۲،طبع سعید) ==

== اور یہ اختلاف بھی متقدمین میں نہیں ہے؛ بلکہ مشائخ متاخرین میں ہے، جیسے کہ علامہ حامد آفندی عمادیؒ کے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے:

"وهل يجب عليه أن يمكث بمكة حتٰى يحج عن نفسه لم أره إلا في فتاویٰ أبي السعود". (تنقيح الحامدية: ۱/ ۳۱) (ج:۱،ص:۳۱)

تنقیح خلاف:

مجمع الانہار کے مصنف تحریر فرماتے ہیں:

"ويجوز احجاج الصرورة ... ولكن يجب عليه عند روية الكعبة الحج لنفسه وعليه أن يتوقف إلٰى عام قابل ويحج لنفسه أن يحج بعد عوده أهله بماله وإن فقيراً فليحفظ والناس عنها غافلون". (مجمع الأنهار: ۱/ ۳۰۸) (ج:۱،ص:۴۵۶،طبع دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

ملاعلی قاری رحمہ اللہ نے بھی شرح منسک کبیر میں اس کی تائید فرماتے ہوئے لکھا ہے:

"أنه بوصوله لمكة وجب عليه الحج". (بحواله العقود الدرية: ۱/ ۳۱) (ج:۱،ص:۱،طبع دار المعرفۃ، بیروت)

سید احمد بادشاہ رحمہ اللہ نے بھی ایک مستقل رسالہ لکھ کر اس کی تائید کی ہے، جیسا کہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔ (بحوالہ مذکورہ) (ردالمحتار، ج:۲/ ۶۰۴،طبع سعید)

علامہ ابن حمزہ نقیب رحمہ اللہ نے بھی "نہج النجاۃ" میں اسی پر فتویٰ دیا ہے۔ (شامی:۲۳۲/۳) (ردالمحتار:۲/ ۶۰۳، ۶۰۴،طبع سعید)

علامہ ابوالسعود (یہ فتویٰ علامہ حامد آفندی نے اپنے فتاویٰ میں بجنسہ نقل کیا، لیکن غالبًا وہ ترکی زبان میں؛ اس لیے سمجھ میں نہیں آسکا۔) اور صاحب سکب الانہر نے بھی اسی پر فتویٰ دیا ہے۔ (ردالمحتار:۲/ ۲۳۲) (ج:۲،ص:۶۰۶،طبع سعید)

اس کے برخلاف مندرجہ ذیل علماء وفقہاء رحمہم اللہ نے عدم وجوب کا قول اختیار کیا ہے:

(۱) علامہ سید عبدالغنی نابلسی رحمہ اللہ نے اس مسئلے پر مستقل رسالہ لکھ کر ثابت کیا ہے کہ حج واجب نہ ہوگا۔ (**العقود الدرية: ۱/ ۳۱**) (کتاب الحج، ج:۲،ص:۱۴۰ (طبع دار المعرفۃ، بیروت) وشامی: ۲/ ۲۳۲)

(۲) علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے رد المحتار میں اسی قول کو دلالۃ اختیار کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو؛ شامی:۲/ ۲۳۲) (ج:۲،ص:۶۰۶،طبع سعید)

واجب کہنے والوں کے دلائل:

جہاں تک احقر نے جستجو کی ہے، واجب کہنے والوں کے دلائل مجموعی اعتبار سے یہ نظر آئے:

(۱) حج بدل کرنے والا ایک مرتبہ کعبہ مشرفہ تک پہنچنے پر قادر ہو چکا، لہٰذا ﴿**من استطاع إليه سبيلا**﴾ (**سورة آل عمران: ۹۷**) میں داخل ہونے کے سبب اس پر آئندہ سال حج فرض ہو جائے گا۔

(۲) جیسا کہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے، (ردالمحتار:۲/ ۶۰۴،طبع سعید) علامہ ابن حمزہ نقیب نے نہج النجاۃ میں یہ دلیل پیش کی ہے کہ بدائع الصنائع میں ہے کہ **"يكره احجاج الصرورة لانه تارك فرض الحج". (رد المحتار: ۲/ ۶۰۴،طبع سعيد)**

اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ وہ شخص دخول مکہ سے عن نفسہ پر قادر ہو چکا ہے، اگرچہ اس وقت دوسرے کا حج کرنے میں مشغول ہے۔

(۳) علامہ شامی رحمہ اللہ نے لباب سے نقل کیا ہے:

"الفقير الآفاقي إذا وصل إلٰى ميقات فهو كالمكي قال شارحه أي حيث لا يشترط في حقه إلا الزاد والراحلة إن لم يكن عاجزاً عن المشي". (رد المحتار: ۲/ ۵۹۱) (ج:۲،ص:۶۰۴،ایضاً) ==

== **قائلین وجوب کے جوابات:**

لیکن یہ تمام دلائل حیز قبول میں نہیں ہیں، بلکہ ان کے خلاف دوسرے دلائل قویہ موجود ہیں۔

چناں چہ پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ استطاعت معتبر نہیں ہے؛ کیوں کہ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ کوئی امیر شخص کسی غریب کو اداءِ زکوٰۃ کے لیے وکیل بنائے اور وہ وکیل زکوٰۃ ادا کرے تو کوئی بھی اس کو یہ نہیں کہتا کہ یہ قادر ہوگیا، لہٰذا اس پر اپنی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، بعینہٖ اسی طرح ایک صرورہ فقیر اگر حج بدل کے لیے مکہ پہنچ گیا تو اگر وہ آمر بالحج کے بجائے اپنا حج کرنا شروع کردے تو یہ ''تصرف فی مال الغیر باذنہ'' ہے اور اگر اپنا حج بھی کرے اور اس کا بھی تو یہ تداخل لازم آنے کے سبب محال ہے اور اگر ایک سال تک وہیں ٹھہرا رہے تو حرج عظیم ہے؛ کیوں کہ وہ فقیر ہے اور عادۃً سفر میں انسان ایک سال تک کے مصارف ساتھ نہیں رکھتا اور پھر اس کے اہل وعیال وغیرہ وطن میں بے سہارا رہیں گے، خصوصیت سے اس زمانے میں کہ ایک ملک کی حکومت کسی غیر ملکی کو اپنے ملک میں زیادہ عرصہ قیام کی اجازت نہیں دیتی اور اگر اس وقت لوٹ آئے اور اگلے سال پھر جائے تو یہ دو حال سے خالی نہیں، ایک یہ کہ اس عرصہ میں وہ غنی ہوجائے، سو اس صورت میں ہم بھی وجوب حج کے قائل ہیں، نہ اس وجہ سے کہ وہ پہلے حج کو جاچکا ہے؛ بلکہ اس لیے وہ غنی ہوگیا، دوسرے یہ کہ اگر وہ غنی نہ ہو تو حج بغیر غنی کیسے کرسکتا ہے؟

غرض یہ آیت وجوب دلیل بنا کر پیش کرنا صحیح نہیں معلوم ہوتا؛ بلکہ یہ تو عدم وجوب پر دال ہے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ عنقریب بیان کریں گے۔

رہی دوسری دلیل سو دراصل وہ صرورہ غنی کے بارے میں ہے، جیسے کہ ابن ہمام رحمہ اللہ کا صنیع اس پر دال ہے کہ انہوں نے صاحب بدائع کا یہ جملہ نقل کرنے کے بعد حج صرورہ کی صحت پر استدلالات پیش کئے اور پھر لکھا ہے کہ:

و الذی یقتضیه النظر إن حج الصرورة عن غیره إن کان بعد تحقیق الوجوب علیه بملک الزاد والراحلة و الصحة فهو مکروه کراهة تحریم؛ لأنه یتضیق علیه ،إلخ. (فتح القدیر: ۳۲۱/۲)(۷۹/۳،طبع مکتبه رشیدیة کوئٹه)

علامہ شامی رحمہ اللہ نے بھی اس عبارت کو صرورہ غنی پر محمول قرار دیا ہے، (ملاحظہ ہو، ردالمحتار: ۳۳۱/۲-۳۳۲)(ردالمحتار: ۶۰۴/۲، طبع سعید)

باقی رہی تیسری دلیل تو اس کا جواب یہ ہے کہ قیاس مع الفارق ہے؛ کیوں کہ صرورہ فقیر قادر بقدرۃ وغیرہ ہے اور قدرت بقدرۃ غیرہ معتبر نہیں، کما قررنا، بخلاف آفاقی فقیر کے کہ وہ قادر بقدرۃ نفسہ ہے؛ اس لیے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ علامہ شامی رحمہ اللہ جہاں آفاقی فقیر کا مسئلہ بیان فرمایا ہے، وہاں تو اس سے یہی نتیجہ اخذ کیا کہ:

''إن المأمور بالحج اذا وصل الی مکة لزمه ان یمکث لیحج حج الفرض عن نفسه لکونه صار قادراً علی مافیه''. (شامی: ۵۹۱/۲)(۴۰۶/۲، طبع سعید)

لیکن ''باب الحج عن الغیر'' کے اندر اس دلیل کو رد کیا ہے۔ (شامی: ۲۴۳/۲)(۶۰۴/۲ (ایضاً))

عدم وجوب پر دلائل:

(۱) وہ آیت جو قائلین وجوب کے استدلال میں تحریر کی گئی تھی، دراصل عدم وجوب پر دال ہے؛ کیوں کہ اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حج لوگوں پر اس وقت فرض ہوتا ہے، جب کہ قطع سبیل کی استطاعت ہو اور صرورہ فقیر اس میں داخل نہیں ہوتا، جیسے کہ ہم نے اوپر عرض کیا کہ اگر وہ وہاں رہتا ہے تو تکلیف ہے اور اگر واپس آتا ہے تو اس کی سابقہ اور موجودہ کیفیت میں کوئی فرق نہیں، اگر وہ فقیر ہے تو ﴿من استطاع إلیه سبیلا﴾ (سورة آل عمران: ۹۷) میں داخل نہیں، لہٰذا آئندہ سال بھی اس پر حج فرض نہ ہونا چاہیے۔ اگر شبہ کیا جائے کہ وہ قرض لے جاکر جاسکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں بھی قدرت بقدرۃ غیرہ ہوگی، جو معتبر نہیں۔ ==

صاحب استطاعت کا اپنا حج کیے بغیر حج بدل کرنا مکروہ تحریمی ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایسا شخص جس نے اپنا فرض حج ادا نہیں کیا ہے، وہ کسی دوسرے شخص کا حج بدل ادا کرے تو اس کا کیا حکم ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ نے اپنی کتاب ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' میں تحریر فرمایا ہے کہ مذکورہ بالا شخص اگر حج بدل کرتا ہے تو احناف کے نزدیک جائز ہے؛ مگر مکروہ ہے، اس مکروہ سے کیا مراد ہے، اس کی عام فہم انداز میں وضاحت فرمائیں؟

ایسا شخص جو کسی شرعی عذر کی بنا پر سفر کی صعوبتیں برداشت نہیں کرسکتا، وہ اپنا حج بدل ایسے شخص سے کرائے جس نے ابھی اپنا فریضہ ادا نہیں کیا ہے اور نہ ہی اس پر فرض ہے۔ ایسی صورت میں ان دونوں لوگوں کا کیا حکم ہوگا؟ الگ الگ واضح فرمائیں۔

== (۲) ﴿لایکلف اللّٰہ نفسا إلا وسعھا﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۸۶) مجمع الانہار وغیرہ میں صرورہ فقیر کو اس بات کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ یا مکہ میں ٹھہر کر آئندہ سال کا انتظار کرے، یا وطن واپس جا کر دوبارہ آئے تو اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ اگر دونوں میں سے کسی ایک شق کو اختیار کرلے تو جائز ہے، اب اگر وہ قصداً، یا خطأً وہاں سے چلا آئے اور ہم اس پر حج فرض ہونے کا حکم لگا دیں تو یہ تکلیف مالا یطاق ہے؛ کیوں کہ صرورہ اس کی وسعت نہیں رکھتا اور وہ مذکورۃ الصدر آیت کی رو سے صحیح نہیں۔

اس آیت میں ﴿الا وسعھا﴾ کے الفاظ بطور خاص قابل غور ہیں؛ کیوں کہ یہاں وسعت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، امکان کا نہیں؛ اس لیے وہ شبہ بھی اس دلیل سے دور ہوگیا، جو پہلی دلیل میں ہوسکتا تھا کہ وہ قرض لے کر جاسکتا ہے۔

(۳) اور اگر علی سبیل التنزل یہ مان لیا جائے کہ امکان، یا وسعت ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ مشقت اور حرج عظیم ہے، ج و''إن الدین یسر'' (فی الصحیح البخاری، باب الدین یسر....الخ.،ص: ۱۰،طبع قدیمی کتب خانہ) عن أبی ھریرۃ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: إن الدین یسر ولن یشادّ الدین إلا غلبہ فسددوا وقاربوا وابشروا واتعینوا بالعدوۃ والروحۃ وشیء من الدلجۃ.) وغیرہ کے خلاف ہونے کے سبب احکام شرعیہ میں تخفیف کا باعث بنتا ہے۔

اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ حرج اور مشقت ہر جگہ معتبر نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''المشقۃ والحرج انما یعتبر فی موضع لانص فیہ''. (الأشباہ والنظائر: ۱۱۷/۱) (ص:۴۲،طبع سعید)

مسئلہ زیر بحث میں بھی کوئی نص موجود نہیں، حتی کہ ائمہ حنفیہ؛ بلکہ مشائخ تک سے کوئی قول منقول نہیں ہے، جیسا کہ علامہ حامد آفندی رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں اس کی تصریح فرمائی ہے:

''لم أرہ إلا فی فتاویٰ أبی السعود''. (العقود الدریۃ: ۱۳/۱) (ج:۱،ص:۴۱ (طبع دار المعرفۃ، بیروت)

اس لیے یہاں پر باعث تخفیف بننے میں کوئی مانع نظر نہیں آتا۔

خلاصہ غرض ہورہی بحث سے خلاصہ کے طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حج صرورہ ادا ہوجاتا ہے؛ لیکن اس کی وجہ سے کسی فقیر پر حج واجب نہیں ہوتا۔ ھٰذا ما ظھرلی بعد بحث وتفتیس ونظر وتفحص کثیر، والعلم الصحیح عند اللّٰہ اللطیف الخبیر، إذ ھو أعلم بما ھو صواب وإلیہ مصیرنا والمآب، وآخردعوانا إن الحمد للّٰہ رب العالمین، وسلم علی المرسلین والعاقبۃ للمتقین.

احقر العباد محمد تقی العثمانی۔ الجواب صحیح: بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ غفر اللہ لہ وھداہ الی الصواب، ۱۳۹۷/۱۱/۲۷ھ۔ (یہ فتویٰ حضرات والا دامت برکاتہم کے درجہ تخصص (تمرین افتاء) کی کاپی سے لیا گیا ہے۔ (محمد زبیر حق نواز) (فتاویٰ عثمانی:۲/۲۱۵-۲۲۰)

باسمه سبحانه وتعالیٰ، الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفیق

جس شخص نے خود پہلے حج نہیں کیا ہے، اس سے حج بدل کرانا بکراہت درست ہے اور کراہت میں تفصیل یہ ہے کہ اگر مامور بالحج خود صاحب استطاعت ہو اور اپنا حج نہ کرکے دوسرے کی طرف سے حج بدل کے لیے جائے تو اس کا یہ عمل مکروہ تحریمی ہوگا، اور اگر مامور پر حج فرض نہیں ہے، اور وہ دوسرے کی طرف سے حج بدل کرنے جا رہا ہے، تو یہ عمل خلاف اولیٰ اور مکروہ تنزیہی ہے، زیادہ بہتر یہ ہے کہ حج بدل کے لیے ایسے شخص کو بھیجا جائے جو اپنا حج پہلے ادا کر چکا ہو، اور مسائل ومناسک حج سے اچھی طرح واقفیت رکھتا ہو۔

عن ابن عباس رضی اللّٰه عنهما أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم سمع رجلا یقول: لبیک عن شبرمة قال: من شبرمة قال: أخ لی، أو قریب لی، قال: حججت عن نفسک؟ قال: لا، قال: حج عن نفسک ثم حج عن شبرمة. (سنن إبی داؤد، باب الرجل یحج عن غیره، رقم: ۱۸۱۱)

عن جعفر عن أبیه: أن علیاً کان لا یری بأسا أن یحج الصرورة عن الرجل. (المصنف لابن أبی شیبة، الحج: ۱۸۹/۸، رقم: ۱۳۵٤۲)

عن مجاهد 'فی الرجل یحج عن الرجل ولم یکن حج قط؟ قال: یجزئی عنه وعن صاحبه الأول، قال أبوبکر: الصرورة الذی لم یحج قط. (المصنف لابن البحر الرائق: ۶۹/۳، کراتشی، الفتاویٰ التاتارخانیة: ۶٤۹/۳، زکریا دیوبند)

والذی یقتضیه النظر أن حج الصرورة عن غیره إن کان بعد تحقیق الوجوب علیه بملک الزاد والراحلة والصحة، فهو مکروه کراهة تحریم. (فتح القدیر: ۶۰/۳، بیروت)

والأفضل إحجاج الحر العالم بالمناسک الذی حج عن نفسه. (شامی: ۲۱/٤، زکریا، الفتاویٰ التاتار خانیة: ۶٤۹/۳، زکریا، الفتاویٰ الهندیة: ۲۵۷/۱، کوئٹه، بدائع الصنائع، بیان شرائط جواز النیابة: ۲۷٤/۳، بیروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۲/۶/۲۰ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۵۹۷/۷)

من استطاع الیہ سبیلاً کا مفہوم:

سوال: ایک شخص جس نے اپنا حج فرض ادا نہیں کیا ہے، وہ حج بدل کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ حج بدل کرتا ہے ہے تو کیا ﴿من استطاع إلیه سبیلا﴾ کے تحت اس پر حج فرض ہو جاتا ہے اور وہ تارک فرض قرار پائے گا؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفیق

بہتر تو یہی ہے کہ حج بدل کے لیے ایسے شخص کو بھیجا جائے، جس نے اپنا حج فرض ادا کر لیا ہے؛ لیکن اس شخص کو بھی بھیجا جا سکتا ہے، جس نے حج نہیں کیا ہے اور حج آمر کی طرف سے ادا ہو جائے گا، جیسا کہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

”والأفضل للإنسان إذا أراد أن يحج رجلاً عن نفسه أن يحج رجلاً قد حج عن نفسه، ومع هٰذا لو احج رجلاً لم يحج عن نفسه حجة الإسلام يجوز عندنا وسقط الحج عن الآزر، كذا في المحيط“. (الفتاویٰ الهندية: ۱/۲۵۷)

اورآیت قرآنی ﴿وللّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیلاً﴾ (سورہ آل عمران:۹۷) کے تحت وہ مستطیع قرار نہیں پائے گا اور نہ اس پر حج فرض ہوگا؛ اس لیے کہ وہ آمر کے خرچ سے وہاں تک پہنچا ہے، چناں چہ حاشیہ مناسک ملا علی قاری میں ہے:

”قال العلامة طاهر سنبل: وكذا لاتثبت الاستطاعة ببذل غيره الزاد والراحلة حتٰى لايجب عليه الحج عندنا وعند الشافعي يجب، ولو امتنع عن البذل يجبر عليه بعد إحرام المبذول له، وقبله لايجبر، والصحيح قولنا؛ لأن الاستطاعة لاتثبت إلابالملك وهو لايثبت بالبذل والإباحة؛ لأن للمبيح قدرة المنع عن البذل كذا في المحيط. (إرشاد الساری علٰی هامش مناسک ملا علی قاری: ۳۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مجاہدالاسلام قاسمی (فتاویٰ امارت شرعیہ:۳/۲۶۳)

کسی حاجی کی جانب سے حج بدل کرنے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے پہلے حج ادا کیا ہے کیا اس کی جانب سے حج بدل کرنا درست ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: حاجی ظفر الحق، ۲۲/ربیع الاول ۱۴۰۵ھ)

الجواب

جس نے فریضہ حج ادا کیا ہو تو اس کی طرف سے دوبارہ حج کرنا جائز ہے، (۱) اور جس شخص نے فریضہ حج ادا کیا ہو، وہ دوسرے کی طرف سے بلا کراہت حج بدل کرسکتا ہے۔ (۲) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ:۴/۳۰۵)

(۱) وفي الهندية: ففي الحج النفل تجوز النيابة حالة القدرة لان باب النفل اوسع كذا في السراج الوهاج. (الفتاویٰ الهندية: ۱/۲۵۷، باب الحج عن الغير)

(۲) وفي الهندية: والأفضل للإنسان إذا أراد ان يحج رجلا عن نفسه ان يحج رجلا قد حج عن نفسه ومع هذا لو احج رجلا لم يحج عن نفسه حجة الاسلام يجوز عندنا وسقط الحج عن الآمر، كذا في المحيط. (الفتاویٰ الهندية: ۱/۲۵۷، باب الحج عن الغير)

☆ مامور نے حج نہیں کیا ہو، حج بدل کرسکتا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے خود حج نہیں کیا ہے؛ لیکن دوسرے شخص کی طرف سے حج بیت اللہ کے لیے چلا گیا ہے کیا غیر حاجی شخص حج بدل کرسکتا ہے؟ بینوا توجروا۔ (المستفتی: حافظ انداز گل، سکنہ جمرود) ==

حج بدل کے لیے جانے والا اپنا حج کرے اور بدل کے لیے حرمین میں کوئی مقرر کرے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے اپنی والدہ کے لیے عمر کو حج بدل پر بھیجنا چاہتا ہے؛ لیکن عمر کہتا ہے کہ میں اپنے لیے حج کروں گا اور تمہاری والدہ کے لیے حرمین شریفین میں کسی کو حج بدل کے لیے منتخب کروں گا تو مجھے اپنے حج کے لیے اور اسی طرح حج بدل والے کے لیے جو خرچ ہو، وہ دو گے، کیا یہ طریقہ حج بدل صحیح ہے اور ذمہ فارغ ہو جاتا ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: روئیداد خان، نخونسوں بنکاک، ۱۹۷۷/۹/۳۰ء)

الجواب

نہ یہ طریقہ مذکورہ مشروع ہے اور نہ اس سے زید کی والدہ کا ذمہ فارغ ہوتا ہے۔

أما الأول فلأن عمر لم يحج أم زيد، وأما الثاني فلما في ردالمحتار (۳۱۹/۲): الحادى عشر أن يحج عنه من وطنه إن اتسع الثلث وإلا فمن حيث يبلغ كما سيأتى بيانه.(۱)**وهو الموفق**

(فتاویٰ فریدیہ: ۳۰۹/۴) ☆

==

الجواب

یہ حج آمر کی طرف سے ادا ہوتا ہے اگر چہ مامور نے حج نہیں کیا ہو۔

فى الهندية، لو احج رجلا لم يحج عن نفسه حجة الاسلام يجوز عندنا وسقط الحج عن الآمر كذا فى المحيط (الهندية: ۴۷۲/۱) ((الفتاوىٰ الهندية: ۷۵۲/۱، باب الحج عن الغير) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۳۲۴/۴)

جس شخص نے حج نہیں کیا ہو، اس سے حج بدل کرانا خلاف افضل ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید اپنے متوفی والد کی جانب سے حج بدل کرنا چاہتا ہے، جب کہ خود اس پر حج فرض ہے اور اس نے ابھی تک ادا نہیں کیا ہے، امسال وہ اس مقدس فریضہ کے لیے والد کی طرف سے منتخب ہوا ہے۔ اب وہ یہ حج کس کی طرف سے ادا کرے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: فلائیٹ لفٹننٹ ولایت حسین، پی اے ایف پشاور)

الجواب

جس شخص نے اپنی طرف سے فریضہ حج ادا نہیں کیا ہو اس کو حج بدل کیلئے منتخب کرنا جائز ہے البتہ افضل نہیں ہے، **كما فى شرح التنوير: جاز حج الصرورة. (باب الحج عن الغير) وتمام الكلام فى ردالمحتار: ۳۰۶/۳، فليراجع. (قال العلامة الحصكفى: فجاز حج الصرورة بمهملة من لم يحج، وقال ابن عابدين: والصرورة يراد به الذى لم يحج عن نفسه اى حجة الاسلام (الى ان قال) وفى الفتح والافضل ان يكون قد حج عن نفسه حجة الاسلام خروجا عن الخلاف، والافضل احجاج الحر العالم بالمناسک الذى حج عن نفسه. (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲۶۱/۲-۲۶۲، مطلب فى حج الصرورة). وهو الموفق** (فتاویٰ فریدیہ: ۳۲۴/۴-۳۲۵)

(۱) ردالمحتار هامش الدرالمختار: ۲۶۰/۲، مطلب شروط الحج عن الغير عشرون ==

غیر حاجی حج بدل کو جائے تو کیا حکم ہے:

سوال: ہم تین بھائی ہیں۔ ہماری حالت اچھی ہے ہم زکوٰۃ دیتے ہیں۔ بڑے بھائی نے حج کیا ہے۔ اب چھوٹا بھائی حج بدل کو جا سکتا ہے؟ اس نے اپنا فرض حج نہیں کیا ہے تو جا سکتا ہے اور کیوں کر؟

الجواب

جس نے اپنا فرض حج ادا نہیں کیا ہے، اس کو حج بدل میں جانا اور بھیجنا مکروہ تنزیہی ہے۔ اگر وہ صاحب استطاعت ہو اور اس پر حج فرض ہو تو اس کو اپنا حج چھوڑ کر حج بدل کے ئے جانا مکروہ تحریمی ہے۔ اگر چہ حج بدل ادا ہو جاتا ہے۔

(فجاز حج الصرورة). (تنوير الأبصار)

وفي البحر: والحق أنها تنزيهية على الآمر لقولهم والأفضل الخ تحريمة على الضروة المأمور الذى اجتمعت فيه شروط الحج ولم يحج عن نفسه لانه اثم بالتاخير، آه. (شامی: ۳۳۱/۱، باب الحج عن الغير) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۸/)

جس میت پر حج فرض باقی ہو، اس کی طرف سے حج بدل کرانا بہتر ہے:

سوال: ایک بیوہ مسماۃ حدیث النساء اپنے ایام حیات میں فریضہ حج کا ارادہ کر چکی تھیں؛ لیکن کسی محرم کے نہ

== ☆ **غیر حاجی کا حج بدل کرنا:**

سوال (۱) جس شخص نے حج نہیں کیا ہے اور نہ تو اس پر حج فرض ہے، اگر وہ کسی کی طرف سے حج بدل کرے تو کر سکتا ہے کہ نہیں زید کا کہنا ہے کہ جس نے حج نہ کیا ہو، اس کو حج بدل کے لیے بھیجنا جائز نہیں ہے۔

(۲) زید کے پاس بینک میں کچھ پیسے ہیں مال طیب اور مال خبیث دونوں قسم کے ہیں؛ مگر مال طیب کی مقدار اتنی نہیں، جس سے حج کر سکتا ہو مگر زید چاہتا ہے کہ کسی طریقے سے حج کر لوں، زید کے دوست عمر نے جتنا پیسہ کم پڑ رہا تھا زید کو دے دیا، جس سے زید کے پاس حج کے لیے پیسہ ہو گیا تو کیا زید کے لیے حج کرنا جائز ہے؟ نیز کیا زید اتنی مقدار رقم کسی سے قرض لے کر حج کر سکتا ہے؟ نیز قرض کی ادائے گی بینک میں جمع شدہ روپیہ کے سود سے کر سکتا ہے کہ نہیں اگر کر لے تو حج پر اس کا کچھ اثر ہوگا کہ نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

حامداً ومصلیاً ومسلماً: (۱) ایسے شخص کو حج بدل کے لیے بھیجنا جائز ہے، البتہ زیادہ بہتر ایسے شخص کو بھیجنا ہے جس نے اپنا حج کر لیا ہو۔ (جواہر الفقہ: ۵۰۷/۱)

(۲) اگر قرض کی ادائے گی کا کوئی بندوبست نہ ہو تو قرض لے کر حج کے لیے جانا اچھا نہیں، اگر قرض لے کر چلا جائے اور سودی رقم کے علاوہ قرض کی ادائے گی کی کوئی صورت نہ ہو تو سودی رقم سے قرض ادا کر دینے کی اجازت ہے؛ لیکن سودی رقم سے قرض ادا کرنے کی وجہ سے حج کی مقبولیت اور ثواب میں کمی ہوگی اور اگر قرض ادا کرنے کی کوئی دوسری صورت ہو تو سودی رقم سے قرض ادا کرنا جائز نہیں، اگر ادا کر دے تو اس کے ذمہ اتنی رقم کا تصدق واجب ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: محمد عثمان عفی عنہ، ۱۴۲۴/۵/۸ھ۔ الجواب صحیح: عبد اللہ غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۳۴۴/۳-۳۴۵)

ہونے کی وجہ سے فریضہ حج ادا نہ کرسکیں، تین یا چار ماہ کے بعد ان کا انتقال بھی ہوگیا، اب ان کے وارثین (چار لڑکیاں ہیں) کا کہنا ہے کہ حج بیت اللہ کے نام پر جتنا بھی پیسہ جمع کیا ہے، اس کو مسجد یا مدرسہ میں دے دیا جائے، یا مسماۃ حدیث النساء مرحومہ کے نام سے مسجد کا مینارہ بنوادیا جائے تو کیا ایسے پیسے سے مسجد کا مینارہ بنوانا، یا مدرسہ ومسجد میں ایسی رقم دینا شرعاً درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

حامداً ومصلیاً ومسلماً:

جب کہ مسماۃ حدیث النساء پر حج فرض ہو چکا تھا اور وہ عذر کی بنا پر ادا نہ کرسکی تھیں تو ایسی صورت میں اگر وصیت کی ہو تو کل ترکہ کے تہائی مال سے ان کا حج بدل کرنا واجب ہے اور اگر وصیت نہ کی ہو تو واجب تو نہیں؛ لیکن اگر سارے ورثہ (جس میں کوئی نابالغ شامل نہ ہو؛ کیونکہ ان کی رضا کا اعتبار نہیں اور اگر ہو تو اس کا حصہ الگ کرکے) اپنی رضا سے حج بدل کرادیں تو امید کہ ان کے ذمہ سے فریضہ ساقط ہوجائے گا، ایصال ثواب تو یہی ہے کہ ان کی طرف سے حج بدل کرادیا جائے، نہ کہ مسجد ومدرسہ میں رقم دی جائے؛ تاکہ ان سے فریضہ کا مواخذہ نہ ہو اور وصیت نہ کرنے کی صورت میں چوں کہ ورثہ کے ذمہ حج بدل کرانا نہیں ہے؛ اس لیے ورثہ کو اختیار ہے کہ چاہیں تو جمع شدہ رقم کو بطور وراثت آپس میں تقسیم کرلیں، یا سارے ورثہ (قید مذکور کے ساتھ) اپنی رضا سے کسی بھی کار خیر میں صرف کردیں؛ مگر اس میں یہ ملحوظ رہے کہ ریا ونمود کی خاطر نہ کریں، محض لوجہ اللہ خرچ کریں اور ایصال ثواب کی نیت کرلیں۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: محمد حمزہ، ۱۴۱۸/۵/۱۰ھ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۳۴۵/۳)

مرد وعورت کا ایک دوسرے کی طرف سے حج بدل:

سوال: کیا عورت مرد کی طرف سے، اور مرد عورت کی طرف سے حج بدل کرسکتے ہیں؟ یا یہ ضروری ہے کہ مرد کا حج بدل مرد ہی کرے، اور عورت کا عورت ہی؟ (محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

مرد عورت کی طرف سے اور عورت مرد کی طرف سے حج بدل کرسکتے ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ فریضۂ حج دونوں سے یکساں طریقہ پر متعلق ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''قبیلۂ بنو خثعم کی ایک خاتون نے حجۃ الوداع کے موقعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میرے والد بہت ضعیف ہیں، کیا میں ان کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۶۲/۴)

(۱) صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۵۱۳، الصحیح لمسلم، رقم الحدیث: ۱۳۳٤

مرد کی طرف سے عورت حج بدل کرسکتی ہے، یا نہیں:

سوال: زید متوفی کی طرف سے کوئی عورت حج بدل کرسکتی ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

مرد کی طرف سے عورت حج بدل کرسکتی ہے؛ لیکن افضل یہ ہے کہ مرد سے ہی حج بدل کرایا جائے۔

درمختار میں ہے: **فجاز حج الصرورة ... والمرأة ... وغيرهم أولىٰ.** (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵۵۷/۶)

عورت کا مرد کی طرف سے حج بدل کے لیے جانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ عورت مرد کی طرف سے حج بدل کے لیے جاسکتی ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (المستفتی: محمد ندیم رستم، ضلع مردان)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

مرد کی طرف سے عورت (محرم کے ساتھ) حج بدل کے لیے جاسکتی ہے، البتہ کراہت سے خالی نہیں۔ (كما صرح به الفقهاء) (۲) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۳۱۳/۴)

عورت کی حج بدل کون کرے:

سوال (۱) کیا عورت حج بدل میں عورت کو بھیجے یا کسی مرد کو بھی بھیج سکتی ہے؟

(۲) کیا حج بدل میں حاجی کو بھیجے، یا اس کو جس نے ابھی حج نہ کیا ہو؟ کس کو بھیجنا ضروری ہے؟

(۳) مرحومہ دو ہزار روپیہ چھوڑ گئی ہے اور سفر کا خرچ تین ہزار روپیہ ہیں تو اس کو کس طرح حل کیا جائے؟

---

(۱) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب في حج الصرورة: ۲۱/٤، مكتبة زكريا، ديوبند، ظفير

(۲) قال الملا علي قاري: ويجوز احجاج المرأة باذن زوج لها ووجود محرم معها والعبد والامة باذن المولى مع الكراهة فيه أنه لا يظهر وجه الكراهة لا سيما في احجاج المرأة عن المرأة فإن الظاهر أن يكون أولىٰ وانسب ويدل عليه اطلاق الفتاوىٰ السراجية حيث قال وسواء كان عبدا او امة من غير ذكر امرأة. (ارشاد الساري: ۱۰۳، قبيل فصل ولو أوصىٰ أن يحج عنه)

قال العلامة ابن الهمام: ويجوز احجاج الحر والعبد والامة والحرة وفي الاصل نص على كراهة المرأة في المبسوط فان احج امرأته جاز مع الكراهة لان حج المرأة نقص فانه ليس عليها رمل ولا سعي في بطن الوادي ولا رفع صوت بالتلبية ولا الحلق. (فتح القدير: ۷۲/۳، باب الحج عن الغير)

وفي الهندية: ولو احج عنه امرأة او عبدا او امة باذن السيد جاز ويكره، هكذا في محيط السرخسي. (الفتاوىٰ الهندية: ۲۵۷/۱، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير)

(۴)　کیا یہ صحیح ہے کہ حج بدل جانے والا آتے جاتے راستہ میں انتقال کر جائے، یا حج کرنے کے بعد واپس اپنے مقام پر نہ لوٹے تو یہ حج قبول نہیں ہوا؟

(۵)　سنا ہے کہ مکہ، مدینہ والے بھی حج بدل کرتے ہیں۔ کیا اس طرح حج بدل صحیح ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

(۱)　عورت کا حج بدل عورت کر سکتی ہے؛ مگر مرد حج بدل کرے تو افضل ہے۔

(۲)　جس نے اپنا حج نہیں کیا ہے اس سے حج بدل کرانا مکروہ ہے؛ اس لیے اولیٰ یہی ہے کہ حج بدل میں اس کو بھیجا جائے، جس نے اپنا حج کر لیا ہو۔

(۳)　دو ہزار روپے حج اور زیارت روضۂ اطہر کے لیے ناکافی ہوں تو صرف حج ادا کرا دیا جائے؛ تاکہ مرحومہ فرضیت سے سبکدوش ہو جائے۔

(۴)　حج کی ادائیگی سے پہلے مر جائے تو حج نہیں ہوا؛ لیکن حج کرنے کے بعد وہاں، یا راستہ میں انتقال کر جائے تو حج ادا ہو گیا۔

(۵)　اتنی رقم ہے کہ مکہ، یا مدینہ سے حج کرایا جا سکتا ہے تو وہاں سے کرایا جائے، یا کوئی بلا وصیت اپنی طرف سے شرعاً حج کرائے تو جہاں سے چاہے کرا سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۸/)

عورت کی طرف سے مرد اور حنفی کی طرف سے غیر مقلد حج کر سکتا ہے، یا نہیں:

سوال:　عورت کی جانب سے مرد حج کر سکتا ہے، یا نہیں؟ اور حنفی کی طرف سے غیر مقلد بھی حج کر سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

عورت کی طرف سے حج بدل مرد بھی کر سکتا ہے اور مقلد کی طرف سے غیر مقلد بھی کر سکتا ہے۔(۱) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۶/۵۷۴)

غیر محرم کے ذریعہ حج بدل:

سوال:　میں نے اس سال بفضلہ تعالیٰ فریضۂ حج ادا کیا ہے اور اپنے دوست کے ذریعہ اپنی اہلیہ کا حج بدل کرایا ہے، جب کہ میری والدہ، ہمشیرہ، برادر نسبتی، دو شادی شدہ اور دو غیر شادی شدہ صاحب زادیاں موجود ہیں، کیا ان محرم رشتہ داروں کی موجودگی میں کسی غیر محرم سے حج بدل کرانا درست تھا؟　(سید علی، جنگم پیٹ)

---

(۱)　والأفضل للانسان اذا أراد أن يحج رجلاً عن نفسه أن يحج رجلاً قد حج عن نفسه ... ولو أحج عنه امرأة أو عبداً أو أمة باذن السيد جاز ويكره، هكذا في محيط السرخسي. (الفتاویٰ الهندية، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير: ۱/۲۶۳-۲۶۴)

(فجاز حج الصرورة ... المرأة) ولو أمة (والعبد وغيره) كالمراهق وغيرهم أولىٰ لعدم الخلاف. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الحج عن الغير، مطلب في حج الصرورة: ۴/۲۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

الجواب

حج بدل کے لیے یہ ضروری نہیں کہ محرم رشتہ دار ہی کو حج پر بھیجا جائے، کوئی بھی عاقل، بالغ، مسلمان دوسرے مسلمان کی طرف سے حج بدل کرسکتا ہے، البتہ بہتر ہے کہ ایسے شخص سے حج کرایا جائے جوخود اپنا فریضۂ حج ادا کر چکا ہو؛ کیوں کہ بعض فقہا کے نزدیک وہی شخص حج بدل کرسکتا ہے، جو اپنا حج ادا کر چکا ہو، حنفیہ کے نزدیک یہ ضروری تو نہیں ہے؛ لیکن جس سے حج بدل کرارہا ہے، اگر خود اس پر حج فرض نہیں تو اس سے حج کرانا خلاف اولیٰ ہے، اگر اس پر حج فرض ہے تو اس سے حج بدل کرانا مکروہ تحریمی۔ حج کئے ہوئے شخص سے حج بدل کرانے کا فائدہ یہ ہے کہ تمام فقہا کے اقوال پر اس کا حج درست ہوجاتا ہے۔(۱) واللہ اعلم (کتاب الفتاویٰ:۴/۶۵-۶۶)

حج بدل کے لیے جس شخص کو رقم دی، وہ اس میں سے کچھ رقم رکھ کر دوسرے کو حج پر بھیج دے تو:

سوال: زید کو ایک شخص نے اپنے متوفی کی جانب سے کچھ رقم حج بدل کے لیے بالکل دے دی، اب زید اپنے عوض کسی دوسرے شخص کو حج میں بھیجنا چاہتا ہے؛ مگر اس میں سے کچھ رقم نہیں دیتا ہے تو یہ لینا اس کا جائز ہے، یا نہیں؟ اور یہ دوسرا شخص متوفی کی طرف سے حج کرسکتا ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۱۲۹۴، علی خاں صاحب، مونگیر، ۲۹ شوال ۱۳۵۵ھ، مطابق ۱۳/جنوری ۱۹۳۷ء)

الجواب

اگر رقم دینے والے نے اس قسم کی اجازت دے دی ہو کہ چاہے خود جاؤ، چاہے کسی کو بھیج دو تو وہ دوسرے شخص کو بھیج سکتا ہے اور اگر یہ اجازت نہ تھی تو رقم لینے والے کو خود جانا ضروری ہے۔(۲) خود جائے، یا رقم واپس کردے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی:۴/۳۴۲-۳۴۳)

حج بدل کے لے جس شخص کو بھیجا جائے، اس کے آنے تک اس کے گھر کے اخراجات بھی برداشت کرنے ہوں گے:

سوال: امسال ایک ضعیفہ نے فرض حج کی ادائیگی کا مصمم ارادہ کرلیا تھا اور قضاء الٰہی سے دو چار روز ہوئے ان کا انتقال ہوگیا، اب ان کے خاوند اور لڑکوں کا خیال ہے کہ مرحومہ کی جانب سے کسی کو حج بدل کے لیے لے جائیں، جس کے لیے ایک غیر مستطیع ہمراہ جانے کے لیے تیار ہے؛ مگر اس کو ایسا خیال ہے کہ اگر حج بدل کے لیے جاؤں تو دوسرے

---

(۱)　دیکھئے: الدرالمختار مع الرد، كتاب الحج: ٢١/٤

(۲)　وتعينه أن عينه فلو قال: يحج عني فلان، لاغيره، لم يجز حج غيره، ولو لم يقل لاغيره جاز. (الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ٦٠٠/٢، ط: سعيد)

سال باوجود عدم استطاعت کے حج کے لیے جانا ضروری ہوگا۔کیا یہ صحیح ہے؟

یہ مسئلہ ہے کہ حج کے لیے جانے والے کو واپسی تک گھر کے بال بچوں کے خرچہ کا بندوبست کرکے جانا چاہیے، سو مذکورہ خرچہ حج بدل کرانے والے کے ذمہ ہوگا، یا جانے والا خود بندوبست کرے؟

(المستفتی: مولوی حکیم عبدالکریم قاضی، کریمی دواخانہ بھروچ، مورخہ ۱۴؍فروری ۱۹۴۷ھ)

الجواب

بہتر یہ ہے کہ حج بدل کو وہ شخص جائے، جو خود حج کر چکا ہو اور اگر ایسا آدمی دستیاب نہ ہو تو ایسا شخص بھی جا سکتا ہے، جس نے حج نہیں کیا۔(۱) اس کے اوپر حج جب فرض ہوگا، جب اس کے پاس مصارف ہوں، ورنہ وہ اپنا حج نہ ادا کرنے کا گناہ گار نہ ہوگا۔

اس کے گھر والوں کو واپسی تک مصارف دینا بھی اس شخص کے ذمہ ہے، جو حج بدل کے لیے لے جاتا ہے اور جانے سے آنے تک کے تمام مصارف سفر لے جانے والے کے ذمہ ہوں گے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۳۴۳/۴-۳۴۴)

ترجمانی کے لئے مکہ گیا پھر کہا کہ حج بدل کرو تو اس پر حج بدل کرنا لازمی نہیں:

(الجمعیۃ، مورخہ ۹/اپریل ۱۹۳۶ء)

سوال: زید، عمر کے درمیان یہ گفتگو ہوئی کہ ہم دونوں ممالک اسلامیہ مصر، بیت المقدس وغیرہ کی زیارت اور حج کے لیے چلیں؛ چوں کہ عمر عربی داں ہے، زید نے عمر سے کہا کہ میں عربی زبان نہیں جانتا، آپ کی وجہ سے مجھے سہولت ہو گی، لہٰذا سفر خرچ آپ کا بھی میں برداشت کروں گا، یہ بات طے کرکے دونوں روانہ ہو گئے، اول حج کو گئے کئی ماہ پیشتر مکہ مکرمہ پہنچے، ایک عرصہ کے بعد زید نے عمر سے کہا کہ تم کو میرے باپ کی طرف سے حج بدل کرنا ہوگا۔عمر نے کہا کہ تم نے مجھ سے مکان پر، یا دوران سفر میں بالکل نہیں کہا، اگر وہاں کہتے تو میں چاہتا تو آتا، یا نہ آتا، اگرچہ تم نے مجھ سے نہیں

---

(۱) فجاز حج الضرورة ... وغيرهم أولٰى بعدم الخلاف،وفى الشامية:والأفضل أن يكون قد حج من نفسه حجة الإسلام خروجًامن الخلاف،قال فى البحر:والحق أنها تنزيهية علٰى الآمر،بقولهم والأفضل إلخ تحريمية علٰى الضرورة المأمورالذى إجتمعت فيه شروط الحج،ولم يحج عن نفسه،لأنه آثم بالتأخير.(رد المحتار ، كتاب الحج،باب الحج من الغير،مطلب فى حج الضرورة:۶۰۳/۲،ط،سعيد)

(۲) فجاز حج الضرورة... وغيرهم أولىٰ بعدم الخلاف.وفى الشامية،والأفضل أن يكون قد حج من نفسه حجة الإسلام خروجًامن الخلاف،قال فى البحر:والحق أنها تنزيهية علٰى الآمر،بقولهم والأفضل إلخ تحريمية علٰى الضرورة المامورالذى إجتمعت فيه شروط الحج،ولم يحج عن نفسه،لأنه آثم بالتاخير.(رد المحتار ، كتاب الحج،باب الحج من الغير،مطلب فى حج الضرورة:۶۰۳/۲،ط،سعيد)

کہا اور میرا تمہارا اقرار ہے کہ مدینہ طیبہ چلیں گے؛ لہٰذا تم مجھے مدینہ طیبہ لے چلو، میں تمہارے باپ کی طرف سے حج بدل کروں گا، زید نے اول تو انکار کیا، پھر بہت کچھ کہنے سننے کے بعد کہا کہ میں ایک سال تک عرب میں رہوں گا، ۶ ماہ بعد مدینہ جاؤں گا، میرے ساتھ چلنا ورمما لک اسلامیہ نہیں جاؤں گا اور زید طرح طرح سے خرچ کی تکلیف دینے لگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

جب کہ زید نے پہلے حج بدل کا ذکر نہیں کیا تو عمرو پر لازم نہیں کہ وہ حج بدل کرے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۴/۳۴۷)

حجِ بدل کے لیے ذوالحلیفہ سے احرام:

سوال: حج بدل میں جانے والے کے لیے حج سے پہلے مدینہ جانا اور ذوالحلیفہ (بئرِ علی) سے احرام باندھنا درست ہے، یا نہیں؟ جب کہ آمر کی میقات سمندر میں محاذاتِ یلملم ہے۔ کیا اس میں آمر کا حج خراب ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اذنِ آمر سے درست ہے۔(۲)

''میرا مشورہ یہ ہے کہ حج بدل میں جانے والا شخص آمر سے ہر قسم کے احرام کی اجازت لے اور سب سے پہلے مدینہ طیبہ جاوے، وہاں سے دو تین ذی الحجہ کو میقات (ذوالحلیفہ) اگر حج افراد کا احرام باندھے، پھر مکہ آجائے، اس صورت میں آٹھ روز احرام کی حالت میں رہنا پڑے گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۴۰۶) ☆

---

(۱) کیوں کہ بات تو مطلق ہوئی تھی؛ بلکہ عربی داں ہونے کی وجہ سے اپنی سہولت کی خاطر ساتھ لیا تھا۔

(۲) (الثامن أن يحج عنه من وطنه إن اتسع الثلث): أى ثلث مال الميت (وان لم يتسع): أى الثلث (يحج عنه من حيث يبلغ) ... (ولو أوصىٰ): أى من له وطن (أن يحج عنه من غيربلده يحج عنه كما أوصى): أى على وفق ما أوصى به (قرب) أى ذلك المكان الموصى به (من مكة أوبعد)،آه.(المسلك المتقسط فى المنسك المتوسط)

وفى إرشاد السارى:قوله من حيث يبلغ: أقول:فيه أنه لوكان ثلثه لا يسع الا بأن يحج من مكة، فظاهره جواز ذلك، ويحج به عنه من مكة،لٰكن من جملة الشروط علىٰ ما ستقف عليه أن ميقات الآمرشرط لجواز ذلك،فلو أحرم المأمورمن مكتبة لا يصح واطلاق المتن هنا يقتضى الجواز،ولم أر من تعرض بذلك،ويمكن أن يجاب عنه بأن ذلك عند الاطلاق،وأما عند التعيين فلا،كما سيصرح به الشيخ رحمه الله بقوله: ولو أوصى بأن يحج عنه من غير بلده يحج عنه كماأوصىٰ.(ارشاد السارى الىٰ مناسك الملا على القارى، فصل فى شرائط جواز الاحجاج،ص:۴۸۳-۴۸۴،دارالكتب العلمية بيروت،انيس)

☆ ماموربالحج کا پہلے مدینہ طیبہ جانا:

سوال (الف) حجِ بدل والے کو تمتع کرنا محتاط علماء منع کرتے ہیں، اب آج کل جہازوں کے ٹکٹوں کا معاملہ کچھ ==

حجِ بدل والے کو مدینہ طیبہ پہلے جانا:

سوال: ہندوستان سے حج بدل کرنے والے اگر جدہ سے سیدھے مدینہ شریف چلے جائیں اور حج کے قریب کے دنوں میں افراد کا احرام باندھ کر حج کریں تو کسی قسم کی قباحت تو نہیں؟ اگر ایسا حاجی رمضان سے پہلے والے جہاز سے سفر کرے اور سیدھا مکہ شریف جائے ورشوال آنے سے پہلے وہاں سے مدینہ شریف چلا جائے اور آخر میں افراد کا احرام باندھ کر حج کرے تو اس میں کوئی قباحت تو نہیں؟

== ایسا ہے کہ کبھی بہت پہلے جانے کی صورت ہو جاتی ہے؛ اس لیے حج بدل میں جانے والے بعض ذی علم یہ صورت کرتے ہیں کہ پہلے مدینہ منورہ چلے جاتے ہیں اور وہاں سے واپسی میں ذوالحلیفہ سے حج بدل کے لیے افراد کا احرام باندھتے ہیں۔ ایسا کرنے میں کوئی حرج تو نہیں؟ کیا یہ صورت جائز ہے، یا نہیں؟ کیا اس کے لیے بھی بھیجنے والے کی اجازت ضروری ہے؟

(ب) اسی طرح اگر بھیجنے والے کی اجازت سے حجِ بدل والا قبل از رمضان جاوے اور بیس پچیس رمضان تک مکہ مکرمہ میں ٹھہر کر اَشہرِ حج شروع ہونے سے پہلے مدینہ چلا جاوے، پھر ابتدائے ذی الحجہ میں وہاں سے حجِ بدل کے لیے افراد کا احرام باندھ کر آئے تو جائز ہے، یا نہیں؟
(شبیر محمود سورتی)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

(الف) آمر کی اجازت سے ایسا کرنا درست ہے۔

(ب) یہ بھی اجازت سے درست ہے۔ (الثامن أن يحج عنه من وطنه إن اتسع الثلث): أى ثلث مال الميت(وإن لم يتسع):أى الثلث (يحج عنه من حيث يبلغ) ... (ولو أوصى): أى من له وطن (أن يحج عنه من غير بلده يحج عنه كما أوصى) أى علىٰ وفق ما أوصىٰ به (قرب) أى ذلک المكان الوصى به(من مكة أو بعد)،آه.(المسلک المتقسط فى المنسک المتوسط)

وفى إرشاد السارى:(قوله: من حيث يبلغ): فيه أنه لو كان ثلثه لا يسع إلا بأن يحج من مكة، فظاهره جواز ذلک، ويحج به عنه من مكة، لكن من جملة الشروط على ما ستقف عليه أن ميقات الآمر شرط لجواز ذلک فلو أحرم المأمور من مكة لايصح. واطلاق المتن هنا يقتضى الجواز، ولم أر من تعر ض لذلک، ويمكن أن يجاب عنه بأن ذلک عند الاطلاق، وأما عند التعيين فلا كما سيصرح به الشيخ رحمه الله يقوله: ولو أوصى بأن يحج عنه من غير بلده يحج عنه كما أوصىٰ. (ارشاد السارى الىٰ مناسک الملا على القارى، فصل فى شرائط جوازالاحجاج،ص: ۴۸۳ـ۴۸۴،دارالكتب العلميه بيروت،انيس)

''میرا مشورہ یہ ہے کہ حج بدل میں جانے والا شخص آمر سے ہر قسم کے احرام کی اجازت کے لیے اور سب سے پہلے مدینہ طیبہ جاوے، وہاں سے دوتین ذی الحجہ کو میقات (ذوالحلیفہ) اگر حجِ افراد کا احرام باندھے، پھر مکہ آجائے، اس صورت میں آٹھ روز احرام کی حالت میں رہنا پڑے گا۔

''قال الشيخ الإمام أبو بكر محمد بن الفضل رحمه الله تعالىٰ:إذا أمرغيره بأن يحج عنه ينبغي أن يفوض الأمر إلىٰ المأمور،فيقول:حج عنى بهٰذا المال كيف شئتَ،إن شئت حجة،وإن شئتَ حجة وعمرةً،وإن شئت قراناً.(فتاوى قاضى خان علىٰ هامش الفتاوىٰ الهندية: ۳۰۷/۱،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)(زبدة المناسک: ۲/ ۱۵۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۴۰۷)

الجواب ـــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر آمر کی طرف سے اجازت ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں، دونوں صورتیں اختیار کرسکتا ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۶/۲۶ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۴۰۹)

حج بدل میں پہلے روضہ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حاضری:

سوال: ۲۸؍شوال المکرّم کے جہاز سے میں حجِ بدل کے لیے روانہ ہورہا ہوں، جو ۵؍ذی قعدہ تک جدہ پہونچے گا۔موسم سرمام کی وجہ سے پہلے مدینہ منورہ جانے کے بجائے عمرہ کا احرام باندھ کر مکۃ المکرّمہ جانے کا خیال تھا؛مگر معلوم یہ ہوا کہ بدل میں حج کرنے والا صرف افراد کرسکتا ہے، تمتع کی کوئی گنجائش نہیں، اگر ایسا ہے تو اولا مدینہ منورہ جانا ناگزیر ہوجائے گا؛ کیوں کہ اس موسم میں ایک مہینہ دس روز تک حالتِ احرام میں رہنا تو بہت دشوار ہے، لہٰذا مسئلہ کی تحقیق مقصود ہے۔اگر جدہ سے مکہ مکرمہ جاکر عمرہ کرکے حلال ہوجانے کی کوئی شرعی گنجائش ہو تو بتلادیں۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

سفرِ مبارک ہو۔

زہے سعادتِ بندہ کہ کرد نزول گہے بہ بیتِ خدا و گہے بہ بیتِ رسول

حق تعالیٰ بہت سہولت وعافیت کے ساتھ جملہ مناسک پورے کرائے اور ہر قسم کی جنایت سے محفوظ رکھے، مقاماتِ مقدس کے آداب کی رعایت پوری توفیق دے، بہت ہی اعزاز واکرام کے ساتھ ترقیات سے نوازے۔روضۂ اقدس پر اس سیاہ کار کی طرف سے بھی صلوٰۃ وسلام پیش فرماویں۔

آپ جدہ سے اتر کر پہلے درِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حاضری دیں، پھر وہاں کی شفاعت اور دعا ساتھ لے کر مکہ مکرمہ حاضر ہوں، یہی اسلم وارجی ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۱۰/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۱۰/۲۱ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۴۱۰)

---

(۱) ودم القران والتمتع (والجناية على الحاج) ان أذن له الآمر بالقرآن والتمتع، والا فيصير مخالفا فيضمن.(الدر المختار، كتاب الحج،باب الحج عن الغير: ۲/۶۱۱،دار الفكر بيروت،انيس)

(۲) جب کہ مذکورہ خدشات اور اعذار سامنے ہوں تو اس صورت میں حجِ بدل والا شخص زیارتِ مدینہ کو حج پر مقدم کرسکتا ہے۔

”وزيارة قبره مندوبة،بل قيل واجبة لمن له سعة،ويبدأ بالحج لو فرضاً،ويخير لو نفلاً،ما لم يمر به فيبدأ بزيارته لا محالة“.(الدر المختار)

”قال في شرح اللباب:وقد روى الحسن عن أبي حنيفة أنه اذا كان الحج فرضاً، فالأحسن للحاج أن يبدأ بالحج، ==

بیمار کا حجِ بدل کرانا:

سوال: ایک شخص پر حج واجب تھا اور وہ حج کے لیے تیار بھی تھا؛ لیکن حج کرنے سے قبل ایک شدید مرض میں مبتلا ہو گیا کہ اطبا نے حکم دیا کہ چار چھ ماہ سے قبل اس کو شفا ہونی مشکل ہے تو کیا یہ شخص اپنی طرف سے کسی کو حج بدل کے لیے بھیج سکتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

ابھی تو حج بدل کے لیے نہ بھیجے؛ بلکہ علاج کرائے، اگر شفا ہو جائے تو خود حج کرے، ورنہ اخیر وقت میں جب خود جانے سے مایوس ہو جائے تو اس وقت حج بدل کی وصیت کر دے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۱۸/۱۰)

== ثم يثني بالزيارة. وان بدأ بالزيارة، جاز، اھو ھو ظاھر (رد المحتار، كتاب الحج، باب الھدى، مطلب في تفضيل قبره المكرم صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ٦/ ٦٢٧، سعيد)

"قال مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ: أنها أفضل المندوبات، وفي مناسك الفارسي وشرح المختار: أنه قريبة من الوجوب لمن له سعة. والحج إن كان فرضاً، فالأحسن أن يبدأ به، ثم يثني بالزيارة وإن كان نفلاً كان بالخيار". (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الحج، خاتمة في قبر النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مطلب: زيارة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ١/ ٢٦٥، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

قال مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ من أفضل المندوبات، وفي مناسك الفارسي وشرح المختار أنها قريبة من الوجوب لمن له سعة، روى الدار قطني، والبزار عنه عليه الصلاة والسلام: "من زار قبري وجبت له شفاعتي. (یہ روایت ضعیف ہے، اس روایت کی تخریج دار قطنی: ۲۷۳/۲، ابن عدی: ۳۵۱/۶، اور عقیلی نے کی ہے، ان تمام ائمہ نے موسیٰ بن بلال عبید کی سند سے کی ہے اور موسی بن عبید اس روایت کا مدار ہے وہ ضعیف ہیں (دیکھئے: ميزان الاعتدال: ٤/ ٢٢٦، التلخيص الحبير: ٢/ ٢٦٧، انس)

وأخرج الدارقطني أيضاً "من حج وزار قبري بعد موتي، كان كمن زارني في حياتي" (اس روایت کی تخریج امام طبرانی نے معجم الکبیر اور اوسط میں کی ہے، (مجمع الزوائد: ۲/۴) اسی طرح امام دار قطنی: ۲۷۸/۲، ابن عدی نے الکامل فی الضعفاء میں اس روایت کو نقل کیا ہے: ۳۸۲/۲) حفص ابن داؤد ہیں جو ضعیف ہیں اور طبرانی میں مجہول آدمی ہے (التلخيص الحبير: ٢/ ٢٦٦) لیکن ظفر احمد تھانوی نے اس کی سند اور متعدد طرقوں پر بحث کے بعد اس روایت کو "حسن" قرار دیا ہے۔ (دیکھئے: اعلاء السنن: ۵۰۴/۱۰، انیس)

هٰذا، والحج إن كان فرضاً، فالأحسن أن يبدأ به، ثم يثني بالزيارة. وإن كان تطوعاً كان بالخيار" (فتح القدير، كتاب الحج، مسائل منثورة، المقصد الثالث في زيارة قبر النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ٣/ ١٧٩، انيس)

(۱) وفي العبادات البدنية المعتبر الوسع، ولا يعتبر العجز للحال؛ لأن الحج فرض العمر، فيعتبر فيه عجز مستغرق لبقية العمر ليقع به اليأس عن الأداء بالبدن، فقلنا: إن كان عجزه بمعنى لا يزول أصلاً كالزمانة، يجوز الأداء بالنائب مطلقاً. وإن كان عارضاً يتوهم زواله بأن كان مريضاً أو مسجوناً، فإذا أدى بالنائب كان ذلك مراعى، فإن دام به العذر إلىٰ أن مات تحقق اليأس عن الأداء بالبدن، فوقع المؤدى موقع الجواز، وإن برئ من مرضه تبين أنه لم يقع فيه اليأس عن الأداء بالبدن، فكان عليه حجة الإسلام، والمؤدى تطوع له. (المبسوط للسرخسي، كتاب المناسك، باب الحج عن الميت وغيره: ١/ ٥٠٥، بيت الأفكار الدولية بيروت، انيس) ==

ایضاً:

سوال: زید مالدار ہے، حج اس پر فرض ہے؛ لیکن آنت اترنے کا عارضہ ہے اور بیماری ہے، آنکھ کی روشنی بھی کم ہے؟، زید چاہتا ہے کہ حج بدل کرالیا جائے۔اب آپ فرمایئے کہ ایسی صورت میں زید کا حج بدل ہوجائے گا، یانہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اگر مرض کی وجہ سے زید خود جاکر ارکانِ حج ادانہیں کرسکتا تو اس کے لیے درست ہے کہ اپنی طرف سے کسی کو بھیج کر حجِ بدل کرالے؛ لیکن اگر زید پھر خود حج کرنے کے قابل ہوگیا تو خود کرنا لازم ہوگا، یہ حج بدل کافی نہیں ہوگا۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۷/۱۳۸۹ھ۔(فتاویٰ محمودیہ: ۴۱۹/۱۰)

حج بدل کے بعد عذر زائل ہوگیا تو دوبارہ حج فرض نہیں:

سوال: اگر کوئی نابینا شخص قائد نہ ملنے کی وجہ سے حج بدل کرادے اور بعد کو قائد میسر آجائے تو کیا صاحبین کے قول کے مطابق دوبارہ حج ادا کرنا فرض ہوگا، یانہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

نابینا نے اگر حج بدل کرادیا، پھر اس کا عذر زائل ہوگیا، مثلاً بینائی آگئی، تب بھی اس کے ذمہ اپنا حج خود کرنا لازم نہیں، قائد ملنے کا مسئلہ بھی اسی سے واضح ہوگیا۔

(هٰذا): أی اشتراط دوام العجز الی الموت(إذا کان العجز) کالجس و(المرض یرجی زواله):

== (تقبل النیابة عند العجز فقط)،لکن (بشرط دوام العجز الی الموت)؛لأنه فرض العمر حتٰی تلزم الاعادة بزوال العذر. (الدر المختار)(قوله: لأنه فرض العمر) تعلیل لاشتراط دوام العجز الی الموت: أی فیعتبر فیه فیه عجز مستوعب لبقیة العمر لیقع به الیأس عن الأداء بالبدن.(ردالمحتار،کتاب الحج، باب الحج عن الغیر،مطلب فی الفرق بین العبادة والقربة و الطاعة:۲/ ۵۹۸، دار الفکر بیروت،انیس)

(۱) وفی الذخیرة:ثم انما یسقط فرض الحج عن الإنسان باحجاج غیره اذا کان المحج وقت الأداء عاجزا عن الأداء بنفسه،ودام عجزه الٰی أن مات.أما اذا زال عجزه بعد ذلک،فلا یسقط عنه حج الفرض ... رجل أحج رجلا وهو مریض، فلم یزل مریضاً حتٰی مات،فهو جائزعن حجة الإسلام.وإن صح،لایجزیه عن حجة الإسلام.(الفتاوٰی التاتارخانیة،کتاب المناسک،الحج عن الغیر: ۵۴۵/۲،إدارة القرآن کراچی)

(قوله:حتٰی تلزم الاعادة بزوال العذر): أی العذر الذی یُرجی زواله کالجس والمرض، بخلاف نحو العمی، فلا اعادة لوزال علا مایأتی. (رد المحتار،کتاب الحج،باب الحج عن الغیر،مطلب فی الفرق بین العبادة القربة و الطاعة: ۵۹۸/۲،سعید)

أي يـمـكـن. (وإن لـم يـكـن كـذالـک كالعمي والزمانة؟سطق الفرض)بحج الغير(عنه)فلا اعادة مطلقا، سواء استمر به ذلک العذر،أم لا)،آه. (۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۶/۱۳۹۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۴۲۰)

بیوی کو اپنے حج سے پہلے حج بدل کرانا:

سوال: میں اپنی مرحومہ بیوی کے ساتھ ایک مرتبہ حج کر چکا ہوں، اب دوبارہ اپنی موجودہ بیوی کے ساتھ حج کا ارادہ ہے؛ لیکن بیوی کو حج بدل میں لے جانے کا ارادہ ہے اور اس نے اب تک حج نہیں کیا ہے۔ میں نے اس کے نام گزارے کے لیے پانچ ہزار روپیہ کے شیئر لکھ دیئے ہیں۔ پانچ ہزار روپیہ کے شیئر کا جو دیوان (آمدنی) ملے گا، وہ استعمال کرے گی، اس کے علاوہ اس کو نکاح کے وقت میں نے ڈیڑھ ہزار روپیہ کے زیور بھی دیئے ہیں اور قصبہ کے رواج کے مطابق جتنی قیمت کا زیور ہوتا ہے اتنی ہی قیمت کی مہر بھی لکھائی جاتی ہے جو میں نے لکھ دی ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس صورت میں بیوی پر حج فرض ہوتا ہے یا نہیں؟ اور حجِ فرض ہونے کی صورت میں حج فرض ادا کرنے سے قبل حج بدل کے لیے اس کو لے جاسکتا ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

آپ کی موجودہ بیوی کی ملک میں اگر اتنا مال ہے کہ حج کے سفر کے لیے واپسی تک کافی ہو سکے تو اس پر حج فرض ہے اور جب کہ شوہر بھی سفرِ حج میں ہمراہی کے لیے موجود ہے تو اس کو بہت جلد اپنا فرض حج ادا کرنا چاہیے، حجِ بدل کے لیے اس وقت نہ جائے کہ پھر خدا جانے محرم، یا شوہر کا ساتھ میسر آئے، یا نہ آئے کہ جس نے اپنا حج فرض ادا نہ کیا ہو، اگر وہ حج بدل کرلے تو حج بدل ہو جائے گا؛ لیکن اعلیٰ بات یہ ہے کہ حج بدل ایسے شخص سے کرایا جائے، جس نے اپنا حج فرض ادا کیا ہو، جس کے ذمہ خود اپنا حج فرض ہو اور اس کو موقع بھی ہو، اس سے حج بدل نہ کرایا جائے؛ کیوں کہ وہ اپنا حج فرض ادا نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار رہے۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۶/۱۳۸۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۴۲۳-۴۲۴)

---

(۱) الـدرالـمـخـتـار مع رد المحتار، باب الحج عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطاعة: ۲/۵۹۹، دار الفكر بيروت، انيس)

(والعجز الدائم الى الموت)؛ لأنه فرض العمر حتٰى تلزمه الاعادة بزوال العذر إن كان يرجى زواله، وإن لم يرج كالأعمى والزمانة يجب عليه الاحجاج، كما في القهستاني عن المحيط. ولا يعيد مطلقاً، كما في البحر عن المحيط. (سكب الأنهر مع مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱/ ۴۵۵-۴۵۶، مكتبة فقيه الأمت ديوبند، انيس)

(۲) "فدل أنه لا يجوز الحج عن غيره قبل أن يحج عن نفسه، ولأن حجه عن نفسه فرض عليه، ==

حج بدل کرنے والے کا مکہ پہونچ کرکسی دوسرے سے حج بدل کرانا اورخود اپنا حج کرنا:

سوال: حج بدل کرنے والا غریب ہے اور حاجی بھی نہیں، اب حج بدل جانے کے وقت حج فرض ہوگا، یا نہیں؟ حج بدل کرنے والا مالک کی اجازت سے مکہ مکرمہ پہونچ کرکسی دوسرے کو وہ حج بدل کرنے کو کہہ کر پھرخود اپنا حج کرسکتا ہے، یا نہیں؟ مالک یعنی بھیجنے والے نے صرف یہی کہا کہ مرنے والے کے لیے حج بدل کوتم کو بھیج رہا ہوں، یہ روپے ہیں، میرے باپ کا حج ادا ہونا چاہیے، اب تم کیسے بھی کرو۔ یہ مالک کی طرف سے اجازت ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

غریب آدمی (جس پر حج فرض نہیں)؛ مگر دوسرے کے روپے سے حج بدل کے لیے جائے تو اسی کی طرف سے حج بدل کرے، وہاں پہونچ کرکسی اور کو حج بدل کے لیے تجویز کرکے اپنا حج نہ کرے۔(۱) وہاں حج بدل کے لیے پہونچ جانے کی وجہ سے خود اس غریب کے ذمہ حج فرض نہیں ہو جائے گا۔(۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۲/۹/۱۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۴۲۴-۴۲۵)

== وحجه عن غيره ليس بفرض، فلا يجوز ترك الفرض بما ليس بفرض". (بدائع الصنائع، كتاب الحج، بيان شرائط النيابة في الحج، :۲۷٤/۳، دارالكتب العلمية بيروت، انيس)

"والأفضل احجاج الحرالعالم بالمناسك الذى حج عنه نفسه". (البحر الرائق)

(إن حج الصرورة عن غيره ان كان بعد تحقق الوجوب عليه بملك الزاد والراحلة والصحة، فهومكره كراهة تحريم عليه؛ لأنه يتضيق عليه والحالة هٰذه في أول سني الامكان، فيأثم بتركه". (منحة الخالق مع البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۲۳/۳، مكتبة زكريا ويوبند، انيس)

(۱) (وإذا مرض المأمور) بالحج (في الطريق، ليس له دفع المال إلٰى غيره ليحج) ذلك الغير (عن الميت، إلا إذا أذن) له بذلك بأن (قيل له وقت الدفع: اصنع ماشئتَ، فيجوزله) ذلك (مرض أولا)؛ لأنه صار وكيلاً مطلقاً. (الدرالمختار) لايمنكه الحج عن نفسه؛ لأن سفره بمال الآمر فيحرم عن الآمر، ويحج عنه، الخ. (ردالمحتارمع رد المحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب في حج الصرورة: ٦٠٤/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

وليس للمأمور أن يأمر غيره بما أمر به عن الآمر وإن مرض في الطريق، إلا أن يكون وقت الدفع قيل له: اصنع ما شئت، فحينئذٍ له أن يأمر غيره به وان كان صحيحا. (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۱۳/۳، رشيدية)

(۲) ويجوزاحجاج الصرورة، ولكن يجب عليه عند رؤية الكعبة الحج لنفسه ... (أقول) وقد ألف سيدى عبد الغني النابلسي رسالة في ذلك، جنح فيها الٰى عدم الوجوب. (تنقيح الفتاوٰى الحامدية، كتاب الحج: ۱۳/۱، مكتبه تاجران كتب ارگ بازار قندهار)

قلت: وقد أفتٰى بالوجوب مفتي دارالسلطنة العلامة أبوالسعود، وتبعه في سكب الأنهر، وكذا أفتٰى به السيد أحمد بادشاه، وألف فيه رسالة، وأفتٰى سيدى عبد الغني النابلسي بخلافه، وألف فيه رسالة؛ لأنه في هٰذا العام لايمكنه الحج عن نفسه؛ لأن سفره بمال الآمر، فيحرم عن الآمر ويحج عنه، وفي تكليفه بالاقامه بمكة الٰى قابل ليحج عن نفسه ويترك عياله ببلده حرج عظيمٌ، وكذا في تكليفه بالعود وهو فقيرحرج عظيم أيضا. (رد المحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب في حج الصرورة: ٦٠٤/۲، سعيد)

حج بدل میں روپیہ مامور کو دیں یا اپنے پاس رکھے:

سوال: ایک شخص خود حج کرنے جارہا ہے اور دو شخصوں کو اپنے والدین کی طرف سے حجِ بدل کرانے لے جارہا ہے تو اخراجات کے لیے روپیہ ان کو دے دینا زیادہ بہتر ہوگا، یا اپنے پاس رکھ کر ان کی ضروریات میں خرچ کرنا؟ ان کو ہر ہر چیز کا پھر حساب بھی مشکل ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اگر یہ اعتماد ہو کہ وہ روپیہ حفاظت سے رکھیں گے اور بے محل خرچ نہیں کریں گے اور مقصدِ وصیت بھی فوت نہیں ہوگا تو ان کو دیدینا بہتر ہے۔(۱) زبدۃ المناسک میں ہے کہ ’’جو عاجز ہوجائے وہ دوسرے شخص کو امر حج کردینے کا کرے اور خرچ راہ اس کو دے اور جانے والا اس کے خرچ سے سوار ہوکر حج ادا کردے‘‘۔(۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۱/۱۳۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۱/۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۲۶/۱۰)

بیوی پر حج فرض ہونے کے باوجود مکہ سے اس کا حجِ بدل کرانا:

سوال: رواج ہے کہ حج میں جاکر کسی شخص کو سو روپیہ دے کر حج بدل کراتے ہیں، یا اپنی زوجہ کی طرف سے جس پر بھی حج فرض تھا؛ لیکن زوج زوجہ کو اپنے ساتھ لے جانے میں راضی نہیں ہوا اور کہا کہ میں تیری طرف سے بھی حج کراؤں گا؛ یعنی کچھ روپیہ دیکر کسی غیر کی طرف سے افعالِ حج ادا کرانے سے حج کا ثواب ملتا ہے اور فرضیت حج ساقط ہوجاتی ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اس طرح فریضۂ حج ادا نہیں ہوگا۔(۳) سو روپیہ اگر کسی مستحق کو دیئے ہیں تو صدقہ دینے کا ثواب مل جائے گا۔(۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۲۸/۱۰)

---

(۱) فإذا عرف ذلک فللمأمور بالحج أن ینفق علی نفسه بالمعروف ذاهباً وآئباً ومقیماً من غیر تبذیر ولا تقتیر، الخ. (البحر الرائق، کتاب الحج. باب الحج عن الغیر: ۳/ ۱۱۵، رشیدیة)

(۲) زبدة المناسک، ص: ۴۴۸، سعید

(۳) تقبل النیابة عند العجز فقط، لکن (بشرط دوام العجز إلی الموت). (الدر المختار مع رد المحتار، باب الحج عن الغیر، مطلب فی الفرق بین العبادة والقربة والطاعة: ۵۹۹/۲، سعید)

ولجواز النیابة فی الحج شرائط: منها أن یکون المحجوج عنه عاجزاً عن الأداء بنفسه وله مال، فإن کان قادراً علی الأداء بنفسه بأن کان صحیح البدن وله مال أو کان فقیراً صحیح البدن، لایجوز حج غیره عنه، الخ. (الفتاویٰ الهندیة، الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر: ۱/ ۲۵۷، رشیدیة)

==

مکتب میں پیسہ دینے کا ثواب زیادہ ہے، یا حجِ بدل کا:

سوال میری والدہ پر حج فرض نہیں تھا اور وہ اس کی بہت زیادہ خواہشمند تھیں؛ مگر ان کا انتقال ہوگیا، میں ان کو ثواب پہونچانے کے لیے کچھ کرانا چاہتا ہوں توحجِ بدل کرانے میں زیادہ ثواب ملے گا، یا ایک سسکتے ہوئے مکتب کی مدد کرنے میں، جس مکتب کے بند ہوجانے کا اندیشہ ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

جب کہ میت کے ذمہ حج فرض نہیں تھا اوران کوثواب پہونچانا مقصود ہے تو جس مکتب میں بچوں کو دینی تعلیم دی جاتی ہے اور وہ مکتب ضرورت مند بھی ہے تو وہاں روپیہ دے کر مکتب کو سنبھالنے اور ترقی دینے میں ثواب زیادہ ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۵/۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۵/۵ھ۔(فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/ ۴۲۸-۴۲۹)

حج بدل کے لیے دی ہوئی رقم اگر کمپنی ضبط کرلے تو مامور پر ضمان نہیں:

سوال: زید فرض حج ادا کرچکا ہے، عمر اپنے کسی عزیز کی طرف سے زید کو حج بدل کرانے کو تیار ہوگیا اور رقم بھی دی؛ مگر عمر سے پہلے بکر نے بھی زید کو حج بدل کرانے کے لیے تجویز کیا تھا، اتفاق وقت کہ بکر تو پہلے اس ارادہ سے پلٹ گیا اور عمر بھی اسی طرح پلٹ گیا، زید قانونی مجبوری کی وجہ سے حج کو نہ جاسکا اور بھیجنے والوں کے دل بھی بدل گئے۔ بہرحال عمر اپنی دی ہوئی رقم کی واپسی کا مطالبہ کرتا ہے، زید میں دینے کی سکت نہیں، یہ جواب دے دیا کہ جو رقم داخل کمپنی کی گئی ہے واپس مل جائے تو ادا کردوں گا؛ لیکن عمر کو یہ شک ہے کہ کمپنی اس روپیہ کو ضبط بھی کرگئی ہے تو اگر یہ ضبطی عمل میں آگئی تو زید کے ذمہ یہ ادائیگی ساقط ہوجائے گی، یا باقی رہے گی؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

جب کہ عمر نے زید کو حج بدل کے لیے رقم دے دی اور اس نے حسب قانون ٹکٹ خریدنے کے لیے کمپنی میں بھیج

==(۴) عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "من تصدق بعدل تمرة من كسب طيب، و لايقبل الله إلا الطيب، فإن الله يتقبلها بيمينه، ثم يربيها لصاحبها كما يربی أحدكم لفوه حتیٰ تكون مثل الجبل". متفق عليه" (مشكوٰة المصابيح، باب فضل الصدقة، الفصل الأول، ص: ١٦٧، قديمی)

(۱) ورجح فی البزازية أفضلية الحج) حيث قال: الصدقة أفضل من الحج تطوعاً ... ومذا كان الفقير مضطراً. (رد المحتار، كتاب الحج، مطلب فی تفضيل الحج علی الصدقة: ٦٢١/٢، سعيد) قلت: قد يقال: إن صدقة التطوع فی زماننا أفضل لما يلزم الحاج غالباً من ارتكاب المحظورات، ومشاهدته لفواحش المنكرات، وشح عامة الناس بالصدقات، وتركهم الفقراء. (منحة الخالق علیٰ البحر الرائق، كتاب الحج: ٥٤٤/٢، رشيدية)

دیا، اس کے بعد عمر کا ارادہ بدلا ہے تو زید کی طرف سے تعدی نہیں پائی گئی، اگر خدانخواستہ کمپنی نے رقم ضبط کرلی تو زید پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۲/۱۳۹۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۲۹/۱۰-۴۳۰)

حج بدل کی رقم میں تصرف کرنے کا ضمان:

سوال (۱) زید نے اپنے والد مرحوم کا حج بدل کرانے کے متعلق اپنے بہنوئی کو تیار کیا اور اس نے متواتر دو سال درخواست دی؛ مگر قرعہ میں نام نہ آسکا، کچھ رقم زید نے اپنے بہنوئی کو بہ سلسلۂ درخواست اور فارم بھرنے کے لیے دیا تھا، جو تقریبا ایک ہزار ہے، وہ بہنوئی نے بغیر زید کے علم میں لائے اپنے بھانجے کو تجارت کے سلسلہ میں دے دی۔ اس کے بارے میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں کہ آیا وہ روپیہ جو زید کا تھا، وہ زید کے بہنوئی نے جو خرچ کردیا، جائز ہے، یا نہیں؟

(۲) زید کے پاس جو رقم حج بدل کے لیے جمع ہے، اگر تیسری بار بھی قرعہ میں نام نہ آیا تو وہ روپیہ کسی تجارت میں، یا مکان بنانے کے لیے استعمال میں لاسکتا ہے اور کیا زید کے لیے جمع شدہ رقم جو ایک مرحوم کے حج بدل کی نیت سے تھی استعمال میں لانا علمائے دین جائز قرار دیتے ہیں اور جائز ہے تو کس حد تک؟ تفصیل دی جائے۔

(۳) اگر جمع شدہ رقم حج بدل والی زید اپنی ضروریات میں لانے کا حقدار نہ ہو تو وہ رقم کس استعمال میں لاسکتا ہے؟ کیا دینی مدرسہ میں دینا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو کس مد میں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

(۱،۲،۳) اگر والد مرحوم نے اپنی طرف سے حج بدل کرانے کی وصیت نہیں کی تھی؛ بلکہ زید خود ہی ان کی طرف سے حج بدل کرانے کی نیت کرچکا ہے اور اس مقصد کے لیے روپیہ رکھا ہوا ہے تو محض اس نیت کی وجہ سے حج بدل کرانا واجب نہیں ہوا، زید اس روپیہ کا مالک ہے، اس کو اختیار ہے کہ کسی بھی دینی کام میں لگا کر والد کو ثواب پہونچا دے، مثلا: کسی مسجد کی تعمیر، یا پانی اور نل کا انتظام، یا دینی مدرسہ کی تعمیر، طلبہ کی خوراک، پوشاک، یا دینی کتب خرید کر وقت، یا غیر بچوں کی پرورش، یا بیواؤں کی ضروریات میں خرچ کردے، ضرورت ہو تو اپنے ذاتی کام میں بھی صرف کرسکتا ہے، بہنوئی وغیرہ اقربا کو بھی دے سکتا ہے۔(۲)

---

(۱) قال: والودعية أمانة، فإذا تلفت بغير تفريط من المودع، فليس عليه ضمان ... وحكم عام يعطى قانوناً كلياً مقتضاه أن الوديعة أمانة لاضمان فيها إلا أن يتعدى. (إعلاء السنن، كتاب الوديعة، باب: لا ضمان على المؤتمن: ٦٥/١٦، مكتبة اشرفية ديوبند، انيس)

الأمانة غير مضمونة، فاذا هلكت، أوضاعت بلا صنع الأمين، ولا تقصير منه، لا يلزمه الضمان. (شرح المجلة، الباب الأول في أحكام عمومية تتعلق بالأمانات، (رقم المادة: ٦٧٨، ص: ٤٢٦، مكتبه حنفى كوئٹه)

(۲) قال العلامة بن عابدين: "لأن الملك ما من شانه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص، كما في التلويح. (رد المحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في تعريف المال: ٥٠١/٥، سعيد) ==

بہنوئی صاحب کا اس روپیہ کو جو کہ درخواست فارم وغیرہ کے لیے دیا گیا تھا، کسی دوسرے کام میں خرچ کرنا جائز نہیں، بھانجے کو تجارت کے لیے دینا بھی جائز نہیں، یہ خیانت ہے۔(۱) ان کو لازم ہے کہ وہ زید کو روپیہ واپس کر دیں اور اس سے معافی طلب کریں تا کہ وہ دنیا و آخرت میں بری الذمہ ہو سکیں۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند، ۹/۴/۱۳۹۰ھ۔(فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۴۳۰-۴۳۱)

باسٹھ سالہ حج بدل کیوں کرا سکتا ہے یا نہیں:

سوال: جس شخص پر حج فرض ہے اور عمر اس کی ۶۲/ برس کی ہے، بوجہ ضعیفی قوی اس کے کمزور اور ناتواں ہو گئے ہیں، اس کو فکر یہ ہے کہ میں تکالیف سفر کا متحمل نہ ہو سکوں گا اور نیز وہ ضعف ہاضمہ میں بھی مبتلا ہے اور تین لڑکیاں اس کی نابالغ موجود ہیں، ایسی حالت میں اسکو حج کے لیے خود جس طرح ہو سکے جانا چاہیے، یا حج بدل کرانے سے اس کا فرض ادا ہو جائے گا؟

الجواب

ایسے احتمالات سے نیابت حج میں؛ یعنی حج بدل کرانا مسقط فرض نہیں ہے؛ کیوں کہ حج بدل کے لیے بالکل عاجز ہونا اصل کا شرط ہے۔

كما في الدرالمختار (والمركبة منهما) كحج الفرض (تقبل النيابة عند العجز فقط) لكن (بشرط دوام العجز إلى الموت)؛ لأنه فرض العمر حتىٰ تلزم الاعادة بزوال العذر، الخ. (۲) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۶/۵۵۷)

ایک شخص حج کرنے کے لیے روانہ ہوا؛ مگر راستہ میں انتقال کر گیا: دوسرے شخص نے وہ روپیہ لے کر حج کر دیا، کیا حکم ہے:

سوال: ایک شخص حج فرض کو مکہ شریف روانہ ہوا اور راستہ میں میقات پہنچنے سے پہلے ہی انتقال ہو گیا، باقی ماندہ

== والحاصل أن القياس في جنس هٰذه المسائل أن يفعل المالک ما بدا له مطلقاً؛ لأنه متصرف في خالص ملكه. (رد المحتار، كتاب القاضي، مطلب: اقتسموا دارا وأراد كل منهم فتح باب، لهم ذلک: ٥/ ٤٤٨، دار الفكر بيروت، انيس)

قوله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا لاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة النساء: ٣٠)

وقوله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا لا تخونوا اللّٰه والرسول﴾ (سورة الأنفعال: ٢٧)

(۱) لايجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه. (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الغصب، مطلب فيما يجوز من التصرف بمال الغير بدون اذن صريح: ٦/ ٢٠٠، سعيد)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملک غيره بلا إذنه. (شرح المجلة، ص: ٦١، رقم المادة: ٩٦، حنفيه)

(۲) الدرالمختار علىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة و القربة والطاعة: ٤/ ١٤-١٥، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

روپے سے دوسرے آدمی نے اس کی طرف سے حج ادا کیا، اب اس کے ورثہ اس سے روپیہ مانگتے ہیں؛ کیوں کہ میت نے اس کو وصیت نہیں کی تھی ۔اس صورت میں میت کی طرف سے حج ادا ہوگیا، یا نہیں اور ورثا کو روپیہ طلب کرنے کا حق ہے، یا نہیں؟ بعض وارث نابالغ ہیں؟

الجواب

اس شخص کو وہ روپیہ ورثا کو دینا ہوگا؛ کیوں کہ متوفی نے کچھ وصیت نہیں کی اور روپیہ باقی ماندہ میراث وارثوں کا ہوگیا، لہٰذا صرف کرنا اس شخص کا روپیہ مملوکہ ورثا کو بلا اجازت ورثاء بالغین جائز نہ تھا اور جب کہ ورثا میں نابالغ بھی ہیں تو اس باقی ماندہ روپے کی ان کی طرف سے اجازت بھی نہیں ہوسکتی۔ بہرحال روپیہ باقی ماندہ جو اس نے اس کے حج میں خرچ کیا، وہ اس کو واپس دینا ہوگا اور حج اس میت کی طرف سے ان شاء اللہ تعالیٰ ادا ہوجائے گا۔

كما في تبرع الوارث أو الأجنبي قال في الشامي: وإن لم يوص به أي بالاحجاج فتبرع عنه الوارث إلخ جاز والمعنى جاز عن حجة الإسلام إنشاء الله تعالى ثم أعاد في شرح اللباب المسلة في محل آخر وقال فلو حج عنه الوارث وأجنبي يجزيه وتسقط عنه حجة الإسلام إن شاء الله تعالىٰ؛ لأنه إيصال للثواب،الخ. (۱)

(فإن فسر المال) ... (فالأمر عليه) إلخ وفي ردالمحتار: نعم لو كان الميت هو الذي دفع للمأمور ثم مات كان للوارث استرداد ما في يد المامور وإن أحرم ... لأن الباقي صار ميراثاً لكون الميت لم يوص به. (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۵۵۸)

اندھا مستطیع خود حج کرے، یا حج بدل کرا سکتا ہے:

سوال: ایک شخص نابینا ہے، اس پر حج فرض ہے اور اتنی استطاعت رکھتا ہے کہ ایک دو شخصوں کو اپنی ہمراہ خدمت کے لیے لے جاوے، ایسی حالت میں وہ خود حج کرے، یا حج بدل کرادے؟

الجواب

اس صورت میں وہ اپنی طرف سے حج بدل کرا سکتا ہے، جیسا کہ درمختار میں ہے:

(والمركبة منهما) كحج الفرض (تقبل النيابة عند العجز فقط) لكن (بشرط دوام العجز إلى الموت) ... أي اشتراط دوام العجز الى الموت (إذا كان) العجز كالحبس و (المرض يرجى زواله وإن لم يكن كذالک كالعمى والزمانة سقط الفرض) بحج الغير (عنه) فلا إعادة مطلقاً سواءٌ استمر به ذلک العذر أم لا، الخ. (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۵۵۹)

---

(۱) ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير قبيل مطلب شروط الحج عن الغير: ۴/۱۶

(۲) ردالمحتار باب الحج عن الغير، مطلب العمل على القياس دون الاستحسان هنا: ۴/۲۳، ۲۴، مكتبة زكريا ديوبند

(۳) الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، باب الحج عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة: ۴/۱۴، ۱۵، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

زید پر حج فرض تھا،اس نے نہ ادا کیا اور نہ وصیت کی ،کیا کیا جائے:

سوال: زید مر چکا اور اس پر حج فرض تھا وہ ادا نہ کرسکا بوجہ دنیوی کاروبار کے اور حج کے متعلق وصیت بھی نہ کی تو اب اس نے جو ترکہ چھوڑا ہے،اس سے پہلے حج بدل کرادیا جائے ،یا ترکہ تقسیم کردیا جائے اور پھر ورثا بطور خود زید مرحوم کی طرف سے حج بدل کرائیں۔شرعا کیا حکم ہے؟اور زید قرض دار بھی ہے؟

الجواب

بدون وصیت کے ورثا کے ذمہ ضروری نہیں ہے کہ وہ متوفی کی طرف سے حج بدل کرادیں؛لیکن اگر جملہ ورثا اس پر راضی ہوں اور وہ سب بالغ ہوں تو اگر وہ سب متوفی کی طرف سے حج کرادیں تو اچھا ہے اور امید ہے کہ ان شاء اللہ میت کی طرف سے حج فرض ادا ہوجاوے گا۔

درمختار میں ہے:(**ويشترط الأمر به**)،**أي بالحج عنه (فلايجوزحج الغير بغير إذنه إلا إذا حج أوأحج الوارث عن مورثه)**.(۱)

وفي الشامي:وأن لم يوص به أي بالاحجاج "فتبرع عنه الوارث" ... جازوالمعنى جا زعن حجة الإسلام إن شاء الله تعالىٰ.(۲)

پس اگر جملہ ورثا بالغ ہیں اور وہ سب مورث متوفی کی طرف سے حج کرانے پر راضی ہیں تو قبل از تقسیم ترکہ بھی حج کراسکتے ہیں اور اگر بعض ورثا بالغ ہیں اور بعض نابالغ تو پہلے ادائے قرض کے بعد ترکہ تقسیم کرلیا جاوے،اس کے بعد بالغین اپنے حصہ میں متوفی کی طرف سے حج کراسکتے ہیں۔

الغرض بدون وصیت کے وارثوں کے ذمہ ضروری نہیں ہوتا کہ وہ ضرور حج کرادیں،البتہ اگر چاہیں تو کراسکتے ہیں اور اسے حج فرض میت کا ان شاء اللہ تعالیٰ ادا ہوجاوے گا۔فقط(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۵۵۹/۶-۵۶۰)

جس کی صحت خراب ہے وہ اپنی زندگی میں حج بدل کراسکتا ہے،یانہیں:

سوال: ایک شخص پر حج فرض ہے اور اس کی صحت اس قدر خراب ہے کہ اس کو اپنی زندگی کی بھی امید نہیں ہے اور اس کا ایک لڑکا ہے، جو آوارہ اور اس سے امید نہیں ہے کہ وہ اپنے والد کی وفات کے بعد حسب وصیت اپنے والد کی طرف سے حج کرادے۔ایسی حالت میں شرعا کیا حکم ہے؟

الجواب

اس صورت میں جب کہ وہ خود حج کرنے سے بسبب مرض لاحق کے عاجز ہے اور اس کو اپنی زندگی میں خود حج

(۱) الدرالمختار علیٰ هامش ردالمحتار،باب الحج عن الغير،مطلب في الفرق بين العبادة:۱٦/٤،مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲) ردالمحتار،باب الحج عن الغير،قبيل مطلب شروط الحج عن الغير:۱٦/٤،مكتبة زكريا ديوبند

کرنے پر قادر ہونے کی امید نہیں ہے تو وہ دوسرے شخص سے اپنی زندگی میں اپنی طرف سے حج کرا سکتا ہے اور اگر اس نے خود حج نہ کرایا تو پھر اس کو وصیت کرنا لازم ہے، اس سے وہ سبکدوش ہو جاوے گا، اگر بعد میں اس کے وارث نے باوجود وصیت کے حج نہ کرایا تو گناہ اس پر رہے گا۔

درمختار میں ہے: **(والمركبة منهما) كحج الفرض (تقبل النيابة عند العجز فقط) لكن بشرط دوام العجز إلى الموت، الخ.** (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۵۶۰)

تکلیف کے ڈر سے حج بدل کرانا اور خود نہ کرنا کیسا ہے:

سوال: ایک مالدار شخص جس کی عمر تقریباً ساٹھ برس کی ہے؛ لیکن حج کو جانے کے قابل ہے، محض سفر کی تکلیف میں حج بدل کرانا چاہتا ہے، اس کا حج ادا ہوگا، یا نہ؟ اور یہ کہ اس کا مال سودی کاروبار ہے؟

الجواب

اس شخص کو حج کو جانا چاہیے، بحالت موجودہ دوسرے شخص کو حج بدل کے لیے بھیجنے سے اس کا حج فرض ادا نہ ہوگا، (۱) اور حرام روپے سے حج نہ کرنا چاہیے، وہ حج مقبول نہ ہوگا، اگرچہ حج فرضیت ساقط ہو جاوے گی اور یہ طریقہ اختیار کیا جاوے کہ وہ شخص قرض لے کر حج کرے، پھر وہ قرض ادا کر دے وے۔ (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۵۶۱)

زید شروع میں غفلت سے حج نہ کر سکا، اب وہ لائق سفر نہیں ہے تو حج بدل کرا سکتا ہے، یا نہیں:

سوال: اگر زید مالدار نے بوجہ غفلت کے حج نہ کیا، حتیٰ کہ شیخ فانی ہو گیا، اگر زید اپنی طرف سے کسی کو ادائے حج کے لیے بھیجے تو اس کا حج ادا ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

اس حالت میں وہ اگر کسی کو اپنی طرف سے حج کو بھیجے اور اس سے حج کرا دے تو صحیح ہے، اس کا حج ادا ہو جائے گا۔ (۴) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۵۶۲)

---

(۱) الدر المختار علیٰ هامش ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱٤/٤، ظفير

(۲) (والمركبة منهما) كحج الفرض (تقبل النيابة عند العجز فقط) بشرط دوام العجز إلى الموت ... (الدر المختار علیٰ هامش ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱٤/٤، مكتبة زكريا ديوبند، ظفير)

(۳) وقد يتصف بالحرمة كالحج بمال حرام. (الدر المختار) ليس حراماً بل الحرام هو إنفاق مال الحرام ... مع أنه يسقط الفرض عنه معها ولا تنافي بين سقوطه و عدم قبوله فلا يثاب لعدم القبول ولا يعاقب عقاب تارك الحج. (رد المحتار، كتاب الحج، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۱۹۱/۲)

إذا أراد الرجل أن يحج بمال حلال فيه شبهة يستدين للحج ويقضي دينه من ماله كذا في فتاویٰ قاضي خان. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الحج، الباب الأول وما يتصل بذلك مسائل: ۲۲۰/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۴) والحاصل إن من قدر على الحج وهو صحيح ثم عجز لزم الاحجاج اتفاقاً. (ردالمحتار، باب الحج عن الغير: ۳۲۷/۲، ظفير)

بلا تقسیم ترکہ حج بدل کرانا درست ہے، یا نہیں:

سوال: اگر بلا تقسیم زرنقد مع زیورات متعلقہ فرائض اس مال سے زید حج بدل کرائے تو جائز ہے، یا نہیں؟ اور جو غرض اور ثواب حج بدل کا ہے، وہ ان کو حاصل ہے، یعنی ہوسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

زید کو یہ جائز نہیں ہے کہ بلا تقسیم ترکہ حج بدل کرائے، یا صدقہ وخیرات برائے ایصال ثواب کرے، البتہ اپنے حصہ میں سے یا جو بالغ وارث راضی ہوں، ان کے حصہ میں سے حج بدل کراسکتا ہے اور صدقہ وخیرات کرسکتا ہے، نابالغوں کے حصہ میں سے نہیں کرسکتا، اس کا حصہ علاحدہ کردینا چاہیے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۵۶۲-۵۶۳)

جس پر حج فرض نہ تھا، حج خرید کر اس کا ثواب بخشنا کیسا ہے:

سوال: اگر کسی آدمی پر حج فرض نہیں تھا، اس کا انتقال ہوگیا اور اس کا وارث حج فرض کو گیا، اگر وہ مکہ معظّمہ پہنچ کر کسی باشندہ مکہ شریف سے حج خرید کر اس کا ثواب مورث کو پہنچادے تو درست ہے، یا نہیں؟ اور مورث متوفی کو ثواب حج نفلی کا پہونچے گا، یا نہیں؟

الجواب

یہ تو جائز ہے کہ مکہ معظّمہ پہنچ کر کسی شخص کو خرچ دے کر اس سے نفلی حج کرا کر اس کا ثواب میت کو پہنچایا جاوے؛ مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ شخص حج کرنے والا احرام کے باندھنے کے وقت اس میت کی طرف سے نیت حج کی کرے اور اس کی طرف سے احرام باندھے اور یہ درست نہیں ہے کہ اس کا پہلا کیا ہوا حج خرید کر اس کا ثواب میت کو پہنچایا جاوے؛ کیوں کہ حج کی بیع وشرا نہیں ہوسکتی۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۵۶۳)

ورثا حج بدل کرائیں تو کیا حکم ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں بموجب شرع شریف جواب سے معزز فرمائیں۔ ایک صاحب کا انتقال ہوگیا، اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے۔ اس کے ورثا ان کی طرف سے حج بدل کرائیں، حالاں کہ انہوں نے وصیت بھی نہ کی ہو، میت کے اوپر سے حج ادا ہوسکتا ہے؟ اور داخل ثواب ہے؟

الجواب

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر میت کے ذمہ حج اور اس نے وصیت حج کی نہ کی ہو اور اس کے ورثا

(۱) تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولا تقتير ثم تقضى ديونه من جميع ما بقي من ماله ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقي بعد الدين ثم يقسم الباقي بين ورثته بالكتاب والسنة وإجماع الأمة الخ. (السراجی: ۵-۸، ظفیر)

اس کی طرف سے حج کرائیں توان شاءاللہ تعالیٰ یہ حج میت کی طرف سے ادا ہوجاوے گا۔ پس ورثا کو مناسب ہے کہ وہ میت کی طرف سے حج کرادیں، اس میں امید اس کے حج ادا ہونے کی ہے اور ورثا کو ثواب حاصل ہوگا۔

قال الشامی: ففی مناسک السروجی لومات رجل بعد وجوب الحج ولم یوص به ... فحج رجل عنه أوحج عن أبیه أو أمه عن حجة الإسلام من غیر وصیة قال أبوحنیفة یجزیه إن شاء اللّٰه تعالٰی وبعد الوصیة یجزیه من غیر المشیئة، آه.

وفیه أیضاً عن اللباب: وإن لم یوص به فتبرع عنه الوارث وکذا من هم أهل التبرع فحج: أی الوارث ونحوه بنفسه: أی عنه أوحج عنه غیره جاز والمعنی جازعن حجة الإسلام إن شاء اللّٰه تعالٰی، الخ. (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵۶۳/۶-۵۶۴)

حج بدل والا پہلے اس روپے سے اپنا حج کرسکتا ہے، یا نہیں:

سوال: جس شخص نے کبھی حج نہیں کیا ہے، اس کو کسی شخص نے روپیہ حج بدل کے لیے دیا؛ مگر اس نے اس سے اجازت لی لے کہ اس سال اپنا حج کروں گا اور آئندہ سال آپ کا تو یہ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

حج بدل میں یہ ضروری ہے کہ جس کے روپے سے سفر حج کیا اور جس کا روپیہ صرف کیا، اسی کی طرف سے پہلا حج کرے۔ پس صورت مسئولہ میں آمر کا حج ادا نہ ہوگا۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵۶۴/۶)

جو روپیہ ماں لے، وہ کس کے حصہ میں شمار ہوگا:

سوال: ہندہ نے جائداد متروکہ زید سے مبلغ چھ سو روپے اپنے ایک بیٹے عمر کو اپنی طرف سے ادائے حج کے واسطے دیا، یہ روپیہ ہندہ کے حصہ میں محسوب ہوگا، یا نہیں؟

---

(۱) رد المحتار، باب الحج عن الغیر، مطلب فی الفرق بین العبادة: ۱٦/٤، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

أخرج الدارقطنی عن جابر بن عبد اللّٰه رضی اللّٰه عنه تعالٰی عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من حج عن أبیه دامه فقد قضٰی عنه حجته وکان له فضل عشر حجج. (سنن الدارقطنی، کتاب الحج، باب المواقیت: ۲٦٠/۲، انیس)

وأخرج أیضاً عن زید بن أرقم رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: إذا حج الرجل عن والدیه، تقبل منه ومنهما، أواستبشرت أرواحهما فی السماء، وکتب عند اللّٰه. (سنن الدارقطنی، کتاب الحج، باب المواقیت: ۲٥۹/۲، انیس)

(۲) ولجوازالنیابة فی الحج شرائط ... ومنها نیة المحجوج عنه عند الاحرام والأفضل أن یقول بلسانه لبیک عن فلان ومنها أن یکون حج المأموربمال المحجوج عنه. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الحج، الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر: ۲٥۷/۱، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

(۲) عمر نے اس سے پہلے حج ادا نہیں کیا، حالاں کہ حج اس پر فرض تھا، ایسی حالت میں کیا اپنی ماں کی طرف سے حج بدل کرنا جائز ہوگا۔

(۳) عمر نے اس سے پہلے حج ادا نہیں کیا، حالاں کہ حج اس پر فرض تھا، ایسی حالت میں کیا اپنی ماں کی طرف سے حج بدل کرنا جائز ہوگا۔

(۴) وجوب حج کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ تین دن چلنے کی اس کو طاقت ہو، جن لوگوں نے ہندہ کو یہ مسئلہ بتلا کر حج کو جانے سے روکا، ان کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب

(۱) ہندہ اس روپے اپنے حصہ میں لگاوے، عمر کے سب ورثا اس کے ذمہ دار نہیں ہے۔

(۲) اگر واقعی عمر نے روپیہ ہندہ سے نہیں لیا تو اس پر واپسی اس کی لازم نہیں ہے اور اگر درحقیقت لیا ہے تو یا اس کو واپس کرے، یا اپنے حصہ میں لگاوے۔

(۳) اس صورت میں دوسرے کی طرف سے حج کرنا مکروہ ہے؛ لیکن کیا تو جس کی طرف سے کیا، اس کا حج ادا ہوگیا اور اپنی طرف سے اس کو پھر حج کرنا ہوگا۔(۱)

(۴) یہ شرط نہیں ہے۔ پس جس شخص نے ایسا مسئلہ بتلایا، اس نے غلطی کی، آئندہ ایسا مسئلہ نہ بتلاوے اور اگر عمداً دھوکہ دینے کے لیے ایسا کہا تو بے شک وہ لوگ عاصی ہوئے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۵۶۴-۵۶۵)

چندہ سے حج میں کسی سے یہ کہنا کہ اتنا روپیہ دیدیجئے، حج بدل کروں گا:

سوال: زید لوگوں سے روپیہ حج بدل کرنے کے لیے بمد خیرات طلب کرتا ہے، چناں چہ اس نے مصارف حج تقریباً مکمل کرلیا ہے۔ بکر کو حج بدل کرانے کی ضرورت ہے، زید بکر سے کہتا ہے کہ آپ صرف سو ہی روپے مجھے دے دیجئے، میں آپ کی طرف سے حج بدل کردوں گا۔ ایسی صورت میں بکر کی طرف سے حج بدل ہوجاوے گا، یا نہیں؟ اور بکر کے ذمہ سے فرض ساقط ہوجائے گا، یا نہیں؟ نیز بکر چاہتا ہے کہ اسی قسم کے چند شخصوں کو سو سو روپے دے کر اپنی

---

(۱) (فجاز حج الصرورة) من لم يحج الخ وغيرهم أولٰى لعدم الخلاف (الدرالمختار) ثم قال فى الفتح بعد ما أطال فى الاستدلال والذى يقتضيه النظر ان حج الصرورة عن غيره ان كان بعد تحقق الوجوب عليه بملك الزاد والراحلة والصحة فهو مكروه كراهة تحريم ... ومع ذلك يصح؛ لأن النهى ليس لعين الحج المفعول بل لغيره وهو الفوات. (ردالمحتار، باب الحج عن الغير، مطلب فى حج الصرورة: ۴/۲۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲) عن عبدالله بن عمرو بن العاص قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إن الله لا يقبض العلم انتزاعا ينتزعه من العباد ولكن يقبض العلم بقبض العلماء حتى إذا لم يبق عالما اتخذ الناس رؤوسا جهالا فسئلوا فافتوا بغير علم فضلوا وأضلوا. (صحيح البخارى، باب كيف يقبض العلم، رقم الحديث: ۱۰۰، انيس)

طرف سے حج بدل کرادے، اس کا کیا حکم ہے، کسی کو حج بدل کے لیے روپیہ دے دیا گیا اور اس نے حج نہیں کیا تو اس صورت میں کیا حکم ہے اور حج میں زیارت مزار شریف فرض یا واجب تو نہیں ہے، کیا اس کا بھی بدل ہوسکتا ہے؟

الجواب

حج بدل کے لیے ضروری ہے کہ پورا خرچ سفر حج کرنے والے کو دیا جائے کہ حج کرانے والے کے مکان سے تمام خرچ مکہ معظّمہ وغیرہ تک جانے کا اور واپس کا حج کرانے والے کے مال میں سے ہو، ورنہ حج بدل فرض ادا نہ ہوگا، البتہ نفل کا ثواب ہوجاوے گا اور اگر حج بدل کرنے والے کو روپیہ دیا اور اس نے حج آمر کی طرف سے نہ کیا تو آمر کا حج ادا نہیں ہوا، (۱) اور گناہ مامور پر یعنی اس پر ہوا، جس نے حج نہ کیا اور وہی مواخذہ دار رہا اور حج بدل میں زیارت روضۂ اطہر داخل نہیں ہے، اگر وہ شخص جس کو حج بدل کے لیے بھیجا، اس میں نیابت اور بدلیت نہیں ہے، جو کوئی زیارت کرے گا، اس کو ثواب ہوگا اور جس نے اس کام کے لیے روپیہ دیا، اس کو صدقہ کا ثواب ہوگا۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۵۶۶-۵۶۷)

حج کے ارادے سے نکلا؛ مگر کسی وجہ سے واپس آگیا، کیا وہ روپیہ مسجد، یا مدرسہ پر خرچ کرنا درست ہے:

سوال: ایک شخص حج کے ارادے سے کسی وجہ سے مکان پر واپس چلا یا آیا، اب وہ بیمار قریب المرگ ہے، اس روپے کو مسجد و مدرسہ میں صرف کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

اس کو لازم ہے کہ جب کہ اس پر حج فرض ہے اور خود نہیں کرسکتا تو اپنی طرف سے دوسرے شخص سے حج کرادے اور اس روپے کو دوسرے کسی معرف میں مثل مسجد و مدرسہ کے خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۵۶۷)

نفل حج بدل کرانا کیسا ہے:

سوال: زید اور اس کے والدین حج فرض ادا کر چکے ہیں۔اب زید چاہتا ہے کہ اپنی طرف سے اور اپنے والدین مرحومین کی طرف سے حج بدل بطور نفل کرائے اور وہ تین شخص مکہ کے رہنے والے ہوں اور مکہ ہی سے احرام حج بدل نفل کا باندھیں تو آیا زید کی طرف سے جو زندہ ہے، حج بدل نفل جائز ہے، یا نہیں؟ اور حج بدل کا ثواب ان کو ملے گا، یا نہیں؟

---

(۱) وبقی من الشرائط النفقة من مال الآمر (الدر المختار) أی المحجوج عنه (ردالمحتار، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر، مطلب فی الفرق بین العبادة ...: ۴/۱۶، مکتبة زکریا دیوبند)

بشرط (نیة الحج عنه) أی عن الآمر فیقول أحرمت عن فلان الخ (الدر المختار علیٰ هامش ردالمحتار، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر: ۴/۱۵، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

(۲) (والمرکبة منهما) کحج الفرض (تقبل النیابة عند العجز فقط) لکن (بشرط دوام العجز إلی الموت الخ (الدر المختار علیٰ هامش ردالمحتار، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر: ۴/۱۴، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

الجواب

قوله "لم يجز" أى عن الفرض وإن وقع نفلا للآمر أفاده فى البحر قال الحموى: ومن هٰنا يؤخذ عدم صحة مايفعله السلاطين والوزراء من الا حجاج عنهم؛ لأن عجزهم لم يكن مستمرا إلى الموت ... أو لعدم عجز هم أصلاً والمراد عدم صحته عن الفرض بل يقع نفلا، الخ. (۱)

پس معلوم ہوا کہ حج نفل کا ثواب اس طرح حاصل ہو جاوے گا۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵۶۹/۶)

حج بدل میں خرچ کے کم ہونے کی وجہ سے احرام غیر میقات سے:

سوال: حج بدل کرنے والا اگر بوجہ کمی زادراہ کے میقات آمر سے حج نہ کر سکے تو اپنے میقات سے، یا دوسرے میقات سے احرام باندھ سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

حج بدل میں یہ ضروری ہے کہ وطن آمر سے حج کا سفر شروع کیا جاوے؛ لیکن اگر بسبب کمی زادِراہ دوسری جگہ سے جہاں سے خرچ کفایت کرتا ہے، سفر شروع کرے، یہ درست ہے، (۲) اور احرام اس کا میقات آمر سے ہونا چاہیے اور درصورت کمی زادِراہ جس راستہ سے پہونچ سکتا ہو، سفر کرے اور جس میقات سے گزرے احرام باندھے۔ اس حالت میں شرط اسی قدر معلوم ہوتی ہے کہ حج اس کا آفاقی ہو اور کسی میقات سے احرام باندھے، حج اس کا مکی نہ ہو۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵۷۰/۶)

حج بدل کے روپے سے تجارت درست ہے، یا نہیں:

سوال: ہندہ مالدار جس پر حج فرض تھا؛ مگر بوجہ کاروبار دنیاوی کے زندگی میں ادا نہ کرسکی، وصیت کرگئی کہ میری جانب سے حج کرا دینا۔ فاطمہ اس کی لڑکی جو اس کی وارث ہوئی، اس نے زید کی مبلغ تین سو روپے حج کرنے کے لیے دیا کہ میری والدہ کی جانب سے حج کیجئے، زید نے روپیہ لے لیا اور چوں کہ راستہ مخدوش ہے، پابند ہے؛ اس لیے روپیہ عمر کو دے دیا کہ تجارت کرے، تجارت شروع ہوئی اور نفع بھی ہوا، چناں چہ اس منافع سے اس روپے زکوٰۃ بھی زید نے دیئے، بعد میں میں روپیہ دے دوں گی، زید نے واپس دے دیا، آیا زید کا اس روپیہ سے تجارت کرانا اور اس کے منافع کے روپے سے زکوٰۃ ادا کرنا اور فاطمہ کے مانگنے پر واپس کر دینا کیسا ہے؟ نیز باقی منافع کا کون مستحق ہے؟

الجواب

جب کہ مامور بالحج یعنی زید نے بوجہ مخدوش پابند ہونے راستہ کے حج نہ کیا تو اس کے ذمہ واپسی اس روپے کی لازم

(۱) ردالمحتار، باب الحج عن الغير، مطلب فى الفرق بين العبادة ...: ۱۵/۴-۱۶، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲) وإن لم يف فمن حيث يبلغ. (الدرالمختار علىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲۴/۴، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

تھی؛ یعنی فاطمہ کو واپس کرنا لازم تھا، پھر اگر باجازت فاطمہ اس نے اس میں تجارت شروع کی اور زکوۃ ادا کی تو یہ جائز ہوا اور نفع جو اس روپے سے ہوا، فاطمہ کا ہے اور فاطمہ کا اس روپے کا واپس لینا اس صورت میں صحیح ہوا؛ لیکن فاطمہ کے ذمہ ہے کہ ہندہ متوفیہ کی طرف سے حج کرادے، تہائی مال تک ہندہ کے حج میں صرف ہوسکتا ہے، تہائی سے زیادہ صرف ہوتو فاطمہ کے اختیار میں ہے کہ دے، یا نہ دے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۵۷۱)

ہندہ پر حج فرض تھا، بغیر وصیت انتقال کرگئی، اب اس کا بیٹا حج بدل کرادے تو کافی ہے، یا نہیں:

سوال: ہندہ پر حج فرض تھا، اس کا انتقال ہوگیا؛ مگر اس نے حج کی وصیت نہیں کی۔ اب اس کا بیٹا زید اس کی طرف سے حج کرانا چاہتا ہے، زید کو اپنے گھر سے آدمی بھیجنا، ایسے حج بدل کا جو وصیت کا نہ ہو، ضروری ہے، یا نہیں؟ اور اگر مکہ معظّمہ سے ہی کسی سے حج کرادے تو والدہ کی طرف سے حج ادا ہوگا، یا نہیں؟ اور ایسے حج میں مدینہ منورہ جانا ضروری ہے، یا نہیں؟

الجواب

جب کہ متوفیہ کی وصیت نہیں ہے تو وارث جو اس کی طرف سے حج کرادے گا، وہ تبرع ہے۔ مکہ معظّمہ سے بھی کراسکتا ہے اور مدینہ منورہ جانا ایسے حج میں ضروری نہیں ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۵۷۲)

کیا حج بدل کے لیے اولاد کا بہتر ہے اور اس روپے سے قرض دینا درست ہے، یا نہیں:

سوال: قاسم نے اپنی جائداد پچاس ہزار کی چھوڑی اور حج بدل کی وصیت کی، ایک عرصہ کے بعد جب قاسم کی اولاد نے جائداد تقسیم کی تو روپیہ حج بدل کا علاحدہ رکھ کر کئی برس کے بعد کسی شخص سے ارکان حج پورا کرادیئے۔ بعد کو یہ معلوم کرکے جہاں کا قاسم رہنے والا ہے، وہیں سے کسی کو بھیجنا چاہیے؛ بلکہ بہتر یہ ہے کہ قاسم کی اولاد ہی باپ کی طرف سے حج بدل کرے، یہ بھی صحیح ہے، یا نہیں؟ اور جو روپیہ حج بدل کا علاحدہ رکھا ہوا ہے، اس میں سے کسی کو قرض حسنہ دینا، یا اپنے کام میں صرف کرنا درست ہے، یا نہیں؟

---

(۱) خرج المكلف الى الحج و مات فى الطريق وأوصٰى بالحج عنه)إنما تجب الوصية به إذا أخّره بعد وجوبه ... فإن فسر المال) أو المكان (فالأمر عليه) أى علٰى من فسره (وإلا فيحج) عنه (من بلده) ... إن وفٰى به بالحج من بلده ثلثة.(الدرالمختار)

أى ثلث مال الموصى إلخ(ردالمحتار، كتاب الحج،باب الحج عن الغير،مطلب العمل على القياس دون الاستحسان:۴/۲۳-۲۴،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

(۲) وإن لم يوص به" أى بالاحجاج "فتبرع عنه الوارث" ..."فحج" بنفسه أوأحج عنه غيره جاز.(الدرالمختارعلٰى هامش ردالمحتار،باب الحج عن الغير،مطلب فى الفرق بين العبادة والقربة: ۴/۱۶، مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

الجواب

قاسم کی اولاد میں سے کسی کو حج بدل کے لیے بھیجنا ضروری نہیں ہے اور بہ نسبت غیر کہ اس بارے میں ان کو کچھ زیادہ استحقاق نہیں ہے اور اگر روپیہ حج کے لیے علاحدہ کیا گیا، اس کو حج میں ہی صرف کرنا چاہیے۔ جلدی کسی کے بھیجنے کا انتظام کر دینا چاہیے۔ کسی کو قرض دینا، یا اپنے کاموں میں صرف کرنا اس روپے کا جائز نہیں ہے۔ (۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۵۷۵)

حج بدل میں جانے والا راستہ میں مر گیا تو اب کیا کیا جائے:

سوال: ایک شخص نے حج بدل کے واسطے اپنی جانب سے دوسرے شخص کو بھیجا، وہ شخص راستہ میں فوت ہو گیا، مکہ معظّمہ نہ پہنچ سکا، ایسی صورت میں بھیجنے والے کا حج پورا ہوا، یا نہیں ہوا؟ اس کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب

اس کا حج نہیں ہوا، اگر اس کے ذمہ حج فرض ہے تو اس کو کسی دوسرے شخص کو بھیج کر حج بدل کرانا چاہیے؛ یعنی جب کہ خود نہ جا سکتا ہو اور خود حج کرنے سے عاجز ہو۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۵۷۵-۵۷۶)

حج بدل کے لیے جو روپے دیئے وہ کم ہیں تو کیا کیا جائے:

سوال: زید نے ڈھائی سو روپے عمر کو دیئے کہ میری وفات کے بعد میرا حج کرا دینا۔ چھ ماہ بعد زید کا انتقال ہو گیا، انتقال سے تین روز پیشتر دریافت کیا گیا کہ اس روپے کا کیا ہوگا؟ جواب دیا گیا ہے کہ حج کرا دینا۔ لوگوں نے کہا کہ اتنے روپے میں حج نہیں ہوسکتا۔ جواب دیا کہ عمر کو اختیار رہے، جس طریقہ پر چاہے خرچ کرے اور اسی روز پچاس روپے عمر کو دیئے کہ میرے کفن وغیرہ میں صرف کر دینا۔ ایک بیٹا اور بیوی زید نے چھوڑے، ایک شخص تین سو روپے میں حج بدل کرنے کو تیار ہے، اگر عمر پچاس روپے اپنے پاس شامل کر کے حج کرا دے تو کچھ حرج تو نہیں ہے؟

الجواب

اگر رقم مذکور (۲۵۰) ثلث ترکہ سے زیادہ نہیں ہے تو اس رقم کو حج میں صرف کرنا چاہیے اور ایسی صورت میں کہ روپیہ مذکورہ وطن میت سے حج کرانے کو کافی نہ ہو، یہ حکم ہے کہ جس جگہ سے اس روپے میں حج ہو سکے، وہاں سے کرا دیا جاوے۔ درمختار میں ہے:

---

(۱) أما إذا لم يخرج وأوصٰى بأن يحج عنه ... فإنه يحج عنه من ثُلُث ماله من بلده الخ (ردالمحتار، كتاب الحج ،باب الحج عن الغير: قبيل مطلب العمل على القياس دون .....: ٢٣/٤، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲) (و) الحج (فرضه) ثلاثة (الإحرام) ... والوقوف) بعرفة ... ومعظم (طواف الزيارة) وهما ركنان الخ (الدرالمختار علىٰ هامش ردالمحتار، مطلب في فروض الحج: ٤٦٨/٣-٤٦٩، مكتبة زكريا ديوبند، ظفير)

(وإلافيحج) عنه (من بلده) ... إن وفى به ثلثه وإن لم يف فمن حيث يبلغ.(۱)

باقی عمر اگر اپنے پاس سے پچاس روپے مثلاً دے کر حج کرادے تو اس میں اختلاف روایات ہے، جواز کی بھی روایت ہے، لہٰذا حج کرادینے میں کچھ حرج نہیں ہے، نفع ہی ہے۔ درمختار میں ہے:

وكذا لوأحج لاليرجع كالدين إذقضاه من مال نفسه الخ الدر المختار. قوله (وكذا لوأحج لاليرجع) أي أنه يجوزالخ. (شامی) (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۵۷۷) ☆

اپنا حج دوسرے کو دینا درست ہے، یا نہیں:

سوال: مکہ شریف میں اکثر اشخاص اپنا حج دوسرے شخص کو بھی دے دیتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟ اگر وہاں پر کسی سے بیوی مرحومہ کے لیے حج سے لیا جاوے تو جائز ہے، یا نہ؟

الجواب

حج کر لینے کے بعد تو یہ درست نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنا حج کسی کو روپیہ لے کر دے دے؛ لیکن یہ درست ہے کہ

---

(۱) الدرالمختار على هامش ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: مطلب العمل على القياس دون ...: ۲۳/۴، ۲۴، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲) ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب العمل على القياس دون الاستحسان: ۲۵/۴، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

☆ **جس پر نہ حج فرض ہے اور نہ اس نے حج کیا ہے، کیا اسے حج بدل میں بھیجنا درست ہے:**

سوال: شخصے کہ حج نہ کردو بروے حج فرض نیست، اگر از جانب کسے کہ قبل ادائے حج مفروض انتقال کردو وصیت ادائے حج کرد، حج اداء کند از ذمہ میت مذکور حج ادا خواہد شد، یا نہ؟ (جس شخص پر حج فرض نہیں اور نہ اس نے حج کیا ہے، ایسے شخص کو حج بدل کے لیے بھیجا جا سکتا ہے؟ اور اس سے میت کا حج ادا ہو جائے گا۔ انیس)

الجواب

دریں صورت حج از میت ساقط خواہد شد و اداء خواہد شد البتہ فقہاء حنفیہ ایں صورت را مکروہ داشتہ اند بہتر آنست از چنیں کسے حج کرنا کنانند کہ او حج خود ادا کردہ باشد (ایسی صورت میں حج ادا ہو جائے گا، البتہ احناف کے نزدیک بہتر ہے کہ ایسے آدمی کو بھیجا جائے، جو حج کر چکا ہو، ایسے شخص کا بھیجنا جس نے حج نہیں کیا ہے، مکروہ ہے، انیس)

(فجاز حج الصرورة) من لم يحج (والمرأة) ... وغيرهم أولىٰ لعدم الخلاف (الدر المختار) يكره احجاج الصرورة، لأنه تارك فرض الحج يفيد أنه يصير بدخول مكة قادراً على الحج عن نفسه الخ. (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب: في حج الصرورة: ۲۱/۴، ۲۲، مكتبة زكرياديوبند، انيس)

والأفضل للإنسان إذا أراد أن يحج رجلاً عن نفسه أن يحج رجلاً قد حج عن نفسه ومع هذا لو حج رجلاً لم يحج عن نفسه حجة الاسلام، يجوز عندنا وسقط الحج عن الآمر كذا في المحيط (الفتاویٰ الهندية، كتاب الحج، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير: ۲۵۷/۱، مكتبة زكريا ديوبند، ظفير) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۵۷۸)

وہاں کسی سے حج نفل والدین، زوجہ وغیرہ کی طرف سے کرالیا جاوے؛ یعنی پہلے سے وہ شخص احرام دوسرے کی طرف سے جس کی طرف سے حج کرانا مقصود ہے، باندھے، یہ درست ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۵۷۸-۵۷۹)

حج بدل کرنے والا کس حج کا احرام باندھے:

سوال (۱) حج مفرد کا احرام باندھے، یا قران کا اور کس طرح نیت کرے؛ یعنی مرنے والے کی طرف سے احرام باندھنے کی نیت کرے، یا اپنی طرف سے نفل حج کی نیت کرکے ثواب بخشے؟

حج بدل کرنے والا احرام کہاں سے باندھے:

(۲) کیا رمضان شریف میں یلملم کے میقات سے حج بدل کا احرام باندھ سکتا ہے، یا ایام حج مثلاً شوال، ذی قعدہ وغیرہ میں احرام حج باندھنا شرط ہے اور اگر رمضان میں مکہ پہنچنے کا قصد کرے تو پھر حج بدل کا احرام مکہ شریف سے باندھے، یا کسی دوسرے میقات سے باندھے۔

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

(۱) جس قسم کے احرام کا آمر نے حکم دیا قران یا افراد میں سے اسی کا احرام باندھے، البتہ تمتع کرنا کسی حال میں درست نہیں، اگر چہ آمر نے اذن دیا ہو۔ بہتر یہ ہے کہ آمر (حج کرانے والا) مامور (حج بدل کرنے والا) کو عام طرح اجازت دے دے کہ میری طرف سے، یا میرے فلاں عزیز کی طرف سے جا کر حج کرو، جس طریقہ سے بھی تیری مرضی ہو اور تجھے سہولت ہو، افراد، یا قران، یا تمتع جو بھی کرو تو اس سے آمر کا حج جائز ہو جائے گا، اگر چہ تمتع ہی کرے؛ کیوں کہ آمر کے امر کی مامور نے مخالفت نہیں کی؛ لیکن اس اجازت عام کے باوجود احتیاط اس میں ہے کہ حج بدل میں تمتع نہ کیا جاوے، احرام باندھنے کے وقت نیت آمر کے حج کی کرے، اگر زبان سے کہے: لبیک عن فلان مثلاً تو بہتر ہے، ورنہ نیت دل سے بھی کافی ہے؛ بلکہ نائب کو چاہیے کہ اپنے میت کی طرف سے حج کی نیت اس طرح کرے تو افضل ہے:

"اللّٰهم إني أريد الحج عن فلان وأحرمت به للّٰه تعالىٰ عنه لبيك لحجتي عنه وبشرط نية الحج عنه أي الآمر فيقول أحرمت عن فلان ولبيت عن فلان ولو نفسي اسمه فنوى عن الآمر صح وتكفي نية القلب". (۱)

(۲) جس کے امر سے، یا جس کے لیے حج کر رہا ہے، احرام اس کے میقات سے باندھے۔ (۲) فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور، ۱۳۸۵/۸/۲۶ھ۔

الجواب صحیح محمد جمیل الرحمٰن، سید احمد علی سعید۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ:۲/۶۲، ۶۳)

(۱) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الحج: ۱۵/۴، انیس

(۲) الثاني عشر: أن يحرم من الميقات. (رد المحتار، كتاب الحج: ۱۷/۴، انیس

میت کے حج بدل کی وصیت اور عدم وصیت کا حکم اور حج بدل کہاں سے ادا کیا جائے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ گزشتہ سال میرے والد پر حج فرض ہوا تھا؛لیکن اتفاق کی بات یہ ہے کہ میرے والد کا گزشتہ برس ہی انتقال ہوگیا تھا۔اب مفتی صاحب آپ سے معلوم کرنا ہے کہ ہم ان کی طرف سے حج کر سکتے ہیں، یانہیں؟اوران کواس کا ثواب ملے گا، یانہیں؟اور ہمارے ایک بھائی وہیں جدہ میں ملازمت کرتے ہیں تو اگر ہم ان کو کہہ دیں کہ وہ حج کرلیں آیا یہ صحیح ہے، یا یہاں پاکستان سے کسی کو جانا ہوگا، نیز یہ بات یادرہے کہ ہمارے والدصاحب نے اس کی وصیت بھی کی تھی اور یہ بات بھی بتادیں کہ اگر کوئی وصیت نہ کرے تواس صورت میں کیا حکم ہوتا ہے؟ براہِ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ بعون الملك الوهاب

مذکورہ صورت میں آپ کے والدمرحوم کے متروکہ مال کے ثلث حصہ تک وصیت نافذ کرتے ہوئے ان کی طرف سے حج بدل کرنا ضروری ہےاور حج بدل اسی شہر سے کروانا لازم ہے، جہاں آپ کے والدمرحوم مقیم تھے، ہاں اگرثلث مال کے اندراندر وصیت نافذ کرتے ہوئے وہاں سے حج بدل کروانا دشوار ہوتو جہاں سے سہولت ہو، وہاں سے حج بدل کروالیا جائے، چناں چہ اگرآپ کے بھائی جو جدہ میں ہیں،آپ کے والدمرحوم کی طرف سے حج بدل کرنا چاہیں تو دوشرطوں کے ساتھ اس کی گنجائش ہے:اولاً یہ کہ ثلث مال سے وہیں سے حج بدل کروانا دشوار ہو، جہاں آپ کے والد مرحوم مقیم تھے۔ ثانیاً یہ کہ حج کے اخراجات مرحوم کے ترکہ سے ادا کئے جائیں۔ اگرکسی پر حج فرض ہواوراسے ادا نہ کرسکے اوراس حال میں وصیت کئے بغیر مرجائے تو وہ گنہگار ہوگا؛تاہم اگران کی طرف سے کوئی تبرعاً حج بدل ادا کردے توامید ہے کہ ان شاء اللہ مواخذہ نہ ہوگا۔

وفی الدرالمختار(۶۰۴/۲): (خرج) المكلف (الى الحج ومات فى الطريق واوصى بالحج عنه) انما تجب الوصية به إذا أخره بعد وجوبه، أما لوحج من عامه فلا.

وفى الشامية تحته:(قوله خرج المكلف،الخ):أما إذا لم يخرج واوصى بان يحج عنه واطلق:أى لم يعين مالا ولا مكانا فانه يحج عنه من ثلث ماله من بلده إن بلغ الثلث، لأن الواجب عليه الحج من بلده الذى يسكنه والا فمن حيث يبلغ، وان لم يمكن من مكان بطلت الوصية.

وفى الشامية (۶۰۸/۲): وان لم يوص به فتبرع الوارث عنه بالإحجاج او الحج بنفسه، قال ابو حنيفة يجزيه إن شاء الله تعالىٰ، لقوله صلى الله عليه وسلم للخثعمية أرايت لو كان على ابيك دين،الحديث،انتهى.وبهذا ظهر فائدة أخرى للتقييد بالأبوين فى هذه المسئلة وهى سقوط الفرض عن الذى عينه له بعد الإبهام لوبدون وصية،الخ. (نجم الفتاویٰ:۳/۳۵۷-۳۵۸)

اردو کتب فتاویٰ

نمبرشمار	کتب فتاویٰ	مفتیان کرام	مطبع
(۱)	فتاویٰ عزیزی	حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	ایم ایچ سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی
(۲)	فتاویٰ رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد بن ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش گنگوہی	محمد اسحاق صدیقی اینڈ سنز، تاجران کتب، وما لکان کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند، سہارنپور، انڈیا
(۳)	تالیفات رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد بن ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش گنگوہی	مکتبہ الحق ماڈرن ڈیری، جوگیشوری ممبئی ۱۰۲
(۴)	باقیات فتاویٰ رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد بن ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش گنگوہی	حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ ضلع پربدھ نگر (مظفرنگر) یوپی، انڈیا
(۵)	عزیز الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی ابن فضل الرحمٰن عثمانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۶)	فتاویٰ دارالعلوم دیوبند	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی ابن فضل الرحمٰن عثمانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۷)	امداد الفتاویٰ	حضرت مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۸)	الحیلۃ الناجزۃ	حضرت مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	مکتبہ رضی دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۹)	امداد الاحکام	حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی بن لطیف احمد/مولانا عبدالکریم گمتھلوی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۰)	آلات جدیدہ کے شرعی احکام	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی بن محمد یاسین عثمانی	مکتبہ تفسیر القرآن، نزد چھتہ مسجد، دیوبند، یوپی
(۱۱)	جواہر الفقہ	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی بن محمد یاسین عثمانی	مکتبہ تفسیر القرآن، نزد چھتہ مسجد، دیوبند، یوپی
(۱۲)	امداد المفتیین	حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندی بن محمد یاسین عثمانیؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۳)	مجموعۂ فتاویٰ عبدالحیٔ	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	مکتبہ تھانوی، دیوبند، یوپی، انڈیا
(۱۴)	فتاویٰ مظاہر علوم	ابوابراہیم خلیل احمد بن مجید علی انبہٹوی محدث سہارنپوریؒ	شعبۂ نشر واشاعت مظاہر علوم سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۵)	فتاویٰ محمودیہ	حضرت مولانا مفتی محمود حسن بن حامد حسن گنگوہی	مکتبہ شیخ الاسلام دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۶)	فتاویٰ امارت شرعیہ	حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد بن مولوی حسین بخش ودیگر مفتیان	شعبۂ نشر واشاعت امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ
(۱۷)	کفایت المفتی	حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی بن شیخ عنایت اللہ	حفیظ الرحمٰن واصف، کوہ نور پریس، دہلی، انڈیا
(۱۸)	فتاویٰ باقیات صالحات	حضرت مولانا شاہ عبدالوہاب قادری ویلوری بن عبدالقادر	جامعہ باقیات صالحات، ویلور، بنگلور، انڈیا
(۱۹)	فتاویٰ احیاء العلوم	حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین مبارک پوری بن عبدالسبحان	جامعہ احیاء العلوم، مبارکپور، یوپی، انڈیا
(۲۰)	منتخبات نظام الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمی	ایفا پبلیکیشن، جوگابائی، نئی دہلی، انڈیا
(۲۱)	نظام الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمی	ایفا پبلیکیشن، جوگابائی، نئی دہلی، انڈیا

(۲۲) خیر الفتاویٰ	حضرت مولانا خیر محمد جالندھری	مکتبہ الحق ماڈرن ڈیری، جوگیشوری، ممبئی ۱۰۲
(۲۳) فتاویٰ شیخ الاسلام	شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی بن سید حبیب اللہ	مکتبہ شیخ الاسلام، دیوبند، یوپی، انڈیا
(۲۴) فتاویٰ حقانیہ	حضرت مولانا عبد الحق بن حاجی معروف گل پاکستانی	دکن ٹریڈرس بک سیلر اینڈ پبلیشرز، نزد واٹر ٹینک مغل پورہ، حیدر آباد
(۲۵) احسن الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی رشید احمد بن مولانا محمد سلیم پاکستانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۲۶) فتاویٰ عثمانی	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی بن محمد شفیع دیوبندی	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی، اندیا
(۲۷) فتاویٰ قاضی	قاضی القضاۃ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی	ایفا پبلیکیشن، جوگا بائی، نئی دہلی، انڈیا
(۲۸) فتاویٰ رحیمیہ	حضرت مولانا مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوریؒ	مکتبہ رحیمیہ منشی اسٹریٹ راندیر، سورت گجرات
(۲۹) کتاب الفتاویٰ	مولانا مفتی خالد سیف اللہ رحمانی صاحب	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی، اندیا
(۳۰) محمود الفتاویٰ	مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب	مکتبہ نور، محمود نگر، متصل جامعہ، ڈابھیل
(۳۱) حبیب الفتاویٰ	مولانا مفتی حبیب اللہ قاسمی صاحب	سمیع پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹیڈ، دریا گنج، نئی دہلی
(۳۲) فتاویٰ فرنگی محل	حضرت مولانا محمد عبد القادر صاحب فرنگی محلی	مطبع نامی نخاس، لکھنؤ، یوپی، انڈیا
(۳۳) فتاویٰ ندوۃ العلماء	حضرت مولانا مفتی محمد ظہور ندوی صاحب	مجلس صحافت ونشریات، ندوۃ العلماء مارگ، پوسٹ باکس نمبر ۹۳ ر لکھنؤ، انڈیا
(۳۴) فتاویٰ بینات	مفتیان جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، پاکستان	مکتبہ بینات، جامعۃ العلوم الاسلامیۃ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی، پاکستان
(۳۵) فتاویٰ فریدیہ	مولانا مفتی محمد فرید صاحب پاکستانی	مولانا حافظ حسین احمد صدیقی نقشبندی مہتمم دار العلوم صدیقیہ زروبی ضلع صوابی، پاکستان
(۳۶) فتاویٰ مفتی محمود	مولانا مفتی محمود صاحب پاکستانی	جمعیت پبلیکیشنز وحدت روڈ، لاہور، پاکستان
(۳۷) آپ کے مسائل اور ان کا حل	حضرت مولانا محمد یوسف بن چودھری اللہ بخش لدھیانوی	مکتبہ لدھیانوی ایم اے جناح روڈ، کراچی، پاکستان
(۳۸) مرغوب الفتاویٰ	مولانا مفتی مرغوب الرحمٰن صاحب لاجپوری	جامعۃ القرأت کفلیۃ، مولانا عبد الحیٔ نگر، سورت، گجرات
(۳۹) فتاویٰ دار العلوم زکریا	مولانا مفتی رضاء الحق صاحب، افریقہ	ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی-۶، انڈیا
(۴۰) فتاویٰ شاکر خان	مولانا مفتی محمد شاکر خان صاحب پونہ، انڈیا	مدرسہ بیت العلوم کونڈوا، خردسروے نمبر ۱۴۲، شوکا میوز کے پیچھے، پونہ ۴۸، انڈیا
(۴۱) فتاویٰ ریاض العلوم	مفتیان کرام مدرسہ عربیہ ریاض العلوم، گورینی، جونپور	مدرسہ عربیہ ریاض العلوم، چوکیہ گورینی، جونپور (یوپی)
(۴۲) فتاویٰ بسم اللہ	حضرت مولانا اسماعیل بن محمد بسم اللہ	جامعۃ القرءات، مولانا عبد الحیٔ نگر، کفلیۃ، سورت گجرات
(۴۳) فتاویٰ یوسفیہ	مولانا مفتی محمد یوسف صاحب تاؤلوی	مکتبہ فقیہ الامت دیوبند
(۴۴) کتاب النوازل	مولانا مفتی سید محمد سلمان منصور پوری	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، انڈیا
(۴۵) نجم الفتاویٰ	مفتی سید نجم الحسن امروہوی	شعبہ نشر واشاعت جامعہ دار العلوم یاسین القرآن، نارتھ کراچی

مصادر ومراجع

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
	﴿قرآن (مع تفاسیر وعلوم قرآن)﴾		
(۱)	القرآن الکریم	کتاب اللہ	وحی الٰہی
(۲)	جامع البیان فی تأویل القرآن	ابوجعفر الطبری، محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الآملی	۳۱۰ھ
(۳)	احکام القرآن	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ بن عبدالملک بن سلمۃ الازدی الحجری المصری الطحاوی	۳۲۱ھ
(۴)	احکام القرآن	ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی	۳۷۰ھ
(۵)	التفسیر الکبیر (مفاتیح الغیب)	أبوعبداللہ، محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین التیمی الرازی، فخر الدین الرازی	۶۰۶ھ
(۶)	انوار التنزیل واسرار التأویل (تفسیر بیضاوی)	ناصر الدین ابوسعید عبداللہ بن عمر بن محمد الشیرازی البیضاوی	۶۸۵ھ
(۷)	تفسیر القرآن العظیم	ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی البصری ثم الدمشقی	۷۷۴ھ
(۸)	تفسیر الجلالین	جلال الدین محمد بن احمد محلی / جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان سیوطی	۸۶۴ھ/۹۱۱ھ
(۹)	الإتقان فی علوم القرآن	جلال الدین سیوطی، عبدالرحمٰن بن ابوبکر	۹۱۱ھ
(۱۰)	شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی	شیخ زادہ، محی الدین بن مصطفیٰ مصلح الدین القوجوی	۹۵۱ھ
(۱۱)	تفسیر مظہری	قاضی محمد ثناء اللہ مظہری پانی پتی	۱۲۲۵ھ
(۱۲)	فتح القدیر	محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی	۱۲۵۰ھ
(۱۳)	روح المعانی	محمود بن عبداللہ شہاب الدین ابوالثناء الحسینی الآلوسی	۱۲۷۰ھ
	﴿عقائد (مع شروحات)﴾		
(۱۴)	فقہ اکبر	ابوحنیفہ، نعمان بن ثابت بن زوطی بن ہرمز	۱۵۰ھ
(۱۵)	العقیدۃ الطحاویۃ	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۱۶)	الشریعہ	ابوبکر محمد بن الحسین بن عبداللہ الآجری البغدادی المکی	۳۶۰ھ
(۱۷)	أبوالمعین علی ہامش شرح العقائد	ابوالمعین میمون بن محمد بن محمد بن معتمد بن محمد ابن مکحل ۔ الفضل النسفی المکحولی	۵۰۸ھ
(۱۸)	شرح فقہ اکبر	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۹)	منح الروض الأزہر فی شرح فقہ أکبر	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۲۰)	مبدأ ومعاد	حضرت مجدد الف ثانی احمد فاروقی سرہندی	۱۰۳۴ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف،مؤلف	سن وفات

﴿متون واطراف واجزاءحدیث﴾

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف،مؤلف	سن وفات
(۲۱)	مسندابوحنیفہ بروایۃ الحصکفی وابی نعیم	امام اعظم ابوحنیفہ،نعمان بن ثابت بن زوطی بن ہرمز	۱۵۰ھ
(۲۲)	جامع معمر بن راشد	ابوعروۃ البصری معمر بن أبی عمرو راشد الأزدی	۱۵۳ھ
(۲۳)	موطأ امام مالک	امام دارالہجرہ، مالک بن انس بن مالک بن عامر الاصبحی المدنی	۱۷۹ھ
(۲۴)	کتاب الآثار بروایۃ أبی یوسف	ابویوسف القاضی، یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن سعد بن حبتۃ انصاری	۱۸۲ھ
(۲۵)	الزھد والرقائق لابن المبارک	ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن المبارک بن واضح الحنظلی الترکی ثم المروزی	۱۸۱ھ
(۲۶)	کتاب الاٰثار بروایۃ امام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۲۷)	موطأ امام مالک رموطأ امام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۲۸)	الجامع لابن وھب	ابومحمد عبداللہ بن وھب بن مسلم المصری القرشی	۱۹۷ھ
(۲۹)	مسندالشافعی بترتیب السندی	امام شافعی ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن عبدالمطلب بن	۲۰۴ھ
(۳۰)	السنن الماثورۃ بروایۃ المزنی	عبدمناف الشافعی القرشی المکی	
(۳۱)	مسندابوداؤدالطیالسی	ابوداؤدسلیمان بن داؤد بن الجارودالطیالسی البصری	۲۰۴ھ
(۳۲)	مصنف عبدالرزاق صنعانی	عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الصنعانی	۲۱۱ھ
(۳۳)	مسندالحمیدی	ابوبکر عبداللہ بن الزبیر بن عیسیٰ بن عبیداللہ القرشی الأسدی الحمیدی المکی	۲۱۹ھ
(۳۴)	الصلوٰۃ	ابونعیم الفضل بن عمرو بن حماد بن زہیر بن درہم القرشی المروف بابن دکین	۲۱۹ھ
(۳۵)	مسندابن الجعد	علی بن الجعد بن عبیدالجوھری البغدادی	۲۳۰ھ
(۳۶،۳۷)	مصنف ابن ابی شیبہ رمسندابن ابی شیبہ	حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان بن خورستی	۲۳۵ھ
(۳۸)	مسنداسحاق بن راھویہ	ابویعقوب اسحاق بن ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحنظلی المروزی،ابن راھویہ	۲۳۸ھ
(۳۹)	مسندامام احمد	امام احمد، ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی الذھلی	۲۴۱ھ
(۴۰)	فضائل الصحابۃ	امام احمد، ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی الذھلی	۲۴۱ھ
(۴۱)	المنتخب من مسندعبد بن حمید	ابومحمد عبدالحمید بن نصر الکسی	۲۴۹ھ
(۴۲)	صحیح البخاری	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۴۳)	الادب المفرد	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۴۴)	صحیح مسلم	ابوالحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری بن دردین النیشافوری	۲۶۱ھ
(۴۵)	أخبار مکۃ فی قدیم الدھر وحدیثہ	ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن العباس المکی الفاکھی	۲۷۲ھ
(۴۶)	سنن ابن ماجہ	حافظ ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ الربعی القزوینی، ابن ماجہ	۲۷۳ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۴۷)	سنن ابوداؤد/مراسیل ابوداؤد	ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو الازدی السجستانی	۲۷۵ھ
(۴۸)	سنن الترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی	۲۷۹ھ
(۴۹)	شمائل الترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی	۲۷۹ھ
(۵۰)	مسند الحارث	ابومحمد الحارث بن محمد بن داھر التمیمی البغدادی الخطیب المعروف بابن ابی اسامہ	۲۸۲ھ
(۵۱)	البدع	ابوعبداللہ محمد بن وضاح بن بزیع المروانی القرطبی	۲۸۶ھ
(۵۲)	الآحاد والمثانی	ابوبکر بن أبی عاصم، احمد بن عمرو بن الضحاک بن مخلد الشیبانی	۲۸۷ھ
(۵۳)	السنۃ	ابوبکر بن أبی عاصم، احمد بن عمرو بن الضحاک بن مخلد الشیبانی	۲۸۷ھ
(۵۴)	البحر الزخار المعروف بمسند البزار	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق بن خلاد بن عبیداللہ العتکی، البزار	۲۹۲ھ
(۵۵)	تعظیم قدر الصلاۃ	ابوعبداللہ محمد بن نصر بن الحجاج المروزی	۲۹۴ھ
(۵۶)	مختصر قیام اللیل وقیام رمضان وکتاب الوتر	ابوعبداللہ محمد بن نصر بن الحجاج المروزی	۲۹۴ھ
(۵۷)	القدر	ابوبکر جعفر بن محمد بن الحسن بن المستفاض الفریابی	۳۰۱ھ
(۵۸)	سنن النسائی	احمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائی	۳۰۳ھ
(۵۹)	عمل الیوم واللیلۃ	احمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائی	۳۰۳ھ
(۶۰)	المسند	حافظ ابویعلی احمد بن علی الموصلی	۳۰۷ھ
(۶۱)	المنتقی	ابن الجارود ابومحمد عبداللہ بن علی النیشاپوری	۳۰۷ھ
(۶۲)	مسند الرویانی	ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی	۳۰۷ھ
(۶۳)	الکنی والأسماء	ابوبشر محمد بن احمد بن حماد بن سعید بن مسلم الانصاری الدولابی الرازی	۳۱۰ھ
(۶۴)	صحیح ابن خزیمۃ	محمد بن اسحٰق بن المغیرۃ بن صالح بن بکر السلمی النیسافوری الشافعی	۳۱۱ھ
(۶۵)	التوحید	محمد بن اسحٰق بن المغیرۃ بن صالح بن بکر السلمی النیسافوری الشافعی	۳۱۱ھ
(۶۶)	السنۃ لابن ابی بکر بن الخلال	ابوبکر احمد بن محمد بن ہارون بن یزید الخلال البغدادی الحنبلی	۳۱۱ھ
(۶۷)	مسند السراج/حدیث السراج	ابوالعباس محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن مہران الخراسانی النیسابوری	۳۱۳ھ
(۶۸)	مستخرج ابوعوانہ	ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم النیسابوری الاسفرائنی	۳۱۶ھ
(۶۹)	شرح معانی الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۷۰)	شرح مشکل الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۷۱)	مکارم الأخلاق/مساوی الاخلاق	ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد بن سہل بن شاکر الخرائطی السامری	۳۲۷ھ
(۷۲)	مسند الشاشی	ابوسعید الہیثم بن کلیب بن سریج بن معقل الشاشی البنکثی	۳۳۵ھ
(۷۳)	معجم ابن الأعرابی	ابوسعید بن الأعرابی احمد بن محمد بن زیاد بن بشر بن درھم البصری الصوفی	۳۴۰ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۷۴)	صحیح ابن حبان	ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ التمیمی الدارمی البستی	۳۵۴ھ
(۷۵)	المعجم الأوسط/المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابو القاسم الطبرانی	۳۶۰ھ
(۷۶)	الدعاء	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابو القاسم الطبرانی	۳۶۰ھ
(۷۷)	مسند الشامیین	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابو القاسم الطبرانی	۳۶۰ھ
(۷۸)	عمل الیوم واللیلۃ	ابن السنی، احمد بن محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن اسباط بن عبد اللہ	۳۶۴ھ
(۷۹)	سنن الدارقطنی	ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود البغدادی الدارقطنی	۳۸۵ھ
(۸۰)	الترغیب فی فضائل الاعمال وثواب ذلک	ابن شاہین، ابو حفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بن ازداد البغدادی	۳۸۵ھ
(۸۱)	شرح مذاہب أہل السنۃ	ابن شاہین، ابو حفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بن ازداد البغدادی	۳۸۵ھ
(۸۲)	الإبانۃ الکبریٰ	ابو عبد اللہ عبید اللہ بن محمد بن محمد بن حمدان العکبری المعروف بابن بطۃ	۳۸۷ھ
(۸۳)	معالم السنن	ابو سلیمان حمد بن محمد بن ابراہیم بن الخطاب البستی المعروف بالخطابی	۳۸۸ھ
(۸۴)	المستدرک علی الصحیحین	محمد بن عبد اللہ بن حمدویہ الحاکم النیسا فوری	۴۰۵ھ
(۸۵)	الإیمان	ابو عبد اللہ محمد بن اسحاق بن محمد بن یحی بن مندہ العبدی	۳۹۵ھ
(۸۶)	شرح أصول اعتقاد أہل السنۃ والجماعۃ	ابو القاسم ھبۃ اللہ بن الحسن بن منصور الطبری الرازی اللالکائی	۴۱۸ھ
(۸۷)	حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء	ابو نعیم احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران أصفہانی	۴۳۰ھ
(۸۸)	المسند المستخرج علی صحیح مسلم	ابو نعیم احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران أصفہانی	۴۳۰ھ
(۸۹)	امالی	ابو القاسم عبد الملک بن محمد بن عبد اللہ بن بشران بن محمد بن بشران بن مھران البغدادی	۴۳۰ھ
(۹۰)	مسند الشھاب	ابو عبد اللہ محمد بن سلامۃ بن جعفر بن علی بن حکمون القضاعی المصری	۴۵۴ھ
(۹۱)	السنن الکبریٰ/السنن الصغیر	ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیہقی	۴۵۸ھ
(۹۲)	شعب الإیمان	ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیہقی	۴۵۸ھ
(۹۳)	معرفۃ السنن والآثار	ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیہقی	۴۵۸ھ
(۹۴)	الدعوات الکبیر	ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیہقی	۴۵۸ھ
(۹۵)	المدخل إلی السنن الکبریٰ	ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیہقی	۴۵۸ھ
(۹۶)	جامع بیان العلم وفضلہ	ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر بن عاصم النمری القرطبی	۴۶۳ھ
(۹۷)	تفسیر غریب ما فی الصحیحین	محمد بن فتوح بن عبد اللہ بن فتوح بن حمید الازدی المیورقی الحمیدی	۴۸۸
(۹۸)	الفردوس بمأثور الخطاب	ابو شجاع، شیرویہ بن شھر دار بن شیرویہ بن فناخسر والدیلمی الہمدانی	۵۰۹ھ
(۹۹)	شرح السنۃ	محی الدین ابو محمد الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوی الشافعی	۵۱۶ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۰۰)	سنن الدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بہزام التمیمی السمرقندی الدارمی	۵۵۲ھ
(۱۰۱)	المعجم	ابوالقاسم، علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ المعروف بابن عساکر	۵۷۱ھ
(۱۰۲)	کنزالعمال فی سنن الأقوال والأفعال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی	۵۷۹ھ
(۱۰۳)	جامع الأصول فی أحادیث الرسول	مجدالدین ابوالسعادات المبارک بن محمد بن محمد بن محمد بن عبدالکریم الشیبانی الجزری ابن الاثیر	۶۰۶ھ
(۱۰۴)	مشکوٰۃ المصابیح	ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی	۷۲۰ھ
(۱۰۵)	منہاج السنۃ	تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ الجرانی الحنبلی الدمشقی	۷۲۸ھ
(۱۰۶)	الجوھرالنقی	علاء الدین علی بن عثمان بن ابراہیم بن مصطفیٰ المار دینی ابن الترکمانی	۷۵۰
(۱۰۷)	جامع المسانید والسنن الھادی لأقوم السنن	ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی الدمشقی	۷۷۴ھ
(۱۰۸)	نصب الرایۃ فی تخریج أحادیث الہدایۃ	جمال الدین ابومحمد عبداللہ بن یوسف بن محمد الزیلعی	۷۶۲ھ
(۱۰۹)	البدرالمنیر رمختصر تلخیص الذھبی	ابن الملقن سراج الدین ابوحفص عمر بن علی بن احمد الشافعی المصری	۸۰۴ھ
(۱۱۰)	تخریج أحادیث إحیاء علوم الدین	عبدالرحیم بن الحسین بن عبدالرحمٰن الحافظ العراقی	۸۰۶ھ
		تاج الدین ابونصر عبدالوھاب ابن تقی الدین السبکی	۷۷۱ھ
		السید محمد مرتضی الزبیدی	۱۲۰۵ھ
(۱۱۱)	مجمع الزوائد ومنبع الفوائد	نورالدین محمد بن ابوبکر بن سلیمان الہیثمی	۸۰۷ھ
(۱۱۲)	مواردالظمآن إلی زوائد ابن حبان	ابوالحسن نورالدین علی بن أبی بکر بن سلیمان الھیثمی	۸۰۷ھ
(۱۱۳)	الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۱۴)	التلخیص الحبیر	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۱۵)	المقاصدالحسنۃ	محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد شمس الدین السخاوی	۹۰۲ھ
(۱۱۶)	الجامع الصغیر رالفتح الکبیر	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۱۷)	تنویرالحوالک شرح موطأ الامام مالک	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۱۸)	جمع الفوائد من جامع الأصول ومجمع الزوائد	العلامۃ محمد بن محمد سلیمان المغربی	۱۰۹۴ھ
(۱۱۹)	آثارالسنن	محمد بن علی الشہیر بظہیر احسن النیموی البہاری الحنفی	۱۳۲۲ھ
(۱۲۰)	اعلاءالسنن	مولانا ظفر احمد بن محمد لطیف عثمانی تھانوی	۱۳۹۴ھ

﴿شروح وعلل حدیث﴾

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۲۱)	شرح صحیح البخاری	ابن بطال ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک	۴۴۹ھ
(۱۲۲)	النووی شرح مسلم	محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۱۲۳)	احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام	تقی الدین ابوالفتح الشہیر بابن دقیق العید	۷۰۲ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۲۴)	المفاتیح شرح المصابیح	الحسین بن محمد بن الحسن مظہر الدین الزیدانی الکوفی الضریر الشیر ازی الحنفی	۷۲۷ھ
(۱۲۵)	الکاشف عن حقائق السنن شرح الطیبی	شرف الدین حسین بن عبداللہ بن محمد الحسن الطیبی	۷۴۳ھ
(۱۲۶)	فتح الباری	زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب بن الحسن السلامی البغدادی ثم الدمشقی الحنبلی	۷۹۵ھ
(۱۲۷)	المحلی شرح الموطأ	ابوعبداللہ محمد بن سلیمان بن خلیفہ المالکی	
(۱۲۸)	فتح الباری شرح صحیح البخاری	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۲۹)	تقریب التہذیب	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۳۰)	تہذیب التہذیب	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۳۱)	شرح المصابیح	محمد بن عزالدین عبداللطیف بن عبدالعزیز بن امین الدین بن فرشتا الرومی الکرمانی الحنفی المشہور با بن ملک	۸۵۴ھ
(۱۳۲)	عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۱۳۳)	شرح سنن أبی داؤد	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۱۳۴)	قوت المغتذی شرح جامع الترمذی	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۳۵)	الآلی المصنوعۃ فی الأحادیث الموضوعۃ	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۳۶)	مصباح الزجاجۃ شرح سنن ابن ماجۃ	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۳۷)	ارشاد الساری شرح البخاری	احمد بن محمد بن ابوبکر بن عبدالملک القسطلانی المصری	۹۲۳ھ
(۱۳۸)	مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۳۹)	جمع الوسائل فی شرح الشمائل	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۴۰)	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	زین الدین محمد عبدالرؤوف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین المناوی	۱۰۳۱ھ
(۱۴۱)	کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق	زین الدین محمد عبدالرؤوف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین المناوی	۱۰۳۱ھ
(۱۴۲)	اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ المصابیح	مولانا عبدالحق محدث دہلوی (عبدالحق بن سیف الدین بن سعداللہ البخاری الدہلوی الحنفی)	۱۰۵۲ھ
(۱۴۳)	حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجۃ	ابوالحسن نورالدین السندی محمد بن عبدالهادی التتوی	۱۱۳۸ھ
(۱۴۴)	شرح مسند الشافعی	ابوالحسن نورالدین السندی محمد بن عبدالهادی التتوی	۱۱۳۸ھ
(۱۴۵)	کشف الخفاء	اسماعیل بن محمد بن عبدالہادی بن عبدالغنی العجلونی الدمشقی الشافعی	۱۱۶۲ھ
(۱۴۶)	سبل السلام شرح بلوغ المرام	محمد بن اسماعیل بن صلاح بن محمد الحسن امیر یمانی	۱۱۸۲ھ
(۱۴۷)	نیل الأوطار	محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی	۱۲۵۰ھ
(۱۴۸)	مظاہر حق	نواب قطب الدین خاں دہلوی	۱۲۸۹ھ
(۱۴۹)	بذل المجہود فی حل أبی داؤد	المحدث خلیل احمد السہارنفوری	۱۲۹۷ھ
(۱۵۰)	التعلیق الممجد علی موطا الإمام محمد	ابوالحسنات محمد عبدالحئ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۵۱)	حاشیۃ السنن لأبی داؤد	ابوالحسنات محمد عبدالحئ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۱۵۲)	حاشیہ حصن حصین	ابوالحسنات محمد عبدالحئ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۱۵۳)	عون الباری لحل أدلۃ البخاری	نواب صدیق حسن خاں (محمد صدیق بن حسن بن علی بن لطف اللہ حسینی قنوجی)	۱۳۰۷ھ
(۱۵۴)	التعلیق الحسن علی آثار السنن	محمد بن علی الشہیر بظہیر احسن النیموی البہاری الحنفی	۱۳۲۲ھ
(۱۵۵)	لامع الدراری علی صحیح البخاری	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
(۱۵۶)	الکوکب الدری علی جامع الترمذی	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
(۱۵۷)	عون المعبود فی شرح سنن أبی داؤد	ابوالطیب محمد شمس الحق بن أمیر علی بن مقصود علی الصدیقی العظیم آبادی	۱۳۲۹ھ
(۱۵۸)	المنهل العذب المورود شرح أبی داؤد	محمود محمد خطاب السبکی	۱۳۵۲ھ
(۱۵۹)	العرف الشذی شرح سنن الترمذی	علامہ محمد انور شاہ بن معظم شاہ حسینی کشمیری	۱۳۵۲ھ
(۱۶۰)	فیض الباری شرح البخاری	علامہ محمد انور شاہ بن معظم شاہ حسینی کشمیری	۱۳۵۲ھ
(۱۶۱)	تحفۃ الأحوذی شرح سنن الترمذی	ابوالعلی عبدالرحمٰن مبارکپوری	۱۳۵۳ھ
(۱۶۲)	فتح الملہم	مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی	۱۳۶۹ھ
(۱۶۳)	التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح	مولانا محمد ادریس کاندھلوی	۱۳۹۴ھ
(۱۶۴)	معارف السنن شرح جامع الترمذی	مولانا محمد یوسف بن سید زکریا حسینی بنوری	۱۳۹۷ھ
(۱۶۵)	أوجز المسالک إلی موطا امام مالک	مولانا محمد زکریا بن محمد یحییٰ کاندھلوی	۱۴۰۲ھ
(۱۶۶)	مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	ابوالحسن عبیداللہ بن محمد عبدالسلام بن خاں محمد بن امان اللہ بن حسام الدین رحمانی مبارکپوری	۱۴۱۴ھ
(۱۶۷)	سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ	محمد ناصر الدین الالبانی	۱۴۲۰ھ
(۱۶۸)	منار القاری شرح مختصر صحیح البخاری	حمزہ بن محمد قاسم	۱۴۳۱ھ
(۱۶۹)	منہاج السنن شرح سنن الترمذی	مولانا مفتی محمد فرید زرویوی	۱۴۳۲ھ

سیرت وشمائل

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۷۰)	زاد المعاد فی ہدیۃ خیر الانام	ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی	۶۲۰ھ
(۱۷۱)	سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر الانام	محمد بن یوسف الصلاحی الشامی	۹۴۲ھ
(۱۷۲)	لمواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۷۳)	شرح المواہب اللدنیۃ	العلامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی المالکی	۱۱۲۲ھ

کتب فقہ احناف

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۷۴)	الحجۃ علی اہل المدینۃ	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۷۵)	کتاب الأصل	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۷۶)	الجامع الصغیر	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۷۷)	مختصر الطحاوی	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۱۷۸)	شرح مختصر الطحاوی	ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی	۳۷۰ھ
(۱۷۹)	عیون المسائل	ابواللیث نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم السمرقندی	۳۷۳ھ
(۱۸۰)	مختصر القدوری	محمد بن احمد بن جعفر بن حمدان القدوری	۴۲۸ھ
(۱۸۱)	النتف فی الفتاوی	ابوالحسن علی بن الحسین بن محمد السغدی الحنفی	۴۶۱ھ
(۱۸۲)	المبسوط	شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد بن سہل السرخسی	۴۸۳ھ
(۱۸۳)	شرح السیر الکبیر	شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد بن سہل السرخسی	۴۸۳ھ
(۱۸۴)	تحفۃ الفقہاء	علاء الدین محمد بن احمد بن ابواحمد السمرقندی الحنفی	۵۳۹ھ
(۱۸۵)	خلاصۃ الفتاویٰ رمجموع الفتاویٰ	طاہر بن احمد بن عبدالرشید البخاری	۵۴۲ھ
(۱۸۶)	المحیط البرھانی فی الفقہ النعمانی	ابوالمعالی محمود بن احمد بن عبدالعزیز بن مازہ البخاری	۵۷۰ھ
(۱۸۷)	بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع	علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی	۵۸۷ھ
(۱۸۸)	فتاویٰ قاضی خان	محمود اوزجندی قاضی خان حسن بن منصور	۵۹۲ھ
(۱۸۹)	بدایۃ المبتدی وشرحہ الہدایۃ	برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر المرغینانی	۵۹۳ھ
(۱۹۰)	قنیۃ المنیۃ لتتمیم الغنیۃ	ابوالرجاء مختار بن محمود بن محمد الزاہدی الغزمینی	۶۵۸ھ
(۱۹۱)	المجتبی شرح مختصر القدروی	ابوالرجاء مختار بن محمود بن محمد الزاہدی الغزمینی	۶۵۸ھ
(۱۹۲)	تحفۃ الملوک	زین الدین ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر الحنفی الرازی	۶۶۶ھ
(۱۹۳)	مجمع البرکات	ابوالبرکات بن حسام الدین بن سلطان بن ھاشم بن رکن الدین بن جمال الدین بن سماء الدین الحنفی الدہلوی	۶۶۷ھ
(۱۹۴)	الوقایۃ (وقایۃ الروایۃ)	صدر الشریعہ محمود بن عبداللہ بن ابراہیم المحبوبی الحنفی	۶۷۳ھ
(۱۹۵)	الاختیار لتعلیل المختار	عبداللہ بن محمود بن مودود بن محمود ابوالفضل مجد الدین الموصلی	۶۸۳ھ
(۱۹۶)	الفتاویٰ الغیاثیۃ	شیخ داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	۶۸۶ھ کے بعد
(۱۹۷)	مجمع البحرین وملتقی النیرین	مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب المعروف بابن الساعاتی البعلبکی	۶۹۴ھ
(۱۹۸)	منیۃ المصلی وغنیۃ المبتدی	سدید الدین محمد بن محمد بن الرشید بن علی الکاشغری	۷۰۵ھ
(۱۹۹)	کنز الدقائق	حافظ الدین ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی	۷۱۰، ۷۰۱ھ
(۲۰۰)	تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق	فخر الدین عثمان بن علی بن محجن الزیلعی	۷۴۳ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۰۱)	شرح مختصر الوقایۃ (شرح وقایۃ الروایۃ)	صدر الشریعہ الصغیر، عبیداللہ بن مسعود بن محمود بن احمد المحبوبی الحنفی	۷۴۷ھ
(۲۰۲)	النقایۃ مختصر الوقایۃ	صدر الشریعہ الصغیر، عبیداللہ بن مسعود بن محمود بن احمد المحبوبی الحنفی	۷۴۷ھ
(۲۰۳)	الکفایۃ شرح الہدایۃ (متداولہ)	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی الکرمانی	۷۶۷ھ
(۲۰۴)	النہایۃ شرح الہدایۃ	حسام الدین حسن بن علی بن حجاج السغناقی	۷۷۱ھ
(۲۰۵)	جامع المضمرات شرح مختصر القدوری	یوسف بن عمر بن یوسف الصوفی الکادوری نبیرہ شیخ عمر بزار	۸۳۲ھ
(۲۰۶)	شرح العنایۃ علی الہدایۃ	اکمل الدین محمد بن محمد بن محمود البابرتی	۷۸۶ھ
(۲۰۷)	الفتاویٰ التاتارخانیۃ	علامہ عالم بن العلاء الأنصاری الدہلوی	۷۸۶ھ
(۲۰۸)	السراج الوہاج فی شرح مختصر القدوری	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی العبادی	۸۰۰ھ
(۲۰۹)	الجوہرۃ النیرۃ فی شرح مختصر القدوری	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی العبادی	۸۰۰ھ
(۲۱۰)	شرح مجمع البحرین علی ہامش المجمع	ابن الملک، عبداللطیف بن عبدالعزیز	۸۰۱ھ
(۲۱۱)	الفتاویٰ البزازیۃ	محمد بن محمد بن شہاب بن یوسف الکردری الخوارزمی المعروف بابن بزازی	۸۲۷ھ
(۲۱۲)	معین الحکام	ابوالحسن علاء الدین علی بن خلیل الطرابلسی الحنفی	۸۴۴ھ
(۲۱۳)	البحر العمیق فی مناسک المعتمر والحاج الی بیت العتیق	ابوالبقا محمد بن احمد بن محمد بن الضیاء الحنفی	۸۵۴ھ
(۲۱۴)	البنایۃ شرح الہدایۃ	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۲۱۵)	منحۃ السلوک فی شرح تحفۃ الملوک	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۲۱۶)	فتح القدیر علی الہدایۃ	ابن ہمام کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید الحنفی	۸۶۱ھ
(۲۱۷)	کتاب التصحیح والترجیح علی مختصر القدوری	ابوالعدل زین الدین قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹ھ
(۲۱۸)	درر الحکام شرح غرر الأحکام	ملاخسرو، محمد بن فرامرز بن علی	۸۸۵ھ
(۲۱۹)	شرح النقایۃ	ابوالمکارم عبدالعلی بن محمد بن حسین البرجندی	۹۳۲ھ
(۲۲۰)	حاشیۃ علی العنایۃ شرح الہدایۃ	سعداللہ بن عیسیٰ بن امیر خان الرومی الحنفی الشہیر بسعدی چلپی وبسعدی آفندی	۹۴۵ھ
(۲۲۱)	ملتقی الأبحر	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵۶ھ
(۲۲۲)	الصغیری/الکبیری شرح منیۃ المصلی	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵۶ھ
(۲۲۳)	جامع الرموز شرح مختصر الوقایۃ المسمی بالنقایۃ	شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی	۹۶۲ھ
(۲۲۴)	البحر الرائق فی شرح کنز الدقائق	ابن نجیم زین العابدین بن ابراہیم المصری الحنفی	۹۷۰ھ
(۲۲۵)	المسالک فی المناسک	،ابومنصور محمد بن مکرم بن شعبان الکرمانی الحنفی	بعد: ۵۷۹ھ
(۲۲۶)	المنسک المتوسط المسمی لباب المناسک	رحمۃ اللہ بن عبداللہ السندی المکی الحنفی	--
(۲۲۷)	الفتاویٰ الحامدیۃ	حامد بن محمد آفندی القونوی العمادی المفتی بالروم	۹۸۵ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۲۸)	تنویر الأبصار وجامع البحار	شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد بن تمر تاش الغزی الحنفی الخطیب التمر تاشی	۱۰۰۴ھ
(۲۲۹)	النہر الفائق شرح کنز الدقائق	علامہ سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم المصری الحنفی	۱۰۰۵ھ
(۲۳۰)	شرح النقایۃ فی مسائل الہدایۃ	نور الدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
(۲۳۱)	رمز الحقائق شرح کنز الدقائق	نور الدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
(۲۳۲)	المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط علی لباب المناسک	نور الدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
(۲۳۳)	حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق	شہاب الدین احمد بن محمد بن احمد بن یونس بن اسماعیل بن یونس الشلبی	۱۰۲۱ھ
(۲۳۴)	سکب الأنہر علی فرائض مجمع الانہر	علاء الدین علی بن محمد الطرابلسی بن ناصر الدین الحنفی	۱۰۳۲ھ
(۲۳۵)	نور الایضاح ونجاۃ الارواح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۳۶)	امداد الفتاح شرح نور الایضاح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۳۷)	مراقی الفلاح شرح نور الایضاح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۳۸)	مجمع الأنہر فی شرح ملتقی الأبحر	عبدالرحمٰن بن شیخ محمد بن سلیمان الکلیبولی المدعو بشیخی زادہ، المعروف بداماد آفندی	۱۰۷۸ھ
(۲۳۹)	الفتاویٰ الخیریۃ لنفع البریۃ	خیر الدین بن احمد بن نور الدین علی ایوبی علیمی فاروقی الرملی	۱۰۸۱ھ
(۲۴۰)	الدر المختار شرح تنویر الأبصار	محمد بن علی بن محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد بن حسن الحصنی المعروف بالعلاء الحصکفی	۱۰۸۸ھ
(۲۴۱)	الفتاویٰ الأسعدیۃ	سید اسعد بن ابوبکر المدنی الحسینی	۱۱۱۶ھ
(۲۴۲)	الفتاویٰ الھندیۃ (عالمگیریہ)	شیخ نظام الدین برہان پوری گجراتی (وجماعۃ من اعلام فقہاء الھند)	۱۱۶۱ھ
(۲۴۳)	حاشیۃ الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح	علامہ السید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۲۲۱ھ
(۲۴۴)	حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار	علامہ السید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۲۲۱ھ
(۲۴۵)	اسعاف المولی القدیر شرح زاد الفقیر	احمد بن ابراہیم تونسی دقدویسی مصری	۱۱۲۲ھ کے بعد
(۲۴۶)	مالابدمنہ (فارسی)	قاضی ثناء اللہ الاموی العثمانی الہندی پانی پتی	۱۲۲۵ھ
(۲۴۷)	رد المحتار حاشیۃ الدر المختار	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۴۸)	العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۴۹)	مجموعہ رسائل ابن عابدین	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۵۰)	منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۵۱)	مأۃ مسائل	ابوسلیمان اسحاق بن محمد افضل بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن منصور بن احمد بن محمد بن قوام الدین العمری الدھلوی (مولانا محمد اسحاق دہلوی)	۱۲۶۲ھ
(۲۵۲)	رسالہ الاربعین	ابوسلیمان اسحاق بن محمد افضل بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن منصور بن احمد بن محمد بن قوام الدین العمری الدھلوی (مولانا محمد اسحاق دہلوی)	۱۲۶۲ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۵۳)	غایۃ الاوطار ترجمہ اردو الدر المختار	مترجم اول: مولانا خرم علی ملہوری رمترجم دوم: مولانا محمد احسن صدیقی نانوتوی	۱۲۷۱ھ/--
(۲۵۴)	التحریر المختار حاشیۃ رد المختار	عبد القادر الرافعی الفاروقی	۱۲۸۳ھ
(۲۵۵)	جواہر الإخلاطی	برہان الدین ابراہیم بن ابوبکر بن محمد بن الحسین الاخلاطی الحسینی	--
(۲۵۶)	مفتاح الجنۃ	کرامت علی بن ابو ابراہیم شیخ امام بخش بن شیخ جار اللہ جونپوری	۱۲۹۰ھ
(۲۵۷)	اللباب فی شرح الکتاب (القدوری)	عبد الغنی بن طالب بن حمادۃ بن ابراہیم الغنیمی الدمشقی المیدانی الحنفی	۱۲۹۸ھ
(۲۵۸)	النافع الکبیر شرح الجامع الصغیر	ابو الحسنات محمد عبد الحئ بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۹)	السعایۃ فی کشف مافی شرح الوقایۃ	ابو الحسنات محمد عبد الحئ بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۰)	عمدۃ الرعایۃ فی حل شرح الوقایۃ	ابو الحسنات محمد عبد الحئ بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۱)	حاشیہ علی الہدایہ	ابو الحسنات محمد عبد الحئ بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۲)	نفع المفتی والسائل بجمع متفرقات المسائل	ابو الحسنات محمد عبد الحئ بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۳)	مجموعۃ الفتاویٰ	ابو الحسنات محمد عبد الحئ بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۴)	مجموعۃ رسائل اللکنوی	ابو الحسنات محمد عبد الحئ بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۵)	تحفۃ النبلاء فی جماعۃ النساء	ابو الحسنات محمد عبد الحئ بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۶)	تحفۃ الاخیار	ابو الحسنات محمد عبد الحئ بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۷)	علم الفقہ	عبد الشکور بن ناظر علی فاروقی لکھنوی	--
(۲۶۸)	الفتاویٰ الکاملیۃ فی الحوادث الطرابلسیۃ	محمد کامل بن مصطفیٰ بن محمود الطرابلسی الحنفی	۱۳۱۷ھ
(۲۶۹)	القطوف الدانیۃ فی تحقیق الجماعۃ الثانیۃ	مولانا رشید احمد بن مولانا ہدایت احمد انصاری گنگوہی	۱۳۲۲ھ
(۲۷۰)	رسالہ تراویح	مولانا رشید احمد بن مولانا ہدایت احمد انصاری گنگوہی	۱۳۲۲ھ
(۲۷۱)	زبدۃ المناسک (قرۃ العینین فی زیارۃ الحرمین)	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
(۲۷۲)	رسائل الارکان	عبد العلی محمد بن نظام الدین محمد انصاری لکھنوی	۱۳۳۵ھ
(۲۷۳)	مجلۃ الاحکام العدلیۃ	لجنۃ مکونۃ من عدۃ علماء وفقہاء فی الخلافۃ العثمانیۃ	--
(۲۷۴)	الآثار الحمیدیۃ شرح مجلۃ الاحکام العدلیۃ	عبد اللطیف بن حسین الغزی	۱۳۴۰ھ
(۲۷۵)	بہشتی گوہر، بہشتی زیور	مولانا محمد اشرف علی بن عبد الحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۷۶)	کشف الدجیٰ عن وجہ الربوا	مولانا محمد اشرف علی بن عبد الحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۷۷)	تصحیح الاغلاط	مولانا محمد اشرف علی بن عبد الحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۷۸)	ارشاد الساری الی مناسک الملا علی قاری	حسین بن محمد سعید عبد الغنی المکی الحنفی	۱۳۶۶ھ
(۲۷۹)	جواہر الفقہ	مفتی محمد شفیع دیوبندی	۱۳۹۶ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۸۰)	احکام حج	مفتی محمد شفیع دیوبندی	۱۳۹۶ھ
(۲۸۱)	غنیۃ الناسک فی بغیۃ المناسک	محمد حسن شاہ المہاجر المکی	--
(۲۸۲)	معلم الحجاج	مولانا قاری سعید احمد سہارنپوری مظاہری	--
(۲۸۳)	انوار مناسک	مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی	مدظلہ
(۲۸۴)	ایضاح المناسک	مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی	مدظلہ
(۲۸۵)	اثمار الہدایہ	مولانا محمد ثمیر الدین قاسمی، لندن	مدظلہ
(۲۸۶)	مسائل حج	شاہ ولی صوفی مولانا محمد روح الامین، مفتی اعظم جمعیۃ العلماء بنگال،	--
(۲۸۷)	حیات القلوب	--	--
(۲۸۸)	انمول حج	--	--
(۲۸۹)	مسائل ومعلومات حج وعمرہ	جناب محمد معین الدین احمد صاحب کراچی	--
(۲۹۰)	حج میں قصر واتمام کی تحقیق	،مفتی محمد رضوان صاحب راولپنڈی	مدظلہ

﴿دیگر مسالک کی کتب فقہ﴾

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۹۱)	المدونہ	امام دار الہجرہ، مالک بن انس بن مالک بن عامر الاصبحی المدنی	۱۷۹ھ
(۲۹۲)	کتاب الام	امام شافعی ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن عبدالمطلب بن عبدمناف الشافعی القرشی المکی	۲۰۴ھ
(۲۹۳)	المحلی بالآثار	ابومحمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی القرطبی الظاہری	۴۵۶ھ
(۲۹۴)	نھایۃ المطلب فی درایۃ المذہب	امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف بن محمد الجوینی	۴۷۸ھ
(۲۹۵)	بحر المذہب	ابوالمحاسن عبدالواحد بن اسماعیل الرویانی	۵۰۲ھ
(۲۹۶)	المغنی	ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی	۶۲۰ھ
(۲۹۷)	المجموع شرح المہذب	محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۲۹۸)	المقنع رالشرح الکبیر علی المقنع	شمس الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن بن محمد بن احمد بن قدامۃ المقدسی	۶۸۲ھ
(۲۹۹)	الفتاویٰ الکبریٰ	تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ الحرانی الحنبلی الدمشقی	۷۲۸ھ
(۳۰۰)	الفتاویٰ الکبریٰ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۳۰۱)	المبدع شرح المقنع	ابواسحاق، برہان الدین، ابراہیم بن محمد عبداللہ بن محمد بن مفلح	۸۸۲ھ
(۳۰۲)	المیزان الکبریٰ	ابوالمواھب عبدالوھاب بن احمد بن علی بن احمد بن علی بن زوفا بن ابی الشیخ الشعرانی	۹۷۳ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
	﴿فقہ مقارن﴾		
(۳۰۳)	بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۳۰۴)	الفقہ الاسلامی وادلتہ	ڈاکٹر وہبہ بن مصطفیٰ زحیلی	۲۰۱۵ء
(۳۰۵)	الموسوعۃ الفقہیۃ	مرتبہ وزارت اوقاف کویت	--
	﴿اصول فقہ﴾		
(۳۰۶)	اصول البز دوی	فخر الاسلام علی بن محمد البز دوی	۴۲۲ھ
(۳۰۷)	اصول السرخسی	محمد بن احمد بن ابوسہل شمس الائمہ السرخسی	۴۸۳ھ
(۳۰۸)	آداب المفتی	محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۳۰۹)	المنار	حافظ الدین النسفی	۷۱۰ھ
(۳۱۰)	الکافی شرح البز دوی	الحسین بن علی بن حجاج بن علی حسام الدین السغناقی	۷۱۱ھ
(۳۱۱)	کشف الاسرار شرح اصول البز دوی	عبدالعزیز بن احمد بن محمد علاء الدین البخاری الحنفی	۷۳۰ھ
(۳۱۲)	الأشباہ والنظائر	زین الدین بن ابراہیم بن محمد، ابن نجیم المصری	۹۷۰ھ
(۳۱۳)	غمز عیون البصائر فی شرح الاشباہ والنظائر	احمد بن محمد المکی ابوالعباس شہاب الدین الحسینی الحموی الحنفی	۱۰۹۸ھ
(۳۱۴)	نور الانوار فی شرح المنار	ملاجیون حنفی، احمد بن ابوسعید	۱۱۳۰ھ
(۳۱۵)	شرح عقود رسم المفتی	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۳۱۶)	عمدۃ الفقہ	سید زوار حسین شاہ	۱۴۰۰ھ
	﴿تزکیہ واحسان﴾		
(۳۱۷)	ادب الدنیا والدین	ابوالحسن علی بن محمد بن محمد بن حبیب البصری البغدادی الماوردی	۴۵۰ھ
(۳۱۸)	احیاء علوم الدین	ابوحامد محمد بن محمد الغزالی الطوسی	۵۰۵ھ
(۳۱۹)	غنیۃ لطالبین	قطب ربانی محبوب سبحانی عبدالقادر بن أبی صالح الجیلی	۵۶۱ھ
(۳۲۰)	الترغیب والترہیب	ابومحمد زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری الشامی الشافعی	۶۵۶ھ
(۳۲۱)	الکبائر	شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان بن قائماز ذہبی	۷۴۸ھ
(۳۲۲)	شرح الصدور بشرح حال الموتی	جلال الدین سیوطی	۹۱۱ھ
(۳۲۳)	الزواجر عن اقتراف الکبائر	شہاب الدین شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیثمی السعدی الانصاری	۹۷۴ھ
(۳۲۴)	تکمیل القبور ترجمہ شرح الصدور	--	--

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات

﴿لغات، معاجم، ادب وتاریخ، طبقات وتراجم﴾

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۳۲۵)	الطبقات الکبریٰ لابن سعد	ابوعبداللہ محمد بن سعد بن منیع الہاشمی البصری البغدادی	۲۳۰ھ
(۳۲۶)	المتفق والمفترق	ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی	۴۶۳ھ
(۳۲۷)	النہایۃ فی غریب الحدیث والأثر	مجد الدین ابوالسعادات المبارک بن محمد بن محمد بن محمد بن عبدالکریم الشیبانی الجزری	۶۰۶
(۳۲۸)	مجمع البحار فی لغۃ الاحادیث والآثار	علامہ محمد طاہر بن علی صدیقی پٹنی	۹۸۶ھ
(۳۲۹)	کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم	محمد بن علی ابن القاضی محمد حامد بن محمّد صابر الفاروقی الحنفی التہانوی	۱۱۵۸ھ
(۳۳۰)	نوراللغات	مولوی نورالحسن نیر	۱۳۵۵ھ
(۳۳۱)	التعریفات الفقھیۃ	محمد عمیم الاحسان المجددی البرکتی	۱۳۹۵ھ
(۳۳۲)	غیاث اللغات	مولوی غیاث الدینؒ	--
(۳۳۳)	فیروزاللغات	الحاج مولوی فیروزالدینؒ	--

﴿متفرفات﴾

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۳۳۴)	ھدایۃ السالک إلی المذاھب الأربعۃ فی المناسک	عزالدین ابوعمر عبدالعزیز بن قاضی القضاۃ بدرالدین محمد ابراہیم بن سعداللہ بن جماعۃ الکنانی	۷۶۷ھ
(۳۳۵)	ماثبت من السنۃ	شیخ ابوالمجد عبدالحق بن سیف الدین دہلوی بخاری	۱۰۵۲ھ
(۳۳۶)	کتاب آداب الصالحین	شیخ ابوالمجد عبدالحق بن سیف الدین دہلوی بخاری	۱۰۵۲ھ
(۳۳۷)	حجۃ اللہ البالغۃ	شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم ابوعبدالعزیز وابوعبداللہ	۱۱۷۶ھ
(۳۳۸)	دین کی باتیں	حضرت مولانا اشرف علی تھانوی	۱۳۶۲ھ
(۳۳۹)	نہج النجاۃ، علامہ ابن حمزہ نقیب	--	--
(۳۴۰)	عدۃ ارباب الفتویٰ مصری	--	--

نوٹ: ''فتاویٰ علماء ہند، جلد-۱۳'' کے متن وحاشیہ میں ان کتابوں سے استفادہ ہوا ہے اور متعلقہ جگہ طباعت کی تفصیلات درج ہیں۔ (انیس الرحمٰن قاسمی/محمد اسامہ ندوی)